العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ

فتاویٰ رضویہ

٢٠

امام اہلسنّت مجدّدِ دین و ملت اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا خان قادری رضی اللہ تعالٰی عنہ

رضا فاؤنڈیشن

لاہور، پاکستان

Contents

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنۡ یُّرِدِ اللهُ بِہٖ خَیۡرًا یُّفَقِّهۡهُ فِی الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الۡفَتَاوی الرِّضۡوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۰

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ـــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ـــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاہور۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد ۲۰
تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
تخریج و تصحیح ________ مولانا نظیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ
باہتمام وسرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات ________ ۶۳۲
اشاعت ________ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ / مئی ۲۰۰۱ء
مطبع ________
ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ________

ملنے کے پتے

* مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ! اعلٰیحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضاخاں بریلوی رحمۃاللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عہد حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پرلانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ١٩٨٨ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہاہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکاہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ" کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کاآغاز شعبان المعظم ١٤١٠ھ/مارچ ١٩٩٠ء میں ہوا تھا، اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً گیارہ سال کے مختصر عرصہ میں بیسویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سے قبل کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر، کتاب السیر، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء والدعاوی، کتاب الوکالہ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربہ، کتاب الامانات، کتاب العاریہ، کتاب الہبہ، کتاب الاجارہ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر اور کتاب الغصب پر مشتمل انیس ١٩ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ___ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ___ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ___ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ___ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ___ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ___ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ___ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ___ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ___ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ___ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ___ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ___ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ___ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ___ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ ___ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ ___ ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰ ___ فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱ ___ جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲

بیسویں جلد:

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد، ہشتم مطبوعہ المجدد احمد رضا اکیڈمی کراچی کے صفحہ ۲۵۶ سے آخر تک ۳۳۴ سوالوں کے جوابات اور ۵۹۸ صفحات پر مشتمل ہے، اس جلد میں شامل دو رسالوں "**ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ**" اور "**الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ**" کا انتہائی نفیس و سلیس اردو ترجمہ محقق جلیل بحر العلوم حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کے قلم گوہر بار کا ثمر ہے، حضرت قبلہ مفتی صاحب اہل سنت وجماعت کے لئے عظیم سرمایہ اور اللہ تعالٰی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ فتاوٰی رضویہ قدیم وجدید کی اشاعت کے سلسلہ میں آپ کی مساعی جمیلہ ناقابل فراموش ہیں۔ اس عظیم فتاوٰی کو سمجھنے کے لئے آپ کی نہایت عمدہ تقدیمات و تحریرات اور پر مغز تبصرے بہت حد تک مفید ومعاون ثابت ہوئے ہیں۔ اس عظیم الشان علمی وفقہی شاہکار کو منظر عام پر لانے میں آپ نے مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آپ کی شبانہ روز محنت، دردِ مسلک اور انتھک کوششوں کے باعث فتاوٰی رضویہ کا خاصا حصہ ضائع ہونے سے بچ گیا لہٰذا مفتی صاحب تمام اہلسنت وجماعت کے محسن اور شکریہ کے مستحق ہیں رضا فاؤنڈیشن کے تمام ارکان مفتی صاحب کے تحقیقی، تبلیغی اور اشاعتی کارناموں پر انہیں دل کی گہرائیوں سے بھرپور انداز میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں، مذکورہ بالا دونوں رسالوں کا ترجمہ اگرچہ مکمل طور پر لفظی نہیں ہے تاہم منشاء مصنف علیہ الرحمہ کی کامل وضاحت کرتا ہے جیسا کہ خود مترجم موصوف رقمطراز ہیں کہ "یہ نہ بالکل ترجمہ ہے، نہ خلاصہ، نہ شرح، حسب ضرورت کہیں اختصار، کہیں تفصیل اور کہیں مساوات سے کام لیا ہے، منشاء صرف یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ کے کلام کی پوری ترجمانی عام فہم انداز میں کر دی جائے، جلد ہشتم قدیم میں مذکورہ بالا دو رسالوں کے علاوہ اس جلد کی باقی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے، اس سے قبل گیارہویں، بارہویں، تیرہویں، سولہویں، سترہویں، اٹھارہویں اور انیسویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں، پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الشفعۃ، کتاب القسمۃ، کتاب المزارعۃ، کتاب الذبائح، کتاب الصید، کتاب الاضحیۃ اور **باب العقیقہ** کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے، تاہم متعدد ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کردی گئی ہے، انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل تین رسالے بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) سبل الاصفیاء فی حکم الذبح للاولیاء (۱۳۱۲ھ)

تکبیر کہہ کر بزرگوں کے نام پر ذبح کئے جانے والے جانوروں کا حکم

(۲) ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ (۱۳۱۴ھ)

بھیڑ کی قربانی کے جائز ہونے کا اثبات

(۳) الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ (۱۳۰۷ھ)

چرمہائے قربانی کے مصارف کی تحقیق

یادرہے کہ رسالہ "انفس الفکر فی قربان البقر" اور اس کے متصل بعد ہندوستان میں گاؤکشی سے متعلق نو مسائل جو کہ فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ہشتم میں شامل تھے چونکہ کتاب السیر سے زیادہ مطابقت رکھتے تھے اس لئے وہ کتاب السیر پر مشتمل جلد چہاردہم جدید کا حصہ بن چکے ہیں اس لئے وہ اس جلد میں شامل نہیں ہیں۔

صفر المظفر ۱۴۲۲ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی

مئی ۲۰۰۱ء — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

فہرست مضامین مفصّل

ہبہ بالعوض ابتداء اور انتہاہر طرح بیع ہے۔	۹۹	ایک مکان کی راہ دوسرے میں یا دونوں کی کسی کوچہ سربستہ میں یا دونوں کی آبچکوں میں کوئی اشتراک نہ ہو تو ایک کو دوسرے سے خلیط کا علاقہ نہیں، بلکہ جار ملاصق کا علاقہ ہے۔	۱۰۳
اگر مکان کو ہبہ بشرط العوض کیا ہو تو قبضہ کے بغیر شفعہ لاگو نہ ہوگا۔	۹۹	شرح نقایہ اور در مختار سے مسئلہ کا جزئیہ	۱۰۳
مجرد ہبہ میں شفعہ نہیں ہوسکتا۔	۹۹	تقسیم وحدود اور تفریق طرق کے بعد حق شفعہ نہیں۔	۱۰۳
ہبہ مشروط بالعوض ابتداء ہبہ بعد قبضہ بیع ہے۔	۹۹	بخاری سے اس مضمون کی حدیث اور عالمگیری سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۰۳
بکر کو اطلاع ہوئی کہ زید نے ایسی زمین خریدی جس میں اس کو حق شفعہ حاصل ہے۔ اس نے فوراً اسی زمین پر جاکر زید سے شفعہ طلب کیا، ایک مہینہ کے بعد کہا کہ روپیہ لے لو زید نے اس زمین کو کسی کو ہبہ کیا تب بھی بکر نے طلب شفعہ کیا، کیا حکم شرعی ہے۔	۱۰۰	یہی سوال دوبارہ شفیع خلیط کی طرف سے اور اس کا دوبارہ جواب۔	۱۰۴
شفعہ کی صحت کے لئے طلب شفعہ وطلب مواثبت دونوں ضروری ہیں، صورت مسئولہ میں اگر دونوں طلبیں بوجہ صحت متحقق ہوچکی ہوں تو شفعہ ثابت ہے۔	۱۰۰	شفیع خلیط کی تعریف اور اس کے احکام،	۱۰۵
خود مشتری کے شفیع ہونے سے دوسرے کا حق شفعہ باطل نہ ہوگا، زمین دونوں میں نصف نصف تقسیم کردی جائیگی	۱۰۱	کسی کے ہاتھ میں زمین بیچی اور شفیع کی طرف کی ایک ہاتھ زمین نہ بیچی، تو اب شفیع کو اس زمین کے شفعہ کا حق نہیں کہ اتصال نہ رہا۔	۱۰۶
روپیہ کو بطور طلب شفعہ پیش کرنے میں شفعہ باطل نہ ہوگا، اگر اس طرح سے کہا ہو کہ زمین کی قیمت لے لو اور اس کو میرے ہاتھ بیع کردو۔ تو البتہ شفعہ باطل ہوجائیگا۔	۱۰۱	بعد میں وہ ایک ہاتھ زمین مشتری کے ہاتھ بیچی یا اس کو ہبہ کی تو اس میں بھی پڑوسی کو حق شفعہ نہیں کہ اب مشتری خلیط ہوگیا۔	۱۰۶
جب حق شفعہ ثابت ہوگیا تو مشتری کے اس زمین کے ہبہ کرنے سے حق شفعہ ساقط نہ ہوگا۔	۱۰۲	حق شفعہ میں شریک خلیط پر اور خلیط جار پر مقدم ہے۔	۱۰۷
شفیع خلیط اور جار ملاصق کا "سوال"۔	۱۰۲	عملہ کی بیع ہوئی تو اس میں شفعہ نہیں، اور زمین کے ساتھ بیع ہو تو زمین میں شفعہ اصلاً جاری ہوگا اور عملہ تبعاً۔	۱۰۷

شفیع کے ہاتھ مکان نہ بیچ کر غیر شفیع کو دینا جبکہ شفیع کو مکان کی سخت ضرورت ہے اور اس وعدہ پر کہ اس کو مکان دیا جائے گا بیع سے قبل بطور کرایہ دار شفیع کا قبضہ بھی کرادیا۔	۱۷۲	اور چندہ کرکے متولی کو دیا اور اس نے بلاضرورت زائد قیمت دی تو زیادت فاحش پر متولی گنہگار ہوگا اور مسجد کے نقصان کا متولی کو تاوان دینا پڑے گا۔	۱۷۳
مکان خریدنے والے اجنبی نے مکان مسجد کے لئے خریدا ہے کیونکہ ایک تیسرے آدمی نے ایذائے شفیع کے لئے کہا کہ وہ مکان مسجد پر لے لیا جائے تو میں اپنا مکان مسجد کو دے دوں گا۔ اب ارادہ ہے کہ مکان بہت زائد قیمت پر شفیع کے ہاتھ بیچا جائے، حالانکہ مسجد کو ضرورت مکان کی نہیں، مسجد مقروض ہے اور اس کے دیگر ضروری امور کا انتظام نہیں۔ "سوال"	۱۷۲	بیع کے پہلے خریداری سے انکار سے حق شفعہ باطل نہیں ہوتا۔	۱۷۴
قبل بیع شفیع کا کوئی حق نہیں، مکان کا اس کے پاس کرایہ ہونا، اس کا اس کے خریدنے کا اعلان کرنا، اس کا ضرورتمند ہونا، یا اس کا کسی حصہ دار سے معاہدہ ہوجانا کہ تجھے دوں گا، اسے کوئی ترجیح نہیں دے سکتا۔	۱۷۳	بعد بیع طلب مواثبت اور طلب اشہاد میں تاخیر سے حق شفعہ باطل ہوجاتا ہے۔	۱۸۴
بیع کی خبر پاتے ہی طلب مواثبت اور طلب اشہاد بجالایا تو اسی دام پر جس پر بکا شفعہ حاصل کرسکتا ہے۔	۱۷۳	**کتاب القسمۃ**	
اس سے زائد قیمت مانگتے ہیں، اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ طلب بجالائے بغیر اس مکان کی خریداری پر تیار ہوگیا تو اس کا شفعہ باطل ہوگیا، ایسی صورت میں اس کو مکان نہ دینا ظلم نہیں۔	۱۷۳	کل جائداد صرف چند ورثہ میں تقسیم کرنے کا "سوال"	۱۷۵
بقیہ باتیں جو سوال میں ذکر ہوئیں زائد ہیں اس کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، مسجد نے مکان کی قیمت زائد دی، اس کی دو صورت ہے، لوگوں نے چندہ سے مکان کا دام ادا کرکے مسجد کو دے دیا، جب تو کوئی گناہ نہ ہوا کہ اصل سے زائد قیمت دینا گناہ نہیں۔	۱۷۳	ایسی تقسیم باطل ہے۔ پنچ کا فیصلہ صرف انھیں لوگوں کے حق میں نافذ ہوگا جنھوں نے انھیں بنایا، دوسروں کے حق میں انھیں تصرف کا اختیار نہیں۔	۱۷۵
		قاضی نے اگر ایسا فیصلہ اس گواہی کے بعد کیا کہ مزید کوئی وارث نہیں، تو وارث ظاہر ہونے کے بعد تقسیم توڑ دی جائے گی۔	۱۷۶

صورت بالا میں جب کا شتکار اول دوسرے کے لئے دستبردار ہوچکا اور زمیندار نے دوسرے کو قبول کرلیا تو اب یہی مستاجر ہوگیا، اور خراج جو زمیندار آئندہ لے گا اس کو ادا کرنا ہوگا۔	۲۰۳	موروثیت کے دباؤ سے جو زمین نہ چھوڑے پیداوار اس کے لئے ناجائز ہے یا تو زمین کے مالک کو دے یہ افضل ہے یا فقراء کو دے۔	۲۰۵
اور اگر کاشتکار دوم زمین کا مستقل مالک سمجھا جائے تو زمین کی یہ بیع فضولی ہوگی اور نذرانہ زمین کی قیمت پر اضافہ اور زمیندار کی اجازت سے قیمت کاشتکار اول کی اور نذرانہ زمیندار کے لئے جائز ہوگا مگر زمیندار کا آئندہ اس سے خراج وصول کرنا ناجائز ہوگا۔	۲۰۳	مالگذاری نہ دینے کاشت کار کے زمین میں درخت لگانے اس کی قیمت میں سے زمیندار کے چوتھائی وصول کرنے زمیندار کی غیر آباد زمین کے آباد کرنے اور غلط ناپ کی وجہ سے دوسرے کی جو زمین اس کے حصہ میں آگئی اس سے فائدہ اٹھانے کا "سوال"	۲۰۶
بٹائی کے کھیت میں اندازہ سے پیداوار مقرر کرنا باطل ہے۔ مسئلہ کی تفصیل اور مختلف صورتوں کا حکم اور ہدایہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۲۰۳	مقرر مالگزاری کا ادانہ کرنا ظلم وگناہ ہے۔	۲۰۶
ہندو کاشت کار سے ایسے معاملہ کا حکم جدا ہے۔	۲۰۴	مالک زمین کا اس درخت میں کوئی حق نہیں اس کا مانگنا ظلم ہے۔	۲۰۶
دوامی پٹہ، شکمی کاشتکار اور ۱۲ سال کے بعد حق استقرار سے "سوال"	۲۰۴	اپنی رعایا کو سال بھر کا بلاسودی قرض اس طور پر دینا کہ سال بھر کے لگان میں تم کو اتنا زائد دینا ہوگا، یا قرضدار سے پچھلا بقایا وصول کرکے یہ کہنا مزید اتنا سلم کے دے اور زائد رقم حساب فہمی کے وقت حساب میں دکھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟	۲۰۶
دوامی پٹہ کوئی عقد لازم نہیں، سال تمام پر عقد ختم ہوجاتا ہے۔	۲۰۵	مطالبہ وصول کرکے بیع سلم کے نام پر اس روپیہ کو وصول کرنا اور اسے سیر بھر گیہوں دینا کہ ہمارے یہاں یہی بھاؤ ہے جائز ہے یا نہیں؟	۲۰۷
قانونی حق استقرار شریعت کے نزدیک کچھ نہیں۔	۲۰۵	یہاں کے غیر مسلموں کو اس شرط پر قرض دینا جائز ہے اور مسلمانوں کو ناجائز۔	۲۰۷
شکمی کاشتکار بناسکتا ہے مگر مقررہ لگان سے زائد لینا جائز نہیں۔	۲۰۵	یہاں کے غیر مسلموں سے اگر معاہدہ کاشتکاری کے وقت ہی اس طرح معاملہ کیا جائے کہ سال بسال اتنی لگان اور اگر کسی سال باقی پڑ گئی تو اس سال کی اتنی زائد تو جائز ہے اور معاہدہ کے بعد اضافہ کیا تو حرام۔	۲۰۸
زائد لینے کی ترکیبیں۔	۲۰۵		

اگر بکرا مسلمان کا تھا اور اس نے بنوایا اور وہ اپنا ناپاک پیشہ بھی کرتا ہے۔ تو اگر خوب اچھی طرح اس نے صفائی نہ کرلی ہو تو یہ سخت بے احتیاطی ہے۔	۳۰۹	ایضا گھوڑے کے گوشت اور دودھ کے بارے میں علماء میں سخت اختلاف ہے گوشت میں احتیاط قول امام میں ہے۔ جس قول میں دودھ کو حلال کہا اس میں وجہ فرق یہ ہے کہ گوشت کے حرمت کی وجہ تقلیل آلہ جہاد ہے۔ اور دودھ میں یہ وجہ نہیں پائی جاتی۔	۳۱۱
اور اگر صفائی کرلی ہو تو دیکھا جائے گا کہ لوگ وہاں اس کے چھوئے ہوئے کو کھانے سے پرہیز کرتے ہیں یا نہیں۔ پرہیز کرتے ہیں تو بنوانے والے نے بے پروائی کی اور مصلحت دینی کے خلاف کیا اور نافرمانی کے مرتکب ہوئے۔	۳۰۹	گدھا، خچر اور گھوڑے کے گوشت سے "سوال"	۳۱۲
یہ سارا حکم اس وقت ہے کہ ذبح کے وقت سے بناکے دوران اور مسلمان کے ہاتھ میں آنے تک برابر مسلمان کی نگاہ میں رہا۔	۳۰۹	گدھا حرام ہے۔ یونہی وہ خچر جو گدھی سے پیدا ہوا، گھوڑا امام اعظم کے مذہب میں مکروہ تحریمی ہے۔ یونہی وہ خچر جس کی ماں گھوڑی ہو۔	۳۱۲
تھوڑی دیر کے لئے غائب ہوا تو حرام۔	۳۰۹	حرمت خر کی حدیث	۳۱۲
گھوڑے کا گوشت صاحبین کے نزدیک حلال ہے اور امام صاحب مکروہ فرماتے ہیں۔ کراہت تحریمی ہے۔	۳۱۰	الو کی حلت وحرمت سے سوال اور عالمگیری، طحطاوی، شامی، میزان، اور حیواۃ الحیوان کا حوالہ کہ شافعیہ کے نزدیک حرام اور حنفیّہ کے یہاں حلال ہے مگر عالمگیری میں یہ قول لفظ قیل کے ساتھ بیان کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔	۳۱۲
قاضی خاں نے اس کی تصحیح کی وہ فقیہ النفس ہیں فتوٰی انھیں کی تصحیح پر ہوگا۔	۳۱۰	لحیوۃ الحیوان کا حوالہ غلط ہے اس میں حنفیّہ کی طرف حلت کی نسبت نہیں، البتہ شافعیہ کے دو قول ہیں۔	۳۱۴
قہستانی نے اس کی تصحیح کی، اور خلاصہ، ہدایہ، محیط، مغنی سے قاضی خان نے نقل کی اسی پر متون ہیں جن کی وضع نقل مذہب کے لئے ہوئی اور جن پر فتوٰی ہوتا ہے۔	۳۱۰	ان تین کتابوں کے علاوہ تمام کتب فقہ اور احادیث میں پنجہ اور کیلہ والے شکاری جانور کو حرام قرار دیا ہے۔ عالمگیری، طحطاوی، شامی، میزان شعرانی سے اس موضوع پر نصوص۔	۳۱۴
کفایہ میں اس کے خلاف کو ظاہر الروایہ کہنا یا جمہور کا فتوٰی اس کے خلاف ہونا اس کو مضر نہیں۔	۳۱۱		

اولًا "من" کا لفظ صرف شرح نقایہ میں ہے ثانیا یہ تبعیض کے لئے نہیں کیونکہ اسی عبارت میں "ماکان" کا لفظ ہے جو عموم افراد پر دلالت کرتا ہے۔	۴۲۱	تنبیہ نمبر ۱۹	۴۲۵
یہ ایسا ہے جیسے فلاسفہ نے انسان کی تعریف میں کہا "کل من کان من اھل النطق"	۴۲۱	ضان کو صوف والا نہ مانیں، الیہ کے ساتھ خاص کریں تو غنم کا حصہ ٹوٹ جائیگا، اس لئے ذات الصوف والی تعریف بالمساوی ہے اور ذات الیہ والی بالاخص۔	۴۲۵
مجیب نے اپنی عبارت میں بھی "من" کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔	۴۲۱	تنبیہ نمبر ۲۰	۴۲۵
تنبیہ نمبر ۱۷	۴۲۲	اگر کوئی غنم بے الیہ والی ہو تو امام صاحب کے نزدیک اس کی قربانی جائز ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی کے نزدیک ناجائز۔	۴۲۵
جان کی تعریف میں "من" تبعیضہ ہونیکے دوسرے قرینہ کا جواب۔	۴۲۲	اگر کسی ضان کا الیہ دم کی طرح ہو تو بالاتفاق بین الطرفین قربانی جائز ہے۔	۴۲۶
بکری کی تعریف میں "مالہ شعر" میں بعض مراد لینا اس بات کا قرینہ نہیں کہ ضان کی تعریف میں بھی "من" تبعیضہ ہی ہو کیونکہ اس کا مدار اس پر ہے کہ دو متصل جملوں کا ایک حکم ہے حالانکہ یہ اصول غلط ہے۔	۴۲۲	اجناس، خلاصہ، وجیز، خزانہ، انوار الابرار للاردبیلی شافعی کا حوالہ۔	۴۲۶
معز کی تعریف میں "ماکان ذوات الشعر" کا لفظ مساوی ہی ہے۔	۴۲۳	تو جس کے چکتی نہ ہو وہ بھی ضان ہی رہے گا۔	۴۲۶
اسی بنیاد پر گائے بیل اور بھینس سے اعتراض نہ ہوگا کہ وہ مقسم سے خارج ہے۔	۴۲۳	الیہ کے بغیر ضاں نہ ہو تو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے مذکورہ بالا قول کا مطلب یہ ہوگا کہ جو بکری نہ ہو اس کی قربانی ناجائز یہ مہمل بات ہوگی۔	۴۲۷
تنبیہ نمبر ۱۸	۴۲۳	تنبیہ نمبر ۲۱	۴۲۸
اس تعریف کو عموم پر حمل کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔	۴۲۳	جانور میں اطراف بمنزلہ اوصاف ہیں۔	۴۲۸
جملہ اہل لسان کا یہ فیصلہ ہے کہ صوف ضان کے ساتھ خاص ہے۔	۴۲۴	جانور میں اطراف کے مقابلہ میں کوئی دام نہیں ہوتا۔	۴۲۸
		مشتری کے پاس باندی اندھی ہو گئی تو اس کے بلا اظہار عیب مرابحۃً بیع جائز ہونے سے استشہاد۔	۴۲۸

اس مسئلہ پر بچہ کی رضاعت کے مسئلہ سے شبہ کا جواب۔	۴۴۵	خاص قربانی کی نیت سے جانور خریدا اور ابھی وقت ہے تو اسی کی قربانی کریں، کم قیمت کی بدل کر قربانی کرکے بقیہ دام کا کفارہ نہ دیں کہ یہ جسارت ہے۔	۴۴۸
دوسرے کے جانوروں کو اپنے تصرف میں رکھنا اسے اپنی لڑکی کے جانور سے بدلنا اور بے سینگ کے جانور کی قربانی کا "سوال"	۴۴۶	بہ ضرورت بائیں ہاتھ میں قرآن مجید لے کر تلاوت کرسکتے ہیں۔	۴۴۸
دوسرے کا جانور اپنے تصرف میں رکھنا غصب ہے، اس کو بیٹی کی گائے سے بدلنا حرام۔ اور بدلے ہوئے جانور کی قربانی حرام۔ اس کا ذبح کرنا حرام۔ البتہ لڑکی اپنے جانور کا معاوضہ اگر باپ سے لے لے تو باپ کی طرف سے قربانی ادا ہوجائیگی۔	۴۴۶	دو گائیں مشترکہ خریدی گئیں اور چودہ حصے کئے گئے، دونوں کی الگ الگ شرکت نہ کی گئی تو دونوں مشتریوں کی رضا سے اس میں کچھ حرج نہیں۔	۴۴۸
جانور کی عمر پوری ہو تو قربانی جائز ہے۔ چاہے عمر بھر سینگ نہ نکلے۔	۴۴۶	اس نیت سے گائے خریدنا کہ حصہ دار ملیں گے تو شریک کرینگے جائز ہے۔	۴۴۹
صاحب نصاب قربانی کا جانور کسی مجبوری کی وجہ سے بدلے اور بدلے ہوئے جانور کی قیمت کچھ زائد دینا پڑے تو ایسا کرسکتا ہے اس پر کوئی الزام نہیں، ہاں پہلے خریدے ہوئے جانور کے دام پر کچھ منافع لے تو خیرات کردے۔	۴۴۷	فقراء کے گوشت میں آنت اور اوجھڑی ملادینا بے جا ہے۔	۴۴۹
قربانی کے ایسے جانور سے "سوال" جسے کسی عذر کے سبب وقت پر ذبح نہ کرسکے، اس کے بدلے دوسری کردے۔	۴۴۷	سر، پیر سقی اور حجام کو، ایک پارچہ قصاب کو دینا کیسا ہے۔	۴۴۹
ایسے جانور سے "سوال" جسے قربانی کے لئے متعین کرکے خریدا، یا اس نیت سے کہ پسند آئی تو قربانی کردینگے۔	۴۴۷	عقیقہ و نیاز کا کھانا بھنگی کو دینا برا ہے۔	۴۴۹
قرآن عظیم بائیں ہاتھ میں لے کر تلاوت کریگا "سوال"	۴۴۷	جانور میں کتنوں کی شرکت نقصان دہ ہے۔	۴۴۹
قربانی کے لئے متعین کرکے خریدنے کی صورت میں صاحب نصاب کو جانور بدلنے کا اختیار تو ہے لیکن اس کے بدلے میں اگر اس سے کم قیمت کی قربانی کی تو بقیہ رقم فقیروں کو خیرات کریں۔	۴۴۸	قربانی میں سے فقیروں کو تہائی گوشت دینا مستحب ہے۔	۴۴۹

حدیث من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ کا محمل صحیح۔	۴۷۵	قربانی کی کھال اپنا حق سمجھ کر زبردستی وصول کرنیوالے امام، اس کی مدد کرنے والے عوام، اس کے موافق فیصلہ کرنے والے اور حشر کی باز پرس کا ذمہ لینے والے مولوی سے متعلق "سوال"	۴۸۱
قربانی کی کھال کی عدم تملیک سے متعلق مسلسل تین "سوال و جواب"	۴۷۶	قربانی کی کھال کے جائز مصارف کا بیان۔	۴۸۲
کانجی ہاؤس کے جانور کی قربانی کا "سوال"	۴۷۷	یہ کہنا غلط ہے کہ ایک کھال یا اس کی قیمت دو فقیروں کو نہیں دی جاسکتی۔	۴۸۳
کانجی ہاؤس کی راس خریدنا جائز نہیں اس کی قربانی بھی ناجائز ہے۔	۴۷۷	جو امام جبرا وصول کرنے کو جائز کہے یا جو اس کی مدد کرے دونوں ظالم اور گنہ گار ہیں اور حشر کی باز پرس کو ہلکا سمجھنا کفر ہے۔	۴۸۳
کانجی ہاؤس کی نیلامی بیع فضولی ہے جو مالک کی اجازت پر موقوف رہتی ہے۔	۴۷۷	ایسے امام کو نہ دینے والے کو جس نے بددعا دی وہ خود ہی مستحق عذاب الٰہی ہوا۔	۴۸۳
کچہری کے نیلام کا بھی یہی حکم ہے جبکہ مطالبہ کے برابر نیلام ہوا۔ اگر زائد پر نیلام ہو اور زائد مالک کو دیا اور اس نے لے لیا تو اجازت ہو گئی اور خریدار جانور کا مالک ہو گیا اور قربانی جائز ہو گی۔	۴۷۷	قربانی کی کھال کے مصارف کا "سوال وجواب"	۴۸۳
بلااستحقاق از راہ اعانت صاحب نصاب یا فقراء کو قربانی کی کھال دینا۔ یا سید کو دینا اور اس صرفہ میں لانا۔	۴۷۸	مسئلہ کے متعلق دو صاحبوں کے اختلاف کا منصفانہ فیصلہ۔	۴۸۸
کھال کو بعینہٖ باقی رکھ کر یا باقی رہنے والی چیزوں سے بدل کر اپنے تصرف میں لاسکتا ہے۔	۴۷۸	سینگ کے اوپری حصہ کو قرن کہتے ہیں کل ٹوٹ جائے تب بھی قربانی جائز ہے گودا ٹوٹے تو قربانی منع ہے۔	۴۸۸
قربانی کی کھال سادات کو دے سکتا ہے مالدار کو دے سکتا ہے۔ امام کو بھی دے سکتا ہے	۴۷۸	قربانی کی کھال مسجد ومدرسہ میں صرف کرنے کا "سوال و جواب"	۴۸۸
اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے الصافیۃ الموحیۃ کا حوالہ اور سید کو زکوۃ دینے کے لئے الزھر الباسم کا حوالہ۔	۴۷۸	قربانی کی کھال معلم کی تنخواہ، مدرسہ کی تعمیر اور طلبہ کی کتاب وغیرہ میں صرف کرنے کا "سوال"	۴۹۱
مسئلہ بالا کا "سوال وجواب"	۴۷۹	قربانی کی کھال کے احکام۔	۴۹۱

وہی سوال مکرر۔	۵۰۳	اگر چرم قربانی کی بیع سے تمول مقصود نہ ہو تو اسکی رقم سارے ہی مصارف خیر میں صرف ہو سکتی ہے۔	۵۱۰
چرم قربانی کی رقم کھانا پکواکر محرم میں بھوکوں کو کھلانا بہت خوب اور کار ثواب ہے اور امامین کریمین کو اس کا ایصال ثواب بھی ہو سکتا ہے یہ ان کی نذر ہے۔	۵۰۴	چرم قربانی میں مطلقًا تقرب مقصود ہے خاص تملیک فقیر ضروری نہیں۔	۵۱۰
مصنف کی طرف سے اس امر کی وضاحت کہ میں خود صدقہ و زکوۃ نہیں لیتا، جو احباب ایسی رقم بھیجتے ہیں وہ ان کی رائے کے موافق انھیں مصارف خیر میں خرچ کردی جاتی ہے۔	۵۰۴	چرم قربانی کااستعمال مالدار کو بھی مباح ہے۔	۵۱۰
چرم قربانی کی رقم سے سلطان ترکی کی مدد کا "سوال"	۵۰۵	چرم قربانی میں وہ بیع ممنوع ہے جس کا مقصود تمول ہو۔	۵۱۰
چرم قربانی کی رقم خاص فقراء کا حق نہیں اس وقت سلطان ترکی کی مدد بڑی ضروری ہے اس لئے اس میں دیا جائے۔	۵۰۵	امور خیر کے لئے بیع تمول کے لئے بیع نہیں لہذا جائز ہونا چاہئے۔	۵۱۱
مخلوط تعلیم کے مدرسہ میں چرم قربانی صرف کرنے کا "سوال"	۵۰۶	چرم قربانی کا مصرف نہ تو صرف کار خیر ہے نہ کوئی ایسی بات پیدا ہوئی جس سے تصدق واجب ہو۔	۵۱۱
ایسی تعلیم جس سے دین کا کوئی تعلق نہیں جیسے انگریزی زبان، اس میں چرم قربانی صرف کرنا جائز نہیں، اور ایسی احتیاط ہو کہ وہ رقم صرف دینی مد میں خرچ ہو سکے تو جائز ہے۔	۵۰۶	اپنے لئے بیچا تو تمول ہوا، لہذا اس کا صدقہ واجب ہوا۔	۵۱۱
چرم قربانی سے اس مدارس کی امداد کے ایک طریقہ کا "سوال و جواب"۔	۵۰۷	قربانی کا اصل مقصد خون بہانا ہے تصدق نہیں۔	۵۱۱
○**الصافية الموحية لحكم جلود الاضحية۔**	۵۰۹	جب تک خون نہ بہہ لے اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں۔	۵۱۱
چرم قربانی کی رقم ایسے مصارف خیر میں صرف کرنے کا سوال جہاں تملیک نہیں ہو سکتی۔	۵۰۹	اراقۃ دم کے بعد قربانی سے ہر قسم کا انتفاع جائز ہے۔	۵۱۲

صاحب بصیرت جملہ احادیث متعلقہ کو دیکھ کر فیصلہ کرے گا کہ حدیث تمام انواع قربات کو عام ہے۔	۵۲۱	ایسی بیع میں اکل وادخار مفقود ہے اور اپنی ذات کے لئے ہونے سے ایتجار بھی مفقود ہے۔ بخلاف اس کے جو باقی رہنے والی سے بیچنے میں ادخار پایا جاتا ہے اور کار ثواب کے لئے مستہلک سے بیچنے میں گو اکل وادخار مفقود ہے لیکن ایتجار متحقق ہے تو یہ بیع جائز ہوگی۔	۵۲۶
ہدایہ سے تائید۔	۵۲۲	ایک دوسری تقریر، لفظ بیع کا صحیح اطلاق بیع بالدراہم پر ہے۔ کیونکہ عین سے بیع میں تو دونوں ہی مبیع ہو سکتے ہیں۔	۵۲۷
علامہ اتقانی کے کلام سے تائید۔	۵۲۳	نیز بیع مبادلۃ المال ہے مال جب ہوگا کہ اپنے لئے ہو، اس طرح بھی ایسی بیع ممنوع ہوئی جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔	۵۲۷
حاکم کی روایت من باع جلد الاضحیۃ فلا اضحیۃ لہ کی معنوی تصحیح۔	۵۲۳	بقیہ مستہلک سے بیع کو علماء نے بیع بالدراہم قیاس کرکے منع کیا۔	۵۲۸
یہ حدیث گو سنداً ضعیف ہے مگر علماء نے تلقی بالقبول فرمائی تو حدیث مقبول ہوئی۔	۵۲۴	مولوی عبدالرشید صاحب کی مستدل عبارت ہدایہ کی توضیح کی تائید۔	۵۲۹
اس حدیث میں مطلقاً بیع کی ممانعت نہیں ہو سکتی باتفاق علماء صدقہ کے لئے بیچنا جائز ہے۔ کیونکہ بدل کے لئے مبدل منہ کا حکم ہے۔ جب زکوٰۃ وفطرہ اور کفارہ وغیرہ صدقات واجبہ میں قیمت دینا جائز ہے تو یہ صدقہ نفلی ہے اس میں کیوں جائز نہ ہوگا۔	۵۲۴	علامہ اتقانی کی شرح ہدایہ سے توضیح کی تائید۔	۵۳۲
قربانی اور ہدی کے جانور میں دفع قیمت ناجائز ہونے کی علت کا بیان۔	۵۲۵	اس امر کا بیان کہ میں امور خیر کے لئے چرم قربانی کی بیع کے جواز کا فتوٰی ۱۲۰۵ھ تک دیتا رہا۔	۵۳۳
حدیث کے لفظ فلا اضحیۃ لہ سے خاص بیع ممنوع ہونے پر استدلال۔	۵۲۵	۱۲۰۵ھ کے بعد اس مسئلہ میں علماء دیوبند کی طرف سے خلاف ظاہر ہوا۔	۵۳۳
بیع للتصدق بیع برائے امور خیر اکل، ادخار تو شرعاً مامور ہیں، تو ان پر فلا اضحیہ لہ مرتب نہ ہوگا بلکہ اس سے مراد وہی بیع ہوگی جو مستہلک سے ہو اور اپنی ذات کے لئے ہو۔	۵۲۵	مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے فتوٰی کی عبارت کی تنقید۔	۵۳۵
		ہدایہ اور درمختار کی عبارتوں کی توضیح کہ مطلقاً بیع ممنوع نہیں، بروجہ تمول ممنوع ہے۔	۵۳۶

مولوی رشید احمد صاحب کی تصریح بیع بنیت تمول یا بنیت تصدق سب کا صدقہ واجب ہے۔	۵۳۶	زکوٰۃ اور صدقہ فطر میں اباحۃ کافی نہیں تملیک ضروری ہے۔	۵۴۲
ان دونوں باتوں میں صاف تغایر ہے تو جو ثانی کو اول سے ثابت مانے ایسا ہی ہے کہ کوئی لااعبد ما تعبدون سے ثابت کرے کہ نماز نہ پڑھو۔	۵۳۷	مولوی عبدالحیٰ صاحب کے کلام پر تنقید وہ بھی تصدق جلود اضحیہ کے لئے تملیک ضروری قرار دیتے ہیں۔	۵۴۲
مولوی رشید احمد صاحب کے اس قول کی تردید کہ ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ صدقہ واجب ہے تو اس کو سید اور مدرسہ پر صرف نہیں کرسکتے۔	۵۳۸	تنقید مجمل، تصدق کے لئے تملیک ضروری ہونے سے جمیع کار ثواب کے لئے تملیک لازم ہونا ضروری نہیں۔	۵۴۳
تنقید، اور کہو کہ تمول کے لئے بیع ہو تو صدقہ واجب ہے۔ تو یہ صحیح ہے۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ مطلقاً بیع ہو تو صدقہ واجب ہے تو یہ ان عبارتوں سے ہرگز ثابت نہیں۔	۵۳۸	پوری بات یوں کہنی چاہئے تھی کہ یہاں تصدق کا حکم ہے نہ کہ تقرب کا، اور تصدق کے لئے تملیک ضروری ہے تو استدلال میں صغرٰی کا ایک جزدب گیا اس لئے نتیجہ غلط ہوا۔	۵۴۳
مولوی عبدالرشید صاحب کے اس قول کی تردید کہ صدقہ کے لئے مطلقاً تملیک ضروری ہے چاہے بطور اباحت ہو یا بطور تملیک تام۔	۵۳۹	منشاء غلط کا بیان۔	۵۴۳
علماء نے نص کی کہ اباحت اور تملیک ایک دوسرے کی ضد ہیں۔	۵۳۹	صدقہ کے اطلاقات کا بیان۔	۵۴۳
فقہاء کا ضابطہ کہ اطعام کا لفظ اباحۃ کے لئے ہے اور ایتاء کا تملیک کے لئے	۵۴۰	(۱) تملیک المال من الفقیر، یہ اطلاق زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے لئے خاص ہے اس میں اعارۃ، اباحۃ اور کفارہ داخل نہیں۔	۵۴۳
امام غزالی، امام علائی، صدرالشریعۃ اور علامہ شمس محمد اور شامی کی تصریح کہ تملیک و اباحۃ الگ الگ دو تصرف ہیں۔	۵۴۰	(۲) تملیک الفقیر من المال اس میں تملیک ضروری نہیں، اس میں انتفاع استہلاک تصرف اور اباحت سب جائز ہے۔ اس معنی پر کفارہ بھی صدقات میں شامل ہے۔	۵۴۴
زین ابن نجیم وغیرہ کی تصریح کہ مباح لہ مباح کو بیع کی ملک پر خرچ کرتا ہے اور خرچ کے بعد بیع کی ملک سے نکل جاتی ہے لیکن مباح لہ کی ملک میں داخل نہیں ہوتی۔	۵۴۱		

فہرست ضمنی مسائل

ابوداؤد نے نبیشہ ہذلی کی حدیث کی تخریج۔	۵۱۵	اس حدیث میں مطلقاً بیع کی ممانعت نہیں ہوسکتی بالاتفاق علماء صدقہ کے لئے بیچنا جائز ہے۔ کیونکہ بدل کے لئے مبدل منہ کا حکم ہے۔ جب زکوۃ وفطرہ اور کفارہ وغیرہ صدقات واجبہ میں قیمت دینا جائز ہے تو یہ صدقہ نفلی ہے اس میں کیوں جائز نہ ہوگا۔	۵۲۴
"ایتجار"کالفظ تمام کارثواب کو عام ہے تو سب کے لئے بیچنا جائز ہوا۔	۵۱۶	نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں لفظ "ایتجار" آیا ہے جس کا مطلب تمام امور خیر ہی مراد ہیں۔ اور یہ ہمارے بیان کردہ اطلاقات میں چوتھا ہے۔	۵۵۷
بخاری شریف میں "ایتجروا" کے بجائے لفظ "تصدقوا" آیا ہے۔ تو ایتجار سے مراد تصدق ہی ہے۔	۵۱۶	عمدہ میں بخاری ومسلم کی طرف منسوب حدیث میں لفظ خطام کا اضافہ غلط ہے۔	۵۶۷
بہ اتفاق علماء امر یہاں وجوب کے لئے نہیں، تو صدقہ مراد لینے پر بھی صدقہ نافلہ ہی مراد ہوگا۔	۵۱۶	صحیح بخاری میں بدنہ کے جھول کے تصدق کی حدیث پانچ جگہ مروی ہے اور مسلم میں پانچوں حدیث ایک ہی جگہ مذکور ہیں کسی میں خطام کا لفظ نہیں۔	۵۶۷
ایک معارضہ اگر حدیث نبیشہ میں ایتجار کو تصدق پر محمول کریں تو حدیث عائشہ میں لفظ اطعموا کو بھی تصدق پر ہی محمول کرنا ہوگا کہ اس میں ایتجروا کی جگہ اطعموا آیا ہے۔ حالانکہ بہ اتفاق علماء یہ اطلاق پر ہے اور کھلانے میں اباحت کافی ہے۔	۵۲۰	دونوں کتابوں میں مروی الفاظ حدیث کی تفصیل۔	۵۶۷
صاحب بصیرت جملہ احادیث متعلقہ کو دیکھ کر فیصلہ کرے گا کہ حدیث تمام انواع قربات کو عام ہے۔	۵۲۱	عمدۃ الرعایۃ میں صیغہ امر کے ساتھ روایت بھی تمام روایتوں کے خلاف ہے۔	۵۶۹
حاکم کی روایت من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ کی معنوی تصحیح۔	۵۲۳	امام ابن حجر کی تصریح کہ روایت میں لفظ خطام نہیں ہے۔	۵۷۰
یہ حدیث گوسندا ضعیف ہے مگر علماء نے تلقی بالقبول فرمائی تو حدیث مقبول ہوئی۔	۵۲۴	ہدایہ اور کافی امام نسفی میں البتہ حدیث انھیں الفاظ میں مروی ہے جو عمدہ میں مذکور ہیں۔ تو حافظ ابن حجر کا نہ دیکھنا نہ ہونے پر دلیل نہیں۔	۵۷۰

	ہوگیا،اور خراج جو زمیندار آئندہ لے گا اس کو ادا کرنا ہوگا۔		
۲۰۵	دوامی پٹہ کوئی عقد لازم نہیں،سال تمام پر عقد ختم ہوجاتا ہے۔	۱۸۳	اجارہ کی مدت تمام ہونے کے بعد زمیندار زمین خالی کراسکتا ہے اور اس میں مکان بنایا یا درخت لگایا ہو تو زمین خالی کرے، درخت کاٹ لے اور ملبہ لے جائے۔
۲۰۹	عدم ادائیگی کی صورت میں لگان میں سال بسال اضافہ کی شرط ناجائز اور اس کی وجہ سے اجارہ فاسد ہے۔	۱۸۳	درخت کٹنے اور مکان اکھاڑنے میں زمین کا زیادہ نقصان ہو تو کٹے ہوئے درخت اور اجڑے ہوئے ملبہ کی قیمت کٹائی اور گھر کھدوائی کی مزدوری مہیا کرنے کے بعد ادا کرکے وہ درخت اور ملبہ زمیندار خود لے لے۔
۲۰۹	پندرہ بیگھہ اراضی ہزار روپیہ پر پانچ سال تک اجارہ دینے اور زر اجارہ پیشگی وصول کرنے کا" سوال وجواب "	۱۸۳	سال بسال کا پٹہ ہوتا ہو تو ہر سال کے ختم پر زمیندار کو علیحدہ کرنے کا حق ہے۔
۲۵۵	خانیہ،شامی اور بزازیہ سے مسئلہ کا جزئیہ اور اس امر کی تصریح کہ قربانی کا کوئی حصہ قصاب کی اجرت میں نہ دے۔	۱۸۵	اس امر کی تفصیل کہ ارض مملوکہ میں غرس وبنا پر کب مالک قیمت دے گا اور کب اجیر زمین کی قیمت دے گا،اور مصنف کی ترجیح۔
۳۰۶	ذابح بقر اور قاطع شجر اور شارب خمر اور ذبح کی اجرت اور چڑھاوے کا جانور ذبح کرنیوالے کے بارے میں سوال۔	۲۰۲	منتقلی زمین کے وقت زمیندار کے نذرانہ لینے کا" سوال"
۳۰۷	ذبح اور قطع کی اجرت جائز ہے۔ پیسوں سے اجرت مقرر کرنا جائز اسی جانور بلکہ دوسرے جانور کے گوشت سے اجرت مقرر کرنا منع ہے۔	۲۰۳	ایک کاشتکار کا دوسرے کاشتکار کے ہاتھ زمین بیچنا ناجائز ہے اور زمیندار کا نذرانہ اگر دوسرے کاشت کار سے سال دوران کی اجرت میں اضافہ کے طور پر لیا جاتا تو جائز ہوتا دوسرے کو پہلے کی جگہ قائم کرنے کی رشوت کے طور پر لیا جاتا ہے۔ اس لئے ناجائز ہے۔
۴۴۹	سقے،حجام اور قصاب کا قربانی میں کوئی حق نہیں یوں دے سکتے ہیں،اجرت میں دیا تو حرام ہوا۔		

مشتری کے پاس باندی اندھی ہو گئی تو اس کے بلااظہار عیب مرابحۃً بیع جائز ہونے سے استشہاد۔	۴۲۸	ایک دوسری تقریر، لفظ بیع کا صحیح اطلاق بیع بالدراہم پر ہے۔ کیونکہ عین سے بیع میں تو دونوں ہی مبیع ہو سکتے ہیں۔	۵۲۷
بیع عقد سے تمام ہو گئی اور خریدار مبیع کا مالک ہو گیا۔	۴۵۰	نیز بیع مبادلۃالمال ہے مال جبھی ہوگا کہ اپنے لئے ہو، اس طرح بھی ایسی بیع ممنوع ہوئی جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔	۵۲۷
ادائے ثمن حصول ملک کے لئے شرط نہیں۔	۴۵۰	بقیہ مستہلک سے بیع کو علماء نے بیع بالدراہم قیاس کرکے منع کیا۔	۵۲۸
کانجی ہاؤس کی راس خریدنا جائز نہیں اس کی قربانی بھی ناجائز ہے۔	۴۷۷	**سُود**	
کانجی ہاؤس کی نیلامی بیع فضولی ہے جو مالک کی اجازت پر موقوف رہتی ہے۔	۴۷۷	اپنی رعایا کو سال بھر کا بلاسودی قرض اس طور پر دینا کہ سال بھر کے لگان میں تم کو اتنا زائد دینا ہوگا، یا قرضدار سے پچھلا بقایا وصول کرکے یہ کہنا کہ مزید اتنا سلم کے دے اور زائد رقم حساب فہمی کے وقت حساب میں دکھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟	۲۰۶
کچہری کے نیلام کا بھی یہی حکم ہے جبکہ مطالبہ کے برابر نیلام ہوا۔ اگر زائد پر نیلام ہو اور زائد مالک کو دیا اور اس نے لے لیا تو اجازت ہو گئی اور خریدار جانور کا مالک ہو گیا اور قربانی جائز ہو گی۔	۴۷۷	یہاں کے غیر مسلموں کو اس شرط پر قرض دینا جائز ہے اور مسلمانوں کو ناجائز۔	۲۰۷
چرم قربانی میں وہ بیع ممنوع نہیں جس کا مقصود تمول ہو۔	۵۱۰	یہاں کے غیر مسلموں سے اگر معاہدہ کاشتکاری کے وقت ہی اس طرح معاملہ کیا جائے کہ سال بسال اتنی لگان اور اگر کسی سال باقی پڑ گئی تو اس سال کی اتنی زائد تو جائز ہے اور معاہدہ کے بعد اضافہ کیا تو حرام۔	۲۰۸
امور خیر کے لئے بیع تمول کے لئے بیع نہیں لہذا جائز ہونا چاہئے۔	۵۱۱	ہاں باقی وصول کرنے کے بعد تاخیر کے حرجانہ کے طور پر غیر مسلموں سے کچھ وصول کرلے تو جائز ہے چاہے نام اس کا بیع سلم ہی رکھے۔	۲۰۸

مدرسہ دینیہ کی عمارت میں صرف کرنا جائز۔	۴۹۶	اس اضافہ شدہ لگان کے بدلے مقدمہ کے خرچہ کے نام سے جو ملے لے سکتا ہے۔	۱۹۱
سود حرام ہے۔	۴۹۶	اس کا قاعدہ کلیہ کہ کب خرچہ کے نام سے لے سکتا ہے اور کب نہیں۔	۱۹۲
وقف		باجازت دیگر شرکاء کاشت جائز ہے۔ اور جب تک تصریح نہ ہو کہ لگان نہ لیا جائے گا شرکاء کے حصہ کا بھی لگان دینا واجب ہے۔	۱۹۷
جو عمارت مدرسہ پر وقف کی اس کا کرایہ تعلیم میں صرف کرسکتے ہیں۔	۴۹۶	**شہادت**	
چرم قربانی کی رقم سے دینی کتابیں خرید کر کتب خانہ میں رکھنے کا "سوال وجواب"	۵۰۳	شفیع نے تصریح کردی کہ طلب اشہاد کے وقت ہی مجھے علم ہوا اور اسی وقت طلب کی تو شفیع کو طلب مواثبت کے لئے جداگانہ گواہی کی ضرورت نہیں، اس کا قول ہی حلف کے ساتھ معتبر ہوگا۔	۱۳۰
صلح		اس صورت میں مشتری حصول علم فی الماضی کا مدعی ہے اور شفیع منکر، تو گواہی مشتری کے ذمہ ہے۔	۱۳۰
گوشت کی خریداری میں غلط قسم کی شرط پر صلح ناجائز ہے۔	۲۸۳	جہاں شفیع طلب مواثبت کا زمانہ طلب اشہاد سے پہلے بتاچکا ہو وہاں گواہی ضروری ہے۔	۱۳۶
کسب		مشتریہ دار مشفوع بہاکہ منکر ملکیت، اور تسلیم شفعہ کی مدعی ہے۔ دونوں نے گواہ پیش کئے۔ شرعی حکم کیا ہوگا۔	۱۴۹
قصاب کا پیشہ جائز ہے۔	۲۵۴	دار مشفوعہ بہا کی ملکیت کے گواہوں نے اگر گواہی اس طرح نہ دی ہو کہ دار مشفوع بہا پر ملکیت بیع سے پہلے اور مستمر الی الآن ہے۔ تو یہ گواہی نامقبول اور شفعہ ساقط ہے۔	۱۴۹
لگان		تسلیم شفعہ کے گواہوں کے الفاظ صحیح ہیں، اگر عادل ہوں تو تسلیم شفعہ ثابت اور شفعہ ساقط اس کے مقابلہ میں عدم تسلیم شفعہ کے گواہ نامقبول کہ وہ عدم کے گواہ ہیں۔	۱۵۰
اضافہ لگان پر کاشتکار خموش ہے اور زمین نہ چھوڑے تو شرعاً وہی لگان اس پر لازم ہے۔	۱۸۹	شفیع کے گواہوں پر تنقید۔	۱۵۴
خود ہی لگان کی شرح بڑھ گئی ہوا ور انکار کے باوجود کاشت کار کاشت کرتارہا تو بڑھی ہوئی لگان اس پر لازم ہے۔	۱۹۰		

لُغت		ترجمہ رفیعیہ، ترجمہ فارسی شاہ ولی اللہ، ذخیرہ عقبٰی، صحاح، نفائس، تحفۃ المومنین، منتخب رشیدی وغیرہ سے مضمون بالا کا ثبوت۔	۳۹۸
عرب میں لفظ بوم صرف الو کے لئے ہی موضوع نہیں۔	۳۱۷	بھینس بقر کی ایک نوع ہے اس لئے لفظ بقر اس کو شامل ہے، الحاق کی ضرورت نہیں۔	۴۰۱
رات میں اڑنے والے ہر پرند کو عربی میں بوم کہتے ہیں۔	۳۱۷	اگر کنز کے لفظ "الجاموس کالبقر" سے شبہ ہو تو ایسے ہی ہے جیسے "البخت کالاعراب"	۴۰۲
بوم غیر ذی مخلب پرند کو بھی کہتے ہیں۔	۳۱۷	عرفاً گائے اور بھینس میں فرق ہونے کا بیان۔	۴۰۴
مارماہی کی تشریح اور مختلف زبانوں میں اس کے نام کا بیان۔	۳۲۵	جملہ اہل تفسیر، اہلحدیث، اہل فقہ، اہل لغت کیا عربی کیا عجمی، غنم کی دو نوعیں مانتے ہیں ضان اور معز۔ کفایۃ الراضی، مجمع بحار الانوار، مرقاۃ، شرح الکنز، قاموس، مختار الصحاح، ذخیرۃ العقبٰی، غیاث کی عبارت سے اس کا ثبوت کہ عربی حضرات جس کو معز کہتے ہیں فارسی اسی کو بز اور عربی جس کو ضان کہتے ہیں فارسی میں اس کو میش۔	۴۰۷
سنگھی اردو زبان کا لفظ نہیں اس لئے اس سے لاعلمی۔	۳۳۱	شیخ محقق اور علامہ شامی کے قول سے تائید مزید۔	۴۰۸
گھوڑا، خچر، گدھا بہیمۃ الانعام سے نہیں۔	۳۹۶	علمائے تفسیر وحدیث وفقہ ولغت متفق ہیں کہ ضان اور معز میں صوف اور شعر کا فرق ہے۔	۴۱۱
مصباح سے بہیمۃ الانعام کی تصریح۔	۳۹۶	امام احمد کی روایت کہ وہ ایک حدیث اور مرقاۃ کی اس کی تشریح سے استدلال کہ فرق صرف شعر وصوف کا ہے۔	۴۱۲
شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمہ سے بھیڑ بکری کے ایک جنس ہونے کا ثبوت۔	۳۹۷	امام تفتازانی اور علامہ سید شریف کے قول سے مضمون بالا کی سند حمد ومدح میں ترادف ہے۔	۴۱۴
ایسے موقعہ پر قول فیصل علمائے لغت کی بات ہوتی ہے۔ اور جس کو بھی عربی وفارسی و اردو پر عبور ہو جانتا ہے کہ ہندی زبان میں لفظ بھیڑ وہی ہے جسے فارسی میں میش اور عربی میں ضان کہتے ہیں۔	۳۹۷	اہل لغت کا مشہور قاعدہ ہے کہ نکرہ بول کر شے معین مراد لیتے اور معرفہ بول کر شے معین مراد لیتے ہیں اور معرفہ بول کر غیر معین۔	۴۱۵

جس کو بھیڑ کے بہیمۃ الانعام ہونے میں شبہ ہو وہ بھیڑ کی نوع متعین کرے کہ وہ جانور کی کس قسم میں ہے۔	۳۹۶	تحدید کا مسئلہ نقلی ہے۔ تو امام رازی، صدر الشریعۃ، قاضی عضد الدین بیضاوی، تفتازانی، قطب الدین رازی فتاوٰی وغیرہ اکابر کی مساواۃ کی تصریح کے مقابلہ میں فاضل لاہوری کا قول کیا سند رکھتا ہے۔ وہ بھی ایسی کتاب سے جو علم نحو کی ہو۔	۴۱۸
اب صورت یہی رہ گئی ہے کہ ایک بھیڑ لے کر تینوں ملک میں پھرا جائے، اور ایک ایک سے پوچھا جائے یہ کون جانور ہے۔	۳۹۸	مجیب اول کے اس شبہ کا جواب کہ ضان کی تفسیر میں جن لوگوں نے ذات الصوف کا لفظ استعمال کیا ہے اس کے ساتھ لفظ "من" بھی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ذوات الصوف میں سے بعض ہے۔	۴۲۱
اس بات پر دلیل تنویری کہ مذکورہ بالا طریقہ ہی اس بات کے حل کا آخری ذریعہ ہے۔	۴۰۰	اوّلاً "من" کا لفظ صرف شرح نقایہ میں ہے ثانیاً یہ تبعیض کے لئے نہیں کیونکہ اسی عبارت میں "ماکان" کا لفظ ہے جو عموم افراد پر دلالت کرتا ہے۔	۴۲۱
مجیب اول نے جان بوجھ کر بھینس کو ایک الگ نوع اور بقر کا مقابل قرار دیا۔	۴۰۳	یہ ایسا ہے جیسے فلاسفہ نے انسان کی تعریف میں کہا "کل من کان من اھل النطق"	۴۲۱
اگر لاحق کرنے کی ہی بات ہوتی تب بھینس اور گائے میں غیر معمولی فرق ہے۔ ایک کو دوسرے کے ساتھ لاحق کرنا عقلا جائز ہی نہیں ہوتا۔	۴۰۳	مجیب نے اپنی عبارت میں بھی "من" کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔	۴۲۱
مجیب کی تدقیق کا مدار اس پر ہے کہ فرق کی بنیاد چکنی ہونے اور نہ ہونے پر ہے۔	۴۰۹	ضان کو صوف والا نہ مانیں، الیہ کے ساتھ خاص کریں تو غنم کا حصہ ٹوٹ جائیگا، اس لئے ذات الصوف والی تعریف بالمساوی ہے اور ذات الیہ والی بالاخص۔	۴۲۵
اگر اس کو بنیادی فرق مانا جائے تو غنم کی دو کے بجائے تین نوعیں ہونگی۔	۴۱۰	تذییل، مجیب اول کی پیش کردہ تین عبارتوں میں ذات الیہ والی تعریف نہیں۔	۴۳۳
علماء جس کو غیر جید بتارہے ہیں ان کی عبارتوں کو ان پر حمل کرنا عمدہ بات نہیں۔	۴۱۴	مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی کے فتوٰی کا بیان اور ان کے اور مجیب اول کے قول میں فرق کا بیان۔	۴۳۴
خود بھیڑ کی قربانی کے مسئلہ میں اسی مجیب نے سارے عوم کو اسی تفسیر عام کی بنیاد پر گمراہ بتادیا۔	۴۱۷		

اس کے عمل کی فنی تفصیل حاشیہ میں۔	۵۷۶	عمدۃ القاری، مجمع بحار الانوار، تاج العروس، حیاۃ الحیوان سے ایسی روایتوں کی تخریج جس میں جریث اور مارماہی کو ایک لکھا ہے۔	۳۲۹
حیوٰۃ الحیوان		مصنف کی تحقیق کہ فقہاء کے نزدیک یہ دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں۔	۳۳۰
الو کے پنجے والے شکاری جانور ہونے میں شبہ نہیں۔	۳۱۵	مغرب، ایضاح، حاشیہ الکشمری، در مختار، عمدہ، فتح اللہ المعین، حاشیہ کنزالازہری طحطاوی اور شامی سے دونوں کے علیحدہ ہونے کی شہادت۔	۳۳۰
اس بات کی عینی شہادتوں کا بیان۔	۳۱۵	کتب طب وعلم الحیوان میں جھینگے کو بالاتفاق مچھلی کہا گیا۔	۳۳۶
عجائب المخلوقات مرأت الاصطلاحات اور امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے شعر سے الو کے شکاری جانور ہونے کا ثبوت۔	۳۱۶	قاموس، صحاح، تاج العروس، صراح، منتہی الارب، مخزن، تحفہ، تذکرہ داؤد انطاکی کے نصوص۔	۳۳۶
چمگادڑ شکاری جانور نہیں۔	۳۱۸	حیاۃ الحیوان، جامع ابن بیطار، انوار الاسرار سے منصوص بالا کے نصوص۔	۳۳۷
عجب وغریب سمندری جانور اور جریث اور سنگی کی تشریح سے "سوال"	۳۲۳	گائے اور بھینس کے اعضاء میں بھی فرق کا بیان۔	۴۰۴
مذکورہ بالا مچھلی اگر ہو تو ایسی نادر ہے کہ عوام کے علم سے باہر ہے۔ یہ مچھلی جریث نہیں ہوسکتی۔	۳۲۴	ہندی بھیڑ عربی مینڈھے کے ساتھ ملحق ہونے کی بھینس سے بھی زیادہ مستحق ہے۔	۴۰۴
جریث کے بارے میں مبسوط کی ایک روایت کہ یہ کثیر الوجود مچھلی ہے۔	۳۲۴	بھیڑ اور دنبہ کے تشابہ کا بیان۔	۴۰۵
علامہ قزوینی نے جریث کو مارماہی کہا، اور بعضوں نے اس کو جریث کہا ہے۔	۳۲۴	بھیڑ اور دنبے میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایک کی دم چوڑی اور دوسرے کی گول ہوتی ہے۔	۴۰۵
انھوں نے اس نادر مچھلی کو عجائب بحر فارس اور جریث کو عجائب بحر ہند لکھا ہے۔	۳۲۵	جانوروں بلکہ آدمیوں کے بعض اعضاء میں باہم اختلاف ہوتا ہے۔	۴۴۱
ارشاد الساری مجمع بحار الانوار، قاموس تاج العروس، عجائب قزوینی اور ملتقی الابحر سے مارماہی کی تعیین۔	۳۲۵	دو۲ کوہان والے اونٹوں کا بیان۔	۴۴۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الشفعۃ

(شفعہ کا بیان)

مسئلہ ۱: ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندو ایک قطعہ زمین کا مالک تھا، اپنے کارندے کی معرفت سب اہل محلّہ پر ارادہ بیع کا اعلان کرتا رہا، کسی نے خواہش خریداری نہ کی، بکر مسلمان نے جو بذریعہ فیصلہ ثالثی ایک قطعہ زمین ملحقہ قطعہ مذکورہ کا قبل بیع مالک ہو چکا تھا، اسے خریدا، اور یہ قطعہ بکر قطعہ خالد کا جزء تھا کہ اب تقسیم ہو گئی ہے۔ اور قطعہ خالد کہ وہ بھی مسلمان ہے قطعہ زید کی پشت پر واقع ہے۔ مگر اس کی راہ قطعہ زید کی راہ سے بالکل جدا ہے اور قطعہ زید قطعہ بکر دونوں کے راہ ایک کوچہ سربستہ میں ہے، تکمیل بیع سے چھ دن بعد خالد نے بکر مشتری سے کہا یہ زمین میرے ہاتھ بیچ ڈال ورنہ میں بذریعہ شفعہ لے لوں گا۔ بکر نے کہا میں خود شفیع تھا، میرے سامنے تیرا شفعہ نہیں خالد ڈیڑھ مہینے تک خاموش رہا اور روپیہ پیش نہ کیا، بلکہ کہا تمھیں مبارک ہو، بعدہ روپیہ پیش کیا اور آمادہ خریداری ہوا، اس صورت میں خالد شفیع ہے یا نہیں؟ اور اس کا حق شفعہ ساقط ہو ا یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں خالد کو ہر گز استحقاق شفعہ نہیں۔

اوّلاً: وہ جار ملاصق ہے۔ اور بکر شریک فی حق المبیع۔ درمختار میں ہے:

لو کان المشتری شریکا وللدار جارفلا شفعة للجار مع وجودہ[1] اھملخصا۔	اگر مشتری مکان میں خود شریک ہو تو اس کی موجودگی میں پڑوسی کو اس مکان میں شفعہ کا حق نہیں ہے اھ ملخصا۔(ت)

عقودالدریہ میں ہے:

لوکان الثالث جارا فقط فلاشفعه له لان المشتری خلیط،فیقدم علی الجار[2]۔	اگر تیسرا آدمی صرف پڑوسی ہو تو اس کو شفعہ کا حق نہیں ہے کیونکہ مشتری خود شریک ہے لہٰذا وہ پڑسی پر مقدم ہے۔(ت)

ثانیًا: اگر شفیع ہوتا بھی تو اس کا مشتری سے طالب بیع ہونا خود ہی اسقاط شفعہ کے لئے بس ہے۔ درمختار میں ہے:

یبطلھا ان استاجرہا اوساومھا بیعا اواجارۃ ملتقی" او طلب منه ان یولیه عقد الشراء[3]۔	مبیع کو اجارہ پر مانگا۔ یا اجارہ یا بیع کے طور پر بھاؤ لگایا تو اس کا حق شفعہ باطل ہوجائے گا۔ملتقی یا مشتری سے شراء کا متولی ہونا چاہا۔(ت)

منح الغفار میں ہے:

لان بالاقدام علی الشراء من المشتری اعرض عن الطلب وبه تبطل الشفعة انتھی[4]۔ **اقول:** ومن ھٰھنا علم جھل بعض من یدعی عــــه العلم۔ حیث قال فی جواب ھذاالسوال معللا لانعدام شفعة	کیونکہ اس کا مشتری سے خریدنے کا اقدام شفعہ کے طلب سے اعراض ہے جبکہ اس اعراض سے شفعہ باطل ہوجاتا ہے انتھی(ت)

عــــه: وھو امیر احمد سہسوانی ۱۲۔

[1] درمختار کتاب الشفعة باب ماتثبت ہی فیه اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۵

[2] العقود الدریة کتاب الشفعة ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۱۸۱

[3] درمختار کتاب الشفعة باب یبطل الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۵

[4] ردالمحتار بحوالہ منح الغفار کتاب الشفعة باب مایبطلھا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۵۲

خالد ان خالدا اعرض عن الاشتراء من المشتری هذه المدة فلایفید عرض الثمن بعد ذٰلك اھ بالتعریب، فانظر کیف جعل المسقط مثبتا، و الاعراض عن المسقط مسقطا۔ ومن جهله ایضا التعلیل بعدم طلب المواثبة، فانه لاذکر له فی السوال، فمن این لك انه لم یواثب ومن جهله ایضا التعلیل الثالث بان قطعة بکر لما کانت جزء من قطعة خالد، فالبکر شفیع بنفسه، لان الرجل فی امثال الصورة یکون شفیعا بدون القبض فکیف والبکر قابض، قال فی الهندیة ولوا شتری دار اولم یقبضها حتی بیعت داراخری بجنبها، فله الشفعة کذا فی محیط السرخسی [1]، فثبت انه لا شفعة لخالد مع بکر اھ معربا۔ **اقول:** کون قطعة بکر جزء من قطعة خالد، ان جعله شفیعا فلقطعة خالد لا لقطعة زید، وانما الکلام فی قطعة زید، وایضا شفعة بکر مبتنیة علی کونه شریکا لقطعة زید فی الطریق حق، لو لم یکن هناك خالد ولاارضه لکان بکر شفیعا ایضا، فقد اخطاء من وجهین، اهمال المبنی الحقیقی والبناء علی امر اجنبی وایضا کیف ینفی

ہوئے کہا کہ خالد نے اس مدت میں مشتری سے خریدنے سے اعراض کیا لہٰذا اس کے بعد خالد کا ثمن کی پیشکش کرنا مفید نہ ہوگا اھ عربی کے ساتھ، تو غور کرو اس نے کس طرح مسقط کو مثبت اور مسقط سے اعراض کو شفعہ کے لئے مسقط بنایا، اور اس کی یہ بھی جہالت ہے کہ حق شفعہ کے عدم مطالبہ کو یہاں علت بنایا حالانکہ اس کا سوال میں کوئی ذکر نہیں ہے تو اے مدعی علم! تجھے کہاں سے معلوم ہوگیا کہ اس نے اس حق کا مطالبہ نہیں کیا، اور ایک جہالت یہ بھی ہے کہ اس نے تیسری علت یہ بنائی کہ بکر کا قطعہ زمین خالد کے قطعہ کا جز ہے تو یوں بکر خود شفیع ہوا کیونکہ اس جیسی صورت میں بغیر قبضہ کے آدمی شفیع ہوجاتا ہے جبکہ بکر قابض ہے تو کیوں شفیع نہ ہو، ہندیہ میں ہے اگر مکان خریدا اور ابھی قبضہ نہ کیا تھا کہ پڑوس میں ایک مکان فروخت ہوا تو اس خریدار کو شفعہ کا حق ہے۔ محیط میں یوں ہے۔ تو ثابت کہ خالد کو شفعہ کا حق بکر کے مقابلہ میں نہیں ہے اھ، **اقول:** (میں کہتا ہوں) بکر کے قطعہ کا خالد کے قطعہ کا جز ہونا اگر شفعہ کو بنائے تو خالد کے قطعہ کے لئے بنائے نہ کہ بکر کے قطعہ کے لئے، حالانکہ بات بکر کے قطعہ کے ہو رہی ہے، نیز یہ کہ بکر کو شفعہ کا حق زید کے قطعہ کے راستہ میں شریک ہونے پر مبنی ہے اور وہ بر حق ہے خواہ وہاں خالد اور اس کی زمین نہ ہو، بکر پھر بھی شفیع ہے تو اس نے دو طرح کی خطائیں کیں، حقیقی مبنی کو مہمل بنانا اور اجنبی چیز کو مبنٰی بنانا، نیز یہ صاحب اپنے (بیان کی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب السابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۰۰

هذا کون خالد شفیعا، لامکان ان یکونا شفیعین، فان فزعت الی الترجیح، فهو امر زائد علی ماذکرت، و قد کان فیه المغنی، علی انه لا یتم الکلام الا بضم المقدمة القائلة ان حق الشفعة یثبت للمشتری ایضا، وهی مقدمة غامضة، فذکر الواضح وترك الدقیق جهل فاضح، اوعدول عن الطریق وبالجملة فمفاسد التکبر وادعاء التصدر اکثر من ان تحصر، فانظر الی این صار حال العلم والرجل یدعی شمس العلماء، ویکتب ذٰلك مع اسم نفسه، مع ما فیه من البدع والطغیان، وسلاطة اللسان، والطعن، والوقیعة فی جمیع علماء الزمان، بل وکثیر ممن قبلهم من اهل السنة والعرفان، فالله المستعان و لاحول ولا قوة الا بالله العزیز الرحمن۔	روشنی میں) خالد کے شفعہ کی نفی کیسے کرسکتے ہیں جبکہ دونوں کا شفیع ہونا ممکن ہو۔ اگر آپ کو ترجیح کی مجبوری ہے تو یہ آپ کے بیان کردہ سے زائد ہے حالانکہ اسمیں مستغنٰی کرنے والا امر موجود ہے۔ علاوہ ازیں یہ کلام اس مقدمہ کے بغیر تام نہیں کہ مشتری کو بھی شفعہ کا حق ثابت ہوتا ہے جس کو یہاں ضم کرنا ضروری تھا اور یہ مقدمہ قابل وضاحت تھا، تو مقدمہ غامضہ اور دقیق کو ترک کرنا اور واضح کو ذکر کرنا کھلی جہالت ہے۔ یا طریقہ بیان سے انحراف ہے۔ خلاصہ یہ کہ اپنے کو بڑا ظاہر کرنے اور تکبر کرنے میں بیشمار مفاسد ہیں، آپ غور کرلیں کہ کہاں علم کا یہ حال جبکہ دعوٰی کررہا ہے شمس العلماء ہونے کا، اور پھر خود اپنے نام کے ساتھ یہ لقب لکھتا ہے حالانکہ اس میں بدعت اور تعلّی، زبان درازی، طعن اور زمانہ کے تمام علماء کرام بلکہ بہت سے پہلے کے اہل سنت واہل عرفان پر بڑائی کا دعوٰی ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ العزیز الرحمن۔ (ت)

ثالثًا: اس کا کہنا تمھیں مبارک ہو صریح دلیل رضاو تسلیم ہے۔ اور شفعہ بعد تسلیم باطل۔

تنویر میں ہے۔ یبطلها تسلیمها بعد البیع [1] اھ ملخصا۔ (بعد از بیع اسے تسلیم کرنا شفعہ کو باطل کردیتا ہے اھ ملخصاً۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲: مسئولہ مولوی سید محمد جان صاحب ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکر پر اس کی زوجہ کا دین مہر بمقدار (بیس ہزار روپیہ عہ //) کے لازم ہے۔ بکر نے ایک مکان خریدا، بعد خریداری کے وہ مکان اپنی زوجہ کے ہاتھ بعوض اس کے دین مہر کے بیع کردیا بعوض دین مہر کے بعوض کیا، تو اس صورت میں خالد کہ مکان مذکور کا شفیع ہے اس کا شفعہ پہنچتا ہے یا

---

[1] درمختار کتاب الشفعہ باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

نہیں اور اگر زوجہ کو بلاعوض ہبہ مجرد کردے تو شفعہ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر بعوض مہر بیع کی یا ہبہ بالعوض کیا، یعنی یوں کہا یہ مکان میں نے بعوض تیرے مہر کے تجھے دیا، اور زوجہ نے قبول کیا تو شفعہ لازم ہے۔ اگرچہ مکان قبضہ زوجہ میں نہ آیا ہو۔

لان الشفعة تعتمد زوال الملك عن المالك والملك فی البیع الصحیح یزول بمجرد العقد من دون توقف علی القبض والھبة بعوض بیع ابتداء وانتھاء، کما فی الھدایة[1] والدرالمختار[2] وغیرھما من الاسفار۔	کیونکہ شفعہ کا مدار مالک سے ملکیت کے زوال پر ہے جبکہ صحیح بیع میں عقد بیع سے ہی ملکیت زائل ہوجاتی ہے۔ مشتری کے قبضہ پر موقوف نہیں ہوتی، اور ہبہ بالعوض ابتداءً اور انتہاءً بیع ہے جیسا کہ ہدایہ اور درمختار وغیرہما کتب میں ہے۔ (ت)

اور اگر ہبہ بشرط العوض کیا یعنی یوں کہا کہ یہ مکان میں نے تجھے ہبہ کیا بشرطیکہ تو مجھے مہر ہبہ کردے، اور زوجہ نے مہر بخش دی، تو شفعہ ثابت نہ ہوگا، جب تک مکان قبضہ زوجہ میں نہ آجائے، جب باذن شوہر زوجہ قبضہ کاملہ کرے گی، اس وقت شفیع کا شفعہ ثابت ہوگا۔

لانھا ھبة ابتداء فلا یزول الملك الا بالقبض، فاذا وجد القبض عادت بیعا، فتثبت الشفعة۔	کیونکہ یہ ابتداء ہبہ ہے لہٰذا ہبہ میں قبضہ کے بغیر واہب کی ملکیت زائل نہ ہوگی، تو جب قبضہ پایا جائے گا تو ہبہ بیع بن جائے گا تو شفعہ ثابت ہوجائے گا۔ (ت)

اور اگر ہبہ مجرد کیا تو اصلاً شفعہ نہیں،

فی الھدایة لا شفعة فی ھبة الا ان تکون بعوض مشروط لانه بیع انتھاءً ولا بد من القبض وان لا یکون الموھوب ولا عوضه شائعا لانه ھبة ابتداءً[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہدایہ میں ہے ہبہ میں شفعہ نہیں ہوتا مگر جب وہ عوض کے ساتھ مشروط ہو کیونکہ ایسی صورت میں وہ انتہاء بیع قرار پاتا ہے تو قبضہ ضروری ہے۔ اور موہوب اور اس کا عوض شائع نہ ہو کیونکہ یہ ابتداء ہبہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] الھدایة کتاب الھبہ باب مایصح رجوعه ومالایصح مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۹-۲۸۸

[2] درمختار کتاب الھبة باب الرجوع فی الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[3] الھدایہ کتاب الشفعة باب ماتجب فیه الشفعة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۰۲

مسئلہ ۳: مسئولہ مولوی سید محمد جان صاحب ۲۳ ربیع الثانی شریف ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ اراضی خریدا،اور واسطے ثبوت اپنے قبضہ کے ایک شاخ درخت واقع اراضی مشریہ کو قطع شروع کیا،اس وقت بکر کو اطلاع بیع لینے اراضی کی ہوئی،بکر اسی وقت موقع پر زید کے پاس گیااور کہا میں اس اراضی کا شفیع ہوں مجھ کو دے دو،زید نے کہا تمھارا شفعہ دو وجہ سے جائز نہیں،ایک نظیرا،دوسرے میں خود شفیع ہوں۔پھر کچھ گفتگو نہ ہوئی،بعد ایک مہینہ بارہ روز کے بکر نے زید سے کہاکہ روپیہ لے لو،جس قیمت کو یہ اراضی خریدی ہے اور اراضی مجھ کو دے دو،زید نے روپیہ نہ لیااور کہاکہ حق مواثبت جاتارہااور بعد چند عرصہ کے زید نے وہ اراضی بذریعہ ہبہ مطلق منتقل کردی اور دستاویز مصدق پر رجسٹری کردی،وقت اطلاع ہبہ شفیع مدعی ہواکہ مجھ کو اطلاع ہبہ کی نہ تھی،اب جو مجھے اطلاع ہوئی تومیں اس انتقال کا بھی شفیع ہوں،ان صورتوں میں شفعہ بکر جائز ہے یانہیں؟اور یہ انتقال ہبہ قبل تصفیہ باہمی زید وبکر کے درست ہے یانہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

شفیع اگر بفور استماع خبر طلب شفعہ کرکے مشتری یامکان کے پاس جاکر طلب تقریر کرے،اور اگر مبیع ہنوز قبضہ بائع میں ہو تو اس کے پاس طلب بھی کافی ہے۔اور اس طلب دوم میں بھی بشرط قدرت دیر نہ لگائی توان امور سے اس کا شفعہ مستقر ہوجاتاہے کہ بے صدور مبطل باطل نہ ہوگا۔درمختار میں ہے:

یطلبها لشفیع طلب المواثبة ثم یشهد علی البائع لوالعقار فی یدہ اوعلی المشتری وان لم یکن ذایدٍ او عند العقار،وهذا لابد منه،حتی لو تمکن ولو بکتاب او رسول،ولم یشهد بطلت شفعته،وان لم یتمکن منه لاتبطل[1] اھ ملخصاً۔	شفیع استقرار حق طلب کرکے پھر بائع کے پاس گواہ بنائے اگر پراپرٹی اس کے قبضہ میں ہو یا مشتری کے ہاں گواہ بنائے اگرچہ زمین اس کے قبضہ میں نہ ہو،یا فروخت شدہ زمین پر ایسا کرے۔اور یہ ضروری ہے حتی کہ اگراس کو یہ بذریعہ خط یا بذریعہ قاصد بھی ممکن ہواور وہ ایسانہ کرے تواس کا شفعہ باطل ہوجائے گااور اگراس کو یہ قدرت نہ ہوئی تو باطل نہ ہوگااھ ملخصا۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

الحق متی ثبت واستقر لایسقط	اور حق جب ثابت ہوجائے اور استقرار ہوجائے

[1] درمختار کتاب الشفعة باب طلب الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۲

الابا سقاطه[1] الخ۔	تو خود ساقط کئے بغیر ساقط نہ ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

تستقر بالا شهاد ای بالطلب الثانی، وهو طلب التقریر، والمعنی اذا اشهد علیها لاتبطل بعد ذٰلك بالسکوت الا ان یسقطها بلسانه او یعجز عن ایفاء الثمن فیبطل القاضی شفعته[2] الخ۔	شفعہ کا گواہ بنانے یعنی دوسری طلب پر استقرار ہو جاتا ہے یہ دوسری طلب برائے پختگی ہے اور معنی یہ ہوا کہ جب شفعہ پر گواہ بنا لیے تو اس کے بعد سکوت سے باطل نہ ہوگا ہاں اگر خود اپنی زبان سے ساقط کرے یا ثمن کی ادائیگی سے عاجز رہے تو قاضی اس کے شفعہ کو باطل قرار دے گا۔ الخ (ت)

پس اگر تمام مدارج طلب ابتدائی وطلب ثانی کے بجالا یا تو بیشک اس کا حق مؤکد ہوگیا، اور مشتری کا خود شفیع ہونا اس کے حق کا مانع نہیں، غایب یہ ہے کہ اگر دونوں مساوی درجہ کے شفیع ہے اور مشتری مزاحمت کرے تو مبیع دونوں میں نصف نصف ہو جائے۔

فی الدر المختار لو کان المشتری شریکا وللدار شریك اٰخر فلهما الشفعة[3]۔	درمختار میں ہے کہ اگر مشتری شریک ہو اور مبیع مکان میں کوئی اور شریک بھی ہو تو دونوں شریکوں کو شفعہ کا حق ہوگا۔ (ت)

اور روپیہ بطور طلب شفعہ پیش کرنا کہ میں شفیع ہوں اپنا روپیہ لے۔ اور شیئ مشفوع مجھے دے کچھ مضر نہیں۔

لانه لایدل علی الرغبة عنها بل فیها فی الدر المختار الاصل ان الشفعة تبطل باظهار الرغبة عنها لافیها[4]۔	کیونکہ یہ اس سے اعراض پر دال نہیں ہے بلکہ اس میں دلچسپی کا اظہار ہے درمختار میں ہے قائدہ یہ ہے کہ اعراض کرنے سے شفعہ ساقط ہوتا ہے اس دلچسپی سے ساقط نہیں ہوتا۔ (ت)

ہاں یوں روپیہ پیش کرنا کہ قیمت لے اور مکان میرے ہات بیچ ڈال، البتہ مسقط شفعہ ہے۔

فی الدر المختار یبطلها ان طلب منه ان یولیه عقد الشراء[5]۔	درمختار میں ہے کہ شفیع اگر یہ مطالبہ کرے کہ مجھ سے شراء کر تو اس مطالبہ سے شفعہ کا باطل ہو جائے گا۔ (ت)

---

[1] الهدایه کتاب الشفعة باب طلب الشفعة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۲

[2] ردالمحتار کتاب الشفعة باب طلب الشفعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۹

[3] درمختار کتاب الشفعة باب ماتثبت هی فیه اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

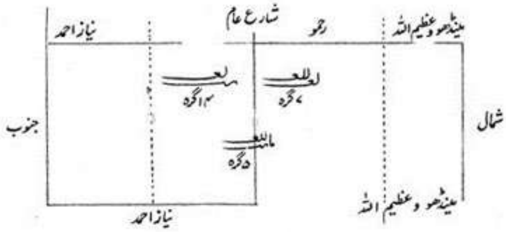
[4] درمختار کتاب الشفعة باب ما تثبت هی فیه اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[5] درمختار کتاب الشفعة باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

اور ہبہ مجردہ میں اگرچہ شفعہ نہیں، مگر مشتری بوجہ ہبہ خواہ کسی طریقہ انتقال کے حق شفیع کو ساقط نہیں کرسکتا کہ اس کا دعوی شفعہ بربنائے بیع ہے۔ جو مالک اول نے اس مشتری کے ہاتھ کی، نہ بربنائے اس ہبہ کے جو یہ مشتری دوسرے کے لئے کرتا ہے، ایسی حالت میں شفیع کو اختیار ہوتا ہے کہ مشتری کے تمام تصرفات کو رد کردے اور مبیع بذریعہ شفعہ لے لے۔

فی الدرالمختار ینقض الشفیع جمیع تصرفاته ای المشتری حتی الوقف والمسجد والمقبرة والهبة زیلعی وزاهدی[1]۔ (جواب نامکمل ملا)	درمختار میں ہے کہ شفعہ حاصل کرلینے کے بعد شفیع مشتری کے تمام تصرفات ختم کردے گا حتی کہ وقف، مسجد، مقبرہ اور ہبہ تک کو توڑ دے گا، زیلعی وزاہدی (ت)

مسئلہ ۱۶۰:۴ رجب ۱۳۰۷ھ از بدایوں مردہی ٹولہ شیخ حامد حسن صاحب مختار



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مکان تعدادی (ماسہ للعہ ۹ گرہ) جانب شمال مینڈھو عظیم اللہ کا تھا۔ اس کے جانب جنوب رحمو کا مکان تعدادی (صہ للعہ ۵ گرہ) کا، اس سے جنوب کو نیاز احمد کا مکان تھا، رحمو کا مکان مینڈھو و نیاز احمد نے خرید کیا، اور باہم تقسیم ہوگئی (لعہ للعہ ۷ گرہ) اراضی شمال مینڈھو کو ملی، اس نے اپنے مکان شمال میں شامل کرلی اب مینڈھو و عظیم اللہ کا مکان (ماسہ لعہ) علاوہ آبچک کے ہوگیا، اور (مہ لعہ ۱۴ گرہ) جنوبی نیاز احمد کو ملی، اس نے اپنے مکان جنوبی میں ملالی نیاز احمد اپنا مکان جس میں اراضی مشتری یہ بھی شامل تھی بدست وزیرالدین بیع کردیا، تخمیناً دس برس ہوئے کہ وزیرالدین مشتری نے ہر چہار سمت سے بطور خود اپنا پختہ مکان تعمیر کرلیا، فرمائے کہ جب تقسیم ہوکر تین مکان سے دو مکان ہوگئے، اور درمیان میں دیوار موجود ہے اور کوئی شرکت دیوار میں

[1] درمختار کتاب الشفعة باب طلب الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱۲

بھی نہیں، اور راستے دکانوں مکانوں کے جانب غرب شارح عام میں ہیں اور دونوں کی آبچکن جانب شرق اپنی اپنی جداگانہ زمین میں۔ تو وزیر الدین مشتری مکان نیاز احمد کو نسبت (لعہ للعہ ے گرہ) اراضی مشتریہ مینڈھوں کی، حق خلیط کا حاصل ہے یا شفیع جار کا، وزیر الدین گمان کرتا ہے کہ رحمو کا مکان میرے بائع نیاز احمد اور مینڈھو نے مشترک خریدا تھا، لہٰذا مجھے حق خلیط حاصل ہے، یہ گمان اس کا شرعاً صحیح یا باطل ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جبکہ نہ ایک مکان کی راہ دوسرے میں نہ دونوں کی کسی کوچہ سربستہ غیر نافذہ میں، نہ ایک کو دوسرے سے آبچک کا تعلق، تو بالاتفاق ان میں سے کسی کے مالک کو دوسرے سے علاقہ خلیط نہیں، بلکہ ہر ایک دوسرے کا مجاز محض ہے۔ درمختار میں ہے:

للخلیط فی حق المبیع ھو الذی قاسم وبقیت لہ شرکۃ فی حق العقار کالشرب والطریق خاضین فلو عامین فلاشفعۃ بھما[1] اھ ملخصاً۔	تقسیم شدہ مبیع کے حقوق میں شرکت مثلاً پانی اور راستہ خاص ہوں یا عام۔ باقی ہو تو بھی خلیط کو اس شرکت کی وجہ سے شفعہ نہیں اھ ملخصًا۔ (ت)

شرح نقایہ علامہ برجندی میں ہے:

جار ملاصق بابہ فی سکۃ اخرٰی، اویکون بابہ وباب ذٰلک الجار معاً الی الطریق العام[2]۔	پڑوسی جس کا دروازہ دوسری گلی میں ہو یا دونوں کا شارع عام کی طرف سے ملا ہو۔ (ت)

وزیر الدین کا خیال ہے میرا بائع مینڈھو ایک زمین مشترک کے خلیط تھے جس کا ایک حصہ میرے بائع اور ایک مینڈھو کے مکان میں پڑا، لہٰذا میں اس کا خلیط ہوں، محض باطل ہے۔ کہ جب تقسیمیں ہوگئیں حدیں پڑ گئیں، دیواریں کھنچ گئیں، راہیں پڑ گئیں، پھر خلط کہاں، حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلاشفعۃ اخرجہ الامام البخاری[3]۔	جب حد بندی ہو جائے اور راستہ تبدیل ہو جائے تو اب شریک کو شفعہ کا حق نہیں، اس کو بخاری

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۱

[2] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الشفعۃ نولکشور لکھنؤ ۳ /۴۸

[3] صحیح البخاری بؤاب الشرکۃ فی الارضین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۳۳۹

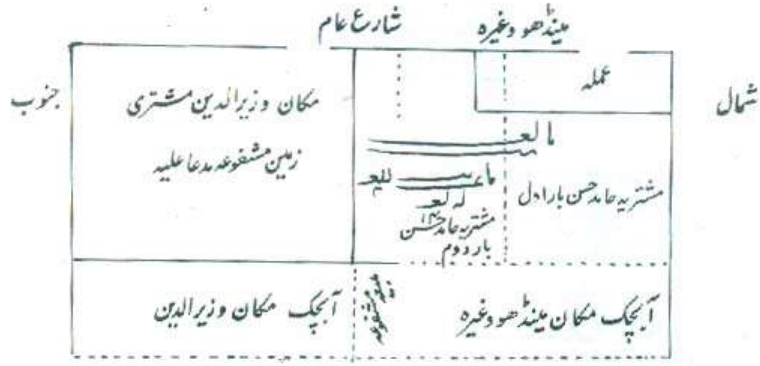
وغیرہ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اور دیگر نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔(ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اذا اقتسما الارض وخطا خطا فی وسطھا ثم اعلی کل منھما شیئا حتی بنیا حائطا، فکل منھما جار لصاحبہ فی الارض[1]۔	جب دو شریکوں نے زمین تقسیم کرلی اور درمیان میں خط کھینچ لیا پھر دونوں نے کچھ خرچہ کرکے دیوار بنادی تو دونوں ایک دوسرے کے پڑوسی قرار پائیں گے۔(ت)

غرض اگلے وقتوں کی شرکت پر اب دعوی حق خلط کرنا عجب دعوی ہے جس کا بطلان ہر ذی عقل پر ظاہر۔ فضلا عن ذی فضل۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵: از بدایوں مِردی ٹولہ شیخ حامد حسن وکیل ۱۶رجب ۱۳۰۷ھ



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مینڈھو و عظیم اللہ کا مکان (ما صہ للعہ) گز کا ہے جس میں جانب شمال (ما مہ للعہ ۹ گرہ) ان کی موروثی اور (لعہ للعہ ۷ گرہ) جنوبی خاص مشتریہ مینڈھو ہے جو اسے بذریعہ شراء بعد تقسیم نیاز احمد ملی تھی، مینڈھو عظیم اللہ نے منجملہ مکان تعدادی (ماصہ لعہ) گز کے = = = = = گز کے زمین جانب شمال میں باستثنائے آبچک شرقی وعلمہ بدین تعینین کہ شرقا غربا (عہ عہ) گزرا اور جنوبا شمالا ہے گز بدست حامد حسن بیع کی (ما عہ عہ) گز منجملہ مکان باقی رہی، اس بقیہ (ماعہ سہ) گز سے (لہ لعہ ۱۴ گرہ) گز اراضی شمالی تنہا مینڈھو نے بایں الفاظ بدست حامد حسن مذکور بیع کی کہ منجملہ (ماعہ سہ گز کے لعہ ۱۴ گرہ) گز میری اراضی بروئے تقسیم خانگی باہمی اراضی عظیم اللہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۶۶

سے جانب شمال ہے۔لہذا باستثنائے آبچک بیع کی)اس (لہ لعہ ۱۴ گرہ) گز منجملہ اس (لعہ للعہ) گزکے بھی شامل ہے جو خاص مشریہ مینڈھو تھی،اور یہ کل تعدادی (ماسہ لعہ) گزاس وقت تک بلا کسی حد فاصل کے ہے، نقشے میں جہاں جہاں نقطے دئے گئے ہیں وہاں کوئی دیوار یا حد نشان نہیں صرف تعیین سمت و مقدار گز کے اسے ایک ذہنی امتیاز ہے۔یہم قطعہ زمین سے جسے آبچک کہا جاتا ہے یہ بھی بلا کسی حد فصل کے مجموعہ مکان کا ایک غیر متمیز ٹکڑا ہے جسے بے پیمائش کے تعین نہیں کر سکتا، غرض کل مکان قطعہ واحدہ ہے۔اس میں سے بقیہ (للعہ ۲ گرہ) گز جنوبی وکل آبچک و عملہ واقعہ مشریہ حامد حسن کو مینڈھو وعظیم اللہ نے بدست وزیرالادین ہمسایہ جنوبی بیع کیا،اس مکان اور مکان وزیدالدین مشتری کے بیچ میں ایک دیوار خاص مملوک وزیرالدین فاصل ہے۔دونوں مکان کی راہیں جانب غرب شارع عام میں ہیں۔اور دونوں کی آبچکیں اپنی اپنی خاص زمین میں جانب مشرق ہیں،دونوں کا پانی اپنی خاص زمین میں ہوتا ہوا شرق مکانات مختلفہ میں گزر جاتا ہے۔فرمائیے کہ ایسی صورت میں اراضی مبیعہ حامد حسن کو حق شفیع خلیط ہے یا نہیں؟اور شرعاً اس استحقاق سے وہ کل زمین حامد حسن کو ملنا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وزیرالدین اس مکان مینڈھو وغیرہ کا جار محض ہے کہ نہ اسے کوئی شرکت نفس مبیع میں،نہ حق مبیع میں، اور تقریر ونقشہ سوال سے ظاہر کہ آبچک کی زمین بھیج باہم مشترک نہیں،بلکہ دونوں آبچکیں ایسے مختلف مکانوں کے جداگانہ ٹکڑے ہیں جن میں ایک کا کوئی حق دوسرے سے متعلق نہیں،صرف اتصال ہی اتصال ہے تو جوار سے زیادہ اسے کوئی استحقاق نہیں،نفی خلط کے لئے بیچ میں دیوار ہی ہونا ضروری نہیں کہ اراضی آبچک میں جہاں دیوار نہیں شرکت وخلط مانیں،بلکہ مجرد و تعیین وامتیاز کافی ہے۔عالمگیریہ میں ہے:

اذا کان نہر علاہ لرجل واسفلہ لرجل فاشتری رجل نصیب صاحب اعلی النہر فطلب اسفل النہر الشفعۃ فالشفعۃ لہ بالجوار وکذلک لواشتری رجل نصیب اسفل النہر فالشفعۃ لصاحب الاعلی بالجوار ،کذا فی المبسوط [1] اھ ملخصاً۔	اگرایسی نہر ہو کہ اس کا اوپر والا حصہ ایک شخص کو اور نیچے والا دوسرے کا ہو تو کسی آدمی نے اوپر والے کا حصہ خرید لیا تو نیچے والے کو شفعہ کے مطالبہ کا حق ہے اس کا یہ شفعہ پڑوسی والا ہوگا،اور یونہی اگر کسی نے نیچے والے کا حصہ خریدا ہو تو اوپر والے کا شفعہ ہو تو وہ شفعہ پڑوسی والا ہوگا۔ مبسوط میں یوں ہے اھ ملخصا(ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۷۱

اور حامد حسین خلیط فی حق المبیع ہے کہ مکان واحد کا ایک حصہ مشاع خریدنے سے مشتری شریک فی العین ہو جاتا ہے۔یوں ہی اس میں سے ایک حصہ معین محدود بتعین سمت و مقدار خریدنے سے خلیط فی الحق ہو جاتا ہے۔جب تک حدیں فاصل ہو کہ انقطاع تعلق نہ ہو جائے زیر قول درمختار:

ان باع رجل عقارا الا ذرا مثلا فی جانب حد الشفیع فلا شفعة لعدم الاتصال وکذا لاشفعة لو ووھب ھذ القدر للمشتری وقبضه[1]۔	اگر کسی نے اپنی زمین فروخت کی مگر شفیع کی حد کی طرف ایک گز کو فروخت نہ کیا توپڑوسی کو شفعہ کا حق نہ ہوگا کیونکہ اس کی حد سے اتصال نہ پایا گیا،اور یوں ہی اگر اس نے اتنا حصہ مشتری کو ہبہ کردیا اور قبضہ دے دیا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

الظاھر ان المرد وھبة بعد بیع ماعداھذا القدر بقرینة قوله للمشتری ومثله مالو باعه له لانه صار شریکا فی الحقوق،فلاشفعة للجار[2] اھیعنی مثل الھبة فی عدم الشفعة مالو باع البائع ھذا الزراع الباقی فی البیع الاول المشتری القطعة الاولی،لانه بشرائه القطعة الاولی صار شریاکا فی حقوق القطعة الثانیة،وھی الذراع المبیع ثانیا،فجار الدار وان کان له حق الجوار فی ھذا الذراع،لوجود الاتصال لکن لاشفعة له لان المشتری خلیط فی الحقوق فلا شفعة معه للجار المحض۔	ظاہر یہ ہے کہ اس کی مراد بیع کے بعد مشتری کو ہبہ کرنا ہے اس پر قرینہ للمشتری کا لفظ ہے اور یونہ اگر وہ اتنا حصہ اس نے بعد میں مشتری کو فروخت کردیا ہو،کیونکہ وہ مشتری اب حقوق میں شریک ہوچکا ہے اس لئے اب پڑوسی کو شفعہ کا حق نہ ہوگا اھ یعنی شفعہ نہ ہونے میں وہ صورت کہ بائع نے پہلی بیع میں سے باقیماندہ گز کو پہلے مشتری کے پاس فروخت کیا تو ہبہ کی طرح پڑوسی کا شفعہ نہ ہوگا کیونکہ وہ مشتری پہلے قطعہ کو خریدنے کی بناء پر دوسرے باقیماندہ حصہ کے حق میں شریک ہوگیا تو اگرچہ جگہ کے پڑوسی کو پڑوس کی وجہ سے اس باقیماندہ میں اتصال ہے لیکن اس کا شفعہ نہیں کیونکہ مشتری حقوق میں شریک بن گیا لہٰذا اس کے مقابلہ میں محض پڑوسی کو حق شفعہ نہ رہا۔(ت)

[1] درمختار کتاب الشفعة باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۶

[2] ردالمحتار کتاب الشفعة باب مایبطلها داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۵۴

اسی میں ہے:

مشتری الذراع صار شریکا فی الحقوق فیقدم علی الجار کما قدمناہ[1]۔	باقیماندہ گز میں مشتری حقوق کا شریک ہوگیا لہٰذا وہ پڑوسی پر مقدم ہوگا، جیسا کہ پہلے گزرا۔(ت)

پس حامد حسن نے جس وقت پہلا قطعہ ===== گز بتعیین سمت ومقدار خریدا باقی تمام زمین مملوکہ مینڈھو وعظیم اللہ میں خلیط فی الحق ہوگیا، اسی طرح دوسرے بار کی خریداری نے اس کا بھی استحقاق قائم رکھا، اور جبکہ وہ مکان مع آبچک وغیرہ بتمامہ قطعہ واحدہ ہے، تو اس کے مجموع سے حق حامد حسن متعلق ہوا، جس سے کسی جز کو مستثنٰی ماننے کی کوئی وجہ نہیں کما لا یخفی علی احد (جیسا کہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ت) اور خلیط فی الحق جار محض پر شرعاً مقدم کہ جار خریدے تو یہ بذریعہ شفعہ اس سے سب پر واپس لے سکتا ہے۔ کما فی الکتب قاطبۃ (جیسا کہ معتبر کتب میں ہے۔ت) عالمگیری میں ہے:

یراعی فیھا الترتیب فیقدم الشریك علی الخلیط، والخلیط علی الجار[2]۔	اس میں ترتیب کی رعایت ہوگی تو شریک مقدم ہوگا خلیط پر، اور خلیط مقدم ہے پڑوسی پر۔(ت)

پس ثابت ہوا کہ جس قدر زمین آبچک وغیرہ آبچک بدست وزیر الدین جار محض بیع کی گئی تمام وکمال حامد حسن شفیع خلیط فی حق المبیع کو بذریعہ شفعہ ملنی چاہئے، اگر وہ شرائط طلب کما ینبغی بجالایا ہو، اور عملہ اگرچہ جب اپنی زمین سے بیچا جائے محل شفعہ نہیں، شرح المجمع علامہ ابن ملک میں ہے:

وبیع النخل وحدہ اوالبناء وحدہ فلا شفعۃ لانھما الاقرار لھما بدون العرصۃ[3]۔	کھجور کے درخت کی علیحدہ یا عمارت کی علیحدہ بیع میں شفعہ نہیں کیونکہ زمین کے بغیر ان کو قرار حاصل نہیں ہے۔(ت)

مگر اس کا بیع میں داخل ہونا زمین میں استحقاق شفعہ کا مانع نہیں، ردالمحتار میں ہے:

الصفقۃ وان اتحدت فقد اشتملت علی ما فیہ الشفعۃ، وعلی ما لیست فیہ	سودا ایک ہو اور وہ ایسے حصوں پر مشتمل ہو کہ بعض شفعہ ہو سکتا ہے اور دوسرے بعض میں نہیں ہو سکتا تو شفعہ والے

[1] ردالمحتار کتاب الشفعہ باب ما یبطلھا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۶۔۱۶۵

[3] ردالمحتار بحوالہ شرح المجمع کتاب الشفعۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۸

فیحکم بھا فیما تثبت فیہ اداء لحق العبد کذا فی درر البحار وشرح المجمع اھ[1] واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	میں بندے کا حق ہونے کی وجہ سے پورے سودے پر شفعہ کا حکم ہوگا کہ بندے کا حق ادا ہو سکے، جیسا کہ درالبحار اور شرح المجمع میں ہے اھ، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۶: از بدایوں شیخ حامد حسن صاحب وکیل ۹ رمضان المبارک ۱۳۰۷ھ

بدایوں سے دوبارہ یہ سوال بعبارات طوال آیا جس کا خلاصہ یہ کہ کل مکان ۲۰۲ گز کا ظاہر کیا گیا ہے اور بیع اول بدست حامد حسن مین سے = = = = = = = = گز نکل کر (ماعہ عہ) گز باقی تھا، اس میں سے منجملہ (ماعہ عہ) گز کے (لہ لعہ ۱۴ گرہ) گز شمالی کہ بروئے تقسیم خانگی حق مینڈھو ٹھہری، مینڈھو نے بایں حدود معینہ بدست حامد حسن بیع کی اراضی آبچک زمین بیعہ مملوکہ مقرو بردار مقرو بعد مکان سعد اللہ وغیرہ۔

غربی	جنوبی	شمالی
راستہ	اراضی عظیم اللہ	اراضی مشریہ حامد حسن

پھر باقی بدست وزیر الدین بیع ہوئی، اس مکان اور مکان وزیر الدین کا پانی اپنی اپنی خاص آبچکوں میں ہو کر شرقی مکانوں کے صحن مملوکہ سعد اللہ وغیرہ میں ملتا ہے۔اور وہاں یہ دونوں پانی اور ان مکانوں کے پانی سب ایک ہو کر اسی صحن مملوک کے دروازے سے نکل کر راہ میں گزر جاتے ہیں، اس صورت میں وزیر الدین کو دعوی شرکت فی حقوق المبیع ہے۔اور حامد حسن شفیع کو بدیں وجہ کہ کوئی تمیز خارجی نہیں دعوی شرکت فی نفس المبیع ہے، پس شرعا کیا حکم ہے۔اور عملہ کہ اس مبیع بار سوم پر قائم اور بیع میں داخل ہے شفعہ میں داخل رہے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں حامد حسن کو حق شفع حاصل ہے۔اور وزیر الدین کو اس کے مقابل کوئی استحقاق مزاحمت نہیں کہ اگرچہ زمین کا محدود بحدود معینہ ہونا ہی اس کے امتیاز وابطال شیوع کے لئے بس ہے۔جس قطعہ کا آغاز وانجام جدا بتا سکیں وہ مشاع کب ہوا، مگر ازانجا کہ ہنوز مکان میں حدیں فاصل نہ پڑیں، دیواریں نہ کھنچیں، راہیں نہ پھریں، صرف ذہنی امتیازات ہیں، تو حامد حسن کو بیع میں ایک اعلٰی درجہ کا حق خلیط فی حقوق المبیع حاصل ہے۔اور یہ استحقاق اس کے لئے اسی وقت سے ثابت ومسلم تھا جب سے اس نے = = گز کا پہلا قطعہ خریدا، ردالمحتار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب مایبطلھا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۷

مشتری الذراع صار شریکا فی الحقوق فیقدم علی الجار، کماقدمناہ[1]۔	باقیماندہ گز کو خریدنے والا مشتری حقوق میں شریک بن گیا ہے تو وہ پڑوسی پر مقدم ہوگا۔ جیسا کہ پہلے ہم نے ذکر کیا۔(ت)

اور مکان وزیر الدین کو اس مبیع کے سیل آب سے جو علاقہ ہے اگر روایت تاتارخانیہ پر نظر کیجئے تو اصلا قابل التفات نہیں۔اس میں صاف تصریح ہے کہ ایک مکان کا پانی خود اس دار مبیعہ میں بہتا ہو جب بھی یہ شرکت فی الحقوق نہ ٹھہریگی اور صرف جوار محض قرار پائے گا، عالمگیریہ میں ہے:

لرجل مسیل ماء فی داربیعت کانت له الشفعة بالجوار لابالشرکة ولیس المسیل کالشرب کذا فی التتارخانیة[2]۔	فروخت ہونے والی حویلی میں سے دوسرے شخص کا پانی بہتا ہے تو اس پانی والے کو حویلی میں پڑوسی ہونے کی وجہ سے شفعہ کا حق شریک والا شفعہ نہ ہوگا اور پانی کا بھنا، سیرابی کا حکم نہیں رکھتا۔یوں تاتارخانیہ میں ہے۔(ت)

اور اگر روایت محیط وذخیرہ پر عمل کیجئے تو حامد حسن کہ شریک فی الطریق ہے۔وزیر الدین سے جو صرف میل آب میں ایک علاقہ رکھتا ہے قطعاً مقدم ہے کہ اس کے ہوتے اسے کوئی استحقاق نہیں مزاحمت نہیں، عالمگیری میں ہے:

صاحب الطریق الوی بالشفعة من صاحب مسیل الماء کذافی المحیط[3]۔	راستے والا شفعہ میں پانی کے بہاؤوالے سے اولٰی ہے، یوں محیط میں ہے۔(ت)

ردالمحتار حاشیہ درمختار میں ہے:

قال فی الدرالمنتقی ونقل البرجندی ان الطریق اقوی من المسیل فراجعه انتہٰی[4]۔ **قلت** نقله عن الذخیرۃ کمارأیته فیه۔	الدرالمنتقی میں فرمایا جس کو برجندی نے نقل کیا کہ راستہ کا حق پانی کے بہاؤ سے اقوی ہے۔تو اس کی طرف مراجعت چاہئے، **میں کہتاہوں** کہ انھوں نے اس کو ذخیرہ سے نقل کیا ہے جیسا کہ میں نے اس میں دیکھا ہے۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعة باب مایبطلها داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۵

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الشفعة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۰

[3] فتاوٰی ہندیة کتاب الشفعة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۷

[4] ردالمحتار کتاب الشفعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۰

بہر حال حامد حسن اس تمام زمین مبیع کو مع اس کے جو اس مبیع پر قائم اور اس بیع میں داخل ہے بذریعہ شفعہ لے سکتا ہے عملہ جب اپنی زمین کے ساتھ بیع میں آئے تو بالتبع وہ بھی محل شفعہ ہو جاتا ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

خرج البناء والاشجار فلا شفعة فیها الا بتبعیة العقار وان بیع بحق القرار، درمنتقی [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	عمارت اور درخت خارج ہوگئے تو ان میں شفعہ نہ ہوگا بغیر زمین کے تابع بنے، اگرچہ قرار وبقاء کی شرط پر فروخت کئے ہوں درمنتقی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷: ۳ شوال ۱۳۱۰ھ

علمائے دین ومفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں اس صورت میں کہ ملو خاں نے ایک قلعہ حویلی معہ اراضی جس کے شمال میں ملحق حویلی محمد خاں، جنوب میں ملحق رفیع الدین کی ہے۔ کلن خاں اور علی حسن خان شخص غیر کے ہاتھ بیع کر دی، اور اس کی خبر پاکر محمد خان ورفیع الدین ہمسایہ بائع متدعی شفعہ ہوئے، چنانچہ کلن خاں وعلی حسن خان مشتری حال نے حسب دعوی شفعہ محمد خاں کے نام بیعنامہ لکھ دیا، رفیع الدین نے نالش شفعہ کی ہے۔ پس رفیع الدین مدعی بذریعہ شفعہ بمقابلہ محمد خاں مشتری شفعہ کے کامیابی شرعا حاصل ہو سکتا ہے، یا دونوں شفیعوں کو قطعہ مشفوعہ تقسیم ہو سکتا ہے تو کس مقدار سے یعنی مساوی یا کم وبیش؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں رفیع الدین کل مکان مشفوع بذریعہ شفعہ محمد خاں سے پائے گا کہ محمد خاں کا اس کو مشتری اول سے خریدنا اس کے ملک کو تسلیم کرنا ہے اور اس کی ملک تسلیم کرنا بیع اول کے تسلیم شفعہ سے اعراض، اور شفعہ سے اعراض حق شفعہ کا مسقط، تو محمد خاں اس مکان کا شفیع نہ رہا اور رفیع الدین کا استحقاق باقی، لہٰذا وہ کل مکان محمد خان سے لے سکتا ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لوکان الشفیع الحاضر اشتری الدار من المشتری ثم حضر الغائب فان شاء اخذ کل الدار بالبیع الاول،	ایک حاضر شفیع نے مشتری سے مکان خرید لیا، پھر دوسرا شفیع جو غائب تھا حاضر ہوگیا تو اس کو اختیار ہے چاہے تو پورا مکان پہلے سودے پر

[1] ردالمحتار کتاب الشفعة دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۸

وان شاء اخذ کلھا بالبیع الثانی [1]	اور چاہے دوسرے سودے پر پورا مکان شفعہ کے ذریعہ حاصل کرلے۔(ت)

اسی میں ہے:

قد بطل حق الشفیع الحاضر بالشراء لکون الشراء دلیل الاعراض [2]۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	حاضر شفیع نے اپنا حق شفعہ خریداری کی وجہ سے باطل کرلیا کیونکہ خریدنا شفعہ سے اعراض کی دلیل ہے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ ۸تا۱۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں: **بینوا توجروا**

(۱) بعد علم بیع قبل قبضہ کرنے مشتری کے شیئ مبیع پر دعوی شفعہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) ایک شخص کے احاطہ واحدہ میں چند منازل ہیں جن کا دروازہ ایک ہی ہے اور حدود اربعہ اس کی ایک ہی ہیں،اس احاطہ کے ایک طرف زید کا مکان ملحق ہے۔اب یہ کل مکان بیع کیاجائے،توآیا اس صورت میں زید اس قطعہ کو بذریعہ شفعہ لے سکتاہے،جواس کے مکان سے متصل ہے یا کل مکان کو۔

(۳) جس محلّہ میں رواج شفعہ نہ ہو وہاں شرعاً دعوی شفعہ ہو سکتاہے یا نہیں؟

(۴) اگر قبل بیع ہمسایہ خریداری سے انکار کرے۔پھر بعد بیع دعوی شفعہ کرے تو مسموع ہوگا یا نہیں؟

(۵) اگر شفیع مشتری کی طرف سے وکیل خریدنے کا ہو تو اس کا شفعہ قائم رہے گا یا نہیں؟

الجواب:

(۱) شفعہ بمجرد بیع ثابت ہوتاہے۔قبضہ مشتری کی حاجت نہیں۔ہدایہ میں ہے:

یشھد علی البائع ان کان المبیع فی یدہ معناہ لم یسلم الی المشتری [3]۔	اگر مبیع زیر قبضہ بائع ہو تو وہاں گواہی قائم کرے اس کا معنی یہ ہے کہ ابھی مشتری کو نہ سونپا ہو۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۸

[3] الھدایۃ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۱

درمختار میں ہے:

ثم یشھد علی البائع لو العقار فی یدہ اوعلی المشتری وان لم یکن ذایدٍ [1] باختصار، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اگر زمین بائع کے قبضہ میں ہو تو وہاں گواہی قائم کرے یا مشتری کے پاس گواہ بنائے اگرچہ زمین اس کے قبضہ میں نہ ہو باختصار، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

(۲) کل کو کہ جب احاطہ واحد، دروازہ واحد ہے تو وہ دار واحد ہے۔ہدایہ میں ہے:

الدار اسم لما ادیر علیہ الحدود [2]۔	جس دائرہ پر حدود قائم کی گئی ہیں اس کو دار کہتے ہیں۔(ت)

اور واحد کے کسی ٹکڑے سے جسے اتصال ہو وہ کل دار کا شفیع ہے، حتی کہ اگر ایک شخص صرف ایک جانب بقدر ایک بالشت کے اتصال رکھتا ہو اور دوسرا تینوں جانب، بروجہ کمال تو دونوں شفعہ میں برابر ہیں۔ردالمحتار میں ہے:

الملاصق من جانب واحد ولو بشبر کالملاصق من ثلثۃ جوانب، فھما سواء اتقانی [3]۔	ایک جانب سے اتصال اگرچہ ایک بالشت ہو تو وہ باقی تین اطراف والے سے اتصال کے برابر ہے اتقانی(ت)

یہاں تک کہ اگر دار واحد اپنے جمیع منازل کے ساتھ شخص واحد کے ہاتھ بیچے، اور شفیع چاہے کہ بذریعہ شفعہ ان میں سے صرف وہ منزل لے جس سے اس کا مکان متصل ہے۔تو ہرگز اجازت نہ دیں گے، اگرچہ بیچنے والے جداجدا ہوں بلکہ کل لے یا کل ترک کرے۔عالمگیری میں ہے:

ان اراد الشفیع ان یاخذ بعض المشتری دون البعض وان یاخذ الجانب الذی یلی الدار دون الباقی لیس لہ ذٰلک بلا خلاف بین اصحابنا، ولکن یاخذ الکل اویدع،	ایک غیر ممتاز مبیع میں سے شفیع بعض حصہ کو لینا چاہے اور کچھ چھوڑنا چاہے اور اپنے دار سے متصل حصہ کو شفعہ میں لینا اور باقی کو چھوڑنا چاہے تو اس کو یہ اختیار نہیں، اس میں ہمارے اصحاب کا کوئی اختلاف نہیں، لیکن وہ سب کو لے یا سب کو

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۲
[2] الھدایۃ کتاب البیوع باب الحقوق مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۸
[3] ردالمحتار کتاب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۰

لانہ لواخذ البعض دون البعض تفرقت الصفقہ علی المشتری سواء اشتری واحد من واحد او واحد من اثنین او اکثر حتی لوارادالشفیع ان یاخذ نصیب احد البائعین لیس لہ ذٰلک الخ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	چھوڑے کیونکہ اگر بعض کو لے اور بعض کو نہ لے تو اس سے مشتری پر سودا متفرق ہوجائے گا خواہ ایک مشتری نے ایک بائع متفرق ہوجائے گا خواہ ایک مشتری نے ایک بائع سے ایک نے متعدد حصہ داروں سے خریدا ہو حتی کہ اگر دو فروخت کرنے والوں میں سے ایک کے حصہ کو لینا چاہے تو شفیع کو یہ اختیار نہیں ہے الخ، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۳) بیشک ہوسکتا ہے اگرچہ شہر بھر میں رواج نہ ہو کہ شفعہ حکم شرعی ہے۔ رواج وغیرہ پر مبنی نہیں **وھذا ظاھر جدا** (یہ بالکل ظاہر ہے۔ت) واللہ اعلم۔

(۴) ضرور مسموع ہوگا، حق شفعہ بعد بیع ثابت ہوتا ہے۔ تو قبل از انکار کوئی چیز نہیں۔ درمختار میں ہے:

یبطلہا تسلیمہا بعد البیع لاقبلہ[2]۔	بیع کے بعد شفعہ کو چھوڑنا اس کو باطل کرتا ہے بیع سے پہلے باطل نہیں کرتا۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

تسلیم الشفعۃ قبل البیع لایصح وبعدہ صحیح[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ **(۵)** نعم فی الدر المختار تثبت لمن شری اصالۃ اووکالۃ[4]۔	بیع سے قبل شفعہ کو چھوڑنا صحیح نہیں، اس کے بعد صحیح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت) ہاں درمختار میں ہے اصالۃ یا وکالۃ جو خریدے اس میں شفعہ ثابت ہوگا۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

وکیل المشتری اذا ابتاع فلہ الشفعۃ[5] واللہ تعالٰی اعلم۔	مشتری کا وکیل اگر خریدے تو اس کو حق شفعہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۵
[2] درمختار کتاب الشفعۃ باب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵
[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۲
[4] درمختار کتاب الشفعۃ ماثبت ھی فیہ اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵
[5] الھدایۃ کتاب الشفعۃ باب مایبطل بہ الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۴/ ۴۰۵

مسئلہ ۱۳: از اوجین محلّہ مرزا باڑی مرسلہ میاں آفتاب حسین ۲۲ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو اپنا مکان فروخت کرتا ہے زید ہمسایہ عمرو خریداری پر مستعد ہے مگر مالک مکان غیر ہمسایہ کو مکان دیتا ہے۔ پس حق شفعہ خرید کر مکان میں اول میں درجہ ہمسایہ کو پہنچا ہے یا غیر کو؟

الجواب:

شفیع کے لئے حق شفعہ بعد بیع ثابت ہوتا ہے۔ مکان جب تک بیع نہ ہو شفیع مزاحمت نہیں کر سکتا، ہاں جب مالک غیر ہمسایہ کے ہاتھ بیچ ڈالے اس کے بعد ہمسایہ کے لئے بذریعہ شفعہ حق مطالبہ ہے اگر شرائط طلب بجالا کر دعوٰی کرے گا مکان خریدار سے کراسے دلا دیا جائے گا۔ تنویر الابصار میں ہے: **تجب بعد البیع**[1] (شفعہ بیع کے بعد لازم ہوتا ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

اسقط الشفیع الشفعۃ قبل الشراء لم یصح لفقد شرطہ، وھو البیع انتہی[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	خریداری سے قبل اگر شفیع نے شفعہ ساقط کیا تو صحیح نہیں کیونکہ شفعہ کی شرط جو کہ بیع ہے نہ پائی گئی **انتہی واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۱۴: سیگرام پور تحصیل بسولی ضلع بدایوں مرسلہ شیخ برکت اللہ زمیندار ۱۲جمادی الآخرہ ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کاشتکار ہے، اس کو زمیندار نے زمین اپنی سکونت کے واسطے دی جس میں اس نے چوپال اور مکان بنایا، اور اس کاشتکار نے کھیت میں باغ لگایا اب یہ مکان چوپال اس نے فروخت بدست زمیندار کیا، ایسی حالت میں اس بائع کے شرکاء شفیع ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ کاشتکار صرف عملہ مکان ودرختان مالک ہے۔ زمین اس کی ملک نہیں تو مجرد عملہ ودرخت میں کسی کے لئے شفعہ نہیں۔

فی ردالمحتار فی البزازیۃ لاشفعۃ فی الکردار لانہ نقلی کالبناء، والاشجار	ردالمحتار میں بزازیہ سے منقول ہے، چوپال میں شفعہ نہیں کیونکہ وہ منقول چیز ہے جس طرح عمارت

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

ونحوہ فی النھایة والذخیرة والتتارخانیة عن السراجیة[1] اھملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور درختوں وغیرہ میں نہیں ہے۔ نہایہ، تاتارخانیہ اور ذخیرہ میں سراجیہ سے منقول ہے۔ اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے (مامہ عہ) روپیہ قرض لئے اور تین مکان رہن کر دئے جبکہ مدت گزری ار روپیہ ادانہ ہوا، بکر نے نالش کرکے مع سود وخرچہ (مالہ لعہ لعہ) کے ڈگری پائی، اس میں تینوں مکان جن کی قیمت کی حیثیت قریب پانسو روپیہ کے تھی، چھیاسٹھ روپیہ میں نیلام ہوگئے، نیلام کارندہ بکر نے خریدا اور بعدہ، اپنے آقا کے لئے خرید اظاہر کرکے بنام بکر لکھ دیا، بکر نے ان مکانات پر قبضہ نہ کیا، زید چھ سات برس تک بدستور قابض رہا، اس سے قبل از نیلام خواہ اس کے بعد کبھی کوئی بات ایسی صادر نہ ہوئی جو اس نیلام کے اجازت یا رضامندی پر دلیل ہو، یہاں تک کہ دونوں انتقال کرگئے، اور بعد زید وارثان زید قابض ہوئے، اب ورثائے بکر نے نالش کرکے ڈگری دخلیابی حاصل کی، اور ہنوز دخل نہ ہوا تھا کہ ڈگری بدست خالد بیع کردی، اس خالد کو بھی دخل نہیں ملا ہے۔ اس صورت میں عمرو حویلی مذکور کا شفیع مدت دخل یابی خالد شفعہ طلب کرسکتا ہے یا نہیں، اور اگر خالد اپنی ڈگری ضائع کردے اور حق دخلیابی سے بعوض یا بلاعوض دستبردار ہو تو شفیع کے حق شفعہ کی کیا حالت ہوگی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ان مکانات پر ہرگز کسی طرح دعوی شفعہ نہیں پہنچتا کہ شفعہ کے لئے مکان کا ملک مالک سے خارج ہونا ضروری ہے۔

فی ردالمحتار فی الفتاوٰی الصغرٰی الشفعة تعتمد زوال الملك عن البائع[2] الخ۔	ردالمحتار میں فتاوٰی صغرٰی سے منقول ہے۔ شفعہ کا مدار بائع کی ملکیت کا زوال ہے۔ الخ (ت)

اور یہاں وہ مکانات شرعا ملک زید سے خارج نہ ہوئے، یہ بیع نیلام جو بلااجازت واقع ہوئی غیر مالک کی بیع تھی جسے شرع میں بیع فضولی کہتے ہیں، اور وہ اجازت مالک پر موقوف رہتی ہے۔

فی فتاوٰی الامام قاضی خاں اذا باع الرجل	امام قاضی خاں کے فتاوٰی میں ہے جب بائع نے

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعة دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الشفعة دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۸

مال الغیر عندنا یتوقف البیع علی اجازۃ المالك[1]۔	غیر کا مال فروخت کیا تو ہمارے نزدیک یہ بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی۔(ت)

اب کہ زید خود ہی ان مکانات پر قابض رہا، پھر وہ بالااجازت انتقال کرگیا بیع باطل ہوگئی، یہاں تک کہ وارثان زید کو بھی اجازت کا اختیار نہیں۔

فی الھندیۃ اذامات المالك لاینفذ باجازۃ الوارث[2]۔	ہندیہ میں ہے کہ جب مالک فوت ہوجائے تو وارث کی اجازت سے بیع نافذ ہوگی۔(ت)

درحقیقت نہ بکر ان مکانوں کا مالک ہے نہ اس کے ورثہ نہ خالد خریدار پر ڈگری، بلکہ وہ سب متروکہ زید ہیں، اور ورثائے بکر کو صرف اپنی مقدار قرض کے مطالبہ پہنچتا ہے وبس، اور دعوی شفعہ فقط عقد مبادلہ میں ہے نہ انتقال بوراثت میں،

فی العالمگیریۃ لا تجب الشفعۃ مالیس ببیع ولا بمعنی البیع حتی لا تجب بالھبۃ والصلۃ والمیراث و الوصیۃ[3]۔	عالمگیری میں ہے، جب تک بیع یا معنی بیع نہ پایا جائے تو شفعہ لازم نہ ہوگا۔ حتی کہ ہبہ، صلہ، میراث اور وصیت میں لازم نہ ہوگا۔(ت)

پس عمرو کو زنہار استحقاق شفعہ حاصل نہیں، شرع مطہر کا تو یہ حکم ہے۔اور حکم نہیں مگر شرع مطہر کے لئے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶: زید ہندو ہے۔اس نے ایک مکان بنایا، ایسی زمین دیہہ میں کہ آبادی اوراراضی اس دیہہ کی ملکیت مشترکہ ہے دس بارہ اشخاص کی، اب اس زید مذکور نے صرف اس مکان وبناء سکنی اپنی کو بہ ثمن متعدد ہاتھ ایک شخص کے کہ مکان خاص رہنے اس کے کا تخمینا پچاس قدم کے فاصلہ سے ہے فروخت کیا، مگر راضی داخل بیع نہیں ہے۔صرف عملہ وبناء کو فروخت کیا ہے۔اب بعد انقضائے عرصہ دوماہ کے منجملہ اور شرکاء کے ایک شریک کہ وبھی پچاس قدم اس مکان مبیعہ سے رہتا ہے، بگمان شفیع ہونے کے شفعہ شرعی بربنائے دعوی قائم کرتا ہے۔ایسی صورت میں عندالشرع شریف اس عملہ مبیعہ زید ہندو پر شفعہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینواتوجروا۔**

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الوقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۲
[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۰

الجواب:

قطع نظر اس سے کہ وہ فی نفسہ شفیع ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔اور طلب مواثبت واشہاد وغیرہا امور لازمہ جس کے بغیر شفعہ باطل ہوجاتا ہے بجالایا یانہیں۔دعوی اس کا صورت مستفسرہ میں راسا باطل ہے کہ بناء محل شفعہ نہیں اور اس میں قصدا وبالذات شفعہ ثابت نہیں ہوسکتا۔

کمافی تنویر الابصار وشرحه الدرالمختار لاتثبت قصدا الا فی عقار لا بناء ونخل اذا بیعا قصدا ولو حق القرار خلافا لما فھمه ابن الکمال لمخالفته المنقول کما افادہ شیخنا الرملی [1] اھ ملخصا،وذکرہ من قبل فقال فردہ شیخنا الرملی وافتی بعدمها تبعا للبزازیة وغیرھا فلیحفظ [2]۔واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ تنویر الابصار میں اور اس کی شرح درمختار میں ہے کہ شفعہ قصدا صرف زمین میں ہوسکتا ہے عمارت اور کھجور کے درخت میں شفعہ نہیں،جب ان کو قصدا فروخت کیا جائے اگرچہ بشرط قرار فروخت کیا جائے،یہ ابن کمال کے فہم کے خلاف ہے کہ انھوں نے منقول کے خلاف کہا جیسا کہ ہمارے شیخ رملی نے افادہ کیا اھ ملخصا انھوں نے قبل ازیں ذکر کیا ہے اور کہا کہ ہمارے شیخ رملی نے اس کارد کیا ہے اور عدم شفعہ کافتوی بزازیہ وغیرہا کی اتباع میں دیا ہے پس اسے محفوظ کرلو۔واللّٰہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک کوٹھری جس کا صحن مملوک عمرو اور اس صحن میں اس کوٹھری کے اور عـــہ ہے اور سقف اس کی ملک بکر ہے۔اور اس کی دوجانب بھی مکانات بکر واقع ہیں بکر کے ہاتھ فروخت کی،اس صورت میں شفیع اس کا بکر ہے یا عمرو،اور عمرو کو بدعوی شفعہ وہ کوٹھری مل سکتی ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں شفیع اس کا عمرو ہے نہ کہ بکر،اور اگر عمرو شرائط شفعہ بجالایا تھا تو بدعوی شفعہ

عـــہ: اصل میں اس طرح ہے،اغلب یہ ہے کہ عبارت اس طرح ہو "اسی کوٹھری کے برابر ایک کوٹھری اور ہے" عبدالمنان اعظمی۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعۃ باب ماتثبت ھی فیه اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۴

[2] درمختار کتاب الشفعۃ باب ماتثبت ہی فیه اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

اس کوٹھری کو بکر سے لے سکتا ہے کہ جب طریق اس مکان کا زمین عمرو میں ہے تو عمرو خلیط فی حق المبیع ہوا، اور بکر اسی وجہ سے کہ مالک علو ہے اور اس کے مکانات کوٹھری کے دونوں جانب ہیں محض جوار ہے۔ اور خلیط جار پر شرعاً مقدم مکانات بکر دونوں جانب ہونے سے وہ صرف جار ہو سکتا ہے۔ اسی طرح قابض علو ہونا بھی اگر بوجہ ملک ہو تو فقط مثبت جوار ہے۔ ورنہ لغو بحث۔

فی الفتاوٰی العالمگیریۃ سفل بین رجلین و لاحدھما علیہ علو بینہ وبین اٰخر فباع الذی لہ نصیب فی السفل والعلو نصیبہ فلشریکہ فی السفل الشفعۃ فی السفل ولشریکہ فی العلو الشفعۃ فی العلوا ولاشفعۃ لشریکہ فی السفل فی العلو ولا لشریکہ فی العلو فی السفل لان شریکہ فی السفل جار للعلو و شریك فی حقوق العلو ان کان طریق العلو فیہ وشریکۃ فی العلو جار للسفل اوشریك فی الحقوق اذا کان طریق العلو فی تلك الدار فکان الشریك فی عین البقعۃ اولٰی [1]۔ وفی الفتوٰی قاضی خاں باع صاحب السفل سفلہ کان لصاحب العلوان یاخذ السفل بالشفعۃ لان السفل متصل بالعلو فکانا جارین [2]۔	فتاوٰی عالمگیری میں ہے نچلی منزل دو حضرات کی مشترکہ ہے اور دونوں میں سے ایک کا اس پر بالاخانہ ہے جس میں کوئی تیسرا شخص بھی شریک ہے تو نچلی منزل والوں میں سے جس کا بالاخانہ میں حصہ ہے اس نے اپنے نچلے اور اوپر والے حصوں کو فروخت کیا تو نچلے شریک کو نچلے حصہ میں اور اوپر والے شریک کو اوپر والے حصہ میں شفعہ کا حق ہے نیچے والے کو اوپر اور اوپر والے شریک کو نیچے والے حصہ میں شفعہ کا حق نہیں ہے کیونکہ نیچے والا شریک بالاخانہ کا پڑوسی ہے اور اگر بالاخانہ کا راستہ مشترکہ ہو تو وہ بالاخانہ کے حقوق میں بھی شریک ہے اور یوں ہی بالاخانہ کا حصہ دار نیچے والے حصہ کا پڑوسی ہے اگر راستہ بالاخانہ نیچے والی منزل میں سے گزرتا ہو تو بھی نچلی منزل کے حقوق میں شریک ہو گا لہٰذا پڑوسی یا حقوق میں شریک کی بنسبت عین مبیع میں شریک کا حق مقدم اور اولٰی ہے۔ اور فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ نچلی منزل والے نے اپنا حصہ فروخت کیا تو اوپر والے کو شفعہ کا حق ہے کیونکہ نچلی اور اوپر منزل میں اتصال ہے تو دونوں پڑوسی قرار پائیں گے۔ (ت)

غرض بہر حال بکر جار محض سے زائد نہیں اور عمرو خلیط فی حق المبیع ہے کہ راستہ مکان مبیع کا اس

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشفعۃ فصل فی ترتیب الشفعاء نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۴

کی زمین مملوک ہے۔اور شرعاً خلیط جار پر مقدم۔**کما ھو فی عامۃ الکتب** (جیسا کہ یہ عام کتب میں ہے۔ت) پس صورت مسئولہ میں بر تقدیر مدعی ہونے کسی شریک فی نفس المبیع کے عمرو ہے۔نہ بکر اور عمرو شرائط شفعہ بجالایا تو در صورت عدم مزاحم مکان مبیع کو بکر سے لے سکتاہے۔**واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان واقع کوچہ غیر نافذہ ایک شخص اجنبی کے ہاتھ کہ اس مکان سے کوئی علاقہ شفعہ نہیں رکھتا فروخت ہوا،راستہ اسی مکان کا اراضی پیش دروازہ زید ہے۔اور راہ دونوں کو شارع عام تک مشترک،پس زید بعد بجاآوری شرائط شفعہ بحسب شفعہ دعوی کرتاہے۔اس صورت میں وہ مکان زید کو مل سکتاہے یانہیں۔

بینوا توجروا

الجواب:

صورت مسئولہ میں زید خلیط فی حق المبیع ہے۔اور حق شفع اس کے لئے ثابت،پس جس صورت میں کہ وہ سب شرائط بجالایا اگر کوئی خلیط فی نفس المبیع مدعی شفعہ نہ ہو،تو مکان اسے قطعاً مل سکتاہے**واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔**

الجواب الصحیح محمد نقی علی میاں

مسئلہ ۱۹: ۲۷ صفر ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان کی اراضی میں زید کے چند ورثہ شریک ہیں،ان میں سے بعض نے اپنے حصے عمرو شخص اجنب کے ہاتھ بیع کردئے،پھر ان اشخاص میں سے جنھوں نے اپنے حصے بیع نہیں کئے تھے ایک نے اسی عمرو کے ہاتھ اپنا حصہ بیع کردیا،اب ان اشخاص مذکورین میں ایک شخص شفیع ہے۔تو یہ شخص عمرو اجنب پر ترجیح رکھتاہے یانہیں؟اور اس اراضی بیعہ کو عمرو سے شفعہ میں لے سکتاہے یانہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

عمرو جبکہ ایک حصہ اسی زمین کا خرید چکاہے۔اور ہنوز حدود جدانہ ہوں تو وہ بھی شریک ہے اور یہ شفیع بھی شریک ہے تو کسی دوسری پر ترجیح نہیں،اگر اس شریک نے بیع ثانی کی کل مبیع کا مطالبہ بذریعہ شفعہ کیااور عمرو دینے پر راضی نہ ہوا،تو نصف شفیع کو دلادیں گے،اور عمرو راضی ہوگیاتو کل دلادیں گے۔

فی ردالمحتار باع احد شریکین فی دارحصه منها للاخرفجاء ثالث وطلب الشفعة فان کان شریکا قسمت بینه وبین المشتری لانهما شفیعان ای اذا طلب ولم یسلم للشفیع الاٰخر [1] اھ مختصرا۔واللہ تعالٰی اعلم	ردالمحتار میں ہے ایک مکان میں دو شریکوں میں سے ایک نے اپنا حصہ شریک کے پاس فروخت کیا تو ایک تیسرا شخص آیا اس نے شفعہ کا مطالبہ کیا اگر وہ بھی مکان میں شریک ہو تو وہ مکان شفیع اور مشتری میں مشترکہ قرار پائے گا کیونکہ وہ دونوں شفعہ کے حقدار ہیں یعنی جب تیسرے نے اپنا حق شفعہ نہ چھوڑا اور مطالبہ پر قائم رہا اھ مختصرا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۰: از دیورنیا تحصیل بہیڑی ۱۷صفر مظفر ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ میں کہ موضع دیورنیا میں تخمینا دو بسوہ زمینداری ہے۔منجملہ اس کے تخمینا ۵ کچوانسی خلیل الدین کے پاس،اور ۱۰ کچوانسی خواجہ بخش کے پاس،او نمبرداری دونوں بسوہ پر خواجہ بخش کی ہے۔دیگر نے انہی دو بسوہ سے ۱۶ بسوانسہ خلیل الدین کے ہاتھ بیع کی،تو شفعہ خواجہ بخش اور خلیل الدین کس کو کتنا پہنچتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر وہ دیہہ مملوکہ ہے کہ زمیندار اس میں اپنے اپنے حصوں کے مالک ہیں،تو بلا شبہ اس میں حق شفعہ جاری ہے اور خلیل الدین مشتری اور خواجہ بخش دونوں شفیع ہیں،خواجہ بخش اگر طلب مواثبت وغیرہ شرائط بجالایا اور کل مبیع ۱۶ بسوانسی پوری پر بذریعہ شفعہ دعوی کیا تو اگر خلیل الدین مزاحمت کرے تو آٹھ بسوانسی خلیل الدین کے پاس رہیں گے،اور آٹھ بسوانسی شفعہ خواجہ بخش کو دلادی جائینگی اس بات پر کچھ لحاظ نہ ہوگا کہ ان میں ایک دو کچوانسی کا مالک ہے اور دوسرا دس کا،اور اگر خلیل الدین مزاحمت نہ کرے بلکہ کل دے دے تو کل خواجہ بخش کو ملے گی،اور اگر خواجہ بخش نے کل مبیع پر دعوی نہ کیا بلکہ یہ سمجھ کر کہ مجھے آدھی ملیں گی،ابتداءً آٹھ ہی بسوانسی پر شفعہ چاہا،تو اس کا حق شفعہ ساقط ہوا،اب کچھ نہ پائے گا،ردالمحتار میں ہے:

ذکر فی الخیریة ان کون الارض عشریة اوخراجیة لا ینافی الملك ففی کثیر من الکتب ارض الخراج او العشر	خیریہ میں مذکور ہے کہ زمین کا عشری یا خراجی ہونا ملکیت ہونے کے منافی نہیں ہے تو بہت سی کتب میں ہے کہ مملوکہ عشری یا خراجی زمین کا فروخت کرنا،وقف

[1] ردالمحتار کتاب الشفعة باب ماتثبت ہی فیہ اولا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۲

مملوکۃ یجوز بیعھا وایقافھا وتورث فتثبت فیھا الشفعۃ بخلاف السطانیۃ التی تدفع مزارعۃ لاتباع فلا شفعۃ فیھا[1] الخ۔	کرنا، میراث ہونا جائز ہے، تو ان میں شفعہ ثابت ہوگا۔ بخلاف سرکاری زمین جو مزارعت میں دی جائے اور قابل فروخت نہ ہو اس میں شفعہ نہیں ہے الخ۔(ت)

درمختار میں ہے:

لوکان المشتری شریکا وللدار شریك اٰخر فلھما الشفعۃ[2]۔	اگر خریدر خود شریک تھا جبکہ اس میں کوئی اور بھی شریک ہو تو دونوں کو شفعہ کا حق ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی القنیۃ اشتری الجار دارا ولھا جار اٰخر فطلب الشفعۃ وکذا المشتری فھی بینھما نصفین، لانھما شفیعان قال ابن الشحنۃ فقولہ وکذا المشتری ای اذا طلب ولم یسلم للشفیع الاٰخر، وفی کلام ابن الشحنۃ اشارۃ الی ان قول القنیۃ فطلب الشفعۃ المراد بہ انہ لم یسلم الکل للاخر لاحقیقۃ الطلب، فلاینا فی ماقدمناہ عن الخانیۃ ان الاصیل لایحتاج الی الطلب[3]۔	قنیہ میں ہے ایک نے پڑوس والا مکان خریدا جبکہ اس مکان کا پڑوسی ایک اور شخص بھی ہے تو اس نے شفعہ کا مطالبہ کیا تو وہ اور مشتری دونوں اس مکان میں شریک ہونگے، کیونکہ وہ دونوں برابر کے شفیع ہیں، ابن شحنہ نے کہا، تو اس کا قول یوں مشتری بھی، یعنی جب وہ شفعہ کا مطالبہ کرے اور دوسرے کو اپنا حق نہ چھوڑے، اور ابن شحنہ کے کلام میں یہ اشارہ ہے کہ قنیہ کے قول "تو شفعہ طلب کیا" اس سے مراد یہ ہے کہ دوسرے کو کل نہ سونپا، یہ مراد نہیں کہ حقیقتاً طلب کیا، تو یوں خانیہ سے ہمارے ذکر کردہ کے منافی نہ ہوا کہ اصل شخص طلب کرنے کا محتاج نہیں ہے۔(ت)

تنویرالابصار میں ہے:

تملك بلاخذ بالتراضی او بقضاء القاضی بقدر رؤس الشفعاء لاالملك[4]۔	رضامندی یا قاضی کی قضاء سے شفعہ کرنے والوں کی تعداد کے مطابق نہ کہ ملکیت کے مطابق حاصل کرنے پر مالک ہوجائیں گے۔(ت)

---
[1] ردالمحتار کتاب الجہاد باب العشر والخراج داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۵۶
[2] درمختار کتاب الشفعۃ باب ماتثبت ھی فیہ اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵
[3] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب ماتثبت ھی فیہ اولا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۲
[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

درمختار میں ہے:

لو طلب احد المشریکین النصف بناء علی انہ یستحقه فقط بطلت شفعته اذ شرط صحتها ان یطلب الکل کما بسطه الزیلعی فلیحفظ [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر دونوں شریک حضرات میں، سے ایک نے نصف کا مطالبہ صرف اپنے استحقاق کے مطابق کیا تو شفعہ باطل ہوگیا کیونکہ شفعہ کی صحت کے لئے شرط ہے کہ وہ کل کا مطالبہ کرے، جیسا کہ زیلعی نے اس کو مبسوط پر بیان کیا، اسے محفوظ کرنا چاہئے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۱: ازاوجین علاقہ گوالیار مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان پابند شرع برحق اس مسئلہ میں، ایک چشمہ گنگا بائی ومتھرا بائی کے مکان کا شرق رویہ ملحق مکان حکیم رحمت علی صاحب اور طرف جنوب شارع عام اور مغرب رویہ اس مکان کے صرف مکان رحمت علی صاحب ہے، اس چشمہ کو ایک برہمن غیر محلّہ کو سات سو روپیہ میں فروخت کیا، ازاں جملہ دس روپیہ بیعنامہ ہوا، اس برہمی سے لے لئے، جب حکیم صاحب کو خبر پہنچی تو بوقت دستاویز دعوی حق شفعہ کیا تو اس عورت نے بعدم دعوی حق شفعہ حکیم صاحب اس چشہ کو جو منضم مکان حکیم صاحب ہے اس برہمن کو خیرات کردیا، اس خیال سے کہ دعوی حکیم صاحب رد ہوجائے، اس صورت میں بحق شفعہ دعوی حکیم صاحب درست ہے یا نہیں؟ بیان فرمائیں بعبارت کتب علماء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔

الجواب:

اگر شفیع شرائط طلب بجالایا تو اس کا حق شفعہ ثابت ہے۔ اور اس خیرات کردینے سے شفعہ حاصل نہ ہوا، جب بیع تمام ہوچکی مشتری کا مالک ہوگیا، بائعہ کی اس میں ملک نہ رہی، اب یہ اسی کا مال اس پر خیرات کرنے والی کون، اور اگر خیرات یوں واقع ہوئی کہ بعد دعوی شفعہ بائعہ ومشتری نے باہم بیع کو فسخ کرلیا، پھر بائع نے مبیع مشتری پر خیرات کردی، تو یہ مشتری کا ایک تصرف تھا جسے شفعیع توڑ سکتا ہے، بائع ومشتری کا باہم بیع فسخ کرلینا تیسرے شخص کے حق میں بیع جدید ہوتا ہے یعنی مشتری نے اب وہ چیز بائع کے ہاتھ بیچ ڈالی اور مشتری کی بیع درکنار وقف تک کو شفیع رد کرسکتا ہے ان تصرفات سے اس کے حق شفعہ میں کوئی خلل

[1] درمختار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

نہیں آتا، درمختار میں ہے:

ینقض الشفیع جمیع تصرفات المشتری حتی الوقف والمسجد والمقبرۃ والھبۃ، زیلعی وزاھدی[1]۔	مشتری کے کئے ہوئے تصرفات حتی کہ وقف، مسجد مقبرہ، ہبہ جیسے کو بھی شفیع کالعدم کردے، زیلعی وزاہدی۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

لوتصرف المشتری فی الدار المشتراۃ قبل اخذ الشفیع بان وھبھا وسلمھا اوتصدق بھا اوأجرھا او جعلھا مسجدا وصلی فیھا او وقفھا وقفا اوجعلھا مقبرۃ ودفن فیھا، فللشفیع ان یاخذ وینقض تصرف المشتری کذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خاں[2]۔	اگر مشتری نے خرید کردہ پراپرٹی میں شفیع کے قبضہ سے قبل تصرفات کئے یوں کہ ہبہ کرکے قبضہ دے دیا، اس کو صدقہ کردیا، اُجرت پر دے دیا، اس کو مسجد قرار دے کر اس میں نماز پڑھی گئی، مکمل وقف کردیا، یا قبرستان بنا کر اس میں دفن کا عمل کیا تو شفیع کو قبضہ کرکے ان تمام تصرفات کو ختم کرنے کا حق ہے۔ قاضی خاں کی شرح جامع الصغیر میں یوں ہے۔(ت)

اسی میں ذخیرہ سے ہے:

المشتری لہ ان یبیع ویطیب لہ الثمن غیر ان للشفیع ان ینقض[3] اھ مختصرا۔	مشتری کو فروخت کرنے کا جواز ہے اور وہ ثمن اس کے لئے طیب ہے مگر شفیع کو اختیار ہوگا کہ وہ ان تصرفات کو توڑ دے اھ مختصرا۔(ت)

تنویر میں ہے:

الاقالۃ فسخ فی حق المتعاقدین بیع فی حق ثالث[4] اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اقالہ فریقین کے حق میں فسخ ہے اور تیسرے شخص کے حق میں وہ جدید بیع ہے اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۱

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۱

[4] درمختار کتاب البیوع باب الاقالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۔۳۳

مسئلہ ۲۲: از شہر کہنہ بریلی مرسلہ مولوی سید کرامت علی ۴ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شریعت غراء محمدیہ اس صورت میں کہ زید کاہمسایہ عمرو ہے اور دونوں کے مکان ایک ہی قطعہ میں واقع ہے۔ صرف دیوار پر درمیان میں ہے۔اور دروازہ دونوں کا متصل ہر ایک جانب کو بفاصلہ تین چار گزرکے،اور کوئی دوسرا شخص ایسا قریب نہیں رہتا جس کا دروازہ ملحق بدروازہ زید ہو۔ سوائے عمرومذکورکے،اب زید نے بنظر تکلیف دہی عمرو کی اپنی زمین مذکورہ کا تبادلہ بکرکے زمین سے جو بفاصلہ تقریباً دو صد گز ہے کرکے اقرار نامہ تحریر کردیا یعنی اپنی زمین بکرکے بیع کردیا،اب اس حالت میں عمرو کو حق شفعہ زمین پہنچتاہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ضرور حق شفعہ پہنچتاہے اگرچہ بجائے لفظ بیع مبادلہ زمین بزمین کہا،اگرچہ بجائے بیعنامہ اس مبادلہ کااقرار نامہ لکھا،اس لئے کہ ان عقود میں معنی ہی معتبر ہیں،خاص لفظ کی حاجت نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

اعطیتك بکذا اوخذہ بکذا فی معنی قولہ بعت واشتریت لانہ یؤدی معناہ المعنی ھو المعتبر فی ھذہ العقود[1]۔	میں نے تجھے اتنے عوض میں دیا یااتنے عوض میں لے،یہ بعت و اشتریتُ کے معنی میں ہے کیونکہ یہ ان کے ہم معنٰی ہیں اوران عقود میں معنی ہی معتبر ہے۔(ت)

اور مال کامال سے بدلنا بھی معناً بیع ہے،عالمگیری میں ہے:

اما تعریفۃ فمبادلۃ المال بالمال بالتراضی ھکذا فی الکافی[2]۔	بیع کے تعریف،رضامندی سے مال کامال کے بدلے دینا،کافی میں اس طرح ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لوقال لاخرعوضت فرسی بفرسك فقال وانا فعلت ایضافھذا بیع[3]۔	اگر ایک نے دوسرے کو کہا،میں نے اپنا گھوڑا تیرے گھوڑے کے بدلے میں دیا،دوسرے نے کہامیں نے بھی کر لیا،تو یہ بیع ہے۔(ت)

[1] الھدایۃ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵

اسی کی کتاب شفعہ میں ہے:

اما شرطها فانواع منها عقدا لمعاوضة وهو البيع او ماهو بمعناه(الى وله)ومنهامعاوضة المال بالمال [1]۔	شفعہ کے شرائط کئی ہیں، ان میں ایک عقد معاوضہ ہے۔ اور وہ بیع یا اس کا ہم معنی ہے (تا اس کے قول) اور ان میں سے مال کا مال سے تبادلہ ہے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

اذا مالك العقار بعوض هو مال وجبت فيه الشفعة [2]۔	جب پراپرٹی کا کسی مال کے عوض مالک بن گیا تو اس میں شفعہ لازم ہوتا ہے۔ (ت)

یہ خاص جزئیہ اس مسئلہ کا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳: از ریاست رامپور محلّہ بنگلہ آزاد خاں مطبع دبدبہ سکندری مرسلہ فاروق حسن خاں ۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

زید نے دعوی دلاپانے ایک قطعہ سرا کا جس کا منفرد عمرو مشتری ہے۔ اور دوسرے قطعہ سرا کا جس کے عمرو مذکور و بکر و خالد وفہیم ونعیم پانچ اشخاص مشترکا خریدار ہیں، باظہار حق شفعہ بہ نمبر ہائے جدا گانہ بنام مشتریان مذکور عدالت میں رجوع کیا، مشتریان مذکور بعد علم بالبیع ادائے طلب مواثبت واشہاد زید کے منکر ہیں، زید نے جو شہادتیں در بارہ طلب مواثبت عدالت میں پیش کیں ان سے طلب مذکور ثابت نہ ہوئی، پس زید اعتراف عدم ثبوت طلب موثبت اپنی طلب مواثبت پر خود خواستگار بجاآواری حلف کا ہے۔ علماء ماہرین علم فقہ سے دریافت طلب یہ امر ہے کہ بصورت مسئلہ نسبت ادائے طلب مواثبت قول زید کا مع الیمین مقبول ہوگا یا باقتضائے روایات مفتی بہا واقوال مستندہ فقہیہ بسبب ہونے تحلیف علی فعل الغیر مشتریان سے علم طلب مواثبت زید پر قسم لی جائے گی، اور فریق ثانی نے جو استفتاء عدالت میں پیش کیا ہے اس کی نقل بجنسہٖ ہمرشتہ سوال ہذا ہے۔ نظر بمضمون سوال ہذا وتوجہ بروایات وعبارات سوال وجواب مندرجہ استفتاء گزرانیدہ، فریق ثانی بحوالہ روایات مفتی بہا باستدلال اقوال مستندہ کتب فقہ جواب مرحمت ہو۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ مسئلہ معرکۃ الآرا ومزلۃ الاقدام ہے۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس سوال کے ورود پر

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۶۰

[2] الھدایۃ کتاب الشفعۃ باب ماتجب فیہ الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۴ /۴۰۰

عبارات کثیرہ علماء کو بظاہر نہایت متخالف ومتعارض تھیں بکثرت جمع کیں، اور ان کے محو انظار ومنزع کلام ومنظر مراد وملحظ مرام پر بتوفیقہ تعالٰی نظریں ڈالیں اور بعد تحقیق وتدقیق وتطبیق وتوفیق وہ حکم نفیس مشید بالاصول ومؤید بتظافر العقول والمنقول منقح کرلیا جس نے بحمد اللہ تعالٰی ان تمام عبارات متعارضہ کو یک زبان کردیا اور تصادم وتزاحم یک لخت اٹھ گیا، اور مختلف ظنوں کو مختلف مناشی سے اکابر علماء مثل علامہ ابن قاضی سماوہ وعلامہ حموی وعلامہ ابوالسعود ازہری وعلامہ سائحانی اور شامی رحمہم اللہ تعالٰی کو پیدا ہوئے تھے بعونہ سبحانہ سب کا کشف حجاب واظہار صواب کیا، فقیر نے اس تحریر کامل التحریر کا نام "اَفْقَہُ الْمُجَاوَبَۃِ عَنْ حَلَفِ الطَّالِبِ عَلٰی طَلَبِ الْمُوَاثَبَۃِ" رکھا۔ وضاحت مرام وازاحت اوہام تو اسی تحریر پر محمول۔ یہاں نفس حکم بکمال اجمال مذکور۔ سوال کہ یہاں ارسال ہوا، اور دوسرا کہ فتوٰی منسلکہ میں تھا دونوں نہایت گول اور ناتمام ہیں ان میں سے کسی پر ایک حکم قطعی کہ یہاں شفیع کا حلف لیں گے یا مشتری کا، ہرگز نہیں ہوسکتا بلکہ حق تفصیل ہے۔ اولا نظر کی جائے، آیا شفیع نے طلب اشاد بینہ عادلہ سے ثابت کردی یا وہ بھی ناکام رہی، درصورت ثانیہ ہرگز شفیع کا حلف نہ لیا جائے گا۔ نہ مسموع ہوگا کہ شفیع ثبوت حق شفعہ کا دعوٰی کرتا ہے۔ اور مشتری منکر ہے۔ اور شرع احلاف منکر پر ہے نہ کہ مدعی پر، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث مشہور میں فرماتے ہیں:

البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر [1]۔	مدعی پر گواہ اور منکر پر قسم لازم ہے۔ (ت)

والہذا عامہ کتب معتمدہ میں تصریح فرمادی کہ بحال وانکار مشتری شفیع اپنی طلب بے گواہوں کے ثابت کر ہی نہیں سکتا۔ ہدایہ وتبیین الحقائق وتکملہ طوری میں ہے:

لانہ یحتاج الی اثبات طلبہ عندالقاضی ولایمکنہ ذٰلک الابالاشہاد [2]۔	کیونکہ قاضی کے ہاں وہ اپنی طلب کو ثابت کرنے کا محتاج ہے جبکہ یہ گواہ بنائے بغیر اس کے لئے ممکن نہیں۔ (ت)

اور اگر طلب شہاد بینہ شرعیہ سے ثابت ہوچکی ہے۔ تو اب طلب مواثبت کے باب میں تین صورتیں ہیں:

(۱) اگر شفیع اپنی طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت اس طلب اشہاد مشہود ومعہود ثابت بالبینہ سے

[1] صحیح البخاری کتاب الرھن باب اذا اختلف الراھن والمرتھن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۲، جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ماجاء فی البینۃ علی المدعی امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۰، سنن الکبرٰی للبیھقی کتاب الدعوی والبنیات دارصادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

[2] الھدایہ کتاب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۰

پہلے بیان کیا اور مدعی ہوا ہے کہ اسی وقت بمجرد علم بالبیع میں طلب مواثبت بجالایا تھا، تو ہرگز بے بینہ مسموع نہیں، نہ شفیع کا حلف اصلا قابل سماعت کہ وہ باقرار خود سبقت علم مان چکا ہے اور اس کی معیت کا ایک ایسی طلب کے لئے مدعی ہے جو ہنوز مجہول وغیر ثابت ہے۔

فکیف یصدق فیما ھو غیر بین ولا مبین مع توقف ثبوت حقه علیه۔	تو غیر واضح چیز میں وہ کیسے تصدق کرے جبکہ اپنے حق کو ثابت کرنا خود اس پر موقوف ہے۔ تو اور کون واضح کرے گا۔ (ت)

وہ حصول طلب فی الماضی کا مدعی ہے اور مشتری منکر۔

والاصل العدم ومن ادعی خلاف الاصل فعلیه تنویر دعواه بالبینة۔	عدم اصل ہے اور جو شخص اصل کے خلاف کا دعوی کرے اس پر اپنے دعوی کو روشن کرنا گواہی کے ساتھ ضروری ہے۔ (ت)

وہ ایک ایسی چیز کی حکایت کر رہا ہے جو اس وقت اس کے اختیار سے باہر ہے کہ وہ سبقت علم کا مقر ہوا، اور طلب مواثبت کا وقت اسی فور میں تھا اس وقت احداث طلب پر قدرت نہیں رکھتا۔ اور جو ایسی شیئ کا حاکی ہو اس کا قول بے بینہ مسموع نہیں،

درر وغرر میں ہے:

من حکی مالایملك استئنافه للحال، لایصدق فیما حکی بلا بینة[1]۔	جس کو فی الحال نافذ کرنے کا مالک نہیں تو اس کی حکایت بغیر گواہی قابل تصدیق نہ ہوگی۔ (ت)

یہی معنی ہیں تصریحات کے کہ طلب مواثبت بے بینہ کے ثابت نہیں ہو سکتی۔

ای اذا کان طلب المواثبة وحده بخلاف مایاتی فانه لم یثبت فیه انفراده عن طلب الاشهاد، کما ستعلم، وطلب واحد ربما یقوم مقام الطلبین فبعد اثبات طلب الاشهاد بالشهود اوثبوته باقرار المشتری لایحتاج الی اثبات طلب المواثبة	یعنی جب طلب مواثبت الگ ہو یہ آئندہ آنیوالی صورت کے برخلاف ہے جہاں طلب مواثبت میں اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ طلب اشہاد سے خالی ہے جیسا کہ عنقریب تجھے معلوم ہوگا جبکہ ایک ہی طلب وہ مطالبوں کے قائم مقام ہو سکتی ہے تو گواہوں کے ذریعہ طلب اشہاد کے اثبات یا خود مشتری کے اقرار سے ثبوت کے بعد شفیع کو اب طلب مواثبت کے اثبات

[1] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الشفعة باب ماتکون ھی فیه میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۶

منفرزاعنه،فان ادعى المشتری الانفراز بتقدم العلم على الاشجار فعليه البينة لاعلى الشفيع۔	کی الگ طور پر ضرورت نہیں، تواگر مشتری یہ دعوی کرے کہ شفیع کو طلب اشہاد سے قبل بیع کا علم تھااور اس نے مواثبت نہ کی تو اس صورت میں مشتری پر لازم کہ وہ اس پر گواہی پیش کرے نہ کہ شفیع پر۔(ت)

غایۃ البیان شرح الہدایہ للعلامۃ الاتقانی میں ہے:

المراد من المطالبة طلب المواثبت والاشهاد فيه فی المجلس ليس بشرط والشراط هو نفس الطلب۔و انمايشهد فيه لانه لايصدق على الطلب الابينة [1]۔	مطالبہ سے مراد طلب مواثبت ہے۔رہا شہاد (گواہ بنانا) تو اس کا اس مجلس میں پایا جانا شرط نہیں ہے شرط صرف نفس طلب ہے۔اس میں گواہ بنانا صرف اس لئے ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر طلب کی تصدیق نہ ہوسکے گی۔(ت)

نہایہ امام سغناقی و معراج الدرایہ پھر نتائج الافکار و شروح ہدایہ میں ہے:

طلب المواثبة لاينفك عن الاشهاد فی حق علم القاضی [2]۔	طلب مواثبت قاضی کے علم کے اعتبار سے اشہاد سے جدا نہیں ہوسکتی۔(ت)

ان دونوں صورتوں میں سبیل یہی ہے کہ شفیع چاہے تو مشتری سے حلف لے۔اور یہاں حلف فعل غیر پر ہے۔مشتری کا حلف محض علم پر ہوگا کہ واللہ مجھے معلوم نہیں کہ اس زید مدعی نے یہ طلب مواثبت جس کا یہ مدعی ہے ادا کی ہو، تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

لوانکر المشتری طلب المواثبة فانه يحلف على العلم [3]۔	اگر مشتری طلب مواثبت کا انکار کرے تو وہ اپنے علم کی قسم کھائے گا(کہ یہ مجھے معلوم نہیں)۔(ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

انکر طلب الشفيع مواثبة حلفه على العلم،وان طلبه عند	مشتری نے شفیع کی طلب مواثبت کاانکار کیا تو اپنے علم کی قسم کھائے گااور اگر شفیع نے مشتری سے

---

[1] غاية البيان

[2] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار تکملہ بر فتح القدیر کتاب الشفعة باب مایبطل به الشفعة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۳۶

[3] درمختار کتاب الشفعة باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۷

لقائہ فعلی البتات [1]۔	ملاقات کے وقت طلب کا دعوی کیا تو اس صورت میں مشتری قطعی قسم کھائے گا (کہ شفیع نے قبل ازیں مواثبت نہیں کی)۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

انکر المشتری طلب الشفعة حین علم فالقول له مع یمینه علی نفی العلم [2]۔	مشتری نے طلب کا انکار کیا کہ شفیع نے بیع کی خبر سننے پر مواثبت نہیں کی تو مشتری اپنے علم کی قسم کھائیگا اور اس کی بات مان لی جائے گی۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں فتاوٰی کبرٰی سے ہے:

المشتری اذا انکر طلب الشفعة عند سماع البیع فالقول له مع الیمین علی العلم باللّٰه ما یعلم ان الشفیع حین علم بالبیع طلب [3]۔	مشتری نے طلب شفعہ کا انکار کیا کہ شفیع نے بیع کی خبر سننے پر مواثبت نہیں کی تو اپنے علم کی قسم پر اس کی بات قبول کرلی جائے گی اور یوں کہے گا کہ اللہ کی قسم مجھے علم نہیں کہ شفیع نے سن کر موقعہ پر طلب کی ہو۔ (ت)

ہندیہ میں ملتقط سے ہے:

المشتری اذا انکر طلب الشفیع الشفعة عند سماع البیع یحلف علی العلم، وان انکر طلبه عند لقائه حلف علی البتات [4]۔	شفیع کا بیع کی خبر سننے پر طلب کا اگر مشتری انکار کرے تو اپنے علم کی قسم دے گا۔ اور اگر اس کی ملاقات کے موقعہ پر طلب کا مشتری انکار کرے تو قطعی قسم دے۔ (ت)

اسی طرح کتب کثیرہ میں ہے۔ اسی میں محیط امام سرخسی سے ہے:

اذا انکر المشتری طلب الشفعة فیقول له لم تطلب الشفعة حین علمت بل ترکت الطلب وقمت عن المجلس والشفیع	مشتری طلب شفعہ کا انکار کرتے ہوئے شفیع کو کہے کہ تو نے بیع کی خبر سن کر شفعہ طلب نہ کیا بلکہ تو مجلس سے اٹھ گیا اور طلب کو ترک کیا، اور شفیع کہے کہ میں نے

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۶۷
[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الشفعۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۸۷
[3] خزانۃ المفتین کتاب الشفعۃ قلمی نسخہ ۲/ ۱۹۴
[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۴

یقول طلبت فالقول قول المشتری فلا بد من الاشھاد وقت الطلب توثیقا[1]۔	اس وقت طلب کیا ہے تو مشتری کی بات مانی جائے گی اسی لئے کہ وقت الشہاد ضروری ہے تاکہ معاملہ پختہ ہو۔(ت)

اور اگر شفیع نے طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت اس طلب الشہاد و مشہود سے پہلے نہ بیان کیا، بلکہ صراحۃ تصریح کردی کہ جس وقت میں نے طلب اشہاد کی اسی وقت مجھے علم ہوا تھا اس سے پہلے علم بالبیع نہ تھا، تو شفیع ہی کا قول حلف کے ساتھ مقبول ہے۔ اسے طلب مواثبت پر جداگانہ گواہی دینے کی حاجت نہیں، مشتری اگر دعوی کرے کہ طلب اشہاد سے پہلے شفیع کو علم بالبیع ہولیا تھا، اور اس نے اس وقت طلب مواثبت نہ کی تو اب مشتری مدعی ہے۔ یہ گواہی دے، اسی لئے کہ اب یہ حصول علم فی الماضی کا ادعا کرتا اور شفیع منکر ہے۔

والحادث یضاف الی اقرب الاوقات، والاصل العدم فمن خالف ھذین الاصلین فعلیہ البینۃ۔	نیا معاملہ اقرب وقت کی طرف منسوب ہوگا، اور یہ کہ عدم اصل ہے۔ جو شخص ان دونوں قاعدوں کے خلاف کرے تو اس پر گواہ لازم ہوں گے (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لوقال الشفیع لم اعلم بالشراء الاالساعۃ کان القول قولہ، وعلی المشتری البینۃ انہ علم قبل ذٰلك ولم یطلب[2]۔	اگر شفیع کہے کہ مجھے خریداری کا علم نہ تھا اب ہوا ہے، تو اس کا قول معتبر ہوگا۔ اور مشتری گواہی پیش کرے کہ اس کو پہلے علم ہوچکا اور اس نے طلب نہ کیا۔(ت)

سراجیہ میں ہے:

الشفیع اذا طلب الشفعۃ فقال المشتری علمت بالبیع قبل ھذا ولم تطلب وقال الشفیع علمت بہ الساعۃ فالقول للشفیع[3]۔	شفیع نے طلب کیا تو مشتری نے کہا تجھے قبل ازیں بیع کا علم ہوگیا تھا تو نے مطالبہ نہ کیا جبکہ شفیع کہے کہ مجھے ابھی علم ہوا ہے تو شفیع کی بات قبول ہوگی۔(ت)

خزانۃ المفتین میں فتاوٰی ظہیریہ اور عالمگیری میں محیط سے ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الشفعۃ فصل فی ترتیب الشفعاء نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۶

[3] فتاوٰی سراجیہ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ نولکشور لکھنؤ ص ۱۱۰

لو قال الشفیع علمت الساعۃ وانا اطلبہا وقال المشتری علمت قبل ذٰلك ولم تطلب فالقول قول الشفیع [1]۔	اگر شفیع نے کہا مجھے اب علم ہوا اور طلب کر رہا ہوں مشتری نے کہا تو نے پہلے علم ہونے کے باوجود طلب نہیں کیا ہے تو شفیع کی بات مانی جائے گی۔(ت)

یوہیں اگر شفیع نے طلب اشہاد ثابت کردی اور طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت متقدم اصلا معین نہ کیا بلکہ لوگوں مجمل کہا کہ معا علم ہوتے ہی میں نے شفعہ طلب کیا تو اس صورت میں بھی شفیع کا حلف معتبر ہے اگر واقع میں اسی وقت طلب اشہاد سے پہلے علم نہ ہوا تھا جب تو ظاہر اور ہو چکا تھا اور فورا طلب مواثبت کرلی تھی اگرچہ اس وقت کوئی دوسرا موجود نہ تھا ت وہ اپنے اس حلف میں عنداللہ سچا ہے اور قاضی اس گول لفظ کو اسی طلب معلوم مشہود پر حمل کرے گا اور اس سے زیادہ تفصیل وقت کی شفیع کو تکلیف نہ دیگا یہی منشا ہے ان عبارات کا کہ شفیع کو اگرچہ تنہائی میں علم بالبیع ہو معا زبان سے طلب شفعہ کرلے کہ عند اللہ تعالٰی اس کا شفع ساقط نہ ہو اور وقت حاجت حلف کرسکے۔ فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

یصدق علی انہ طلب کما علم مع الحلف [2]۔	شفیع نے کہا میں نے علم ہوتے ہی طلب کیا تو قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کردی جائے گی۔(ت)

درر میں ہے:

اذا اسمع بالبیع فی مکان خال عن الشھود فسکت تبطل شفعتہ، واذا قال طلبت الشفعۃ ولم یسمعہ احد لا تبطل، حتی اذا حضر عند القاضی، وقال الشفیع طلبت الشفعۃ ولم اترکہا وحلف علی ذٰلك کان بارا فی یمینہ، ویثبت طلب المواثبۃ [3]۔	جب ایسی جگہ اس نے بیع کی خبر سنی جہاں کوئی گواہ نہ تھا تو یہ خاموش رہا، اس کا شفعہ باطل ہوجائے گا اور جب یہ کہے کہ میں نے وہاں طلب کیا اور کسی نے نہ سنا شفعہ باطل نہ ہوگا حتی کہ جب قاضی کے ہاں حاضر ہو کر شفیع نے کہا میں نے شفعہ طلب کیا اور ترک نہیں کیا اور قاضی نے اس پر قسم لی او راس نے قسم کھائی تو اپنی قسم میں سچا ہوگا۔ اور طلب مواثبت ثابت ہوجائے گی۔(ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

ان لم یکن بحضرتہ احد یطلب من غیر اشہاد، لان ھذا الطلب صحیح من غیر اشہاد والاشہاد لمخالفۃ الجحود۔ والطلب لا بد منہ کیلا یسقط حقہ فیما بینہ وبین اللہ تعالٰی ولیمکنہ الحلف اذا حلف [4]۔	اگر کوئی بھی حاضر نہ ہو تب بھی طلب بغیر گواہی کردے، کیونکہ یہ بغیر گواہوں کے طلب صحیح ہوگی اور گواہی تو انکار کے مقابلہ کے لئے ہوتی ہے جبکہ طلب ضروری ہے تاکہ اس کا عنداللہ حق ساقط نہ ہو اور اس سے قسم لی جائے تو قسم دینا ممکن ہو۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۴

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الشفعۃ الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۶۶

[3] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الشفعۃ باب ماتکون ھی فیہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۵

[4] تبیین الحقائق کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ المکتبۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۵/ ۲۴۳

کفایہ میں ہے:

ذکر فی المبسوط لو لم یکن بحضرته احد حین سمع ینبغی ان یطلب الشفعة، والطلب صحیح من غیر اشهاد، والاشهاد لمخالفة الجحود فینبغی له ان یطلب حتی اذا احلفه المشتری امکنه ان یحلف انه طلبها کما سمع [1]۔	مبسوط میں ذکر فرمایا کہ اگر کوئی بھی اس کے پاس موجود ہو تو بیع کی خبر سنتے ہی شفعہ طلب کرنا مناسب ہے جبکہ بغیر گواہ بنائے طلب صحیح ہے گواہ تو انکار کے مقابلہ کے لئے ہے تو اس کو طلب کرنا مناسب ہے، تاکہ جب اس سے مشتری قسم لے تو اس کو یہ قسم دینا ممکن ہو کہ میں نے سنتے ہی طلب کیا ہے۔ (ت)

متتبع کلمات علماء بہت جگہ تصریح پائے گا کہ جب دربارہ میں طلب شفیع و مشتری میں اختلاف ہے قول قول مشتری ہے۔ اور بہت جگہ یہ کہ قول قول شفیع ہے، اس ظاہری اضطراب میں توفیق و تطبیق بتانے والی وہی عبارات کثیرہ ہیں جن میں تفصیل فرمادی کہ شفیع نے طلب مواثبت کو وقت سابق کی طرف مسند کیا تو قول قول مشتری ہے۔ اور گول چھوڑا کوئی وقت اس کا بیان نہ کیا صرف اتنا کہ بمجرد علم میں نے بطلب کی تو قول قول شفیع ہے۔ خانیہ وبزازیہ ودرر وغرر وجامع الفصولین وسراجیہ وواقعات المفتین وفتاوٰی صغرٰی ومحیط ومبسوط وفتاوٰی ظہیریہ ووھبانیہ وخزانۃ المفتین وتکملہ طوری وحواشی رملی وشامی وشرح وھبانیہ وغیرہا کتب کثیرہ میں یہ توفیق وتفصیل ارشاد ہوئی، امام اجل قاضی الشرق والغرب شیخ المذھب سیدنا امام ابویوسف نوادر میں فرماتے ہیں:

اذا قال الشفیع طلبت الشفعة حین علمت فالقول قوله، ولو قال علمت امس و طلبت اوکان البیع امس و طلبتها فی ذٰلك الوقت لم یصدق الا ببینة [2] اھ نقله العلامة الطوری فی تکمله البحر۔	جب شفیع کہے میں نے علم ہونے پر شفعہ طلب کیا تو اس کا قول معتبر ہوگا اور اس نے کہا مجھے گزشتہ روز علم ہوا اور میں نے طلب کیا یا یوں کہا کہ بیع گزشتہ روز ہوئی اور میں نے طلب کیا، اسی وقت، تو بغیر گواہی اس کی تصدیق نہ کی جائے گی، اھ اس کو علامہ طوری نے بحر کے تکملہ میں نقل کیا ہے۔ (ت)

امام جلیل خصاف شرح ادب القاضی میں فرماتے ہیں:

---

[1] الکفایة مع فتح القدیر کتاب الشفعة باب طلب الشفعة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۰۷

[2] تکمه من البحر الرائق کتاب الشفعة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۱۲۹

قال المشتری اشتریت هذه الدار منذ سنة وقد علم الشفیع شرائی ولم یطلب فأساله عن ذٰلک،فان القاضی یسأل المدعی متی اشتریت هذه الدار فان قال الشفیع طلبت الشفعة حین علمت فان القاضی یکتفی منه بهذا المقدار،لان لایمکنه ان یقول اشتراها منذ سنة لاحتیاجه الی اثباته فاحترز عنه بذکر طلب الشفعة۔فان قال له المشتری طلبت حین علمت فالقول للشفیع،لانه فی هذه الحلة ظهر علمه للقاضی مقارنا للطلب،بخلاف ما اذا قال الشفیع علمت منذکذ اوطلبت وقال المشتری ما طلبت کان القول للمشتری اذا لم یظهر للقاضی بالاسناد لذٰلك الوقت فیحتاج الی الاثبات،ونظیره البکر اذا زوجت[1] اھ،نقله العلامة الشرنبلالی فی تیسیر المقاصد شرح نظم الفرائد۔	مشتری نے کہامیں نے یہ دار ایک سال سے خرید رکھاہے اور شفیع کو میری خریداری کا علم ہوا اور طلب نہ کی، تو اس سے سوال کریں تو اگر قاضی مدعی شفعہ سے سوال کرے کہ اس دار کی خریداری کب ہوئی، تو شفیع نے اگر کہا میں نے علم ہوتے ہی طلب کی تو قاضی اس کی اس قدر بات کو کافی قرار دے گا کیونکہ شفیع کو یہ ممکن نہیں کہ وہ یوں کہے کہ مشتری نے سال سے خرید رکھا ہے وہ طلب کے اثبات کا محتاج بنے، لہٰذا اس بیان سے احتراز کرتے ہوئے طلب شفعہ کو ذکر کیا ہے۔تو اگر مشتری اس کو کہے کہ تو نے علم کے وقت طلب کیا تھا تو شفیع کی بات معتبر ہوگی کیونکہ اس حالت میں طلب اور علم اکٹھے قاضی پر ظاہر ہوئے، اس کے برخلاف اگر شفیع یوں کہے کہ میں نے اتنی مدت سے جانا اور طلب کی اور مشتری طلب کا انکار کردے تو مشتری کا قول معتبر ہوگا کیونکہ قاضی پر اس وقت کی طلب ظاہر نہ ہوئی تو اثبات کا محتاج ہوگا۔ اور اس کی نظیر باکرہ لڑکی کا نکاح ہے۔اس کو علامہ شرنبلالی نے تیسیر القاصد شرح نظم الفرائد میں نقل فرمایاہے۔(ت)

امام فقیہ النفس خانیہ میں فرماتے ہیں:

ان قال المشتری انی قد اشتریت هذه الدار التی یرید ان یاخذها بالشفعة منذ سنة وقد علم هذا المدعی بشرائی	اگر مشتری کہے کہ میں نے یہ دار سال سے خرید کر رکھا ہے جس کو وہ شفعہ کی بناء پر حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس مدعی شفعہ کو میری خریداری کا علم ہوا تو

[1] شرح ادب القاضی للخصاف تیسیر المقاصد شرح نظم الفرائد۔

ولم یطلب الشفعة یقول القاضی للمدعی متی اشتری ھذہ الدار فان قال المدعی طلبت الشفعة حین علمت کان صحیحا اکفاہ ذٰلك فان قال المشتری ماطلبت حین علمت کان القول الشفیع، وان قال الشفیع علمت منذ سنة وطلبت وقال المشتری لم تطلب کان القول قول المشتری، وھو کالبکر اذا زوجت فبلغھا الخبر فردت فاختصما الی القاضی فقال الزوج حین بلغھا الخبر سکتت، وقالت رددت حین علمت، کان القول قولھا، وان قالت علمت یوم کذا و رددت لا یقبل قولھا(الی ان قال) ولو قیل للشفیع متی علمت، فقال امس اوفی یومی قبل ھذہ الساعة لایقبل قولہ الاببینة[1]۔	اس نے طلب نہ کی تو اس صورت میں قاضی مدعی سے کہے گا کہ یہ دار کب سے خریدا گیا تو مدعی نے اگر جواب میں کہا کہ میں نے علم کے وقت ہی طلب کی تھی تو مدعی کا یہ بیان صحیح ہوگا اور قاضی اس کو کافی قرار دے گا تو مشتری اگر کہے کہ تو نے علم کے وقت طلب نہ کی تو شفیع کی بات معتبر ہوگی، اور اگر شفیع نے یوں کہا کہ میں نے سال سے جانا اور طلب کی اور مشتری کہے تو نے اس وقت طلب نہ کی تو مشتری کا قول معتبر ہوگا، یہ معاملہ باکرہ لڑکی کے نکاح کی طرح ہے کہ اس کو نکاح کی خبر پہنچی تو اس نے نکاح کو رد کیا تو خاوند بیوی کا یہ اختلاف قاضی کے سامنے پیش ہو تو خاوند کہے اس کو جب نکاح کی خبر پہنچی تو یہ خاموش رہی اور عورت کہے میں نے علم ہوتے ہی رد کر دیا تھا تو عورت کی بات معتبر ہوگی اور اگر عورت کہے کہ مجھے فلاں روز علم ہوا اور میں نے رد کر دیا تھا تو عورت کی بات معتبر نہ ہوگی (یہاں تک فرمایا) اور اگر شفیع کو کہا گیا تو نے کب معلوم کیا تو اس نے کہا گزشتہ روز یا آج ایک گھنٹہ قبل تو شفیع کی بات بغیر گواہی قبول نہ ہوگی۔(ت)

علامہ مولٰی خسرو غرر میں فرماتے ہیں:

قال الشفیع طلبت حیط علمت فالقول لہ بیمینہ، ولو قال علمت امس وطلبتہ کلف اقامة البینة[2]۔	شفیع کہے جس وقت مجھے علم ہوا اس وقت ہی طلب کی تو اس کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی، اور اگر کہے مجھے گزشتہ روز علم ہوا اور میں نے طلب کی تو اسے گواہی کا پابند کیا جائے گا۔ (ت)

درر میں ہے:

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الشفعة فصل فی ترتیب الشفعاء نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۶

[2] الدرالحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الشفعہ باب ماتکون ہی فیہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۶

کلف اقامة البینة ولایقبل قوله لانه اضاف الطلب الی وقت ماض فقد حکی مالایملك استئنافه للحال، و من حکی مالا یملك استئنافه للحال لایصدق فیما حکی بلا بینة، واذا لم یضف الطلب الی وقت ماض بل اطلق الکلام اطلاقا تامافقد حکی مایملك استئنافه للحال لانه نجعله کانه علم بالشراء الآن، وطلب الشفعة الآن فلذا جعل القول قوله کذا فی العمادیة وغیرها[1]۔	اس کو گواہی کا پابند کیا جائے گا اور اس کی بات قبول نہ ہوگی کیونکہ اس نے طلب کو ماضی کی طرف منسوب کیا ہے تو ایسی بات کو حکایت کیا جس کو فی الحال نافذ کرنے پر قادر نہیں، اور جو شخص ایسی بات کی حکایت کرے جس کو وہ فی الحال ابتداء نافذ کرنے کا مالک نہ ہو تو اس حکایت میں اس کی تصدیق بغیر گواہی نہ ہوگی، اور شفیع جب طلب کو ماضی کی طرف منسوب نہ کرے گا بلکہ کلام کو مطلقاً ذکر کرے تو یہ ایسی بات کی حکایت ہوگی جس کو ابتداء نافذ کرنے کا فی الحال مالک ہے کیونکہ ہم اس کو یوں سمجھیں گے کہ ابھی اس کو خریداری کا علم ہوا ہے اور ابھی شفعہ طلب کیا ہے اس لئے شفیع کی بات معتبر ہوگی، عمادیہ وغیرہ میں یوں ہے۔(ت)

اقول: وبالله التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) ان عبارات توفیق کا جس طرح یہ مطلب نہیں کہ مجرد اضافت طلب بزمان ماضی شفیع کو مدعی کو دے گا کہ اسے قاضی کے حضور اضافت الی الماضی سے کیا چارہ کہ دونوں مواثبت واشہاد کا طلب عندالقاضی سے پہلے ہونا لازم، یہاں تک کہ اگر بفور علم طلب تملک سے آغاز کیا اور وہ طلبیں پہلے نہ کرلیں شفعہ باطل ہوجائے گا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

صرح علمائنا قاطبة انه متی تمکن من طلب الاشهاد لم یشهد بطلت شفعته فلو اضرب عنه ومضی الی المحکمة ابتداء وطلب عند القاضی بطلت والطلب عند القاضی متأخر عن الطلبین ای طلب المواثبة و الاشهاد فاذا قدمه علیهما اوعلی احدهما	ہمارے تمام علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ جب بھی طلب اشہاد پر قدرت ہوئی اور گواہی نہ بنائے تو اس کا شفعہ باطل ہوجائے گا اور اگر اس نے اول وقت میں طلب نہ کی اور محکمہ قضاء کی طرف چل پڑا اور قاضی کے پاس جاکر طلب کی شفعہ باطل ہوگا جبکہ قاضی کے ہاں طلب پہلی دو طلب کے بعد ہوتی ہے پہلی طلب مواثبت ہے دوسری طلب اشہاد ہے اور جب قاضی کے ہاں طلب کو پہلی دونوں یا ایک

[1] الدرالحکام شرح غرر الاحکام کتاب الشفعة باب ماتکون هی فیه میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۶

بطلت شفعته۔ ولیس فی ھذا اختلاف بین ائمتنا فیما علمت [1]۔	طلب سے مقدم کردیا تو اس کا شفعہ باطل ہوگا۔ اور میرے علم کے مطابق اس میں ہمارے ائمہ کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (ت)

ناچار عندالقاضی نسبت الی الماضی ہی کرے گا، ولہٰذا فتح اللہ المعین میں فرمایا:

انه لایستحلف الا اذا اسند الطلب الی الزمن الماضی [2]۔	شفیع سے قسم نہ لی جائے گی مگر جب اس نے طلب کو زمانہ ماضی کی طرف منسوب کیا قسم لی جائیگی۔ (ت)

اسی طرح یہ معنی بھی زنہار مراد نہیں ہوسکتا کہ شفیع کا اتنا کہہ دینا کہ "میں نے بمجرد علم طلب کی" مطلقًا کافی ووافی ہے اگرچہ اس طلب کا زمانہ طلب اشہاد سے مقدم بتاچکا ہو۔ ایسا ہی ہوتا ہو جس صورت میں اہل توفیق نے قول شفیع معتبر نہ رکھا، یعنی **علمت امس وطلبت** (مجھے گزشتہ روز علم ہوا اور میں نے طلب کی۔ت) واجب تھا کہ اس میں بھی قبول ہوتا۔ اور فرق محض ضائع رہتا کہ شفیع یہاں طلب مواثبت سے خبر دے رہا ہے۔ اور وہ نہیں ہوتی مگر بفور علم، تو اس طلبت کے معنی قطعاً یہی ہے کہ **طلبت کما علمت** (میں نے طلب کیا جب مجھے معلوم ہوا۔ت) ولہٰذا اس صورت میں عدم قبول قول شفیع کو سراجیہ میں بلفظ فاء تعقیب بیان کیا کہ:

الشفیع لو قال طلبت الشفعة حین علمت کان القول له، ولو قال علمت منذ کذا فطلبت وقال المشتری ماطلبت فالقول للمشتری [3]۔	شفیع نے اگر کہا میں نے اسی وقت طلب کی جب مجھے علم ہوا تو اس کا قول معتبر ہوگا اور اگر کہا مجھے فلاں دن سے معلوم ہے تو میں نے طلب کی تھی اور مشتری کہے تو نے طلب نہ کی تھی تو مشتری کی بات معتبر ہوگی۔ (ت)

شرح مبسوط میں خاص انھیں الفاظ اتصال پر حکم عدم قبول دیا:

حیث قال کما نقل عنه فی جامع الفصولین برمز "شصل" بلغت بکرا فقالت	جہاں انھوں نے فرمایا جیسا کہ ان سے جامع الفصولین میں منقول ہے برمز "شصل" باکرہ لڑکی بالغ ہوئی

---

[1] فتاوٰی خیریه کتاب الشفعة دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۵۴

[2] فتح المعین کتاب الشفعة باب طلب الشفعة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۲۹

[3] فتاوٰی سراجیه کتاب الشفعة نولکشور لکھنؤ ص ۱۱۰

رددت کما بلغت، والزوج یقول سکت فالقول للزوج، فکذا لوقال طلبت الشفعة کما سمعت فقال المشتری سکت فالقول للمشتری [1]۔	تو اس نے کہا میں نے اپنا نکاح رد کیا جب یہ خبر پہنچی اور خاوند کہتا ہے تو خاموش رہی تو خاوند کی بات معتبر ہوگی تو یوں ہی اگر شفیع کہے جب مجھے معلوم ہوا میں نے شفعہ طلب کیا تو مشتری کہے تو خاموش رہا، تو مشتری کی بات معتبر ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

لو لم یکن عندھا شھود فاذا وجدتھم فلو بلغت بحیض تقول حضت الاٰن و نقضته، فاشھدوا علیه و لو بلغت باحتلام اوبسن تقول کما بلغت نقضته، فاشھدوا اوتقول اشھدوا، انی بلغت ونقضته فان قالوا متی بلغت تقول کما بلغت نقضته ولا تزید علی ھذا الانھا لو قالت بلغت قبل ھذ اونقضته حین بلغت لاتصدق [2]۔	اگر بالغ ہونے کے وقت گواہ موجود نہ تھے اور اس نے گواہ پاکر گواہی بنائی تو اگر وہ لڑکی حیض کے ساتھ بالغ ہوئی ہو تو یوں کہے کہ مجھے ابھی حیض آیا ہے اور میں نکاح کو توڑتی ہوں تم اس پر گواہ ہو جاؤ، اور اگر وہ احتلام یا عمرو کی بناء پر بالغ ہوئی ہو تو یوں کہے جونہی میں بالغ ہوئی میں نے نکاح توڑ دیا تو تم گواہ ہو جاؤ، یا کہے تم گواہ بن جاؤ میں بالغ ہوئی اور میں نے نکاح توڑ دیا، اگر وہ پوچھیں تو کب بالغ ہوئی، جواب میں کہے جیسے ہی میں بالغ ہوئی میں نے نکاح توڑ دیا اور اس پر مزید کچھ نہ کہے، کیونکہ اس نے کہا میں قبل ازیں بالغ ہوئی اور میں نے توڑ دیا، جب بالغ ہوئی تو اس کی بات قابل تصدیق نہ ہوگی۔(ت)

دیکھو زمانہ متقدم بتانے کی حالت میں ادعائے فوراً اتصال کو بھی رد فرمادیا، غرض نہ مدار قبول مجرد ادعائے اتصال پر ہے، نہ مناط عدم قبول محض اضافت بماضی، بلکہ طلب شہود معہود سے اتصال کا صراحۃً بیان یا طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت متقدم علی وقت الاشہاد نہ بیان کرنا، اور صرف بیان اتصال پر قانع ہونا درکار ہے کہ عیناً یا احتمالاً یہی طلب مشہود مراد ہوسکے، اور طلب مشہود سے تقدم علم کا اقرار موجب عدم قبول قول ہے۔ اگرچہ لاکھ مدعی اتصال ہوں، اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ جس طرح طلبت کما علمت

[1] جامع الفصولین بحوالہ "شصل" الفصل الخامس والعشرون فی الخیارات اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۸

[2] جامع الفصولین بحوالہ "شصل" الفصل الخامس والعشرون فی الخیارات اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۸

(علم ہوتے ہی میں نے طلب کی۔ت) سے طلب عند القاضی مراد نہیں ہوسکتی،

لما علمت ان اتصاله بالعلم مبطل للشفعة لعدم تقدم الطلبین۔	اس وجہ کی بناء پر جو تجھے معلوم ہوئی کہ قاضی کے ہاں علم سے متصل گواہی شفعہ کو باطل کرتی ہے کیونکہ اس سے قبل دو طلب نہ پائی گئیں (ت)

یوہیں کوئی طلب مجہول جس کا بیان محض مدعی کی زبان سے ہو، مقصود ماننا بھی بدیہی البطلان ہے۔

لما تقدم ان مدع فیه فکیف یقبل قوله ولما علمت انه یضیع علی هذا الفرق المطبق علیه من اهل التوفیق، ولما من نصوص السراجیة وشرح المبسوط علی بطلانه۔	اور گزشتہ کی بناء پر کہ وہ مدعی ہے تو اس کا قول کیسے معتبر ہو اور اس بناء پر جو تم معلوم کرچکے کہ وہ تمام اہل توفیق کے متفقہ علیہ فرق کو نظر انداز کررہا ہے اور سراجیہ، شرح المبسوط کی اس کے بطلان پر نصوص کی بناء پر۔(ت)

لاجرم اس سے مراد وہی طلب اشہاد ہے جبکہ مشہود و معہود اور بینہ عادلہ یا اقرار مشتری سے ثابت و معروف ہو، تو حاصل تنقیح و تحقیق و عطر تنقید وتدقیق بحمداللہ تعالٰی وہی نکلا کہ طلب اشہاد ہرگز بے گواہان یا اعتراف مشتری ثابت نہیں ہوسکتی نہ بے اس کے ثبوت کے طلب مواثبت پر ہرگز حلف شفیع لیا جاسکتا ہے ہاں جب وہ ثابت ہو اور طلب مواثبت کے لئے کوئی زمانہ طلب شہاد سے پہلے اگرچہ ایک ہی ساعت حفیفہ ہو، بیان نہ کیا، بلکہ صراحۃً اسی طلب اشہاد کو طلب مواثبت بنایا، بایں معنی کہ اسی وقت علم ہوا تھا، معاً طلب اشہاد کی کہ دونوں طلبوں کے قائم ہوئی، یا طلب مواثبت کے لئے اصلاً کوئی وقت نہ بتایا، صرف اتنے کہنے پر قانع ہوا کہ میں نے معلوم ہوتے ہی طلب کی، تو اس صورت میں قول شفیع بحلف معتبر ہوگا۔ ورنہ قول قول مشتری ہے۔

هکذا ینبغی التحقیق۔ والله ولی التوفیق، اتقن هذا فانك لاتجده فی غیر ہذا العبد الضعیف، والله بعبادہ لطیف، والحمد الله رب العالمین، والله تعالٰی اعلم و علمه جل مدہ اتم واحکم۔	تحقیق یوں مناسب ہے۔ اور اللہ تعالٰی توفیق کا مالک ہے۔ اس کو مضبوط کرلو کیونکہ اس عبد ضعیف کے بغیر اس کو نہ پاؤ گے، اور اللہ تعالٰی اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ الحمدللہ رب العالمین واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۲۴: ۱۶ذی القعدہ ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر شفعہ کی اطلاع دے دی گئی ہو دو آدمیوں

کے روبرو اور اس شخص نے لینے سے انکار کیا، تو اب وہ شفعہ مانگتا ہے، استحقاق اس کا باقی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر بیع ہو جانے کے بعد شفیع نے شفعہ سے انکار کیا، اگرچہ ہنوز اسے خبر بیع بھی نہ پہنچی ہو، یا خبر سن کر شفعہ لینے سے منکر ہوا، یا سکوت ہی کیا، تو شفعہ ساقط ہوگیا، اب اسے دعوٰی شفعہ کا استحقاق نہیں جبکہ اس خبر میں کوئی ایسی بات نہ بیان کی گئی ہو جس سے شفعہ لینے نہ لینے میں شفیع کی غرض بدلتی ہو، ورنہ اگر پیش از بیع اس سے کہا گیا کہ یہ مکان بکنے والا ہے تو شفعہ چاہے گا، اس نے انکار کر دیا اور جب بکا تو فوراً طالب شفعہ ہوا، یا بعد بیع خبر بیع اسی غلط طور پر پہنچی جس سے رغبت وعدم رغبت مختلف ہو مثلاً زر ثمن زیادہ بتایا گیا یا مشتری کسی اور شخص کو ظاہر کیا گیا، پانسو کو بکا تھا، اس سے کہا گیا چھ سو کو بکا ہے تو شفعہ لے گا، اس نے انکار کیا، اور بعد کو معلوم ہوا کہ پانسو بیع ہوئی ہے۔ تو فوراً شفعہ طلب کیا یا مکان زید کے ہاتھ بکا تھا، شفیع کو خبر دی گئی عمرو نے خریدا ہے۔ اس نے شفعہ سے انکار کیا، پھر اطلاع ہوئی کہ زید نے خریدا تو فوراً خواستگار شفعہ ہوا، تو ان سب صورتوں میں انکار سے شفعہ ساقط نہ ہوگا۔ وہ پاسکتا ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

تسلیم الشفعة قبل البیع لایصح وبعدہ صحیح علم الشفیع بوجو الشفعة اولم یعلم، وعلم من اسقط الیه ھذا الحق اولم یعلم کذا فی المحیط [1]۔	بیع سے قبل شفعہ کو سونپ دینا صحیح نہیں اس کے بعد صحیح ہے شفیع کو لزوم شفعہ کا علم ہو یا نہ ہو، جس کے حق میں شفعہ کا ساقط کر رہا ہے اس کا علم ہو یا نہ ہو، محیط میں یوں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

مایبطل به حق الشفعة بعد ثبوته، اختیاری و ضروری والاختیاری صریح ودلالة، اما الاول نحوان یقول الشفیع ابطلت الشفعة اواسقطها، او ابرأتك عنها اوسلمتها، او	ثبوت کے بعد شفعہ کو باطل کرنے والا عمل اختیاری ہے اور ایک ضروری ہے اختیاری صریح ہے اور بطور دلالۃ بھی، لیکن اختیاری صریح مثلاً شفیع یوں کہے میں نے شفعہ باطل کیا یا میں نے ساقط کیا، میں نے تجھ کو اس سے بری کیا میں نے سونپ دیا۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۲

نحو ذٰلك سواء علم بالبيع اولم يعلم ان كان بعد البيع هكذا فى البدائع [1]۔	ان کی مثل اور الفاظ یہ الفاظ بیع کے بعد کہے خواہ بیع کا علم ہو یا نہ ہو، بدائع میں یوں ہے۔(ت)

اس میں ہے:

اذا قيل له ان المشترى فلان فسلم الشفعة ثم علم انه غيره فله الشفعة واذا قيل له ان المشترى زيد فسلم ثم علم انه عمرو وزيد صح تسليمه لزيد وكان له ان يأخذ نصيب عمرو، كذا فسره الجوهرة النيرة ولواخبر ان الثمن الف فسلم فأذ الثمن اقل من ذلك فهو على شفعته فلو كان الثمن الفاء اوا كثر فلاشفعة كذا فى الذخيرة [2]۔	جب اسے بتایا گیا مشتری فلاں شخص، تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا، پھر اسے معلوم ہوا کہ کوئی اور ہے تو اسے شفعہ کا حق باقی ہے۔ جب اسے بتایا گیا کہ مشتری زید ہے تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ زید کے ساتھ کوئی دوسرا بھی مثلاً عمرو شریک ہے تو زید کے حق میں چھوڑنا صحیح ہوگا اور عمرو کے حصہ میں اسے شفعہ کا حق ہے____ جوہر نیرہ نے اس کی یوں تفسیر کی ہے جب معلوم ہوا کہ مبیع کی قیمت ہزار ہے تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا، بعد میں معلوم کہ ثمن اس سے کم ہے تو اس کا شفعہ قائم رہے گا، ہاں اگر ثمن ہزار یا زائد ہو تو پھر شفعہ نہ ہوگا ذخیرہ میں یوں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فالاصل فى جنس هذه المسائل ان ينظر ان كان لا يختلف غرض الشفيع فى التسليم صح التسليم و بطلت الشفعة وان كان يختلف غرضه لم يصح وهو على شفعته كذا فى البدائع [3]۔ والله تعالٰى اعلم۔	اس قسم کے مسائل میں ضابطہ یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ شفعہ چھوڑنے کی غرض بعد میں تبدیل نہیں ہوتی تو چھوڑنا برقرار رہے گا اور شفعہ باطل ہوگا اور غرض تبدیل ہوجائے تو شفعہ باقی رہے گا اور ساقط نہ ہوگا، بدائع میں یوں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ ایک کوچہ غیر نافذہ میں ایک

---

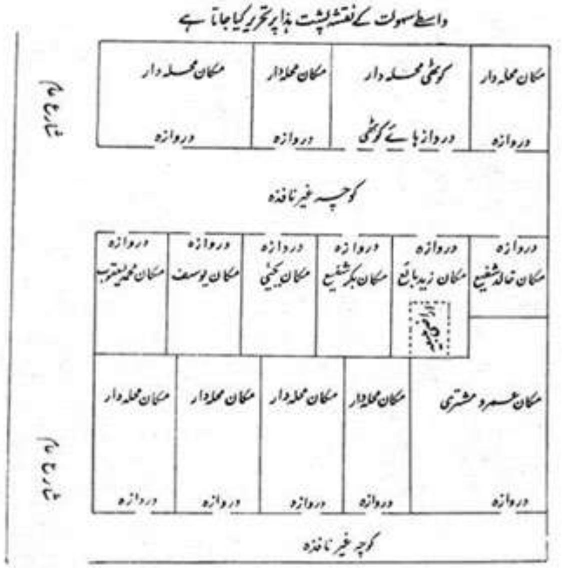
[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۴

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۳

مکان زید کا ایسا واقع ہے جس پر حق شفعہ خلیط فی الطریق چنداشخاص باشندگان کوچہ مذکور پہنچاہے۔اور ان میں سے بعض کوعلاوہ حق شفعہ خلیط فی الطریق کے حق شفعہ جارملاصق بھی حاصل ہے۔مکان مذکور کی پچھیت کی طرف عمرو کا مکان واقع ہے۔اور جس کادروازہ دوسرے کوچہ میں ہےاور اس کا حق شفعہ جارملاصق ہے۔زید مالک مکان مشفوعہ نے اپنے مکان کی کچھ اراضی جو پچھیت کی طرف اور مکان عمرو سے متصل تھی،وہ بدست عمروفروخت کی،چونکہ اراضی مذکور مکان مشفوعہ باشندگان کوچہ غیر نافذہ کاجز ہے۔اس لئے استفتاء اس امر کا مطلوب کوہ شفیعان خلیط فی الطریق اور شفیعان جارملاصق کو حق شفعہ مکان مشفوعہ کے ایک جز پر شرعاپہنچتاہے یانہیں؟ **بینواتوجروا**

واسطے سہولت کے نقشہ پشت ہذاپر تحریر کیا جاتاہے



الجواب:

کل مکان بیع کیا جائے گا خواہ بعض، ہر صورت میں خلیط فی نفس المبیع وشریک فی حق المبیع کا شفعہ ہے اور جار ملاصق کا بھی، اگر خاص اس جز مبیع سے اتصال رکھتا ہو، الالا، الاعلی رِوَایۃٍ مُشْکِلَۃٍ، درمختار وغیرہ عامہ کتب میں ہے:

باع عقار الاذراعا مثلا فی جانب حد الشفیع فلا شفعة لعدم الاتصال [1]. فی ردالمحتار استشکل السائحانی هذه الحیلة بما نقله الشرنبلالی عن عیون المسائل، دار کبیرة ذات مقاصیر باع منها مقصورة فلجار الدار الشفعة لان المبیع من جملة الدار وجار الدار جار المبیع، وان لم یکن متصلا به اه. اقول المشکل مافی العیون لاماهنا، تأمل اھ [2]. ما قال العلامة الشامی و کتبت علیه ان المحشی قدم صدر الکتاب عن القهستانی، ان الملاصق المتصل بالمبیع ولم حکما کما اذا بیع بیت من دار فان الملاصق له ولاقصی الدار فی الشفیع سواء [3] اھوھو	کسی نے شفیع سے متصل ایک گز چھوڑ کر باقی زمین فروخت کی تو عدم اتصال کی وجہ سے شفعہ نہ ہوسکے گا، ردالمحتار میں ہے اس حیلہ پر سائحانی نے اشکال پیش کیا جس کو شرنبلالی نے عیون المسائل سے نقل کیا کہ کسی نے بڑی حویلی جو کہ کئی چھوٹے کمروں پر مشتمل ہے میں سے یک چھوٹا مکان فروخت کیا تو اس حویلی کے پڑوسی کو شفعہ کا حق ہے کیونکہ وہ مبیع مکان حویلی کا حصہ ہے تو پوری حویلی کا پڑوسی اس مبیع کا پڑوسی ہے اگرچہ یہ مبیع مکان پڑوسی سے متصل ہی نہیں ہے اھ۔ میں کہتا ہوں کہ عیون المسائل کا ذکر کردہ خود مشکل ہے نہ کہ جو یہاں مذکور ہے۔ غور کرو، علامہ شامی نے جو بیان کیا وہ ختم ہوا، میں نے شامی پر حاشیہ لکھا ہے کہ محشیٰ یعنی علامہ شامی نے کتاب کی ابتداء میں قہستانی سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ مبیع سے متصل اگر حکمی طور بھی ہو تو وہ متصل حصہ اور حویلی فروخت شدہ کا انتہائی حصہ شفعہ میں برابر ہیں مثلاً کسی نے حویلی میں سے ایک کمرہ فروخت کیا تو اس کمرہ سے متصل حصہ سمیت تمام دار شفعہ میں برابر ہے اھ۔

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۶

[2] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب مایبطلہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۴

[3] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب مایبطلہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۰

مثل ما فی العیون ومثلہ ایضا فی الھندیۃ عن المحیط عن شرح ادب القاضی للخصاف، ووجہ اشکالہ ان ماھنا مصرح بہ فی عامۃ کتب المذھب المعتمدۃ متونا وشروحا وفتاوٰی، فماخالفہ فھو المشکل لاھذا۔

اقول: ویؤید ماھنا مانص علیہ المتون ان سبب الشفعۃ اتصال ملك الشفیع بالمشتری، وظاہر ان المشتری اذا کان مفرزا مفصولا عن ملك الشفیع لم یکن بینھما اتصال، ولایکفی الاتصال بالواسطۃ والا لکان الجار الغیر الملاصق المحاذی ایضا شفیعا ولا قائل بہ۔ ولاینکر علیہ بما صرحوا بہ ان الماصق بشبر کالملاصق بجمیع حدود، وذلك لان الاتصال بجزالشیئ اتصال بالشیئ، ولا نسلم ان لاتصال بجزء من شیئ یکون اتصالا بجزئہ الاخر، الاتری ان العمامۃ الملاصقۃ لرأس زید ملاصقۃ لزید لا لرجلہ والنعل المتصل برجل زید متصلۃ بزید لا برأسہ، فاتضح ان روایۃ العیون مشکلۃ والحاصل ان المبیع اذا کان الکل کفی الاتصال بجزئہ واذا کان جزء معین من شیئ

یہ عیون المسائل میں مذکور کی مثل ہے اور اسی کی مثل ہندیہ میں ہے محیط سے انھوں نے خصاف کی شرح ادب القاضی سے نقل کیا ہے۔ اس کے اشکال کی وجہ یہ ہے کہ یہاں جو مذکور ہے وہی تمام معتمد کتب مذہب متون وشروح اور فتاوٰی میں تصریح شدہ ہے تو جو ان کی تصریحات کے خلاف ہے وہ مشکل ہے نہ کہ یہ، میں کہتا ہوں یہاں پر ذکر کردہ کی تائید میں تمام متون کی نصوص ہیں کہ شفعہ کا سبب خرید کردہ چیز شفیع کی ملکیت کا اتصال ہے اور ظاہر بات یہ ہے کہ جب خرید کردہ چیز شفیع کی ملکیت سے علیحدہ فاصلہ پر ہو تو اتصال نہ ہوگا جبکہ بالواسطہ اتصال کافی نہیں ہے نہ ورنہ پڑوسی کا پڑوسی غیر اتصال والا بھی شفیع بن جائے گا حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اس پر یہ بیان وارد نہیں ہوسکتا جس کی تصریح یوں ہے کہ ایک بالشت کا اتصال جمیع حدود کا اتصال اور یہ اس لیے کہ چیز کی جز سے اتصال چیز سے اتصال ہے لیکن ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ ایک جز سے اتصال اس کی دوسری جز سے اتصال ہے۔ آپ دیکھ رہے کہ عمامہ کا اتصال سرے سے ہونے کی وجہ سے زید کے پاؤں سے اتصال نہیں اور زید کے پاؤں کو اس کے جوتے کا اتصال ہے اس کے سر سے اتصال نہیں ہے۔ تو واضح ہوگیا کہ عیون المسائل والی روایت مشکل ہے اور حاصل یہ کہ جب کل مبیع ہو تو اس کی کسی جز کا اتصال شفعہ کے لئے کافی ہے اور جب کوئی معین جز مبیع ہو تو

لم یکف الاتصال بجزئه الاٰخر ،فان الاتصل بالجزء اتصال بالکل مجملا ،لابکل جزء منه فردا فرادا فافترقا [1]۔	اس مبیع کی دوسری جزء کا اتصال کافی نہیں کیونکہ جزء کے اتصال سے کل کا اتصال مجمل ہوتا ہے نہ کہ ہر ہر جزء سے فردا فردا ہوتا ہے۔ تو یوں دونوں صورتوں میں مختلف ہیں۔ (ت)

شریک فی حق المبیع کے لئے مبیع سے اتصال ضرور نہیں۔ صرف شرکت حق مثل طریق خاص وغیرہ کافی ہے۔ درمختار میں ہے:

فی شرح المجمع وکذا للجار المقابل فی السکة الغیر النافذة الشفعة [2]۔	شرح مجمع میں ہے یونہی بند گلی کا سامنے والا پڑوسی بھی شفعہ کا حقدار ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وجهه ابو السعود بان استحقاقها فیه الشرکة فی حق المبیع فلاتعتبر الملاصقة [3]۔	اس کی وجہ ابوسعود نے یہ بیان کی کہ بند گلی کا استحقاق شفعہ مبیع کو حقوق میں شرکت پر مبنی ہے اس میں اتصال کا اعتبار نہیں ہے۔ (ت)

اور چند شرکاء حق میں اگر ایک جار ملاصق بھی ہے باقی نہیں تو اسے ان باقیوں پر کوئی ترجیح نہ ہوگی، وہ سب یکساں ہیں، عالمگیریہ میں بدائع سے ہے:

الشفعة لاہل السکة کلهم یستووی فیها الملاصق وغیر الملاصق لانهم کهم خلطاء فی الطریق [4]۔	بند گلی والوں کو شفعہ کا حق مساوی ہے خواہ اتصال والے ہو یا نہ ہوں کیونکہ وہ تمام گلی کے راستہ میں شریک ہیں۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں خالد، بکر، یحیٰی، یوسف، یعقوب اور سامنے کو چاروں مکان اور کوٹھی والے سب اس جز مبیع کے یکساں شفیع ہیں، ان کے ہوتے عمرو اور اس کے برابر کے چاروں محلّہ دار جن کے دروازے دوسرے کوچہ میں ہیں شفیع نہیں ہوسکتے جبکہ اور کوئی استحاق نہ رکھتے ہو، **واﷲ تعالٰی اعلم**

---

[1] جدالممتار علی ردالمحتار

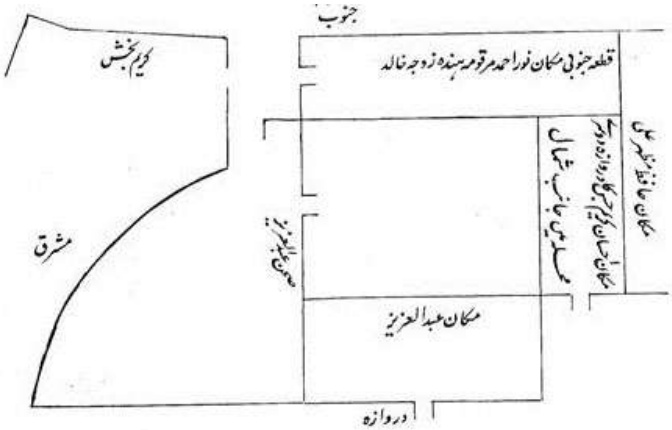
[2] درمختار کتاب الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

[3] ردالمحتار کتاب الشفعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۱

[4] فتاوٰی ہندیة بحوالہ البدائع کتاب الشفعة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۶

مسئلہ ۲۶: مرسلہ عبدالعزیز ونور محمد واحسان کریم قصبہ آنولہ ضلع بریلی محلّہ کٹرہ پختہ بتاریخ ۴ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ مملوکہ مقبوضہ اپنا جس کا نقشہ ذیل میں درج ہے۔اپنی حین حیات بروئے فرائض شرعی خالد پسر، ہندہ زوجہ،کلثوم ومریم وزبیدہ ومیمونہ دختران کو تقسیم کرکے مالکانہ قابض ودخیل کرادیا،خالد اپنے حق پر جداگانہ اور ہندہ زوجہ اور ہر چہار دختران مشترکا اپنے حق پر مالکانہ قابض ہوگئے،اور درمیان مکان کی دیوار سرخ رنگ قائم کرلی، قطعہ شمالی خالد کی اور جنوبی ہندہ،اور ہر چہار دختران کے قبضہ میں رہا،بعد وفات زید کے ہندہ اور ہر چہار دختران زید نے اپنا قطعہ جنوبی عبداللہ کے ہاتھ بیع کردیا،بعد فوت عبداللہ مذکور کے اس کے ورثاء نے قطعہ جنوبی مذکور بدست شیخ نوراحمد فروخت کردیا اور نوراحمد اب تک مالکانہ قابض ہے۔خالد کے مرنے پر عمرو پسر،رضیہ زوجہ،صفیہ وذکیہ و رشیدہ وحمیدہ ودختران ورثاء خالد شمالی متروکہ خالد پر مالکانہ قابض ہوگئے۔جوکہ محدود بدیں حدود اربعہ ہے۔مکان اور صحن مکان عبدالعزیز مکان حافظ مظہر مکان نوراحمد مکان عبدالعزیز واحسان کریم عمرو وغیرہ۔ورثاء خالد نے اپنا حق قطعہ شمالی بدست عبدالعزیز بیع کرنا چاہااور معاہدہ باہمی عبدالعزیز ہوگیا باخذ رسید مبلغ عہ زربیعانہ عبدالعزیز مذکور سے حاصل کرلیا، نوراحمد شفیع بھی آمادہ خریداری تھا کہ احسان کریم مذکور نے خبر بیع مذکور سن کر کچھ قیمت بڑھائی،رشیدہ، حمیدہ ودختران خالد نے اپنے حق حقوق کا بیعنامہ بنام نوراحمد شفیع کے کردیا۔ہنوز رجسٹری نہیں ہوئی ہے کہ عمرو نے خلاف معاہدہ باہمی عبدالعزیز کے مع رضیہ مادر کے کل مکان متروکہ خالد کا بیعنامہ اپنی اور رضیہ کی جانب سے بنام احسان کریم تحریر کردیا،اور ایک دستبرداری لادعوی وراثت شفیعہ وغیرہ ہشیرگان کی جانب سے تحریر کراکر بغرض تصدیق رجسٹری میں پیش کی شفیعہ ذکیہ نے تصدیق اس کی کردی،اور رشیدہ وحمیدہ نے کہ جن کی بلاعلم واطلاع کاروائی دستبرداری کی ہوئی تھی اور یہ اپنے حق کا بیعنامہ بھی بنام نوراحمد تحریر کرچکی تھیں، تحریر دست برداری سے انکار کردیا،اور بیعنامہ موسومہ نوراحمد کی رجسٹری کرادی،چونکہ معاہدہ بیع پیشتر سے عبدالعزیز وعمرو وغیرہ منعقد ہوا تھا،حالانکہ گفتگو بیع کی نوراحمد مذکور سے بھی تھی،بکر، عمرو وغیرہ نے مبلغ (مہ روپیہ) بطور بیعنامہ عبدالعزیز سے بہ تحریر رسید حاصل کرلی تھی،ایسی صورت میں جبکہ عبدالعزیز دوجانب سے اور نوراحمد ایک جانب سے اور احسان کریم ایک جانب سے کچھ مکان کی وجہ سے استحقاق شفیع رکھتے ہیں،بلکہ نوراحمد بوجہ خریداری مقدم کے شفیع خلیط بقیہ حقوق عمرو ورضیہ شفیعہ وذکیہ پہنچ چکاہے۔تو بلحاظ واقعات متذکرہ صدر کون شخص مستحق خریداری مکان متنازعہ کاہے۔اور شرعاکس کو پہنچتاہے۔عبدالعزیز کے مکان کا دروازہ بھی دوسرے محلّہ میں ہے۔**بینوا توجروا**



الجواب:

بیان سائلان سے واضح ہوا کہ عبدالعزیز سے صرف گفتگو بیع ہوئی تھی اور بیعنامہ دیا گیا عقد بیع تمام نہ ہوا تھا، نور احمد کلکتہ میں ہے، اس نے اپنے ایک بھائی کو اس قطعہ کی خریداری کے لئے لکھا، اس نے وکالۃً نور احمد کے لئے اس میں سے رشیدہ وحمیدہ کے حصے خرید لئے، عبدالعزیز ونور احمد دونوں خلیط فی حق المبیع ہیں، اور احسان کریم محض جار ملاصق کہ اس کا راستہ اس کوچہ غیر نافذہ میں نہیں، جب عبدالعزیز کو معلوم ہوا خود اس کا بیان ہے کہ اس نے مشتری مذکور یعنی وکیل نور احمد سے جاکر کہا کہ میری گفتگو بیع سابق سے ہے۔ یہ حصے جتنے کو تم نے خریدے ہیں انھیں داموں کو مجھے دے دو ورنہ میں شفیع ہوں شفعہ سے لے لوں گا، اس کہنے سے عبدالعزیز کا ان دونوں حصوں میں شفعہ جاتا رہا کہ اس نے طلب شفعہ نہ کی بلکہ ابتداءً انھیں داموں کو خریدنا چاہا۔ اور نہ دینے کی حالت میں بذریعہ شفعہ لے لینے کی دھمکی دی، یہ امر مبطل شفعہ ہے، درمختار میں ہے:

یبطلها ان ساومها بیعًا اواجارة اوطلب منه ان یولیه عقد الشراء[1].	اگر شفیع نے مشتری سے بیع یا اجارہ یا اس کی شراء کا ولی (وکیل) بننے کا مطالبہ کرے تو اس سے شفعہ کا حق باطل ہو جائے گا۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الشفعہ باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

پس نور احمد دو حصوں کا مالک مستقل ہوگیا جس سے کوئی نہیں لے سکتا، اگر وہاں اور کوئی شفیع مثل کریم بخش وغیرہ باداۓ شرائط طالب شفعہ نہ ہوا ہو، رہی احسان کریم کے ہاتھ بیع جس میں کل مکان صرف زوجہ وپسر خالد نے اس کے ہاتھ بیچا اور دختران خالد کو نامستحق قرار دیا، شفیعہ، ذکیہ تو بوجہ تصدیق واقرار نامستحق ٹھہریں، مگر رشیدہ وحمیدہ نے اقرار نہ کیا بلکہ اپنی بیع کی بنام نور احمد کے تکمیل کرادی، تو بعض مبیع احسان کریم کے ہاتھ سے نکل گیا، اور بقیہ کی بیع معرض زوال میں آگئی یعنی احسان کریم کو اختیار ہوگا، چاہئے دو حصہ رشیدہ وحمیدہ علاوہ بقیہ مکان بحصہ قیمت لینا قبول کرے۔ خواہ کل بیع کردے، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

اذا کان المشتری شیئا واحدا واستحق بعض قبل القبض اوبعدہ فللمشتری الخیار فی الباقی، ان شاء اخذہ بالحصۃ وان شاء ترك [1]۔	اگر خرید شدہ چیز ایک ہو اور اس کے بعض حصہ کا استحقاق ثابت ہوجائے خواہ قبضہ سے قبل یا بعد ثابت ہو تو مشتری کو باقی حصہ میں اختیار ہوگا اگر چاہے تو باقی کو اس قیمت کے حصہ پر لے یا چاہے تو چھوڑ دے۔ (ت)

پس اگر احسان کریم نے بیع رد کردی تو سرے سے مبنائے شفعہ ہی کی بیع تھی جاتا رہے گا، اور وہ بقیہ قطعہ ایسا ہوجائے گا گویا بکا ہی نہیں کسی کو اس میں حق شفعہ نہ ہوگا، اور اگر بقیہ بحصہ قیمت لینا قبول کیا، اور نور احمد شرائط شفعہ بجالایا تو اب وہی عبدالعزیز وغیرہ سب پر مرجح رہے گا کہ اب بوجہ خریداری حصہ رشیدہ وحمیدہ نور احمد خلیط فی نفس المبیع ہوچکا ہے۔ اور عبدالعزیز صرف خلیط فی حق المبیع ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷: ۳۰ شعبان المعظم ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو کا ایک مکان اور دکان کے مالک تھے، زید عمرو کی ملکیت کا شفیع تھا، عمرو نے اپنا حصہ دکان ومکان مذکور کا بکر کے ہاتھ فروخت کیا، تو زید بفور سنے اس خبر کے مع چند آدمیوں کے جو کہ گواہ طلب شفیع کے ہیں، اور جن کے سامنے کہ زید نے شرائط شفیع بفور سننے خبر بیع کے ادا کی ہیں، جن میں سے کہ ایک زید کا قریبی رشتہ دار، ونیز عمرو بکر کا بھی رشتہ دار ہے ودیگر لوگ زید کے ملنے والے دوست ہیں، بکر کے پاس بغرض طلب شفیع گیا، روپیہ رومال میں باندھ کر

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۶

اپنے ہاتھ میں لے گیااور بکر سے جاکراس نے کہاکہ میں ان حصہ دکان ومکان کا شفیع ہوں، تم نے اس حصہ کو کیسے خرید کیا میں خریدوں گا۔زید نے زبان سے یہ نہیں کہاکہ میں روپیہ لایاہوں، قیمت لواور یہ جائداد میرے نام کرو، بکر نے زید کی گفتگو کے جواب میں جائداد مذکور دینے سے انکار کردیا،زید کے اس امر کے اظہار نہ کرنے سے کہ میں روپیہ لایاہوں قیمت لواور یہ جائداد میرے نام کردو، حالانکہ روپیہ اسی نیت سے لے گیا تھااور وہ اس کے ہاتھ میں موجود تھا صرف زبان سے اس کاذکر نہیں کیا، توایسی حالت میں مراتب شفیع بموجب شرع شریف پورے طور سے اداہوئے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نہ روپے لے جاناضرور نہ مشتری سے روپیہ لاناکاذکر ضرور، یہ سب بیکار ومہمل باتیں ہیں، مگر طلب مواثبت ایسے لفظ سے جس سے فی الحال طلب ثابت ہو، ضرور ہے۔سائل نے بعد دریافت بیان کیاکہ میں نے خبر سنتے ہی یہ لفظ کہے تھے کہ میں اس کا شفیع ہوں، ریاض الدین نے کیسی خریدی میں خریدوں گا،اس سے طلب فی الحال ثالث ثابت نہیں ہوتی "خریدوں گا" سے اگر یہ مراد ہے کہ مشتری سے خریدوں گا،جب توظاہر ہے کہ مشتری سے خریداری کاذکر شفعہ کو باطل کردیتاہے۔درمختار میں ہے:

یبطلها شراء الشفیع من المشتری وکذا ان ساومها بیعا واجارۃ اوطلب منه ان یولیه عقد الشراء[1] **(ملخصا)**	شفیع کامشتری سے خریدنااور یونہی بیع یااجارہ کاسوداکرنا یاعقد شراء کاولی بننے کامطالبہ کرنااس کے حق شفعہ کو باطل کردیتا ہے۔ملخصا(ت)

اور اگر یہ مراد ہو کہ بائع سے خریدوں گا تو یہ بھی طلب شفعہ نہیں،خریداری تملک بالرضا ہے۔اور شفعہ تملک بالجبر، درمختار میں ہے:

تملیك البقعة جبرا علی المشتری بماقام علیه[2]۔	شفعہ کسی ٹکڑازمین کامشتری سے اس پر لازم قیمت کے ساتھ جبراًمالک بننے کانام ہے۔(ت)

اوراگر مجازاًیہی معنی مرادلئے جائیں کہ بذریعہ شفعہ لے لوں گا،تویہ بھی وعدہ وانذار ہے۔طلب فی الحال نہیں،عالمگیری میں ہے:

لوقال الشفعة لی اطلبها بطلت	اگر کہامیراشفعہ ہے میں اس کی طلب کروں گا،تو

---

[1] درمختار کتاب الشفعہ باب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[2] درمختار کتاب الشفعہ باب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۱۰

شفعته،ولو قال للمشتری انا شفیعك واٰخذ الدار منك بالشفعة بطلت [1]۔	اس کا شفعہ باطل ہوگا،اور اگر مشتری کو کہا میں تیرا شفیع ہوں اور شفعہ کی بناء پر تجھ سے دار لوں گا تو شفعہ باطل ہوگیا۔(ت) لہذا صورت مسئولہ میں زید کا شفعہ باطل ہوگیا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸: از ریاست رامپور کٹرہ جلال الدین خاں مرحوم مرسلہ پیرازدہ غلام معین الدین صاحب پنجم صفر ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دعوی کیا کہ مسماۃ فلاں نے اراضی فلاں اتنی قیمت کو فلاں شخص سے میری غیبت میں خریدی،اور میں خلیط فی الطریق ہوں مشتریہ جارملاصق ہے۔میرا حق مقدم ہے اور میں شرائط شفعہ بھی ادا کرچکا ہوں،مسماۃ مجیب ہوئی کہ زید نے ہر گز شرائط شفعہ ادا نہ کئے،نہ مکان مشفوع بہازید کا مملوکہ ہے۔اور دعوی پر تمادی ہے۔ب بلکہ زید تسلیم الشفعہ کرچکاہے۔زیداور مسماۃ سے ثبوت طلب ہوا۔زید نے جو شہادت پیش کی عندالعدالت ناکافی قرار دے کر نامقبول فرمائی گئی،ایک وجہ عدالت نے یہ تحریر فرمائی ہے کہ شہادت مدعی کو نقائض سے مبرامان لیاجائے تب بھی شہادت جومدعی علیہا کی جانب سے گزری،اس سے تسلیم شفعہ بعد از بیع ثابت ہے۔لہذادعوی خارج اور منجانب مدعی کئی استفتاء پیش ہوئے ہیں،اس بارہ میں کہ خلیط فی الطریق جارہ ملاصق پر مقدم ہے۔کیا یہ استفتاء مفید ہوسکتے ہیں،مدعی نے تمادی سے بچنے کی غرض سے دو گواہوں سے یہ ثابت کرایا کہ میں وقت بیع مقام رچھامیں موجود تھا یعنی رامپور میں نہ تھا،مدعی علیہا کی جانب سے جو شہادت تسلیم شفعہ کی پیش ہوئی ہیں اس سے کماحقہ ثابت ہے کہ بعد تصدیق بیعنامہ اسی روز مدعی کو علم بیع ہوااور مدعی نے تسلیم شفعہ کیا،توکیا شہادت مذکور منجانب مدعی واسطے ثبوت کے کافی ہے،اور تمادی مرتفع ہوسکتی ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

اس مسئلہ میں زوائد سے قطع نظر کرکے صرف دو باتوں پر نظر کافی ہے۔

اولاً گواہان مدعیان کا ان کی ملک دار مشفوع بہامیں ہونے کی نسبت صرف اتنا بیان کہ وہ مکان مدعیوں کی ملک یاان کا موروثی ہے اظہارات شہود ومدعیان دیکھے جائیں،اگران کے بیان یہں صرف اسی قدر ہو کہ اور یہ ظاہر نہ کیا ہو کہ شرائے مشتریہ سے پہلے یہ مکان یاجز مکان مدعیان تھا اور اب تک ہے۔ہمارے علم میں ملک مدعیان سے خارج نہ ہوا،تو ایسی شہادت ثبوت دعوی شفعہ کے لئے ہر گز بکار آمد

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ باب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

نہیں کہ مدعاعلیہا دار مشفوع بہا میں ملک، مدعیان کی منکر ہے۔ اور یہ اس طریقہ پر جو شرعاً درکار ہے یعنی ملک متقدم علی البیع و مستمر الی الآن پر اقامت بینہ نہ کرسکے، تنویر الابصار و در مختار و ردالمحتار میں ہے:

اذا طلب الشفیع سأل القاضی الخصم عن مالکیۃ الشفیع لما یشفع بہ فان اقربہا او نکل عن الحلف علی العلم، او برھن الشفیع انہا ملکہ (بان یقولا انہا ملک ھذا الشفیع قبل ان یشتری ھذا المشتری ھذا العقار، وھی لہ الی الساعۃ ولم نعلم انہا خرجت عن ملکہ، فلو قالا انہا لھذا الجار لایکفی کما فی المحیط) سألہ عن الشراء ھل اشتریت ام لا[1] اھ	جب شفیع نے طلب کی تو قاضی شفیع کی اس ملکیت کے متعلق سوال کرے جس کی وجہ سے وہ شفعہ کررہا ہے۔ تو اگر مخالف فریق اس کی اس ملکیت کا اقرار کرے یا اپنے علم پر قسم دینے سے انکار کرے یا شفیع اپنی اس ملکیت پر گواہی پیش کردے کہ وہ اس کی ملکیت ہیں ہے یوں کہ دونوں گواہ کہہ دیں کہ مشتری کی خریداری سے قبل یہ زمین اس کی اب تک ملک ہے۔ اور اس کی ملکیت سے خارج ہوجانے کا ہمیں علم نہیں ہے۔ اگر گواہ یہ کہیں کہ وہ اس پڑوسی کی ہے تو کافی نہ ہوگا جیسا کہ محیط میں ہے، قاضی مشتری سے سوال کرے کہ کیا تو نے اسے خریدا ہے یا نہیں۔ اھ (ت)

جبکہ شہادت گواہان مدعیان اس طریقہ مطلوبہ شرع پر نہ تھی، حاکم پر لازم تھا کہ فقط اسی قدر پر مقدمہ ختم کردیتا اور دعوی خارج کرتا، مقدمہ کاآگے بڑھانا محض تطویل ہوئی۔

ثانیاً: گواہان مدعا علیہا جنھوں نے دربارہ تسلیم مدعیان شہادت دی ہے کہ روز بیع بعد بیع معین الدین خاں نے مدعیوں کو اطلاع بیع اراضی مشفوعہ دی، اور ان سے کہا کہ اگر تمھیں لینا منظور ہو لے لو، انھوں نے کہا جواب دیا کہ ہم کو ضرورت نہیں، بحیث ادا نہایت کافی ووافی شہادت ہے، اس کے الفاظ پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں بے معنی ہے، اس میں فقط اتنا دیکھنا چاہئے کہ گواہوں کی حالت کیسی ہے اگر ان میں دو گواہ بھی قابل قبول شرع ہوں تو فیصلہ بحق مدعا علیہا لازم ہے۔ ملاحظہ تحریر سے ظاہر ہوا کہ حکم مجوز نے گواہان مشتریہ پر اعتماد کیا کہ اور ان کے بیان پر فیصلہ رہا، اور جانب مدعیان سے ان پر کوئی جرح قابل لحاظ شرع نہ کی گئی، تو اس صورت میں واقعہ میں حکم یہی ہونا چاہئے کہ دعوی شفعہ ساقط، اور مشتریہ مطالبہ سے بری ہے۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعۃ باب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۲، ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۴

اس کے مقابل مدعیوں کی یہ گواہیاں کہ ہم یہاں نہ تھے شہادت علی النفی ہیں قابل لحاظ نہیں، نہ وہ فتوٰی دوخلیط جار پر مقدم ہے۔ کچھ مفید مدعی ہو سکتے ہیں کہ اول توخلیط ہونا ہی پایہ ثبوت کو نہ پہنچا، پھر بعد تسلیم شفعہ خلیط فی نفس المبیع کا بھی کچھ حق نہیں رہتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹و۳۰: از ریاست رامپور کٹرہ خلاں خاں مرحوم مرسلہ غلام معین الدین خاں ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۲۶ھ

(۱) حاکمان شریعت مفتیان ملت کے حضور تمام کاغذات مقدمہ اصغر علی خاں عرف بنے خاں مدعی بنام شہنشاہی بیگم مشتریہ وتصور شاہ بائع مدعا علیہا نمبری ۲/۱۹۳ دعوٰی شفہ بر اراضی واقعہ کٹرہ جلال الدین خاں فیصلہ مفتی عدالت ریاست رامپور واقع ۲۲ دسمبر ۱۹۰۷ء کی نقول باضابطہ پیش کرکے درخواست ہے کہ شرع مطہر کے حکم سے اس مدقدمہ میں فیصلہ بحق مدعا علیہا ہونا صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مقدمہ مذکورہ کے متعلق عرضی دعوی وعرض مدعی مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۰۷ء بجواب استفسار حکم، واظہارات عبد الطیب خاں، وڈاکٹر مدن خاں، وعلی بہادر خان، وصفدر علی خاں ولد عباس خان وبشیر الدین خان، وضیاء الدین خاں، واحمد حسن خاں، وصفدر علی خاں ولد نثار علی خاں وعبدالغنی خاں نہ کس گواہان اصغر علی خاں مدعی، وفیصلہ مفتی صاحب حاکم مجوز کی نقول باضابطہ فقیر کے سامنے پیش ہوئے، اور سائل نے بیان کیا کہ شہنشاہی بیگم مدعا علیہا کی طرف سے اس مقدمہ میں صرف دو گواہ نیاز حسین خاں وعزیز محمد خاں پیش ہوئے، اور ان کا بیان اس مقدمہ میں بھی بعینہٖ وہی ہے جو انھوں نے مقدمہ سید محمد شاہ میں بنام شہنشاہی بیگم مذکورہ میں کیا ہے۔ اور جس کی نقول باضابطہ اس وقت یہاں دارالافتاء میں حاضر ہے۔ نیز حاکم نے فیصلہ میں ان کے بیانوں کا خلاصہ ذکر کیا، اور تحقیقات موقع پر شہادت سعید الدین خاں کا بھی بیان لکھا ہے جس میں اصغر علی خاں وسید محمد شاہ دونوں مدعیوں کا بعد بیع تسلیم شفعہ مذکور ہے، اور مجوز نے دونوں فیصلوں میں بعد اس بیان کے کہ شہادات شہود مدعیان میں نقائص ہیں، بر تقدیر نقائص ان تین گواہان مدعیہ کے بیان پر مدار فیصلہ رکھا ہے کہ ان سے دونوں مدعیوں کا بعد بیع طلب شفعہ سے انکار کردینا ثابت ہے۔ تو ان کو کسی طرح استحقاق دعوی نہ رہا، اور گواہان اصغر علی خاں جو وقت بیع اس کا رام پور میں نہ ہونا بیان کرتے ہیں گواہان نفی ہیں کہ مسموع نہیں، مگر ہماری رائے میں گواہان مدعا علیہا اس مقدمہ میں حاجت سے محض زیادہ ہیں جن کی شہادت پر بحث کی اصلا ضرورت نہیں، ولہٰذا ان کے اظہارات کی نقل پیش نہ ہونا اس مقدمہ میں بیاں حکم سے مانع نہیں، نہ اس پر نظر کہ عزیز محمد خاں نے اصغر علی خاں کی نسبت کہا، ولدیت نامعلوم شکل جانتاہوں نہ اظہار سے ثابت کہ

گواہ نے مدعی کو اشارہ سے بتایا، نہ اس پر لحاظ کی حاجت کہ سعید الدین خاں دوسرے مقدمہ کا گواہ ہے جس کا مدعی شخص آخر ہے، گو مدعا علیہ وہی ہے۔ اس کا بیان اس مقدمہ کا شاہد بنا کر کہاں تک قابل استناد ہے۔ یہ سب امور زوائد ہیں، مدعی شفعہ میں لازم ہے کہ یا تو مدعہ مقر ہو کہ دار مشفوع بہا شفیع کی ملک ہے، یا شفیع اسے بینہ سے ثابت کرے اور یہ بھی نہ ہو تو شفیع مدعا علیہ کا حلف چاہے اور وہ قسم کھانے سے انکار کردے، بے ان صورتوں کے دعوی شفعہ ہر گز ثابت نہیں ہو سکتا، زیلعی میں ہے:

اذا تقدم الشفیع، وادعی الشراء وطلب الشفعة عند القاضی، ولم یخل بشیئ من شروطه، اقبل علی المدعی علیه فسأله عن الدار التی یشفع بها هل هی ملك الشفیع ام لا، وان کانت هی فی ید الشفیع وهی تدل علی الملك ظاهرا، لان الظاهر لایصلح للاستحقاق فلابد من ثبوت ملکه بحجة، فیسأله عنه فان انکر ان یکون ملکا له یقول للمدعی اقم البینة انها ملکک، فان عجز عن البینة وطلب یمینه استحلف المشتری بالله مایعلم انه مالك للذی ذکره مما یشفع به، فان نکل اوقامت للشفیع بینة، او اقر المشتری بذلك ثبت ملك الشفیع فی الدار التی بشفع بها وثبت السبب وبعد ذٰلك یسأل القاضی	شفیع نے قاضی کے ہاں آگے بڑھ کر خریداری کا دعوی کیا اور شفعہ طلب کیا اور دعوی کی شرائط میں کوتاہی نہ ہو، پھر قاضی مدعا علیہ کی طرف متوجہ ہو کر اس سے اس دار کے متعلق سوال کرے گا جس کی بناء پر شفیع شفعہ کا دعوی کرتا ہے کہ کیا یہ شفیع کی ملکیت ہے یا نہیں اگرچہ وہ دار شفیع کے قبضہ میں ہو قبضہ کے باوجود سوال حالانکہ قبضہ ملکیت پر ہی ظاہرا دلالت کرتا ہے یہ اس لیے کہ ظاہر چیز استحقاق ثابت نہیں کرتی تو اس کی ملکیت کے ثبوت کے لئے کوئی دلیل ضروری ہے لہٰذا قاضی مدعا علیہ سے مدعی کی ملکیت کا سوال کرے گا، اگر مدعی علیہ اس کی ملکیت کا انکار کرے تو قاضی مدعی کو کہے گا کہ اپنی ملکیت پر گواہ پیش کر، تو اگر وہ گواہ لانے سے عاجز ہے اور مدعی علیہ سے اس پر قسم لینے کا مطالبہ کرے تو قاضی مدعی علیہ سے یوں قسم لے کہ مدعی جس بناء پر شفعہ کر رہا ہے تو اس ذکر کردہ پر اس کی ملکیت کو جانتا ہے تو مدعی علیہ اگر قسم سے انکار کرے یا شفیع کے گواہ شہادت دے دیں یا خود مشتری اس کی ملکیت کا اقرار کردے تو جس دار کی بناء پر شفعہ طلب کرتا ہے اس کی ملکیت شفیع کے لئے ثابت

المدعی علیه هل اشتریت ام لا الخ ملخصا [1]۔	ہو جائیگی یوں شفعہ کا سبب ثابت ہو جائیگا اس کے بعد قاضی مدعی علیہ (مشتری) سے سوال کرے کیا تو نے یہ دار خریدا ہے یا نہیں الخ ملخصا (ت)

اس مقدمہ میں ظاہر ہے کہ مدعاعلیہا ملک شفیع کی منکر ہے۔نہ شفیع نے حلف چاہا نہ اس نے حلف سے انکار کیا، تو صرف صورت شہادت رہی، اور وہ محض ناکافی گزری، یہاں شہادت اس مضمون کی درکار ہے کہ دار مشفوعہ کی بیع سے پہلے دار مشفوع بہا شفیع کی ملک تھی اور اب تک اس کی ملک ہے ہمارے علم میں جب سے اب تک اس کی ملک سے خارج نہ ہوئی، محیط وہندیہ میں ہے:

ان یقر المدعی علیه بشراء الدار وینکر کون المدعی شفیعها بالدار التی حدها وینکر کون الدرا التی حدها ملکا للمدعی، احضر المدعی الشهود وشهد کل منهم [2]۔(ملخصا)۔ گواہی میدہم کہ خانہ کہ بفلاں موضع ست حد ہائے وے کذا وکذا ملک ایں مدعی بود پیش از انکہ ایں مدعی علیہ مرایں خانہ راخرید وبر ملک وے ماند تا امروز وامروز ایں خانہ ملک ایں مدعی ست۔	مدعی علیہ دار کی خریداری کا اقرار کرے اور شفیع جس مکان کی بناء پر مدعی کے بیان کردہ دار پر مدعی کی ملکیت کا انکار کرے تو مدعی گواہ پیش کرے اور ہر گواہ شہادت دے (ملخصا)۔(ت) میں گواہی دیتاہوں کہ جو مکان فلاں موضع میں ہے اس کی حدود یوں یوں ہیں وہ اس مدعی کی ملکیت میں دعی علیہ کے اس خاص مکان کو خریدنے سے قبل تھی اور آج یہ مکان اس مدعی کا ہے۔(ت)

اور یہ اس لئے کہ اگر وقت بیع دار مشفوع بہا ملک شفیع میں نہ تھا، تو اس سبب سے اس میں استحقاق شفیع نہیں ہو سکتا اگرچہ بعد بیع یہ دار مشفوع بہا وراثت یا بیع یا ہبہ یا وصیت وغیرہا سے ملک مدعی میں آجاوے، عالمگیریہ میں ہے:

الشفعة شرطها ملك الشفيع وقت الشراء فی الدار التی یاخذ بها	شفعہ کی صحت کے لئے یہ شرط ہے جس دار کی بناء پر شفعہ کا دعوی ہے اس پر مشتری کی خریداری

[1] تبیین الحقائق کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیر بولاق مصر ۵/ ۴۵۔۲۴۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب المحاضر والسجلات محضر فی دعوی الشفعۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۰۷

الشفعة [1]۔	تک شفیع کی ملکیت قائم ہو۔(ت)

اسی میں ہے:

رجل اوصی له بدار، ولم یعلم حتی بیعت دار بجنبها، ثم قبل الوصیة فلا شفعة له [2]۔	ایک شخص نے اس کے لئے ایک مکان کی وصیت کی حالانکہ اس کو ابھی تک وصیت کا علم نہ ہوا حتی کہ اس مکان کے پڑوس میں کوئی مکان فروخت کیا اس کے بعد اس کو علم ہوا تو وصیت قبول کی۔ تو اب شفعہ نہ ہوگا۔(ت)

اور اگر شفیع بعد بیع وطلب شفہ قبل قضائے قاضی دار مشفوع بہا کو بیع کردے، تو شفعہ ساقط ہو جاتا ہے۔ درمختار میں ہے:

یبطلها بیع مایشفع به قبل القضاء بالشفعة مطلقًا [3]۔	جس کے سبب شفعہ کا حق ہو اس کو قاضی کے فیصلہ سے قبل فروخت کردینا شفعہ کو مطلقًا باطل کردیتا ہے۔(ت)

تو لازم ہے کہ قبل بیع دار مشفوعہ سے اس وقت تک مشفوع بہا میں شفیع کی ملک مستمر پر شہود شہادت دیں، اس کی طرف کچھ میلان اس مقدمہ میں بظاہر صرف ضیاء الدین خاں کے بیان میں ہے کہ اس مکان مشفوعہ کے پورب کی جانب مکان اصغر علی خاں موروثی واقع ہے اور وہ قبل بیع مشفوعہ سے اس وقت تک وہ اس پر مالک و قابض ہیں اور حقیقۃً دیکھئے تو اصلاً سے بھی اس مطلوب سے مس نہیں، مکان مشفوعہ سے پورب کی جانب ہزاروں میل تک ہے۔ نہیں معلوم کہ گواہ جس کو اصغر علی خاں کا موروثی و مملوک بملک مستمر بتارہا ہے کس عملے بلکہ کس شہر میں واقع ہے۔ جبکہ دار مشفوع بہا کی طرف نہ اشارہ نہ اس کے حدود کا بیان تو صرف اتنی تعریف کہ وہاں پورب کو ہے کیا کام دے سکتی ہے۔ باقی آٹھ گواہوں سے چار نے ملک شفیع کا اصلاً ذکر ہی نہ کیا، صفدر علی خاں ولد نثار علی خاں نے اتنا کہا کہ "یہ بات کہہ کر اصغر علی خاں اپنے مکان موروثی میں گئے اصغر علی خان کو چہ غیر نافذہ میں اپنے مکان موروثی کے دروازہ پر بیٹھے تھے، میں نے آٹھ روز سے نماز نہیں پڑھی، داڑھی مظہر کی جو برابر ہے" اس کا بھی وہی حال ہے اس سے یہ بھی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۴

[3] درمختار کتاب الشفعة باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

نہ کھلا کہ اصغر علی خاں کا مکان موروثی دار مشفوعہ کے محلّہ واقع ہے یا شہر کے دوسرے کنارے پر، تو مشفوع بہا کی ملک سے اس میں بھی اصلا بحث نہیں، علی بہادر خاں نے کہا سید تصور شاہ کے مکان سے پورب کو مکان موروثی مدعی کا ملا ہوا ہے۔ معلوم نہیں تصور شاہ کے کسی مکان سے؟ ہاں دو گواہیاں ملک مشفوع بہا کا پتا دے رہی ہیں، صفدر علی خاں ولد عباس خاں نے کہا مکان موروثی مدعی سے کھپریل مکان متنازعہ کے دکھن کہ دیوار در میان میں ہے "اس سے جار ملاصق ہونا معلوم ہوا، اگرچہ مدعی خلیط فی المبیع ہونے کا مدعی ہے۔ بشیر الدین خاں نے کہا "جس مکان کی کوٹھی کی اراضی فروخت ہوئی ہے اس مکان سے پورب کی جانب کی مکان اصغر علی خاں کا ہے۔ اور وہ مکان اصغر علی خاں کا موروثی ہے ان دونوں مکانوں کا راستہ بھی ایک ہی کوچہ میں ہے "اور یہی گواہ بمقدمہ سید محمد شاہ بنام شہنشاہی بیگم مذکورہ بیان کرچکا ہے کہ اس کی ڈاڑھی چٹکی میں آجاتی ہے۔ اول ڈاڑھی کترواتا تھا اب توبہ کرلی اب نہیں منڈائے گا، ان سب گواہیوں میں یہی گواہی چست ہے کہ اس نے ان لفظوں سے کہ "جس مکان کی کوٹھی کی اراضی فروخت ہوئی ہے" اپنے تنگ خیال کے مطابق تعیین مکان بھی کی اور دونوں کا راستہ ایک ہی کوچہ میں ہونے سے خلط فی حق المبیع بھی بتایا، مگر ت، تمام نقائص سے قطع نظر کرکے ان میں سے کسی نے مورث کا نام تک نہ لیا، اس کی تاریخ موت بتانا تو بڑی بات ہے، تو نری موروثی ہونے سے کیا کھلا کہ یہ مکان کب سے اصغر علی خاں کی ملک ہے، ممکن کہ وہ مورث جس کے ترکہ سے یہ مکان مدعی کو وراثۃً بعد بیع دار مشفوعہ مراد ہو، تو اس مکان کے ذریعہ سے مدعی کو کیا استحقاق شفعہ ہوسکتا ہے، شہادت اس لئے ہوتی ہے کہ حق حاکم پر ظاہر ہو، ان شہادتوں کا اجمال واہمال یہ ہے کہ مجوز نے فیصلہ میں کہا کہ گواہان مدعی نے یہ نہ بیان کیا کہ مدعی مورث کا بیٹا ہے یا بھائی ہے یا کون "جب قاضی کو مورث کا ہی پتہ نہ چلا تو تاریخ موت کیونکر معلوم ہوسکتی ہے جس سے جانا جائے کہ دار مشفوعہ بہا عند البیع ملک شفیع تھی یا نہیں، لاجرم شہادتیں محض مہمل ہیں اور دعوی اصلا پایہ ثبوت کو نہ پہنچا، ردالمحتار میں ہے:

لوقالا انہا لہذا الجار لایکفی کمافی المحیط[1]۔	اگر دونوں گواہ یہ کہیں کہ مکان اس پڑوسی کا ہے تو کافی نہیں، جیسا کہ محیط میں ہے۔(ت)

لہٰذا واجب تھا کہ دعوی خارج ہو، جیسا کہ مفتی ریاست نے کیا، اور لازم ہے کہ اپیل نامنظور، واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴

(۲) حکام شریعت علماء ملت کے حضور تمام کاغذات مقدمہ سید محمد شاہ مدعی بنام شہنشاہی بیگم مشتریہ وتصور شاہ بائع مدعاعلیہا نمبری ۴/۲۰۵ دعوی شفع براراضی واقعہ کٹرہ جلال الدین خاں، فیصلہ مفتی ریاست رامپور واقع ۲۲ دسمبر ۱۹۰۷ء کی نقول باضابطہ حاضر کرکے کہ شرع شریف کے حکم سے اس مقدمہ فیصلہ بحق مدعاعلیہا ہونا صحیح یا کیا؟ بینواتوجروا

الجواب:

اس مقدمہ کے متعلق عرضی دعوی وجواب دعوی از جانب شہنشاہی بیگم، ورد جواب از جانب مدعی واظہار عثمان خاں وعبدالرزاق خاں وسید دلاور علی خاں ونتھو خان وبشیر الدین خاں وعبدالغفار خاں گوہان مدعی ونیاز حسین خاں وعزیز محمد خان وامین الدین خان وسعید الدین خاں گواہان مدعاعلیہا وروبکار مفتی صاحب حاکم مجوز کے نقول باضابطہ فقیر کے سامنے پیش ہوئیں، اس دعوی کی حالت دعوی اصغر علی خاں مدعی بنام شہنشاہی بیگم مذکورہ سے بھی بدتر ہے مشہود مدعی میں صرف تین گواہوں نے مکان مدعی ملک ہونے کی طرف توجہ کی، ازیں جملہ عبدالغفار خاں کا بیان ہے "مکان جانب مشرق مملوک بائع کا ہے، اور جانب غرب شفیع کا ہے پکھا دونوں مکان کا مشترکہ ہے" یہ گواہ ایک ایسے دو مکانوں کا قصہ بیان کرتا ہے جسکا پکھا مشترک اور ان میں ایک مملوک بائع دوسرا شفیع کا ہے، مگر اس کی شہادت کچھ پتا نہیں دیتی کہ وہ مکان کس شہر، یا شہر کے کس گوشہ میں واقع ہیں، شہادت میں نہ مکانوں کی تعیین، نہ ان کی طرف اشارہ یہ شہادت اس پایہ کی ہے کہ مقدمہ اصغر علی خاں بنام شہنشاہی بیگم میں شہادت علی بہادر خاں تھی، نتھو خاں نے کہا "یہ مکان سید محمد شاہ کا جس کی وجہ سے دعوی شفعہ کیا ہے موروثی ہے سید دلاور علی نے کہا "مکان شفیع کا مملوکہ موروثی ہے" لفظ اگرچہ مطلق تھا مگر اظہار میں لکھا کہ "نشان دہی کردی" تو انھیں دو گواہوں سے ملک مشفوع بہا کا پتا چلا شہنشاہی بیگم یہاں بھی مشفوع بہا میں ملک مدعی سے منکر ہے اور مدعی نے نہ اس سے حلف لیا نہ اس نے حلف سے انکار کیا بلکہ مدعی نے شہادت پر اپنے کام کا مدار رکھا، اور وہ حسب قاعدہ شرع ادا نہ ہوئی کہ کسی شہادت میں بیع مشفوعہ سے پہلے مشفوع بہا کا ملک مدعی ہونا اور اب تک بالاستمرار اس کی ملک میں رہنا اصلا مذکور نہیں، مقدمہ اصغر علی خاں میں اگرچہ دعوی محض مجمل تھا، بجواب استفسار حاکم اور تفصیل نہ کرسکا، تو نام موث تو بتادیا، یہاں اس قدر بھی نہیں، بیان مدعی یا بیان شاہدان کسی سے پتا نہیں چلتا کہ یہ مکان محمد شاہ کو بیع مشفوعہ کے کتنے مہینے بعد میراث میں ملا ہے، بیع مشفوعہ ۱۶ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ہوئی، اور شہادتیں ۹۹ ۱۳ جون ۱۹۰۷ء کو ہیں کیا اگر ۸ جون ۱۹۰۷ء تک سید محمد شاہ کا کوئی مورث باپ یا بھائی یا چچا وغیرہم اس مکان مشفوع بہا کا مالک رہا، اور اس تاریخ اس کی وفات ہوئی، اور مکان ملک سید محمد شاہ میں آیا تو ۹ جون

کو گواہوں کا کہنا کہ یہ مکان شفیع کا موروثی ہے، غلط ہوگا، ہر گز نہیں، ضرور صحیح و حق ہوگا، مگر مدعی کے کسی مصرف کا نہیں، اس کی ملک تو وقت بیع مشفوعہ سے پہلے ہو اور اب تک مستمر رہے، اس کا ثبوت درکار تھا، جس کا نام تک کسی شاہد نے نہ لیا، تو ایسی شہادتیں محض ناکافی اور بے معنٰی ہیں، اور دعوی اصلا پایہ ثبوت کو نہ پہنچا اجناس وذخیرہ ومحیط وغیرہا میں ہے:

ینبغی ان یشھدوا ان ھذہ الدار التی بجوار الدار المبیعة ملك ھذا الشفیع قبل ان یشتری ہذا المشتری ہذا الدار و ہی له الی ھذا الساعة لانعلمها خرجت عن ملکه فلوقالا ان ھذہ الدار لھذا الجار لا یکفی [1]۔	گواہ یوں شہادت دیں کہ مبیع مکان کے پڑوس میں یہ مکان اس مشتری کے اس مکان کو خریدنے سے قبل شفیع کی ملکتی میں اس قت تک ہے اور اس کی ملکیت سے خارج ہونا ہمیں معلوم نہیں، تو اگر صرف یہ کہیں کہ یہ مکان اس پڑوسی کا ہے تو اتنا کافی نہیں ہے۔ (ت)

معہذا شہنشاہی بیگم کی طرف سے جو شہادتیں نیاز حسین خان وعزیز محمد خاں وسعید الدین خاں نے دیں وہ اس پیمانے پر جو آج کل تمام ہند میں رائج اور جملہ مقدمات اور خود اس مقدمہ میں مدعی ومدعٰی علیہ سب کے شہود اسی رنگ پر چلے اور چلتے ہیں، اس امر کا ثبوت دے رہے ہیں کہ سید محمد شاہ نے بعد بیع خبر سن کر تسلیم شفعہ کر دی، اور طلب سے انکار کیا، اگر یہ پیمانہ مقبول نہیں تو خود شہادت شہود مدعی ایک اور وجہ سے مردود ہوئی، اور مقبول ہو تو بطلان شفعہ ثابت ہو گیا، جیسا کہ فیصلہ میں مذکور ہے، بہر حال دعوی شفعہ محض ناثابت ہے، اور اپیل اصلا قابل منظور نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک بیعنامہ مکان کا قبل نکاح زبیدہ جس کا نکاح اس کے پسر کے ساتھ ہونے والا ہے۔ بدیں مضمون لکھ کر زر ثمن کی وصولیابی کا اقرار لکھ کر معاف کر دیا، اس قسم کا بیعنامہ معافی کا شرعا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر بعد نکاح زید یا اس کے ورثاء انکار وصولیابی زر ثمن کا کرکے کہیں کہ بیعنامہ بطور قرض لکھا گیا تھا شرعا قرض قرار پائے گا یا نہیں؟ اور کبھی شفیع کی شفعہ اس قسم کے بیعنامہ میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

میں کہ فلاں ابن فلاں ساکن رامپور ہوں جو کہ ایک منزلہ مکان چنیں وچناں واقع رامپور محدودہ ذیل

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الاجناس والمحیط والذخیرۃ کتاب الشفعۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۹

مملوکہ ومقبوضہ میرا ہے۔وہ اب میں نے بحالت صحت نفس وثبات عقل بلااکراہ واجبار ورغبت اپنے مع جمیع حقوق ومرافق بعوج مبلغ پانچسو روپیہ چہرہ دار ہمدست مسماۃ زبیدہ جس کا نکاح حسب خواہش میری بکر پس نطفے میرے سے بتاریخ امروز ہوگا، بیچا اور بیع کیا میں نے اور مکان مبیعہ مشتریہ مذکورہ کو مثل ذات اپنی کے مالک وقابض کردیا، میں نے زرثمن تمام وکمال مشتریہ سے وصول پایا، میں نے یعنی زرثمن اس کا بوجہ محبت فطری بکر پسر مذکور کے زبیدہ مشتریہ کو معاف کیا میں نے پس بخشش ومعافی مجھ کو اور قائم مقامان میرے کو دعوی زرثمن کا نہیں ہے اور نہ ہوگا تقابض البدلین واقع ہوا، اب مجھ بائع کو مکان مبیعہ سے کچھ سروکار نہ ہوگا، اگر کوئی سہیم یاشریک پیدا ہو توجواب دہ میں بائع ہوں۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بیع مطلقاً صحیح ہے، اور اگر ایجاب وقبول بیع قبل معافی ثمن واقع ہوئے تھے وتو معافی ثمن بھی صحیح ہے، اب زید یا وارثان زید کو اس جائداد خواہ اسکے زرثمن میں اصلا دعوی نہیں پہنچتا، ہاں اگر قبل قبول مشتریہ یا وکیل مشتریہ معافی ثمن بائع نے لکھی اور اس کے بعد مشتریہ کی طرف سے قبول واقع ہوا تو معافی صحیح نہ ہوگی، بیع صحیح ہوگی، اور ثمن دینا آئے گا جب تک بائع بعد قبول مشتریہ کی طرف نہ کرے، رہا شفعہ وہ ہر حال میں ثابت ہے، اگرچہ ثمن معاف ہوجائے، کل ثمن شفیع اگر شرط بجالائے، لے سکے گا، کہ ثمن کی معافی سے شفیع کا فائدہ نہیں اٹھاسکتا، عالمگیری میں ہے:

اذا حط کل الثمن، اووھبہ، اوأبراہ عنہ، فان کان ذٰلك قبل قبض الثمن صح الکل الخ [1]۔	جب مشتری کو بائع تمام ثمن ساقط کردے یا ہبہ کردے یا ثمن سے اس کو بری کردے تو اگر ثمن پر بائع کے قبضہ سے قبل ہو تو یہ سب جائز ہے۔الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الذخیرۃ اذا حط کل الثمن، اووھب اوأبرا عنہ، فان کان قبل قبضہ صح الکل ولا یلتحق باصل العقد، فی البدائع من الشفعۃ، ولو حط جمیع الثمن و لا یسقط عنہ شیئ لان	ذخیرہ میں فرمایا، اگر تمام ثمن ساقط کردے یا ہبہ کردے یا اس کو بری کردے اگر ثمن پر اپنے قبضہ سے قبل کرے تو سب صحیح ہے اور یہ ثمن چھوڑنا اصل عقد سے ملحق نہ ہوگا، بدائع کے شفعہ میں ہے اگر بائع نے مشتری سے کل ثمن ساقط کئے تو وہ شفیع سے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۷۳

حط کل الثمن لایلتحق باصل العقد، لانہ لو التحق لبطل البیع لانہ یکون بیعا بلاثمن فلم یصح الحط فی حق الشفیع و صح فی حق المشتری وکان ابراء لہ عن الثمن اھ[1]۔	ساقط نہ ہوں گے کیونکہ کل ثمن کا اسقاط اصل عقد سے ملحق نہ ہوتا کیونکہ اگر اصل بیع سے ملحق ہو تو بیع باطل ہو جائے، اس لئے کہ وہ بیع بلا ثمن قرار پائیگی، تو وہ شفعی کے حق میں اسقاط نہ ہوگا، مشتری کے حق میں صحیح ہوگا اور مشتری کو ثمن سے برات ہوگی اھ (ت)

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

قال بعتك ھذا الشیئ بعشرۃ دراہم ووھبت لك العشرۃ ثم قبل المشتری البیع جاز البیع، ولایبرأ المشتری عن الثمن لایجب الابعد قبول البیع، فاذا ابرأ عن الثمن قبل القبول کان ابرأ قبل السبب فلا یصح[2] اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔	بائع نے کہا میں نے تجھے یہ چیز دس دراہم کے بدلے فروخت کی اور میں نے تجھے وہ دس ہبہ کئے پھر مشتری نے بیع قبول کرلی تو بیع صحیح ہوگی اور مشتری ثمن سےء بری نہ ہوگا جبکہ ثمن کا وجوب بیع کو قبول کرنے کے بعد ہوتا ہے اگر قبول کرنے سے قبل مشتری کو بری کردے تو یہ سبب سے قبل بری کرنا ہوگا جو کہ صحیح نہیں ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲: از بدایوں سوتھ محلّہ مرسلہ نواب عبداللہ خاں ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۲۸ھ

حنفی المذہب جار کو وہابی غیر مقلد پر حق شفعہ حاصل ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیشک حاصل ہے، تمام کتب فقہ میں حکم شفعہ عام معلق ہے، ہدایہ میں ہے:

الشفعۃ واجبۃ للخلیط فی نفس البیع، ثم للخلیط حق المبیع کشرب والطریق، ثم للجار[3]۔	عین مبیع میں شریک کو شفعہ کا حق لازم ہے پھر مبیع کے حقوق میں شریک کو جیسے زمین کو سیراب کرنے والے پانی اور اس کے راستے میں شرکت ہو اس کے بعد پڑوسی کو حق ہوگا۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع والثمن داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶۷
[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی احکام البیع الفاسد نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۴۹
[3] الھدایہ کتاب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۸۷

درمختار میں ہے:

سببها اتصال ملك الشفیع بالمشتری بشركة او جوار [1]۔	شفعہ کا سبب خرید کردہ کے ساتھ شفیع کی ملک کا اتصال بطور شرکت یا بطور پڑوس ہو۔(ت)

اسی میں ہے:

الشفعة للجار الملاصق [2]۔	شفعہ کا حق متصل پڑوس کو ہے۔(ت)

عالمگیری می ہے:

اذا اسلم الخلیط وجبت للجار [3]۔	جب شریک شفعہ کو چھوڑ دے تو پھر پڑوسی کا حق ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

للجار حق الشفعة اذا كان الجار قد طلب الشفعة حین سمع البیع [4]۔	پڑوسی کو شفعہ کا حق تب ہے کہ اس نے بیع کو سنتے ہی طلب کی ہو۔(ت)

قاضی خاں میں ہے:

الشفعة حق شرع نظرا لمن كان شریكا او جارا عند البیع [5]۔	حق شفعہ شریک یا پڑوسی کی رعایت کے لئے مشروعات ہے بوقت بیع(ت)

اصلا کہیں یہ قید نہیں کہ بائع یا مشتری کا مقلد ہو ناضروری ہے ورنہ حق شفع نہ ہوگا جو اس کا ادعا کرے کسی کتاب معتبر میں دکھائے، اور ہر گزنہ دکھاسکے گا۔ اور جب تمام کتب میں حکم بلاشبہہ عام ہے، تو اپنی طرف سے تخصیص کب قابل سماعت ہے۔ ناواقف جاہل کو یہاں دو ہی شبہے عارض ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ غیر مقلد شفعہ جار کا قائل نہیں تو وہ اپنے زعم میں اس مطالبہ سے بری ہے۔ دوسرے یہ کہ غیر مقلد بہت مسائل اصول دین میں اہل حق کا مخالف ہے۔ وہ ایک دین ہی جداگانہ رکھتا ہے تو ہمارے دین کے احکام اسے شامل نہ ہوں گے، اور یہ دونوں شبہے محض باطل وبے معنی ہیں، کتابوں میں صاف تصریح ہے کہ اگر کھلے کافرنے

---

[1] درمختار کتاب الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۰-۲۱۱

[2] درمختار کتاب الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۰-۲۱۱

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۶۶

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۶۷

[5] فتاوی قاضیخاں کتاب الشفعة الباب الثانی نولکشور لکھنؤ ۴ /۸۶۰

دوسرے کے ہاتھ مکان بیچا اور مسلمان اس کا شفیع ہے۔ مسلمان کو شفعہ ملے گا، تو کھلے کفار جن کے یہاں شفعہ سرے سے کوئی چیز ہی نہیں اور وہ صراحۃً نفس اسلام سے منکر ہیں، جبکہ اپنے خیال میں عدم شفعہ یا تخالف دین کے سبب شفعہ سے بری نہ ہوئے، تو غیر مقلد کہ اصل شفعہ کا قائل ہے، اگرچہ شفعہ جوار میں کلام کرے، اور دین اسلام کا دعوٰی رکھتا ہے اگرچہ اپنے دعوے میں غلط کار ہو، کیونکہ اپنے خیال یا تخالف مذہب کے باعث شفعہ سے بری ہو سکتا ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لواشتری ذمی من دار بخمر اوخنزیر وشفیعها ذمی اومسلم وجب الشفعۃ عند اصحابنا [1]۔	اگر کسی ذمی نے ذمی سے مکان بعوض شراب یا خنزیر خریدا اور اس پر شفعہ کرنیوالا ذمی ہو یا مسلمان ہو اس کو ہمارے اصحاب کے نزدیک شفعہ کا حق ہے۔ (ت)

فتاوٰی قاضی خان میں ہے:

المسلم والکافر والکبیر والصغیر والذکر والانثٰی فی الشفعۃ لهم وعلیهم سواء [2]۔	مسلمان، کافر، بڑا، چھوٹا، مرد اور عورت شفعہ ان کے حق میں ہو یا خلاف ہو سب برابر ہیں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

اذااشتری ذمی بخمر اوخنزیر ان کان شفیعها مسلما اخذ بقیمۃ الخمر والخنزیر وبالاسلام یتاکد حقه لا ان یبطل [3] اھ ملتقطا۔	جب شراب یا خنزیر کے عوض کسی ذمی نے مکان خریدا اگر مسلمان شفعہ کا حقدار ہو تو شراب اور خنزیر کی قیمت کے عوض شفعہ حاصل کرے گا، اسلام اس کے حق کو مضبوط بناتا ہے نہ کہ باطل کرتا ہے اھ ملتقطا (ت)

بالجملہ مدعاعلیہ اپنے کسی خیال ومذہب کے باعث اس حق کو مدعی کے لئے باطل نہیں کر سکتا، اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ شرع مطہر نے حق شفعہ شفیع سے وضع ضرر کے لئے مشروع فرمایا ہے، مدعی کہ اپنا ضرر دفع کرنا چاہتا ہے، مدعاعلیہ یہ جواب کیونکر دے سکتا ہے کہ میرے خیال ومذہب میں تو اپنے ضرر کے دفع کا استحقاق نہیں

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۹۴

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشفعۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ۴ /۸۶۰

[3] الهدایہ کتاب الشفعۃ باب الشفعۃ مطبع یوسفی نولکشور لکھنؤ ۴ /۳۹۷۔۹۸

رکھتا، ایسا جواب کب قابل التفات ہوسکتا ہے، ہدایہ میں ہے:

الاتصال علی ھذہ الصفۃ انما انتصب سببا فیہ لدفع ضرر الجوار اذ ھو مادۃ المضار علی ماعرف [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اس طریقہ کا اتصال پڑوس کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے سبب ہے کیونکہ پڑوس محل ضرر ہے جیسا کہ معروف ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۳۳: مسئولہ محمد حیدر حسن خاں رامپوری ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان کا حصہ فروخت ہوا، شفیع جو خلیط فی نفس المبیع ہے اس نے خبر سن کر فورا طلب مواثبت کی، ادا کے وقت چند اشخاص شفیع کے پاس موجود تھے، اور اس جگہ سے مکان مبیعہ بھی نظر آتا ہے۔ شفیع طلب مواثبت کرکے خود اشخاص مذکورہ کو ساتھ لے کر مکان مبیعہ کے پاس آیا، سب آدمی مکان کے دروازے کے پاس کھڑے رہے اور شفیع مکان کے اندر چلا گیا اور وہاں پردہ کرایا، اور پھر باہر آکر سب آدمیوں کو مکان کے اندر لے گیا، تب شفیع نے طلب اشہاد ادا کی، شفیع اگر چاہتا تو جس جگہ اس نے طلب اول ادا کی تھی اور وہاں سے مکان مبیعہ بھی نظر آتا تھا اس جگہ طلب ثانی بھی ادا کرسکتا تھا، یہ امر دریافت طلب ہے کہ شفیع نے جو دو تاخیریں ادائے طلب اشہاد میں کیں، یہ دونوں تاخیریں یا ان میں سے کوئی مبطل شفعہ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں نہ شفعہ باطل ہوا نہ طلب اشہاد میں تاخیر ہوئی، نہ یہاں طلب مکرر کی حاجت تھی، بلکہ وہی طلب مواثبت جو اس نے دار مبیعہ کے منظر میں کی، جہاں وہ مکان کے سامنے اور حسب بیان زبانی سائل نے صرف پچاس قدم کے فاصلہ پر تھا، وہی دونوں طلبوں کا کام دے گئی، اصل یہ ہے کہ یہاں طلب خصومت سے پہلے دو طلبیں لازم کی ہیں، ایک بفور علم اگرچہ اس وقت وہاں اور کوئی نہ ہو، دوم احدالمعاقدین یا مبیع کے سامنے، اور اگر وقت علم احد البائعین حاضر یا مبیع پیش نظر ہے، تو یہی طلب اول و دوم دونوں ہوجائیں گی، پھر طلب اشہاد میں حاضرین سے یہ کہنا کچھ ضرور نہیں کہ تم گواہ ہوجاؤ بلکہ فی الواقع دونوں میں سے کسی طلب میں گواہوں کا موجود ہونا ہی شرط نہیں، وہ صرف ثبوت دینے کے لئے درکار ہوتے ہیں جبکہ مشتری انکار کرے تو گواہوں کے سامنے طلب مواثبت منظر مبیعہ میں کرنا بدرجہ اولٰی طلب اشہاد

[1] الھدایۃ کتاب الشفعہ مطبع یوسفی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۳۸۸

بھی ہے اگرچہ گواہوں سے نہ کہا ہو کہ گواہ رہو، اور یہیں سے ظاہر ہے کہ اس کے بعد شفیع کا شہود کو دروازہ پر پھر اندر لے جانا اور طلب کرنا سب فضول وزوائد از حاجت تھا، جس کی تاخیر بلکہ عدم سے بھی شفعہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ درمختار میں ہے:

لو اشھد فی طلب المواثبۃ عند احد ھٰؤلاء (ای البائعین والمبیع) کفاہ وقام مقام الطلبین [1]۔	اگر شفعہ کی طلب پر ان میں سے کسی کے اس گواہ بنائے یعنی خرید وفروخت کرنے والوں اور مبیع کے پاس تو اس کو کافی ہے اور یہ عمل دونوں طلب کے قائم مقام ہوگا۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

انما یحتاج الی طلب المواثبۃ ثم الی طلب الاشھاد بعد اذا لم یمکنہ الاشھاد عند طلب المواثبۃ بان سمع الشراء حال غیبۃ عن المشتری والبائع والدار، اما اذا سمع عند حضرۃ ھٰؤلاء الثلث (ای احد ھم کما لایخفی) واشھد علی ذٰلك فذٰلك یکفیہ، و یقوم مقام الطلبین کذا فی خزانۃ المفتین [2]۔	طلب مواثبت کے بعد طلب اشہاد کی ضرورت تب ہوگی جب طلب مواثبت پر وہ گوہ نہ بنا سکے، مثلاً یوں کہ شفیع نے خریداری کی خبر مشتری بائع اور مبیع مکان سے غائب ہونے پر سنی لیکن جب ان کی موجودگی میں سنی ہو اور اس وقت گواہ بھی اس طلب پر قائم کرلئے ہوں تو اسے کافی ہے اور یہ عمل دو طلب کے قائم مقام ہوگا خزانۃ المفتین میں اسی طرح ہے (ت)

قاضی خاں وعقود الدریہ وغیرہما میں ہے:

انما سمی الثانی طلب الاشھاد لا لان الشھادۃ شرط بل لتکمنہ اثبات الطلب عند جحود الخصم [3]۔	چنانچہ دوسری طلب کا نام طلب اشہاد اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں گواہ بنانا شرط ہے تاکہ مخالف فریق کے انکار پر ثابت کرسکے (ت)

نتائج الافکار میں بدائع سے ہے:

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۳

[3] فتاوٰی قاضی خان کتاب الشفعۃ فصل فی الطلب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۱

اماالاشہاد علی ھذا الطلب فلیس بشرط و انما ھو لتوثقة علی تقدیر الانکر کمافی الطلب الاول [1]۔	دوسری طلب میں گواہ بنانا شرط نہیں بلکہ اس لئے گوہ بنائے کہ مخالف کے انکار پر اپنے حق کو ثابت کرسکے جیساکہ پہلی طلب میں شرط نہیں ہے۔(ت)

فتح اللہ المعین میں ہے:

الاشہاد علی الطلب التقریر لیس بشرط کمافی البدائع [2]۔	طلب تقریر یعنی طلب ثانی میں گواہ بنانا شرط نہیں، جیساکہ بدائع میں ہے۔(ت)

ہندیہ میں محیط سرخسی سے ہے:

اما طلب الاشہاد فھو ان یشھد علی الطلب المواثبة حتی یتأکد الوجوب بالطلب علی الفور ،ولیس الاشہاد شرطالصحة الطلب لکن لیتوثق حق الشفعة اذا انکر المشتری طلب الشفعة [3] واللہ تعالٰی اعلم۔	طلب اشہاد یہ ہے کہ طلب مواثبت یعنی پہلی طلب پر گواہ بنائے تاکہ فوری طورپر طلب کا وجوب پختہ ہوجائے جبکہ صحت طلب کے لئے اس وقت گواہ بنانا شرط نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ مخالف فریق جب انکار کرے تو یہ اپنے حق شفعہ کو مضبوط بناسکے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴تا۳۸: از ریاست رامپور مسئولہ مفتی عبدالقادر خاں صاحب مفتی ریاست رام پور ۱۰جمادی الاولٰی ۱۳۲۸ھ

مقدمہ فخر الدین خان بنام حیدر حسن خان ومسماۃ منور بیگم بنت محمد شفیع خاں میں مسل مع فتاوٰی مدخلہ بغرض ملاحظہ حاضر ہے، بعد ملاحظہ روئداد واظہارات گواہان سوالات ذیل کاجواب عطاہو:

(۱) آیا جس حالت میں کہ شفیع کو اطلاع بیع ایسی جگہ پہنچی کہ در مشفوعہ سے قریب ہواور دار مشفوعہ پیش نظر ہو اس وقت شہود کے سامنے طلب واحد طلب مواثبت وطلب اشہاد دونوں کی جگہ کافی ہوجائیگی یادو طلب جداگانہ کی حاجت ہے؟

(۲) صورت مذکورہ میں اگرایک بار طلب کرکے وہاں سے اٹھ کر دار کے پاس شہود کولے جائے اور ہنوز طلب ثانی نہ کرے، بلکہ اندر جاکر پردہ کراکر شہود کواندرلیجاکر وہاں طلب دوم کرے تو یہ تاخیر موجب

[1] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار تکملہ فتح القدیر کتاب الشفعة باب طلب الشفعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۰۸

[2] فتح المعین کتاب الشفعة باب طلب الشفعة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۳۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

بطلان شفعہ ہوگی یا نہیں؟

(۳) گواہوں کے سامنے اگر طلب بروجہ شرعی کرلی اور یہ نہ کہا کہ گواہ ہوجاؤ، تو طلب اشہاد میں کوئی خلل ہے یا نہیں؟

(۴) اگر طلب اول بروجہ کافی ایسے طور پر نہ کی کہ طلب اشہاد کے بھی قائم مقام ہوتی، اور پھر کاروائی مذکورہ سوال دوم عمل میں لایا۔ تو یہ دلیل اعراض ومسقط شفعہ ہے یا اس قیاس پر کہ مصر واحد میں اقرب کو چھوڑ کر ابعد کے پاس جانے سے حرج نہیں ہوتا شفعہ باطل نہ ہوگا؟

(۵) طلب اول کے جو الفاظ مدعی وشاہدان نے بیان کئے ہیں آیا وہ کافی ووافی ہیں جن سے وہی طلب قائم مقام طلبین ہوجائیگی یا نہیں؟ بالآخر حکم اخیر مطلوب ہے کہ اس روئداد مسلم کی رو سے شفعہ ثابت ہے یا ساقط؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کاغذات ملاحظہ ہوئے، **پہلے تین سوالوں** کا وہی جواب ہے جو قبل ملاحظہ مسل لکھا گیا تھا، شرع مطہر نے دو۲ باتیں لازم فرمائیں، ایک طلب بفور علم، دوم اس طلب کا بتعیین مطلوب بائع یا مشتری یا مشفوع کے سامنے ہونا طلب دوم کی اتنی ہی حقیقت ہے خاص اس لفظ کی کہ گواہ ہوجاؤ، کچھ حاجت نہیں، نہ یہ کہنا داخل حقیقت اشہاد ہے۔ اشہاد اعطائے ماخذ ہے یعنی دوسرے کے لئے اپنے تصرف پر تحصیل شہادت، اور بدیہی ہے کہ حصول شہادت کے لئے شاہد کے سامنے صرف وقوع درکار ہے۔ نہ کہ متصرف اسے اشہاد باللسان بھی کرے، یہاں تک کہ اگر متصرف بعد تصرف شاہد کو شہادت سے منع بھی کردے، اصلا موثر نہیں، فتح القدیر میں ہے:

الاتفاق علی ان من سمع اقرار رجل،له ان یشھد علیه بما سمع منه،وان لم یشھدہ بل ولو منعه منه الشھادۃ بما سمع منه[1]۔	اس پر اتفاق ہے کہ جس نے کسی شخص کا اقرار سنا تو واس کو یہ حق ہے کہ اس کی سنی بات پر گوہی دے اگرچہ اقرار کرنے والا اس کو گواہ نہ بنائے بلکہ وہ گواہی سے منع کرے تو بھی گواہی دے سکتا ہے۔(ت)

اور جب حصول شہادت بے اس قول کیے گوہ ہوجاؤ ثابت ہے، تو جو تصرف متصرف بمشہد شہود اس لئے کرے کہ وہ شاہد ہوجائیں، قطعاً وہ شاہد ہوجائیں گے، اور قطعاً ان کے لئے اس وصف شہادت کا حصول اس نے

[1] فتح القدیر کتاب الشھادات باب الشھادۃ علی الشھادۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۵۲۷

چاہا۔اور اسی کے فعل مذکورہ سے یہ وصف ان کو حاصل ہوا، تو بلاشبہ اس نے دونوں کے لئے تحصیل شہادت کی، اور اسی قدر حقیقت اشہاد ہے، قال اللہ تعالٰی "وَاَشۡهِدُوۡۤا اِذَا تَبَایَعۡتُمۡ"[1] خرید وفروخت کرتے وقت اشہاد کرلو، وقال اللہ تعالٰی "وَّ اَشۡهِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ"[2] جب طلاق دو یا رجعت کرو اپنے میں سے دو ثقہ کو گواہ کرلو۔ عالم میں کوئی اس کا قائل نہیں کہ عقود و فسوخ میں گواہ کرتے وقت متصرف کا زبان سے یہ کہنا ضرور ہے کہ گواہ ہوجاؤ، بلکہ طلب دوم خواہ اول کسی میں نفس وجود شہود ہی ضرور نہیں، کما نصوا علیہ فی البدائع والخانیۃ والمحیط واشار الیہ فی الہدایۃ وغیرھا (جیسا کہ اس پر بدائع، خانیہ اور محیط کی نصوص ہیں اور ہدایہ وغیرہ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ت) بلکہ مقصود شرع وہی دو[۲] باتیں ہیں ایک طلب فوری، [۲]دوسری محضر، اور الثالثۃ میں طلب بتعیین، اکثر یہ ہوتا ہے کہ شفیع کو خبر بیع وہاں پہنچی ہے کہ عاقدین و مبیع سے کچھ حاضر نہیں، ناچار دو طلبوں کی حاجت ہوئی کہ محضر کا انتظار کرے تو فوری جاتا ہے۔اور فقط فور پر قانع ہو تو محضر نہیں، اور جب خبیر عین محضر میں پہنچی تو تعداد طلب کی اصلا حاجت نہیں، طلب واحد ہی دونوں کا کام دے گا۔

لاجتماع الفور والمحضر معا والمسئلۃ دوارۃ فی الکتب وقد ذکرنا بعض نصوصھا، ولا تنس ماقدمنا من معنی الاشھاد ومن حقیقۃ طلب الاشھاد کیلا تزل من ظاھر کثیر من العبارات۔	فوریت اور حاضری دونوں کے اجتماع کی وجہ سے، جبکہ یہ مسئلہ کتب میں عام دائر ہے اور ہم نے بعض کتب کی نصوص ذکر کردی ہیں اور ہمارا بیان معنی اشہاد اور طلب کی حقیقت کو نہ بھولنا تاکہ تو بہت سی کتب کی ظاہر عبارات سے نہ پھسلے (ت)

جواب سوال چہارم: صورت مستفسرہ میں ضرور شفعہ باطل ہوجائے گا، اور قریب کہ چھوڑ کر بعید کی طرف جانے سے استناد محض باطل وخرط القتاد، مصر واحد میں اس کا جواز اس صورت میں ہے کہ بعید تک جانے میں قریب پر گزر نہ ہو، اور اگر راہ میں قریب پر گزرا اور اسے چھوڑ کر بعید کی طرف گیا، قطعاً شفعہ باطل ہوجائے گا۔اور یہ ضرور دلیل اعراض ہے۔ محیط، سرخسی، بزازیہ، خانیہ، ہندیہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے:

لوکان الکل فی مکان حقیقۃ وطلب من	اگر یہ تمام امور بر محل پائے جائیں اور بعید جگہ والے کو

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۲

[2] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

ابعدھا وترك الاقرب جاز ،فکذا ھذا الا ان یصل الی الاقرب ویذھب الی الابعد فحینئذ تبطل [1]۔	طلب کرے اور قریب والے کو چھوڑ دے، تو جائز ہے تو یہ بھی ایسے ہے ہاں اگر قرب پر پہنچ کر ابعد کی طرف جائے تو اس وقت شفعہ باطل ہوجائے گا۔ (ت)

اور یہاں یہی ہوا، بیرون در بھی اشہاد کرسکتا تھا، اور اسے چھوڑ کر اندر گیا، اور پردہ کرایا، اور شہود کو لے گیا، اس وقت طلب کی، تو یہ اقرب پر گزر کر ابعد کی طرف جانا ہوا، اور یہ ضرور مبطل شفعہ ہے۔

جواب سوال پنجم: بیان مدعی و گواہان مدعی کے ملاحظہ سے جو کچھ نظر فقہی میں واضح ہوتا ہے۔ ان الفاظ کا ناکافی ہونا ہے۔ حاضر کی تعیین اشارہ سے ہوتی ہے اور غائب کی تسمیہ سے کہ دار میں ذکر حدود ہے۔ کتب علماء انھیں احد الوجہین سے مالامال ہیں، اور تصریح ہے کہ مجہول کی طلب صحیح نہیں۔ خلاصہ وجیز امام کردری میں ہے:

یستحق بطلب وھو نوعان مواثبۃ وقد ذکرہ اشھاد ھو ان یشھد قائلا اطلبھا اوعبارۃ یفھم منھا طلب الدار ویذکر الحدود [2]۔	شفعہ کا استحقاق طلب سے ہوتا ہے اور طلب دو قسم ہے ایک طلب مواثبت جس کا ذکر انھوں نے کردیا ہے اور دوسری قسم طلب اشہاد ہے، وہ یہ کہ میں شفعہ طلب کررہا ہوں، یا کوئی اور عبارت جس سے جس مکان کی طلب سمجھی جائے، کہہ کر گواہ بنائے اور مکان کے حدود بھی ذکر کرے۔ (ت)

محیط سرخسی وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

انما یصلح طلب الاشھاد بحضرۃ المشتری او البائع والمبیع فیقول عند حضرۃ واحد منھم ،ان فلانا اشتری ھذہ الدار ودارا ویذکر حدودھا الاربعۃ [3] الخ۔	مشتری یا بائع یا مبیع کے پاس یوں کہے فلاں نے یہ مکان خریدا اور اس کی حدود اربعہ کو ذکر کرے تو طلب درست ہوگی الخ (ت)

فتاوٰی ذخیرہ ونتائج الافکار میں ہے:

صورۃ ھذا الطلب ای یحضر الشفیع عند	اس طلب اشہاد کی صورت یہ ہے کہ شفیع اس مکان

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۶۳

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

الدار ویقول ان فلانا اشتری ھذا الدار اویحضر المشتری ویقول ھذا مشتری من فلان دارا التی حدودہا کذا الخ اوالبائع ویقول ھذا باع من فلان دارا التی حدودھا کذا الخ[1]۔	کے پاس حاضر ہو کر کہے کہ تحقیق فلاں نے یہ مکان خریدا ہے یا مشتری کے پاس حاضر ہو کر کہے کہ اس نے فلاں حدود اربعہ والا مکان خریدا ہے یا بائع کے پاس حاضر ہو کر کہے اس نے فلاں حدود ولا مکان فروخت کیا ہے۔الخ (ت)

فتاوٰی قاضیخاں میں ہے:

صورۃ طلب الاشھاد ان یقول الشفیع للمشتری حین لقیہ اطلب منك الشفعۃ فی دار اشتریتھا من فلان التی احد حدودھا کذا والثانی کذا الثالث کذا والرابع کذا(الی قولہ)ولابد ان یبین انہ شفیع بالشرکۃ او بالجوار،اوفی الحقوق،ویبین الحدود لتصیر الدار معلومۃ[2]۔	طلب اشہاد کی صورت یہ ہے کہ شفیع جب مشتری کے پاس آئے توکہے میں تجھ سے اس مکان کا شفعہ طلب کرتا ہوں جو تو نے فلاں شخص سے خریدا ہے۔اور جس کی حدود میں سے ایک یہ ہے دوسری یہ اور تیسری یہ،اور چوتھی یہ ہے(اس کے قول)اور ضروری ہے کہ وہ بیان کرے کہ میں شرکت کی بناء پر شفیع ہوں یا پڑوس کی بنا پر شفیع ہوں یا حقوق میں شرکت کی بناء پر شفیع ہوں،اور حدود کو بیان کرے تاکہ مکان متعین ہو جائے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

صورۃ ھذا الطلب،ان یقول ان فلانا اشتری ھذا الدار الخ[3]،	اس طلب اشہاد کی صورت یہ ہے کہ فلاں نے یہ مکان خریدا ہے الخ (ت)

یہ محضر دار میں ہے،پھر فرمایا:

وعن ابی یوسف یشترط تسمیۃ المبیع وتجدیدہ، لان المطالبۃ لاتصح الا	اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے مروی ہے کہ مبیع کا نام اور اس کی حدود کا ذکر شرط قرار دیا گیا ہے کیونکہ مطالبہ صرف معلوم چیز میں

[1] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار تکملہ فتح القدیر کتاب الشفعۃ والخصومۃ فیہا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۱۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشفعۃ فصل فی الطلب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۲

[3] الھدایۃ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۱

فی معلوم [1]۔	صحیح ہوتا ہے۔(ت)

یہ غیبت دار و محضر احد العاقدین میں ہے۔ غایۃ البیان علامہ اتقانی میں مختصر امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی سے ہے:

یسمی الدار والارض والموضع ویحدو حتی یستوثق لنفسہ [2]۔	دار، زمین اور موضع کا نام لے کر ذکر کرے اور اس کی حدود کو بیان کرے تاکہ اپنے لئے معاملہ کو پختہ کرلے۔(ت)

اسی میں ہے:

قال القدوری فی شرح، وانما شرط ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی تسمیۃ المبیع والتحدید، لان المطالبۃ لا تصح الا فی معلوم، فاذا اشھد علی الطلب ولم یبین المطلوب لم یکن للمطالبۃ اختصاص بمبیع دون مبیع، ولایتعلق بھا حکم [3]۔	قدوری نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے بیع کا نام اور اس کی حدود کو ذکر کرنا شرط قرار دیا ہے کیونکہ مطالبہ معلوم چیز میں ہی صحیح ہوتا ہے تو جب اس نے طلب اشہاد کیا اور مطلوب کو نہ بیان کیا تو پھر مطالبہ کا اختصاص کسی ایک مبیع سے نہ ہوسکے گا اور نہ ہی حکم کا تعلق اس سے ہوگا(ت)

یہاں جبکہ دار مشفوعہ سامنے حاضر تھی، اشارہ ضرور تھا، اس کا ذکر مسل بھر میں کہیں نہیں، لہٰذا حکم وہی چاہئے جو امام قدوری نے فرمایا: **لایتعلق بھا حکم** (نہ ہی حکم کا تعلق اس سے ہوگا۔ت) ایسی مہمل طلب پر کوئی حکم نہیں ہوسکتا، دوسرا فتوٰی مدخلہ مدعی ملاحظہ ہوا، وہ صحیح نہیں اور اس پر کلام اسی فتوٰی فقیر سے واضح، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۹: از ریاست رامپور محلّہ مسئولہ جناب غلام حبیب خاں صاحب عرف بدھن میاں صاحب ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ زید وبکر ایک باغ میں نصف نصف کے شریک تھے، زید نے اپنا حصہ نصفی بدست خالد بیع کیا، بکر بحق شفعہ دعویدار ہوا اور

---

[1] الھدایۃ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۲

[2] غایۃ البیان

[3] غایۃ البیان

بکر نے گواہان طلب مواثبت واشہاد روبروئے عدالت پیش کیں، گواہان بکر کا بیان ہے کہ جس وقت مخبر نے حال مبیع کاظاہر کیا تو بکر گھبرا کر کھڑا ہوگیا، اور فوراً اس نے یہ کہا کہ جس قیمت واقعی کو نصف باغی بیع ہوا ہے اسی قیمت کو میں نے بحق شفعہ خود لیا، پس یہ امر یعنی بیٹھے سے کھڑے ہو کر طلب مواثبت کرنا داخل تاخیر ہے یا نہیں، دوم یہ کہ بعد طلب مواثبت بکر کا چھڑی لینے گھر میں جانا اور گھر میں سے فوراً واپس آ کر مشتری کے مکان پر جانا اور وہاں طلب اشہاد بجالانا شرعاً تاخیر میں داخل ہے یا نہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

جہاں طلب اشہاد کو جانا تھا اس کے بعد اور شفیع کی حالت پر نظر کی جائے، اگر یہ اتنی دور بے عصا کے نہ جاسکتا تھا تو چھڑی لینے کے لئے گھر میں جانا اور س کے ملنے پر فوراً آ کر روانا ہونا تاخیر نہیں، اگرچہ اس کی تلاش میں دس بیس منٹ ہوگئے ہوں کہ امور ضرورت شرعاً مستثنٰی ہیں، اور اگر تلاش دیر کے بعد کی یا مل جانے کے بعد بلاضرورت دیر لگائی یا سرے سے عصا کی حاجت ہی نہ تھی، صرف حسب عادت ہاتھ لینے کے لئے یہ دیر کی تو یہ ضرور تاخیر ہے اور داخل عذر نہیں، یہ طلب اشہاد میں تھا، رہا طلب مواثبت سے پہلے اس کا کھڑا ہو جانا اور بعد قیام الفاظ ملک ادا کرنا، وہ مطلقاً مسقط شفعہ و قاطع فور ہے۔ بلکہ فور در کنار قیام سے مجلس بھی بدل گئی، تو روایت ضعیفہ پر بھی شفعہ کی گنجائش نہ رہی، ہندیہ میں ہے:

طلب الاشهاد مقدر بالتمكن من الاشهاد فمتى تمكن من الاشهاد عند حضرة واحد من هذه الاشياء ولم يطلب الاشهاد بطلت شفعته نفيا للضرر عن المشترى، كذا فى محيط السرخسى[1]۔	طلب اشہاد کسی ایک کے پاس گواہ بنانے کی قدرت پر موقوف ہے تو جب کسی ایک کے پاس اس کو گواہ بنانے کی قدرت ہوئی اور اس نے طلب نہ کی تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا تاکہ مشتری کے ضرر کو ختم کیا جائے، محیط سرخسی میں ایسے ہی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

الشفيع اذا علم فى الليل ولم يقدر على الخروج و الاشهاد الى كذا فى الحاوى فى الفتاوى[2]۔	جب شفیع کو خریداری کا علم رات کو ہو اور جا کر اشہاد کی طلب پر قادر نہ ہو الخ حاوی فی الفتاوی میں یوں ہے۔(ت)

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

[2] فتاوی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۳

فتاوی امام اجل قاضی خاں میں ہے:

طلب المواثبة فوقته فور علم الشفیع بالبیع و روی هشام عن محمد۔الی۔یشترط الطلب فور العلم اھ مختصرا[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	طلب مواثبت کا وقت شفیع کو بیع کے علم کے فورا بعد ہے اور ہشام نے امام محمد سے روایت کی ہے کہ علم کے فورا بعد طلب کو شرط قرر دیا گیا ہے۔اھ مختصراً واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴۰: از موضع شوپری تحصیل آنولہ ضلع بریلی مسئولہ واحد علی خاں ۱۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

ایک بڑے قطعہ اراضی میں جو صرف ایک زمیندار کی ملکیت ہے،اور بہت سے اشخاص بطور رعایا اس اراضی میں اپنے صرف لاگت سے مکان تیار کرکے رہتے ہیں،جب تک وہ آباد رہتے ہیں،ان سے زمیندار کچھ مزاحمت نہیں کرتا،اور بروقت بھاگ جانے یا اٹھ جانے کے اس ملبہ وغیرہ کا زمیندار مالک ہوجاتا ہے،یا بروقت فروخت کڑی،تختہ،اینٹ وغیرہ زمیندار اس قیمت سے چہارم لیتا ہے لیکن کسی باشندہ کو زمین فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہے،ایسی حالت میں جب ایک باشندہ اپنا ملبہ وغیرہ کسی دوسرے باشندے کے ہاتھ فروخت کرے،تو تیسرا شخص جو مبیعہ کے ملحق رہتا ہے دعوی شفعہ کرتا ہے،تو یہ دعوی اس کا صحیح ہے یا باطل،اور اگر مالک زمین زمیندار مذکورہ دعوی اپنے حق شفعہ کرے تو وہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ وہ زمین کا مالک نہیں،اور تنہا عملہ بیچتا ہے۔تو اس میں ہرگز حق شفعہ نہ جار کو ہے نہ مالک زمین زمیندار کو،درمختار میں ہے:

لاتثبت فی بناء ونخل بیعا قصدا ولومع حق القرار[2] بالاختصار،واللہ تعالٰی اعلم۔	عمارت اور درخت کی قصدا بیع میں شفعہ ثابت نہ ہوگا خواہ برقرار رکھنے کی شرط بھی رکھی ہو بالاختصار۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴۱: از شہر بریلی فراشی محلّہ مسئولہ مقصود علی خاں ۶ محرم ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بعمر ۱۷ سال ہے،وہ شرائط شفعہ طلب کرسکتا ہے یا نہیں؟اور اس کو اختیار طلب شفعہ کا شرعا حاصل ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشفعۃ فصل فی الطلب مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۰

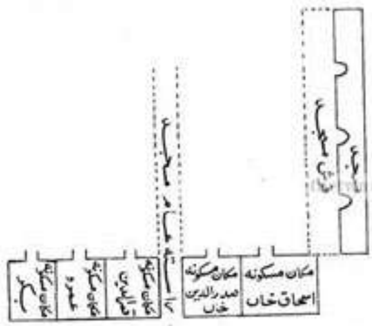
[2] درمختار کتاب الشفعۃ باب ماتثبت ھی فیہ اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۴

الجواب:

شفعہ طلب کرسکتا ہے اور اگر اس انتظار میں کہ مجھے طلب کا اختیار ہے یا نہیں طلب نہ کیا تو اب نہیں کرسکتا **لفوات المواثبة** (مواثبت کے فوت ہونے کی وجہ سے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲: زاز موضع ریونڈ، ڈاک خانہ مونڈھ ضلع مرادآباد مسئولہ محمد اسمٰعیل خاں کارندہ ۱۴ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عمرو نے اپنا مکان زید کے ہاتھ فروخت کیا، زید اس مکان میں خریدار کانہ تو شفعہ کررکھتا تھا اور نہ اس مکان پر قابض ہے اور نہ اس کے پاس کرایہ پر ہے۔ بخلاف زید کے بکر کا مکان عمرو کے اس مکان فروخت شدہ کے درمیان دیوار کے نیچے واقع ہے۔ ایک درمیانی دیوار عمرو کے مکان اور بکر کے مکان کو قطع کرتی ہے۔ بکر اس کا شفیع ہے اور کچھ ماہ پیشتر سے یہ مکان بکر نے کرایہ پرلے کر قبضہ کررکھا ہے۔ اور اس نے جامع مسجد کے پیش امام صاحب اور اکثر مسلمانوں کے روبرو اس زید والے مکان کے خرید لینے کا اعلان کیا ہے۔ زید والے مکان میں کئی حصہ دار ہیں،



منجملہ ان حصہ داروں کے کہ جو آپس میں بھائی بہن کا رشتہ رکھتے ہیں ایک حصہ دار کا معاہدہ ہوچکا ہے کہ مکان بکر کو دیا جائے گا اور اطمینان کے لئے پیشتر بذریعہ کرایہ نامہ قبضہ کرایا گیا ہے، زید نے یہ مکان جامع مسجد کے لئے چندہ فراہم کرکے خرید کیا ہے۔ جامع مسجد اس مکان سے چار مکان درمیان میں دے کر واقع ہے، مسجد نہ تو بکر کے مقابلہ میں شفعہ رکھتی ہے، نہ مسجد کے کسی صرف کا یہ مکان ہے۔ سنا جاتا ہے کہ ایک صاحب نے کہ اپنا مکان جامع مسجد کی بلاقیمت دیتے ہیں، یہ شرط کی ہے کہ اگر وہ مکان جو بکر کے پاس بطور کرایہ کے ہے، اور جس میں وہ شفیع ہے بطور قیمت مسجد کے نام خرید لیا جائے گا تو میں بھی بلاقیمت مکان دے دوں گا۔ غالباً بکر کی ایذارسانی اور تکلیف مدنظر رکھتے ہوئے یہ شرط لگائی گئی ہے، بکر کو اول تو مکان دیا بھی نہیں جاتا اور اگر بکراہت دینا گوارا کیا جاتا ہے تو قیمت بے حد اضافہ کرکے دینا بیان کیا جاتا ہے۔ بکر اضافہ قیمت کو بالکل گوارا نہیں کرتا اور وہ ہرگز اس بات پر رضامند نہیں ہے کہ کچھ بھی اضافہ دے،

ایسی صورت میں کیا مسجد کو ایسی خریداری جائز ہے، اور زید کا اصلی قیمت سے اضافہ لینا کس حد تک داخل حسنات ہوگا۔ اور زید کو ایسا کرنے میں کچھ ثواب مل سکتا ہے جبکہ مکان کے شفیع کا حق باطل کیا جاکر مکان خریدا جائے، اور پھر مسجد کی منفعت کے لئے قیمت اصلی سے زائد بڑھا کر دینا گوارا کیا جائے، باہم مسلمانوں میں اس بارے میں اتفاق نہیں، اکثر اس مکان کی خریداری کے خلاف ہیں کیونکہ مسجد ایک سو کئی روپیہ کی مقروض ہے وہ ادا ہونا چاہئے، پھر شامیانہ ادھر میں پڑے ہیں جس کے نہ ہونے سے نمازیوں کو تکلیف ہے، ایک مکان عین مسجد کے فرش پر واقع ہے۔ اس کو خرید نہیں کیا جاتا ہے۔ اس عمرو والے مکان سے پہلے کچھ دن ایک مکان اور مسجد کے سامنے کا فروخت ہوگیا وہ نہیں خرید کیا گیا مسجد کے بعض ممبران کی رائے اس مکان کی خریداری کی نہیں، مسجد کے پیش امام کو معلوم تھا کہ یہ مکان بکر نے خریداری کی نیت سے کرایہ پر لیا ہے۔ اور بکر کو تنگی مکان کی سخت تکلیف ہے۔ جواب براہ کرم پشت عریضہ ہذا پر مہر وغیرہ سے مرتب فرماکر مرحمت فرمایا جائے، جواب کے لئے پتہ یہ ہوگا: بمقام موضع ریونڈ ڈاکخانہ مونڈہ، ضلع مراد آباد، ڈیرہ زمیندار میں پہنچ کر محمد اسمٰعیل خاں کارندہ کو ملے۔

الجواب:

قبل بیع شفیع کا کوئی حق نہیں، نہ پہلے سے اس کے پاس کرایہ پر ہونا۔ یا اس کا اعلان کرنا کہ میں اس مکان کو خریدوں گا۔ یا پیشتر کسی حصہ دار سے معاہدہ ہو جانا، اسے کوئی ترجیح دے سکتا ہے، بعد بیع خبر پاتے ہی اگر طلب مواثبت وطلب اشہاد بجالائے تو اس وقت ان کا حق ثابت ہوتا ہے۔ اور اس حالت میں اسے اضافہ کی کیا ضرورت، جتنے کو بیع ہوا اتنے ہی میں لے گا، یہاں سوال میں یہ ہے کہ بکر سے اضافہ مانگتے ہیں اور وہ اضافہ پر راضی نہیں، یہ اگر یوں ہے کہ وہ طلب مذکور بجانہ لایا، یا اس کے بعد خریدنا چاہا، اور اضافہ پر راضی نہ ہوا تو اس کا کوئی حق نہ رہا، اور اسے نہ دینا اصلا حکم نہیں۔ اور دوسرے کا شفیع نہ ہونا اسے کچھ فائدہ نہ دے گا جبکہ خود اس کا شفعہ نہ رہا، باقی جو باتیں سوال میں لکھی ہیں کہ دوسرے نے اس مکان کی خریداری پر اپنا مکان مفت دینے کو کہا، یا مسجد پر قرض ہے، یا شامیانے ادھوری ہیں یا قریب کا مکان پہلے بکا، نہ خریدا، اب موجود ہے، اسے نہیں لیا جاتا، بعض ممبروں کی رائے اس کی خریداری کی نہ تھی، امام کو بکر کا ارادہ معلوم تھا، بکر کو مکان کی تکلیف ہے، سب بے علاقہ باتیں ہیں، چندہ چندہ دہندوں کی ملک رہتا ہے۔ اگر انھوں نے سپرد متولی مسجد نہ کردیا تھا اس سے پہلے مکان مول لے کر نذر مسجد کیا، جب تو یہ سوال ہی متعلق نہیں کہ اصل قیمت سے زیادہ لینے میں کوئی گناہ ہوا، خریدار کو اختیار ہے جتنے پر چاہے رضا دے۔

قال اللہ تعالٰی "اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر یہ کہ کوئی سودا تمھاری باہمی رضا مندی کا ہو۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

اور اگر سپرد متولی مسجد کردیا، متولی نے اصل قیمت سے زائد کو خریدا، تو اگر زیادت فاحش ہے اور اس میں کوئی مصلحت نہیں راجعہ مسجد کی نہیں، تو بیشک وہ گنہ گار ہوا اور تاوان مسجد کو دے گا۔ یا بیع فسخ کی جائے گی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳: از ضلع شاہجہان پور ڈاکخانہ جگرام پور گورہ رائے پور مسئولہ علی حسن خاں صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زمین بیچنے کاارادہ کیاتو عمرو کو کہلا بھیجا، عمرو نے کل تین ہزار روپیہ اس زمین کالگایا، زیادہ سے انکار کیااس پر بکر کے ہاتھ زید نے اپنی زمین مذکورہ فروخت کردی پانچ ہزار پر، اب عمرو بذریعہ حق شفعہ اس زمین کو لینا چاہتا ہے، دونوں کا یعنی عمرو بکر کا زید کی زمین سے دہرا ملا ہے، اور عمرو نے بیع زمین مذکور کے وقت سے بہت روز کے بعد اپنی ناخوشی ظاہر کی، ایسی صورت میں عمرو کو حق شفعہ اس زمین مبیع کا حاصل ہے۔ اور بیع اول باطل ہوجائے گی یا اس کے برعکس؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیع سے پہلے عمرو کاخریداری سے انکار کردینااس کے حق شفعہ کو ساقط نہیں کرتا، اگر بکر کے ہاتھ بیع کی خبر سنتے ہی عمرو طالب شفعہ ہوا اور اپنی طلب پر گواہ حسب قاعدہ کرے تو اسے دعوی شفعہ پہنچتا ہے۔ اور اگر دیر کے بعد ناراضی ظاہر کی اور طالب شفعہ ہوا تو اس کا حق ساقط ہو گیا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

کتاب القسمۃ
(تقسیم کا بیان)

مسئلہ ۴۴: از پیلی بھیت یکم جمادی الاولٰی ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی اکبر نے انتقال کیا، چار پسر دوست محمد، حفیظ اللہ، کریم اللہ، رحمت اللہ، دو دختر جواں، موتی وارث ہوئے، کریم اللہ نے وفات پائی، اس کا بیٹا نھو ہے۔ رحمت اللہ فوت ہوا، اس کی بیٹیاں اعجوبہ ومحمدی ہیں، دوست محمد، حفیظ اللہ، نھو نے جائداد متروکہ مشترکہ کی تقسیم کے لئے زید کو پنچ مقرر کیا مگر جوان موتی عجوبہ، محمدی اس پنچایت میں اصلا شامل نہ تھیں، پنچ نے تمام جائداد متروکہ جس میں ان سب کے حصص شرعیہ تھے، صرف انھیں تین وارثوں پر جنھوں نے اسے پنچ کیا تھا تقسیم کردی، اور پنچایت نامہ میں لکھ دیا کہ "حصہ شرعی دختران اکبر اور دختران رحمت اللہ کے ہر سہ فریق بقدر رسدی ذمہ دار ودیندار رہیں گے، وہ چاروں عورتیں اس تقسیم پر راضی نہیں، اس صورت میں یہ پنچایت صحیح و نافذ ہے یا نہیں؟ اور پنچ نے جو تقسیم کی وہ بحال رہے گی یا توڑ دی جائے گی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ پنچایت محض مہمل اور تقسیم بیہودہ ومختل ہے۔ پنچ کو باقی وارثوں کے حصص میں تصرف کا کس نے اختیار دیا تھا، حکم پنچ کا صرف انھیں تک ہوتا ہے جو اسے پنچ کریں، باقی کسی پر کچھ ولایت نہیں رکھتا، ہدایہ میں ہے:

حکمہ لایلزمہ لعدم التحکیم منہ [1]۔	اس کا حکم لازم نہ ہوگا کیونکہ اس کی طرف سے تحکیم نہیں ہے۔(ت)

[1] الھدایۃ کتاب ادب القاضی کتاب التحکیم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۴۳

تقسیم کے معنی یہ ہیں کہ حصے جدا جدا ہو جائیں، یہاں جدائی نہ ہوئی کہ چاروں عورتوں کے حصے سب میں مختلط ہیں، تو یہ تقسیم شرعاً نہیں۔

ہدایہ میں ہے:

باستحقاق بعض شائع ظهر شريك ثالث لهما و القسمة بدون رضاه باطلة[1]۔	چیز کے کچھ شائع میں استحقاق پائے جانے سے ایک تیسرا شریک بھی پہلے دونوں کے ساتھ ظاہر ہوا جبکہ شریک کی رضا کے بغیر تقسیم باطل ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

باستحقاق جزء شائع ينعدم معنى القسمة وهو الافراز[2]۔	شائع چیز میں استحقاق کی وجہ سے تقسیم کا معنی وقت ہو جاتا ہے اور تقسیم یہ جدا کرنا ہوتا ہے۔(ت)

علماء فرماتے ہیں، اگر چند ورثہ قاضی کے یہاں رجوع لائیں کہ مورث نے انتقال کیا اور یہ ترکہ چھوڑا ہم میں تقسیم ہو جائے، اور گواہی دیں کہ ہمارے سوا کوئی وارث نہیں، قاضی تقسیم کردے، پھر اور وارث ظاہر ہو جو کل متروکہ میں سے کسی حصہ شائعہ مثل سدس یا ثمن وغیرہ کا مستحق ہو، تو بالاجماع وہ تقسیم توڑ دی جائیگی، ہدایہ میں ہے:

لو استحق نصيب شائع فى الكل تفسخ بالاتفاق[3]۔	اگر کل میں سے کسی شائع حصہ کا کوئی مستحق ظاہر ہوا تو بالاتفاق تقسیم فسخ ہو جائے گی۔(ت)

اسی میں ہے:

لانه لوبقيت القسمة التضرر الثالث بتفرق نصيبه فى النصيبين[4]۔	کیونکہ اگر تقسیم کو باقی رکھا جائے تو تیسرے کو نقصان ہوگا بوجہ ایں کہ اس کا حصہ باقی دو حصوں میں متفرق ہوگیا۔ (ت)

جبکہ قاضی کی تقسیم جس کی ولایت عموم رکھتی ہے۔اور وہ بھی اس طرح کہ اس نے دانستہ کسی وارث کو ضرر نہ پہنچایا تھا، بعد ظہور وارث دیگر کے یقیناً فسخ کی جاتی ہے تو پنچ کی تقسیم جس کی ولایت فقط اس کے پنچ کرنے والوں پر ہے اور وہ بھی یوں کہ اس نے دیدہ دانستہ اور وارثوں کے ہوتے ہوئے ترکہ صرف تین پر بانٹ دیا، اور باقیوں کو حصہ رسد ہر ایک کے حصہ میں ٹکڑا ٹکڑا لینے کا مستحق ٹھہرایا، کیونکہ قابل تقسیم ہو سکتی ہے پس صورت مستفسرہ میں واجب ہے کہ وہ پنچایت رد کی جائے اور وہ ناروا تقسیم توڑ دی جائے، اور از سر نو سب وارثوں پر تقسیم شرعی عمل میں آئے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الهدایہ کتاب القسمۃ باب دعوی الغلط فی القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۹

[2] الهدایہ کتاب القسمۃ باب دعوی الغلط فی القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۹

[3] الهدایہ کتاب القسمۃ باب دعوی الغلط فی القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۸

[4] الهدایہ کتاب القسمۃ باب دعوی الغلط فی القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۹

مسئلہ ۴۵: از ریاست رامپور محلّہ کنڈہ مسئولہ جناب محمد سعادت علی خان صاحب ۲۶ شوال ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص چند گھروں کے جو ایک شہر میں ہیں بالاشتراک مالک ہیں، ایک حصہ دار ان گھروں میں سے اپنے حصہ کی تقسیم چاہتا ہے۔ اور وہ اپنے حصہ سے بعد علیحدہ ہونے کے بھی نفع اٹھاسکتا ہے، اور وہ چاہتا ہے کہ ہر گھر میں سے مجھ کو علیحدہ حصہ ملے، ایسی حالت میں از روئے شرع شریف سب گھروں کی یکجائی تقسیم کی جائے گی یا ہر گھر کی جداگانہ تقسیم ہوگی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر ہر مکان میں اس کا حصہ قابل انتفاع ہے تو ہر مکان سے جدا جدا اسے حصہ دیا جائے گا، ہر گھر میں علیحدہ تقسیم ہوگا، درمختار میں ہے:

دور مشترکہ قسم کل وحدھا منفردۃ مطلقًا ولو متلازقۃ اوفی محلتین او مصرین[1] **۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**	چند مشترکہ مکانات میں ہر ایک مکان کو جدا جدا تقسیم کیا جائے گا اگرچہ وہ آپس میں ملے ہوئے ہوں یا دو محلوں میں یا دو شہروں میں ہوں، **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

[1] درمختار کتاب القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۰

کتاب المزارعۃ

(مزارعت کا بیان)

مسئلہ ۴۶ تا ۴۹: مسئولہ محمد مبارک اللہ از پیلسپانہ ضلع مراد آباد ۲۶ رجب ۱۳۲۹ھ

(۱) شرع شریف کے نزدیک کاشتکار کوئی حق موروثیت جیسے قانون انگریزی کے اندر ہے کہ جو شخص بارہ سال سے زائد ایک زمین کو کاشت کرے تو زمیندار کو پھر کوئی مجاز بیدخلی وغیرہ کا نہیں رہتا، حاصل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو خیر اور حق۔

(۲) نہیں تو یہ کاشتکار حلف تلف اور مظالم ہے یا نہیں؟

(۳) اور اس وقت یہ کاشتکار جو زمین کو نہیں چھوڑتا ہے، اور لگان حیثیت زمین سے کم دیتا ہے، اور زمیندار بحیثیت قانون انگریزی دعوی سے مجبور ہے، تو یہ کاشتکار متبع قانون انگریزی کا اور مقدم ومرجح قانون کا حکم شریعت پر ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور یہ ظالم اور زمیندار مظلوم ہوا یا نہیں؟

(۴) اور اگر کوئی زمیندار بعد انکار کاشتکار کے دعوی بے دخلی مجبور اادائر کرے تو صرف اس کا جو کچھ کچہری میں ہوا اس کے لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب:

مجرد مرور مدت سے کچھ نہیں ہوتا اگرچہ بیس برس کاشت کرے، جب مدت اجارہ ختم ہوگئی شرعًا

اس سے نکال کر دوسرے کو دینا مطلقاً جائز ہے خواہ زمین مملوکہ ہو، یا موقوف، یا سلطانی، ردالمحتار میں اوائل بیوع میں ہے:

امامجرد وضع الید علی الدکان ونحوہا و کونہ یستاجرہا عدۃ سنین بدون شیئ مماذکر (او یاتی) فھو غیر معتبر، فللموجر اخراجھا من یدہ اذا مضت مدۃ اجارتہ وایجارھا لغیرہ کما اوضحناہ فی رسالتنا تحریر العبارۃ[1]۔	مثلاً دکان پر خالی قبضہ رکھنا، اور کئی سال سے اجارہ پر لیا ہونا مذکورہ یا آیندہ ذکر ہونے والی اشیاء کے بغیر ہو تو وہ غیر معتبر ہے تو اجارہ پر دینے والے کو مدت اجارہ ختم ہونے کے بعد قبضہ کو چھڑانے اور دوسرے کو اجارہ پر دینے کا حق ہے جیسا کہ ہم نے اسے اپنے رسالہ تحریر العبارۃ میں واضح کردیا ہے۔(ت)

ہاں اگر زمین ناقابل زراعت تھی اس نے اسے بنایا کمایا، اس میں چو گزی وغیرہ کھودے یا اس میں اپنی دوسری زمین سے لاکر مٹی بچھائی یا پیڑ لگائے یا کوئی عمارت بنائی،

ویقال للاول الکراب، والاخر دھو ما، اذا اضاف فیھا شیئا من ملکہ کتراب وغرس وبناء الکردار، و القبۃ، واذا فعل ھذا فی الحوانیت یسمی جدکا او کدکا، فان کان ممالاینقل ویرکب للقرار کالبنا، و الاغلاق، یسمی سکنی والکل یقال لہ مسکۃ، ومشد مسکۃ، وھناك اطلاقا ت اخر کما یعلم من مساقاۃ العقود وبیوع ابن عابدین۔	پہلی کو کراب، اور دوسری کو دھوم کہتے ہیں اور اس میں اپنی کسی ملکیت کا اضافہ کیا مثلاً مٹی ڈالی، یا پودے لگائے دالان اور قبہ بنایا اور اگر یہ تصرفات دکانوں میں کئے تو اسے جدک یا کدک، یا مشد مسکد کہتے ہیں، اور دیگر اطلاقات بھی یہاں ہیں جیسا کہ عقود الدریہ کے باب مساقاۃ اور ابن عابدین کے بیوع سے معلوم کئے جاسکتے ہیں۔(ت)

تو اگر وہ زمین مملوکہ نہیں بلکہ سلطانی ہے یعنی میت المال کی، جسے یہاں سرکاری کہتے ہیں، یا وقف ہے تو البتہ ان کاروائیوں سے اس کے لئے حق قرار ثابت ہوگا کہ بلاوجہ شرعی وہ زمین کبھی اس کے قبضہ سے نہ نکالی جائے گی، اور وہ مرجائے تو اس کا بیٹا اس کے قائم مقام ہوگا۔ مع تفاصیل مذکورہ فی الفقہ، جامع الفصولین وغیرہ میں ہے:

بنی المستاجر اوغرس فی ارض الوقف	اجارہ پر لینے والے نے وقف زمین میں تعمیر کی یا

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷

صارله فیها حق القرار ،وهو المسمی بالکردار ،له الاستبقاء باجر المثل [1]۔	پودے لگائے تو اس کو اس زمین میں برقرار رہنے کا حق ہوگا اور اس کو "کردار" کہتے ہیں اس کرایہ دار کو مثلی اجرت پر باقی رکھنے کا حق ہوگا۔(ت)

خیریہ میں ہے:

وقد صرح علمائنا بان لصاحب الکردار حق القرار، وهو ان یحدث المزارع والمستاجر فی الارض بناء، اوغرسا ،اوکبسا بالتراب باذن الواقف او باذن الناظر ،فتبقی فی یده [2]۔	اور ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ "کردار" والے کو برقرار رہنے کا حق ہے اور "کردار" یہ ہے کہ مزارع یا مستاجر زمین میں کوئی تعمیر کرے یا پودے لگائے یا مٹی بھرے، واقف یا متنظم کی اجازت سے ایسا کیا ہو تو اس کو قبضہ برقرار رکھنے کا حق ہے۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

اذا کان لوقف جامع ارض سلیخة معطلة غیر صالحة للزراعة ،فاذن متولی الوقف لزید بحرثها، و صلاحها، و کبسها ،و زراعتها لیدفع قسمها لجهة الوقف ففعل زید ذٰلك کله ثبت له حق القرار ،فیها تبقی بیده باجر مثلها ،اوبان یؤدی قسمها المتصارف لجهة الوقف المذکور [3]۔	اگر وقف زمین افتادہ معطل جو زراعت کے قابل نہ ہو تو وقف کے متولی نے زید کو آباد کرنے اور درست کرنے، مٹی ڈالنے اور کاشت کرنے کی اجازت دی کہ وہ وقف کی مد میں حصہ دے تو زید نے یہ تمام کاروائی کردی تو اس کو زمین پر قرار کا حق حاصل ہوگا اور مثلی اجرت پر اسی کے قبضہ میں رہے گی، اور وہ متعارف حصہ وقف کی مد میں دیتا رہے گا۔(ت)

ہاں اس کے سبب وقف پر اندیشہ ہو، یا اجرت نفس زمین کی بڑھ جائے، اور یہ اضافہ پر راضی نہ ہو، تو بیدخل کردیا جائے گا، یونہی اگر تین سال زمین معطل چھوڑ دے گا اس کا حق قرار جاتا رہے گا، بیوع ردالمحتار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی خیریہ بحوالہ جامع الفصولین والقنیة والخلاصة وغیرہا کتاب الوقف دار المعرفة بیروت ۱/ ۱۷۹

[2] فتاوٰی خیریہ بحوالہ جامع الفصولین والقنیة والخلاصة وغیرہا کتاب الوقف دار المعرفة بیروت ۱/ ۱۷۹

[3] العقود الدریة کتاب المساقات باب مشد المسکة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۲۲

فی اوقات الخصاف حانوت اصله وقف و عمارته لرجل، وھو لایرضی ان یستاجر ارضه باجر المثل، قالو ان کانت العمارۃ بحیث لو رفعت یستاجر الاصل باکثر مما یستاجر صاحب البنا، کلف رفعه، ویؤجر من غیرہ، والایترك فی یدہ بذٰلك الاجر[1] اھ یفید انه احق من غیرہ حیث کان مایدفعه اجر المثل۔	خصاف کے باب اوقات میں ہے کہ دکان کی زمین وقف ہے اور اس کی عمارت کسی شخص کی ہے اور وہ اس زمین کی مثلی اجرت پر راضی نہیں ہوتا تو علماء نے فرمایا کہ متولی کو چاہئے کہ اگر عمارت اٹھائی جاسکتی ہو تو زمین کسی دوسرے کو پہلے کی نسبت زیادہ اجرت پر دے دے اور پہلے کو عمارت اکھاڑنے پر مجبور کرے اور دوسرے کو اجرت پر دے دے، اور اگر عمارت اکھاڑنا ممکن نہ ہو تو پہلے کے پاس اسی اجرت پر رہنے دے۔ (ت)

اسی کے وقف میں ہے:

حیث کان یدفع اجرۃ مثلھا لم یوجد ضرر علی الوقف فتترك فی یدہ فلومات کان لورثته الاستبقاء الااذا کان فیه ضرر علی الوقف بوجه ما، بان کان ھو او وارثه مفلسا، اوسئی المعاملة، اومتغلبا یخشی علی الوقف منه اوغیر منه اوغیر ذٰلك من انواع الضرر[2]۔	اگر مستاجر مثل اجرت دیتاہے اور وقف کو ضرور نہ ہو تو اسی کے پاس رہنے دی جائے اور اگر وہ فوت ہوجائے تو اس کے ورثاء کو باقی رکھنے کا حق ہوگا ہاں اگر وقف کو کسی طرح اس میں ضرر ہو مثلاً دکان بوسیدہ ہے اور ورثاء مفلس ہوں یا وہ لاپرواہ ہو یا وہ غلبہ پانے کی کوشش میں ہوں اس سے وقف کو خطرہ ہو یا کوئی کسی قسم کا ضرر ہو تو واپس لے (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

سئل فی ذی مسکة فی ارض ترکھا ثلث سنوات اختیارا منه بلاون عزر شرعی، فھل سقطت مسکته، الجواب سقط حقه بالترك	ان سے کرایہ دار کی بنائی عمارت کے متعلق سوال ہوا کہ وہ کرایہ دار تین سال سے اپنی مرضی پر دکان کو چھوڑ رکھے بغیر عذر شرعی کے تو کیااس سے عمارت پر اس کا حق ختم ہوجائے گا؟ جواب

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶

[2] ردالمحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۱

المذکور کما افتی به الخیر الرملی والشیخ اسمعیل ویاتی مثله عن المعروضات [1]۔	یہ ہے کہ ہاں اس سے اس عمارت پر مبنی حق ختم ہوجائے گا، جیسا کہ خیر الدین رملی اور شیخ اسمٰعیل نے یہ فتوی دیا ہے اور معروضات سے اس کی مثل آئیگا (ت)

اور اگر زمین مملوک ہے۔ جیسے عام دیہات کی زمین کہ زمیندار کی ملک ہوتی ہے تو اس میں شرعاہر گز کبھی کسی طرح کاشت کار کو حق قرار ثابت نہ ہوگا اگرچہ اس نے اس میں باغ بھی لگایا، عمارت بھی بنائی ہو، جب اجارہ یعنی اس کے پٹہ کی مدت ختم ہو گئی زمیندار کو اختیار ہوگا کہ زمین اس سے نکال لے اور اس کے درخت و عمارت کی نسبت اسے حکم دے کہ زمین خالی کردے اور درختوں کے کاٹنے عمارت کے کھودنے میں زمین کا زیادہ نقصان دیکھے تو کٹنے کھودنے کے بعد جو قیمت ان درختوں اور عمارت کی ہو اس سے کٹوانے کھدوانے کی اجرت مجرا کرکے کاشتکار کو دے دے، اور پیڑ اور عمارت خود لے لے، اور اگر کاشت کار سے کوئی مدت معین نہیں ٹھہری، یونہی سال بسال کاشت کرتا ہے تو ہر ختم سال پر زمیندار کو زمین خالی کرانے اور آئندہ اسے زراعت کی ممانعت کردینے کا اختیار ہوگا اگرچہ کاشت کرتے پچاس برس گزر گئے ہوں، عقود دریہ میں ہے:

قال فی التجنیس رجل اشتری من رجل سکنی له فی حانوت رجل اخر مرکبا بمال معلوم لصاحب الحانوت ان یکلف المشتری رفع السکنی وان کان علی المشتری ضرر لانه شغل مبلکه [2]۔	تجنیس میں فرمایا کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کی دکان میں رہائشی انتظام کررکھا تھا تو اس رہائشی شخص سے کسی تیسرے شخص نے اس کا وہ رہائشی انتظام خرید لیا کچھ مال کے بدلے قبضہ لیا تو دکان کے مالک کو حق ہے کہ وہ اس مشتری کو رہائش اٹھانے پر مجبور کردے اگرچہ مشتری کو ضرر بھی ہو کیونکہ مشتری نے اس کی ملکیت کو مشغول کررکھاہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لکن اذا کان ہذ الجدك المسمی بالمسکنے قائما فی ارض وقف،فهو من قبیل مسألة البناء اوالغرس فی الارض المحتکرة لصاحب الاستبقاء باجرة مثل الارض	لیکن یہ جدک جس کو سکنی کہتے ہیں اگر وقف زمین میں ہو تو ہو کرایہ کی زمین پر عمارت اور پودے لگانے کے مسئلہ کی طرح ہے اسے اگر وقف زمین کو ضرر نہ ہو تو اس کو مثلی اجرت کے ساتھ زمین

[1] العقود الدریة کتاب المساقات باب مشد المسکة ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۲۲۲

[2] العقود الدریة کتاب المساقات باب مشد المسکة ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۲۱۸

حیث لاضرر علی الوقف وان ابی الناظر نظرا للجامنبی علی مامشی علیه فی متن التنویر،وافتی به المؤلف تبعا للخیر الرملی،وقدمنا الکلام علیه فی کتاب الاجارات،ولاینا فیه مافی التجنیس من ان لصاحب الحانوت ان یکلفه رفعه،لان ذٰلك فی الحانوت الملك،والفرق ان الملك قد یمتنع صاحبه عن ایجارہ،ویرید ان یسکنه بنفسه اویبیعه،اویعطله بخلاف الموقوف المعد للایجار،فانه لیس للناظر الا ان یوجرہ فایجارہ من ذی الید باجرۃ مثله اولی من ایجارہ من اجنبی لمافیه من النظر للوقف ولذی الید [1]۔	کو باقی رکھنے کا حق ہوگا اگرچہ وقف کانگران انکار کرے تاکہ دونوں جانب کی رعایت ہوسکے،متن تنویر کے بیان پر بنا کرتے ہوئے اور اس پر مؤلف نے خیر الدین رملی کی اتباع میں فتوٰی دیا ہے اس پر ہم نے کتاب اجارات میں کلام کردیا ہے۔اور یہ بیان تجنیس میں مذکور کے منافی نہیں کہ دکانوں کے مالک کو حق ہے کہ وہ تجاوزات کو اکھاڑنے پر مجبور کرے کیونکہ تجنیس کا یہ بیان نجی ملکیت کے متعلق ہے،وجہ فرق ہے کہ نجی مالک کبھی اپنی ذاتی رہائش یا فروخت یا فارغ رکھنے کے لئے کرایہ پر نہیں دینا چاہتا،بخلاف وقف شدہ زمین کہ جس کو کرایہ پر دینے کے لئے ہی تیار کیا گیا ہے تو نگران کو کرایہ کے بغیر چارہ نہیں ہے تو کسی اجنبی کو دینے کی نسبت قابض کو مثلی اجرت دینا اس کے لئے بہتر ہوگا لہٰذا اس میں وقف اور قابض دونوں کی رعایت ہے۔(ت)

فتاوٰی خیریہ کتاب المزارعۃ میں ہے:

لیس لصاحب التیمار رفع ایدیهم عنها،و لاقلع اشجارهم،اذا المفوض الیه من السلطان تناول الخراج ولیس له ملك فیها حتی یملك نزع ید مزارعیها الذین صارلهم فیها کردار بغرس للاشجار، والتصرف الکائن منهم فی سائر الاعصار [2]۔باختصار،	سرکاری زمین کے نگران کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کرایہ داروں کو ان درختوں سے بے دخل کرے اور نہ ہی وہ درختوں کو کاٹ سکتا ہے کیونکہ سلطان کی طرف سے اس نگران کو صرف خراج وصول کرنے کا اختیار ہے نہ کہ اس کو مالکانہ اختیارات ہیں تاکہ وہ مزارعین کا جن کا وہاں درخت لگانے میں دخل ہے ان کو وہاں سے بے دخل کرے جبکہ ایسی زمینوں میں مزارعین کو درخت لگانے کا عام شہروں میں رواج ہے باختصار (ت)

[1] العقود الدریہ کتاب المساقات باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۲۱۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب المزارعۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۶۷

ردالمحتار کتاب الاجارہ میں قول مصنف:

ردالمحتار کتاب الاجارہ میں قول مصنف: لواستاجر ارض وقف، وغرس فیھا ثم مضت مدۃ الاجارۃ، فللمستاجر استبقاءھا باجر المثل اذالم یکن فی ذٰلك ضرر ولو ابی الموقوف علیھم الاالقلع۔ لیس لھم ذٰلك[1] ۔	اگر کسی نے وقف زمین کو کرایہ پر لے کر وہاں پودے لگائے پھر کچھ مدت اجارہ جاری رہا تو اس کو مثلی اجرت پر اس اجارہ کو باقی رکھنے کا حق ہے بشرطیکہ اس سے ضرر نہ ہو اور اگر نگران ان کو ہٹانے پر بضد ہو تو اس کو یہ حق نہیں۔(ت)

کے تحت فرمایا:

قید بالوقف لما فی الخیریۃ عن حاوی الزاھدی عن الاسرار من قولہ بخلاف مااذااستاجر ارضا ملکا، لیس للمستاجر ان یستبقیھا کذٰلك ان ابی المالك الاالقلع، بل یکلفہ علی ذٰلک، الا اذا کانت قیمۃ الغراس اکثر من قیمۃ الارض، فیضمن المستاجر قیمۃ الارض فیضمن المستاجر قیمۃ الارض للمالک، فیکون الاغراس والارض للغارس، وفی العکس یضمن المالك قیمۃ الاغراس فتکون الارض و الاشجارلہ، وکذا الحکم فی العاریۃ[2] اھ مافی الشامی۔ **اقول:** واستنثناءہ مااذا اکانت قیمۃ	مصنف نے وقف کے ساتھ مقید اس سبب سے جس کو خیریہ نے حاوی الزاہدی سے اس نے الاسرار سے نقل کیا یہ قول کہ بخلاف جب وہ نجی ملکیت کو اجارہ پر لے تو مستاجر کو اس دخل کی بنا پر اس زمین کو باقی رکھنے کا حق نہیں ہے جبکہ ملک ان درختوں کو اکھاڑ دینے پر مجبور کرے بلکہ مالک اس کو اس پر مجبور کرسکتا ہے ہاں اگر درختوں کی قیمت زمین کی قیمت سے زائد ہو تو پھر مستاجر زمین کی قیمت کا ضمان مالک کو دے کر درختوں اور زمین کا خود مالک بن جائے گا، اور اگر معاملہ بالعکس ہو تو پھر مالک درخت اکھاڑ دینے کا ضامن بنے گا اور درختوں اور زمین کا مالک ہوجائے گا، اور عاریتا لی ہوئی زمین کا حکم بھی یہی ہے اھ شامی کا بیان ختم ہوا۔(ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کا درختوں کی قیمت کا

---

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۳

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹

الغراس اکثر مبنی علی مسألة غصب الساحة بالمهلة وفیها معترك عظیم ،والارجع عندنا انه لایتملك الارض کرها وان کانت قیمة بنائه وغرسه اکثر ،لقول صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لیس لعرق ظالم حق[1]۔	زمین کی قیمت سے زائد ہونے کو مالک کے اختیار سے مستثنٰی کرنا یہ خالی زمین کو غصب کرنے پر مبنی ہے اس میں عظیم معرکہ آرائی ہے جبکہ ہمارے ہاں ارجح یہ ہے کہ مستاجر زمین کا جبراً مالک نہیں بن سکتا اگرچہ عمارت اور پودوں کی قیمت زمین سے زائد ہو کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ظالمانہ دخل کا کوئی حق نہیں ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

فان مضت المدة فلعها وسلمها فارغة الا ان یغرم له الموجر قیمة البناء و الغرس مقلوعا ویتملکه ،قال فی البحر ،افاد انه لایلزمه القلع ولو رضی المؤجر بدفع القیمة ،لکن ان کانت تنقص یتملکها جبرا علی المستاجر ولافبرضاه[2]۔	اگر مدت اجارہ ختم ہوگئی ہو تو مستاجر اپنے دخل کو ختم کرتے ہوئے درختوں کو اکھاڑ کر خالی زمین مالک کو واپس کرے مگر یہ کہ اگر مالک اکھڑے درختوں اور تعمیر کی قیمت کو برداشت کرکے خود ان کا مالک بن جائے، بحر میں فرمایا کہ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ مستاجر کو درخت اکھاڑنا لازم نہیں اگر ملک قیمت دینے کو تیار ہو لیکن اگر درخت اکھاڑنے سے زمین کو نقصان ہو تو پھر مالک جبرا درخت لے سکے گا ورنہ مستاجر کی رضا سے درختوں کا مالک بن سکے گا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله مقلوعا فی الشرنبلالیة ،ای مامورا مالکها بقلعهاو	ماتن کا قول "اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت "شرنبلالی نے فرمایا: یعنی درختوں اور تعمیر کے مالک کو اکھاڑنے

[1] جامع الترمذی ابوب الاحکام باب احیاء ارض الموات امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۶، سنن الکبرٰی للبیهقی کتاب الغصب دار صادر بیروت ۶/ ۹۹، سنن ابی داؤد باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱

[2] درمختار کتاب الاجارة باب مایجوز من الاجارة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۳

انما فسرناہ بکذا، لان قیمۃ المقلوع ازید من قیمۃ المامور بقلعہ، لکون المؤنۃ مصروفۃ للقلع کذا فی الکفایۃ[1] اھ۔

کے حکم رجو قیمت ہو، ہم نے یہ تفسیر اس لئے کی ہے کہ کبھی کھڑے درختوں کی قیمت اکھاڑنے کے حکم والی قیمت سے زائد ہوتی ہے کیونکہ اکھاڑنے کا خرچہ بھی ان پر پڑتا ہے، کفایہ میں یوں ہے۔ (ت)

اقول: وبماذکرنا تبین ان ماوقع فی حاوی الزاھدی من قولہ، یثبت حق القرار فی ثلثین سنۃ فی الارض السلطانیۃ والملک، وفی الوقف فی ثلث سنین[2] الخ فھو و ان حملہ فی العقود الدریۃ علی الکردار، حیث قال المراد بہ (ای بحق القرار) الاعیان المتقومۃ لامجرد الامر المعنوی، ویدل علی ذلک قولہ فی البزازیۃ لاشفعۃ فی الکرداری ای البناء ویسمی بخرار زم حق االقرار لانہ نقلی[3] اھ مع ان فی ھذا الحمل ایضا کلاما عندی لان حق القرار بمعنی الکردار لایتوقف علی مرور الاعصار، وانما مبناہ علی النظر للجانبین و رفع الضرار، کما تقدم وفی اجارۃ الخیریۃ لہ الاستبقاء حیث لاضرر علی الجھۃ (ای جھۃ الوقف) و لزوم الضرر علی الغارس

اقول: (میں کہتاہوں) ہمارے ذکر کردہ سے واضح ہوا کہ حاوی الزاہدی کے اس قول کہ سرکاری اور ملکیتی زمین میں تیس ۳۰ سال قبضہ اور قف کی زمین میں تین سالہ قبضہ سے حق القرار ثابت ہوجاتا ہے اس میں کلام ہے اس حق القرار کو اگرچہ عقود الدریہ میں کردار پر محمول کیا ہے جہاں انھوں نے کہا ہے کہ اس سے یعنی حق القرار سے مراد قیمتی سامان (اعیان) مراد ہے نہ کہ صرف معنوی معاملہ، اس پر اس کا قول کہ بزازیہ میں ہے کہ تعمیر شدہ کرداری میں شفعہ نہیں ہے جس کو خوارزم میں حق القرار کہتے ہیں، کیونکہ یہ منقولہ چیز ہے اھ جبکہ میرے نزدیک اس معنی پر حمل میں بھی کلام ہے کیونکہ حق القرار بمعنی کردار کسی مرور زمانہ پر موقوف نہیں ہے اس کی بنیاد تو صرف فریقین کی رعایت اور دفع ضرر پر ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور خیریہ کے باب الاجارہ میں ہے مستاجر کو قبضہ باقی رکھنے کا اختیار ہے جب وقف کی جہت کو ضرر نہ ہو اور پودے لگانے پر لزوم ضرر

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹

[2] العقود الدریۃ بحوالہ حاوی الزاہدی کتاب المساقات باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۸

[3] العقود الدریۃ بحوالہ حاوی الزاہدی کتاب المساقات باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۸

وانت علی علم ان الشرع یابی الضرر خصوصا والناس علی هذا، وفی القلع ضرر علیهم وفی الحدیث الشریف عن النبی المختار صلی الله تعالٰی علیه وسلم لاضرر ولاضرار فی الاسلام[1] اھ وفی وقف الدر فی المنیة، حانوت لرجل فی ارض وقف، فابی صاحبه ان یستاجر الارض باجر المثل، ان العمارة لورفعت تستاجر باکثر مما استاجره امر برفع العمارة وتوجر لغیره، و الاتترك فی یده بذلك الاجر ومثله فی البحر[2] اھ قال الشامی لان فیه ضرورة، بحر عن المحیط، و ظاهر التعلیل ترکها بیده ولو بعد فراغ مدة الاجارة لانه لو امر برفعها لتوجر من غیره یلزم ضرره، و حیث کان یرفع اجرة مثلها لم یوجد ضرر لعلی الوقف، فتترك فی یده لعدم الضرر علی الجانبین[3] الخ، و	میں حرج بھی نہ ہو، اور آپ کو معلوم ہے کہ شریعت ضرر کو برداشت نہیں کرتی خصوصاجب عوام مبتلا ہوں جبکہ درخت اکھاڑنے میں ضرر ہے۔ حدیث شریف میں حضور نبی مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اسلام میں ضرر دینا اور ضرر میں مبتلا روانہیں ہے" اھ۔ اور درمختار میں منیہ سے منقول ہے کہ کسی شخص کی وقف زمین میں دکان ہو او وہ دکان والا مثلی اجرت پر آئندہ اجرت پر انکار کرے جبکہ عمارت اٹھادی جائے تو وہ زمین اس کی اجرت سے زیادہ اجارہ پر دی جاسکتی ہے تو اس مستاجر کو اپنی عمارت اٹھالینے کا پابند کیا جائے اور وہ زمین غیر کو اجارہ پر دی جائے، ورنہ اسی اجرت میں اسی کے قبضہ میں رہنے دی جائے، اس کی مثل بحر میں ہے۔ اھ علامہ شامی نے فرمایا کیونکہ اس میں ضرورت ہے۔ محیط سے بحر میں ہے اور علت کاظاہر بتاتا ہے کہ اس کے قبضہ میں رہنے دی جائے اگرچہ مدت اجارہ ختم ہوچکی ہو کیونکہ اگر اس کو عمارت اٹھانے کا پابند کیا اور غیر کو دی جائے تو اس سے مستاجر کو ضرر ہوگا جبکہ اٹھادینے کے باوجود مثلی اجرت نہ ملے تو وقف کو نقصان ہے لہٰذا اسی کے قبضہ میں رہنے دی جائے اس میں دونوں فریقوں کی رعایت ہے الخ اور

---

[1] فتاوٰی خیریه کتاب الاجارة دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۳۱

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۴-۷۵

[3] ردالمحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۱

علی کل، فلفظة الملك لامحل له هنا کما قدمنا عن نفس حاوی الزاهدی عن الاسرار فضلا عن سائر معتمدات الاسفار۔	بہر صورت حاوی الزاہدی کا وہاں ملک کو ذکر کرنا بے محل ہے جیسا کہ خود حاوی الزاہدی کی الاسرار سے نقل ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں چہ جائیکہ معتمد کتب کو ذکر کیا جائے۔(ت)

بالجملہ دیہات مملوکہ میں کاشتکار کے لئے کسی مدت میں حق قرار جسے آج کل حق موروثی کہتے ہیں شرعاہرگز حاصل نہیں ہوتا۔ وہ صرف قانونی بات ہے تو اگر بے رضائے زمیندار بدعوی موروثی جبرا قابض ہے، یالگان اس کی مرضی سے کم دے، تو عنداللہ وہ کاشتکار ضرور ظالم وغاصب وگنہگار، اور حق العبد میں گرفتار ہے، یہاں اگرچہ قانونی مجبوری زمیندار کو عاجز رکھے مگر روز قیامت اللہ عزوجل کے حضور کاشتکار کو کوئی عذر نہ ہوگا، بااین ہمہ اگر زمیندار دعوی بے دخلی دائر کردے تو کاشتکار کے خرچہ پانے کا مستحق نہیں کہ مدعی کو خرچہ دلانا بھی حکم شریعت کے بالکل خلاف ہے اگرچہ مدعی مظلوم ہی ہو، عقود الدریہ میں ہے:

سئل فی رجل کفل اٰخر عند زید بدین معلوم ثم طالبه زید به والزمه به لدی القاضی، فطلب زید ان یدفع له الرجل قدر ما صرفه فی کلفة الالزام، فدفعه له، ویرید الرجل مطالبة زید بماقبضه من کلفة الالزام، فهل له ذٰلک، الجواب نعم [1] اھ باختصار و کتب المولی المنقح رحمه الله تعالٰی بهامشه لایلزم بکلفة الالزام۔	ایک مقروض شخص نے دوسرے شخص کو زید کے معلوم قرضہ کا کفیل بنایا پھر زید نے اس کفیل پر قرض کا لزوم بنانے کے لئے اس کفیل کو قاضی کے ہاں طلب کرایا تو قاضی کے ہاں کفیل پر الزام ہوگیا تو اب زید اپنے مقروض شخص سے قاضی کے ہاں الزام کے خرچہ کا مطالبہ کرے اور وہ خرچہ زید کو دے دے اور اب وہ مقروض شخص زید سے خرچہ کی دی ہوئی رقم کا واپس لینے کے لئے مطالبہ کرے تو کیا اس کو واپس لینے کے لیے مطالبہ کا حق ہے۔ الجواب، ہاں حق ہے اھ اس کے حاشیہ پر تنقیح کرنیوالے حضرت نے لکھا کہ الزام کی کاروائی کا خرچہ لازم نہیں کیا جاسکتا۔(ت)

ہاں اگر زمیندار اس سے کہہ دے کہ آئندہ سے اس زمین پر اتنی لگان تجھے دینی ہوگی، اور کاشتکار نہ اضاہ کرے نہ زمین چھوڑے بلکہ خاموش رہے اور زراعت کئے جائے، تو اس کا وہ سکوت ہی شرعا قبول ٹھہرے گا اور اس دن سے وہی لگان اس پر لازم ہوگی، مگر زمیندار اس سے وصول نہیں کرسکتا۔

---

[1] العقود الدریة کتاب الکفالة ارگ بازار قندہار افغانستان ۱/ ۳۰۸

تو یہ خرچہ کی رقم اس آتے ہوئے میں وصول کرلے کہ اس کالینا قانونا بنام خرچہ ممکن ہے، اور شرعا بوجہ اضافہ جائز ہے۔ درمختار میں ہے:

السکوت فی الاجارۃ رضاً وقبول، فلو قال للساکن اسکن بکذا والا فانتقل اوقال الراعی لارضی بالمسمی بل کذا، فسکت، لزم ماسمی[1]۔	عقد اجارہ میں سکوت رضا اور قبول قرار پاتا ہے تو اگر مالک نے کرایہ دار رہائشی کو کہا، "اتنے معاوضہ پر رہائش رکھنی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ یہاں سے منتقل ہوجاؤ، یا نگران نے اسے کہا میں مقررہ معاوضہ لینے پر راضی نہیں بلکہ اتنا چاہتا ہوں تو کرایہ دار خاموش رہا تو اس پر مالک کاذکر کردہ لازم ہوجائے گا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی التتارخانیۃ، اکتری دارا سنۃ بالف فلما انقضت قال ان فرغتھا الیوم والا فھی علیك کل شھر بالف، والمستاجر مقرلہ بالدار، فانہ نجعل فی قدر ماینقل متاعہ باجر المثل، وبعد ذٰلك بماقال المالك[2]۔	تاتارخانیہ میں ہے سالانہ ایک ہزار کرایہ پر مکان دیا سال ختم ہونے پر اس نے کرایہ دار کو کہا اگر تو آج مکان فارغ کردے تو بہتر ورنہ ماہانہ کرایہ ایک ہزار تجھ پر لازم ہوگا جبکہ کرایہ دار مکان کی ملکیت کا معترف ہے تو اس کو سامان منتقل کرنے کی مدت مثلی اجرت پر ہم تسلیم کرینگے اور اس کے بعد مالک کے قول کے مطابق ادا کرے گا۔(ت)

اسی طرح اگر خود زمین کی لگان بڑھ گئی وہ اور اس کے گردوپیش کی مینیں پہلے ایک روپیہ بیگھہ تھیں، اب مثلا دو۲ روپے بیگھ ہو گئیں، اور اس کی مدت اجارہ ختم ہوگئی، اور مالک نے اضافہ چاہا، تو اس پر بھی شرعًا دو۲ روپے کی شرح لازم ہوگی، اگرچہ نہ صرف سکوت بلکہ کاشتکار صراحۃً انکار کرتا رہا ہو،

لانہ لما تمت اجارتہ، وطلب المالك الزیادۃ فابی صار غاصبا والارض معدۃ للاستغلال، ولیس للمزارع تاویل ملك لعدمہ ولاعذر لانتھائہ، فیجب علیہ	کیونکہ جب کرایہ داری کی مدت ختم ہوگئی ہو اور مالک زائد کرایہ طلب کرتا ہو تو مستاجر کے انکار کردینے کے بعد رہائش غاصبانہ ہوگی جبکہ زمین کرایہ حاصل کرنے کے لئے ہی مختص ہے اور مزارع کو ملکیت کا بھی عذر نہیں کیونکہ وہ مالک نہیں اور نہ ہی مدت

[1] درمختار کتاب الاجارہ مسائل شتی عن الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۶

[2] ردالمحتار کتاب الاجارہ مسائل شتی عن الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۲

باجرۃ المثل، وھی الاٰن ربیتان۔	اجارہ کے ختم ہونے میں عذر ہے تو اس پر مثلی اجرت کا کرایہ لازم ہوگا جو کہ اب دو روپیہ (مثلاً) ہے (ت)

در مختار میں ہے:

منافع الغصب لاتضمن عندنا، الا فی ثلث، فیجب اجر المثل ان یکون المغصوب وقفا اومال یتیم، او معدا للاستغلال، الا فی المعد للاستغلال اذا سکن بتاویل ملک، او عقد فلا شیئ علیه[1] اھ ملتقطا۔	غصب کے منافع ہمارے نزدیک قابل ضمان نہیں ہیں سوائے تین مواقع کے ایک یہ کہ مغصوب وقف ہو تو اس کی مثلی اجرت لازم ہوگی، دوسرا یہ کہ وہ مغصوبہ چیز یتیم کا مال ہو، تیسرا یہ کہ وہ چیز کرایہ حاصل کرنے کے لئے مختص ہو، ہاں اگر ملکیت کی تاویل سے اس کرایہ والی زمین میں رہائش پذیر ہو تو پھر اس پر کوئی ضمان لازم نہ ہوگا اھ ملتقطا (ت)

تو بنام خرچہ جو کچھ ملے اس اجافہ میں جو شرعاً اس پر لازم ہو چکا وصول کرلے لانہ ظفر بجنس حقه (کیونکہ وہ اپنے حق کی جنس پر قابض ہوا۔ت) ردالمحتار میں ہے:

اذا لم یمکنه الرفع للحاکم، فاذا اظفر بمال مدیونه، له الاخذ دیانة، بل له الاخذ من خلاف الجنس علی ماننذکرہ قریبا[2]۔	جب حاکم کے ہاں پیش کرنا ممکن نہ رہے تو جب اپنے مدیون کے مال پر کامیابی پالے تو قبضہ میں لے لے۔ یہ اس کو دیانۃً اجازت ہوگی بلکہ اس کو اپنے حق کی جنس کے خلاف بھی اس کا مال ملے تو قبضہ کرلے جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ (ت)

اور اگر اجارہ کی کچھ مدت مقرر نہ کی یوں ہی سال بسال کاشت کرتا چلا آتا ہے۔ جب تو ختم ہر سال پر زمیندار کو اختیارات مذکورہ حاصل، اور احکام مذکورہ نافذہ ہیں، کہ اس سے ہر سال پر نیا اجارہ منعقد ہوتا ہے کما اشرنا الیه (جیسا کہ ہم نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے)۔ در مختار میں ہے:

اُجر حانوتا کل شھر بکذا، صح فی واحد فقط واذا تم الشھر، فلکل فسخھا بشرط حضور الاٰخر فسخھا بشرط حضور الاٰخر لانتھاء العقد الصحیح، وفی	ایک دکان کسی معینہ معاوضہ پر ماہانہ اجرت پر دی تو صرف ایک ماہ کا یہ اجارہ صحیح ہوگا اور جب مہینہ ختم ہو جائے تو دونوں میں سے ہر ایک فریق کو اس کے فسخ کا اختیار ہوگا بشرطیکہ

[1] در مختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹-۲۰۸

[2] ردالمحتار کتاب السرقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۰۰

کل شھر سکن فی اولہ صح العقد فیہ ایضا[1] الخ باختصار	دوسرا فریق وہاں موجود ہو، کیونکہ صحیح عقد ختم ہوگیا ہے اور جس مہینہ کی ابتداء میں وہاں رہائش پذیر رہا اس مہینہ کے اجارہ کا عقد بھی صحیح قرار پائے گا الخ باختصار (ت)

بالجملہ یہ قاعدہ کلیہ نفسیہ جلیلہ حفظ کرنے کا ہے کہ جب کسی کا دوسرے پر کچھ آتا ہو۔ یا اس سے لینے کا شرعا حق رکھتا ہو، اور اپنے اس حق تک قانونا نہ پہنچ سکتا ہو۔ تو اس کے وصول کے لئے کسی ایسے امر کا ارتکاب جو قانونا ناجائز ہے ہو، اور جرم کی حد تک پہنچے شرعا بھی ناجائز ہوگا کہ ایسی بات کے لئے جرم قانونی کا مرتکب ہو کر اپنے آپ کو سزا اور ذلت کے لئے پیش کرنا شرعا بھی روا نہیں۔

قال تعالٰی "لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ"[2]، وقد جاء الحدیث عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ینھی المومن ان یذل نفسہ[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو، اور حدیث شریف میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ آپ نے مومن کو اپنا نفس ذلت میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔ (ت)

مگر جب کوئی ایسا ذریعہ پائے کہ قانونا کوئی رقم اس سے وصول کرسکے تو اجازت ہے کہ اس نیت جائزہ سے اسے لے اگرچہ قانونا کسی دوسرے نام سے ملے،

فان الشیئ اذا اوصل الی مستحقہ من المستحق علیہ، جعل واصلا من الجھۃ التی یستحقہ، کما فی الدرالمختار[4]، وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما الکل امری مانوی[5]۔	تو بیشک جب مستحق کو اپنے مدیون کی کوئی چیز ہاتھ لگے تو اس کو استحقاق کے طریقہ پر پہنچنا تصور کیا جائیگا جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: اعمال کا اعتبار نیت پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کا ثمرہ ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الاجارۃ الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۷۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۵

[3] مسند اما احمد بن حنبل ترجمہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۵/ ۴۰۵

[4] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

[5] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

اور یہ ضرور ہے کہ شرعی اجازت سے آگے نہ لے، مثلاً سو روپے آتے تھے تو سو یا سو سے کم لے سکتا ہے زیادہ جائز نہیں، اور یہ بھی لحاظ رہے کہ شرع مطہر جس طرح بُرے کام سے منع فرماتی ہے یونہی بُرے نام سے، تو ایسے ذریعہ سے بچے جس میں اگرچہ یہ اپنی نیت کے سبب لیتا آتا، یا ایک شیئ مباح لیتا ہو جس میں اس پر مواخذہ نہیں مگر وہ ظاہری ذریعہ ایسا ہو جس سے بدنامی ہو، لوگ اسے مرتکب حرام سمجھیں، غیبت کریں، جیسے سود کا نام، تو اس سے بھی بچے اور صبر کرے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۰ تا ۵۳: از موضع نگلہ ہریر، تحصیل موانہ ڈاکخانہ بہلادور، ضلع میرٹھ مرسلہ سید اکبر علی ۳ شعبان ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کاشتکار موروثی ہے اور لگان بحساب دو روپیہ فی بیگھ زمیندار کو ادا کرتا ہے۔ اور وہ زمین جو زیر کاشت موروثی زید ہے اصل میں للعہ فی بیگھ کے لگان کی ہے کیونکہ اس اراضی سے ملحقہ اور ہم حیثیت اراضی مبلغ للعہ فی بیگھ لگان پر کاشت کرائی جاری ہے اور دوسرے کاشت کار خوشی سے للعہ فی بیگھ لگان پر کاشت کرتے ہیں زمیندار کا بہت بڑا نقصان ہے اور کاشتکار مذکور زمیندار کے کہنے سے لگان میں اضافہ نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ شرعاً نالش کردو، بعد ہو جانے ڈگری کے لگان زیادہ دوں گا، اور زمیندار خود تو اضافہ نہیں کرسکتا کیونکہ کاشت کار رضامند نہیں، اور کچہری سے بچند وجوہ ہو نہیں سکتا۔ اس معاملہ میں وکلا سے بہت سے زیادہ تحقیق کرلی گئی ہے اگر کاشت کار لگان اس وقت جبکہ قانون نے اس پر واجب کیا ہے نہ ادا کرے، اور زمیندار محض اپنے نقصان کی تلافی کی غرض سے لگان کے روپیہ پر سود لگادے اور کہہ دے کہ میں اپنے لگان میں لیتا ہوں تو کچھ گناہ نہیں ہے۔ اس طریقہ سے کچھ تلافی نقصان ہو جائے گی۔

دوم: یہ کہ اگر زمیندار کچہری میں ایک سچی بات کو چھپائے اور جھوٹی بات کو ظاہر کرے تو اپنے نقصان کی معمولی سی تلافی کرسکتا ہے اور اراضی موروثی کا اس کے قبضہ سے نکل جانا بھی ممکن ہے۔ اس جھوٹی بات کو ظاہر کرنے سے جو زمیندار محض اپنے نقصان کی تلافی کی غرض سے کرتا ہے کوئی گناہ ہوگا یا نہیں؟

سوم: یہ کہ کاشتکار موروثی کا کوئی حق ہے یا نہیں؟

چہارم: یہ کہ شریعت مطہرہ کے نزدیک زمیندار کی مالی نقصان کی تلافی مال سے کیونکر ممکن ہے؟ فقط

الجواب:

جواب سوال اول وسوم وچہارم: شرع مطہر کے نزدیک مملوک زمینوں میں جیسی عام دیہات کی زمینیں ہیں کہ زمیندار ان کے مالک ہیں، اصلاً کبھی کسی طرح حق موروثی حاصل نہیں، شرعاً

زمیندار کواختیار ہے کہ جب پٹہ کی میعاد ختم ہو، یا اگر کاشتکار سے کوئی میعاد معین نہ ٹھہری تو جس ختم سال پر چاہے کاشتکار سے کہہ دے کہ اب سے کاشت کرے چھوڑ دے مجھے زمین تجھ کو دینا منظور نہیں، اس کہنے سے وہ زمین سے شرعاً بے تعلق ہوجائے گا، اور اسے حرام ہوگا کہ قبضہ نہ چھوڑے، اگر نہ چھوڑے گا غاصب ہوگا، اور اس کے بعد سے عندالشرع اس پر وہی چار روپے بیگھ واجب ہوگا جو وہاں اس حیثیت کی زمینوں کی عام شرح ہے اگر نہ دے گا اور وہی دو روپے بیگھ ادا کرتا رہے گا تو بحکم شرع وہ فی بیگھ دو روپے سال کا مدیون ہوتا رہے گا، مثلاً ایسی زمین پچاس بیگھے اس کی کاشت میں ہے تو زمیندار کے سو روپے سال ہمیشہ اس پر چڑھتے رہیں گے جب تک زمین نہ چھوڑے، نیز زمیندار کو اختیار ہے کہ ختم میعاد یا صورت ثانیہ میں جس ختم سال پر چاہے اس سے زمین نکالنے کو نہ کہے، بلکہ یوں کہے کہ آج سے یہ زمین چار روپے یا دس روپے بیگھ ہے (جو وہاں اس زمین کی عام شرح ہورہی ہے خواہ اس قدر کہے یا اس سے کم یا جس قدر چاہے زیادہ، مثلاً سو روپے بیگھ ہزار روپے بیگھ) اگر کاشتکار اپنے زعم پر کہ یہ بغیر چارہ جوئی قانونی کیا کرسکتا ہے خاموش رہا اور کاشت کی، تو جتنا اس نے کہہ دیا تھا اس پر دین ہورہے گا، اور اگر وہ سکوت نہ کرے بلکہ رد کردے، مثلاً کہے میں تو وہی دو روپے دوں گا زیادہ نہ دوں گا، تو یہ پھر اپنے کلام کا اعادہ کردے یہاں تک کہ وہ خاموش ہورہے اور دیکھے کہ نہیں چلتا تو کہہ دے مجھے تجھ کو دینا منظور نہیں، اس کے بعد کاشت کرے گا، وہی عام شرح مثلاً چار روپے اس پر لازم آئیں گے، ان طریقوں سے یہ تو ہوگا نہیں کہ زمیندار قانوناً دو روپے بیگھ سے زائد لے سکے، جب تک باضابطہ اضافہ نہ کرائے جو ہزار دقتیں رکھتا ہے۔ نہ یہی ممکن کہ زمیندار اس بناء پر کہ شرعاً اس کے اجارہ سے نکل گئی اسے خود بے دخل کردے اور نہ صرف قانوناً بلکہ عندالشرع بھی زمیندار کو جائز نہ ہوگا کہ شرع مطہر ایسی بات کے لئے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے یا ذلت کے لئے پیش کرنے کی سخت ممانعت فرماتی ہے تو ایسی صورت کا ہر جرم قانونی اس عارض کی وجہ سے خود جرم شرعی اور گناہ ہے، ان طریقوں سے یہ نفع ہوگا کہ جب کاشتکار عندالشرع اس کا مدیون ہولیا اور وہ دین قانوناً وصول ہو نہیں سکتا، تو کاشتکار سے جو رقم قانوناً وصول کرسکے، اور شرعاً وہ رقم ناواجب ہو اسے قانونی ذریعہ کے نام سے وصول کرے اور اپنے اسے آتے ہوئے میں مجرا کرلے جبکہ یہ رقم اس قدر دین سے زائد نہیں مثلاً کاشتکار پر لگان یا اضافہ یا بیدخلی یا کسی قسم کی کوئی نالش کرے جس کی حاجت زمینداروں کو اکثر پڑتی ہے، اور وہ نالش ڈگری ہو تو شرعاً مدعی کو اگرچہ حق پر ہو مدعا علیہ سے خرچہ لینا جائز نہیں، یہ خرچہ لے اور اسے اپنے دین مین محسوب سمجھے یا زمینداریوں میں اکثر معمول ہے کہ کاشتکاروں سے لکڑی، آپلا بھس وغیرہ اگھائی لیتے ہیں، یا ہل بیل گاڑی سبیل وغیرہ میں، اور یہ شرعاً جائز نہیں ان کو وصول کرے اور اس میں مجرا لے لکڑی وغیرہ قیمت کے اعتبار سے اور بیل

وغیرہ اجرت کے لحاظ سے یونہی اگر قسط چوکنے سے یالگان تقاوی وغیرہ پر سود کا نام کرے اور سود کی نیت نہ ہو بلکہ اسی دین میں وصول کرے تو یہ رقم بھی شرعاً اس کے لئے مال حرام نہ ہوگی، مگر اس سے احتراز یوں لازم ہے کہ شرع نے جس طرح بُرے کام سے منع فرمایا بُرے نام سے بھی منع فرمایا، اور اپنے آپ کو بلاضرورت شرعیہ مطعون کرنا مسلمانون کو اپنی غیبت وبدگوئی میں مبتلا کرنا شرعاً منع ہے۔ سود کے نام لگانے سے لوگ اصل حقیقت کو نہ جانیں گے، اور اسے معاذاللہ سودخور کہیں گے، بدنام کریں گے، یہ کس کس کو اپنی نیت اور معاملہ کی اصل حالت بتاتا پھرے گا، ایسی بات سے احتراز چاہئے بخلاف خرچہ اگھائی، سہیل بیگار معمولی ورائج اشیاء کے کہ عوام ان پر مطعون وبدنام نہ کریں گے، غرض کاشتکار کہ شرعاً ناجائز قبضہ رکھے مدیون بنانے کے وہ طریقے ہیں اور اپنے مالی نقصان کی تلافی کی یہ صورتیں، بغیر ان طریقوں کے صرف اس وجہ سے کہ گردوپیش کی زمینوں کی شرح بڑھ گئی ہے۔ کاشت کار پر دو روپے بیگھہ سے زیادہ کچھ واجب نہ ہوگا، اور یہ زیادہ لے گا تو ناواجب لے گا، اس مجمل بیان کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اس میں شرعی اطاعت بھی رہے اور قانونی رعایت بھی اور مالی حفاظت بھی اور ان اصول و مسائل سے آج کل کے بہت ذی علم بھی غافل ہیں عوام تو عوام، اب ہم بعض عبارات ذکر کریں کہ تفصیل موجب تطویل۔

فی ردالمحتار عن الخیریۃ عن الحاوی عن الاسرار اذا استاجر ارضا ملکا لیس للمستاجر ان یستبقیھا کذلك ان ابی المالك الا القلع بل یکلفه علی ذلك [1]۔	ردالمحتار میں ہے خیریہ سے ہے انھوں نے حاوی سے بحوالہ الاسرار نقل کیا کہ اگر کسی نے کسی نجی ملکیت کو اجارہ پر لیا تو مستاجر کو حق نہیں کہ اس کو اپنے لئے باقی رکھے جس طرح سرکاری زمین کو باقی رکھ سکتا ہے جبکہ مالک اس کو اپنے تجاوزات ختم کرنے پر مصر ہو بلکہ مالک اس کو پابند بناسکتا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

قال للساکن اسکن بکذا اوالا فانتقل، فسکت، لزم مایسمی [2]۔	جب مالک نے کرایہ دار کو کہا اگر رہنا ہو تو اتنے معاوضہ پر رہو ورنہ منتقل ہوجاؤں تو اس پر کرایہ دار خاموش رہا تو مالک کا ذکر کردہ معاوضہ اس پر لازم ہوجائیگا (ت)

اسی میں ہے:

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹

[2] درمختار کتاب الاجارۃ مسائل شتی من الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۶

یجب اجر المثل فی المعد للاستغلال [1]۔	کرایہ حاصل کرنے کے لئے مخصوص شدہ زمین کی مثلی اجرت لازم ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

الاصل ان المستحق بجهة اذا وصل الی المستحق بجهة اخری اعتبر واصلا بجهة مستحقه ان وصل الیه من المستحق علیه والافلا، وتمامه فی جامع الفصولین [2]۔	مستحق کو اس کا استحقاق کسی دوسرے طریقہ سے بھی ملے تو وہ استحقاق کے طریقہ پر ہی متصور ہوگا بشرطیکہ اس کو مدیون کی جانب سے پہنچے، ورنہ نہیں اس کی تمام بحث جامع الفصولین میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذا لم یمکنه الرفع للحاکم فاذا ظفر بمال مدیونه له الاخذ دیانة، بل له الاخذ من خلاف الجنس [3]۔	جب اس کو حاکم کئے ہاں پیش کرنا ممکن نہ رہے تو جب اپنے مدیون کا مال ہاتھ لگے تو دیانۃً اس کو لینا جائز ہے بلکہ حق کی جنس کے خلاف بھی مال ملے تو لینے کا حق ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

الفتوی الیوم علی جواز الاخذ عندالقدرة من ای مال کان [4]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	آج کل فتوی یہ ہے کہ مدیون کے کسی بھی مال پر قدرت پائے تو لینا جائز ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

جواب سوال دوم: جھوٹ بولنا حرام ہے، ہاں اپنا حق وصول کرنے یا اپنے اوپر ظلم دفع کرنے کے لئے پہلودار بات کی اجازت ہے۔ جس کا ظاہر کذب ہو اور باطن میں صحیح معنی مراد ہوں، وہ بھی اسی حالت میں کہ صدق محض سے وہ حق نہ ملے اور ظلم نہ ٹلے، ورنہ یہ بھی جائز نہیں، درمختار میں ہے:

الکذب مباح لاحیاء حقه ودفع الظلم عن نفسه، و المراد التعریض، لان عین	اپنے حق کو ثابت اور ظلم کو ختم کرنے کے لئے جھوٹ مباح ہے اس جھوٹ سے مراد تعریض ہے نہ کہ

[1] درمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹-۲۰۸

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

[3] ردالمحتار کتاب السرقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۰۰

[4] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵

الکذب حرام [1]۔	عین جھوٹ کیونکہ یہ حرام ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

حیث ابیح التعریض لحاجة لایباح لغیرہا،لانه یوھم الکذب [2]۔	جہاں کسی حاجت کی وجہ سے تعریض جائز ہے وہاں بغیر حاجت جائز نہیں، کیونکہ تعریض جھوٹ کا وہم پیدا کرتی ہے۔(ت)

ہاں اگر ظلم شدید ایسا ہو کہ قابل برداشت نہیں، ضرر ایسا سخت ہے جس کا مفسدہ کذب کے مفسدہ سے بڑھ کر ہے اور اس کا دفع بے کذب ناممکن ہو تو بمجبوری اجازت پاسکتا ہے لان الضرورات تبیح المحظورات (کیونکہ ضروریات ممنوع چیزوں کو مباح کرتی ہیں۔ت) ردالمحتار میں منقول:

ینبغی ان یقابل مفسدة الکذب بالمفسدة المترتبة علی الصدق فان کانت مفسدة الصدق اشد فله الکذب،وان بالعکس اوشك حرم [3]۔وقد نقلنا القول فیه فی فتاوٰنا،واللہ تعالٰی اعلم۔	جھوٹ کے فساد اور صدق پر مرتب ہونیوالے فسا کا تقابل کیا جانا مناسب ہے اگر صدق پر مرتب فساد شدید ہو تو جھوٹ مباح،اور گر معاملہ بالعکس ہو یا دونوں صورتوں میں شک ہو توپھر کذب حرام ہے فیصلہ کن قول ہم نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہےواللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۵۴: از کرتولی مرسلہ حکیم رضا حسین خاں سلمہ، ۷ جمادی الآخرۃ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مشترک گاؤں ہیں اگر ایک شریک بے اذن دیگر شرکاء خود کاشت کرے، تو جائز ہے یا نہیں؟ اور دیگر شرکاء اس سے اپنے حصے کی لگان لیں گے یا کیا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زمین مشترک میں ایک شریک کا زراعت کرنا اگر باذن جمیع شرکاء ہے بلاشبہ رواہے، پھر جبکہ وہ زمین گاؤں کی ہے۔ اور دیہات کی زمین اجارہ ہی کے لئے ہوتی ہے تو جب تک تصریح نہ ہو جائے کہ لگان نہ لیا جائے گا، شرکاء کے حصے کا اس پر لگان آئے گا۔

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۴

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۵

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۴

لان الاتجارة من الشريك جائزة لعدم الشيوع فی المنافع الحادثة اذا كل تحدث علی مسلكه اما لملكه او للاجارة، بخلاف الاجارہ من احد شريكه، او اجارة البعض من غير الشريك حيث لا تجوز للشيوع كما فی الهداية[1] والدر[2]۔	تمام شرکاء کی طرف سے اجارہ حاصل کرنا جائز ہے کیونکہ اب منافع میں شیوع نہ ہوگا کیونکہ پیدا ہونے والے تمام منافع اس کو اپنی ملکیت کی وجہ یا اجارہ کی وجہ سے حاصل ہوں گے بخلاف جبکہ تمام شرکاء میں سے ایک یا بعض سے اجارہ کرے تو ناجائز ہوگا کیونکہ ان صورتوں میں شیوع پایا جائے گا، جیسا کہ ہدایہ اور در مختار میں ہے۔(ت)

اور اگر شرکاء کے خلاف مرضی زراعت کرے گا گنہ گار و غاصب ہوگا، پھر اگر اس کی زراعت سے زمین کو نقصان پہنچا تو حصص کے لئے اس نقصان کا تاوان دے گا، اور اگر کوئی نقصان نہ پہنچا تو کچھ نہ دے گا، اس صورت میں لگان عائد نہیں ہو سکتا۔

لانها وان كانت معدة للاستغلال فالشريك يتصرف فيها بتاويل الملك، والتصرف به بتاويل العقد يمنع الاجر فی المعد بخلاف الوقف ومال اليتيم حيث يجب فيهما مطلقا كما بينه فی الدر المختار[3] ورد المحتار[4]۔	کیونکہ اگرچہ وہ زمین کرایہ داری کے لئے تیار رکھی ہے تو شریک کا اس میں تصرف ملکیت کی تاویل سے ہے جبکہ عقد کی تاویل کرایہ داری والی چیز میں اجرت کے لئے مانع ہے بخلاف وقف اور مال یتیم کے، کیونکہ ان میں اجرت لازم ہے۔ جیسا کہ در مختار اور ردالمحتار میں یہ بیان کیا ہے۔(ت)

اور اگر نہ شرکاء کا صریح اذن تھا نہ ممانعت، بلکہ ان سے بے پوچھے بطور خود اس نے زراعت کی تو اس میں حکم منقول و منصوص تو یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ زراعت یا اس خاص زراعت سے زمین کو نقصان پہنچے گا، یا زراعت نہ کرنے سے زمین کی طاقت بڑھے گی، تو اس صورت میں شرکاء سے بے پوچھے اس کا زراعت کرلینا صورت غصب میں داخل ہے، اور حکم وہی ہے کہ نقصان کا تاوان ہے، لگان کچھ نہیں، اور اگر معلوم ہے کہ

---

[1] الهدايه كتاب الاجارة باب الاجارة الفاسدة مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۹

[2] درمختار كتاب الاجارة باب الاجارة الفاسدة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

[3] درمختار كتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۹۔۲۰۸

[4] ردالمحتار كتاب الغصب دار احياء التراث العربی بيروت ۵/ ۱۳۲

زراعت سے زمین کو منفعت ہوگی، تو یہ صورت صورت اجازت میں داخل ہے کہ اگرچہ صراحۃً اذن نہ ہوا، مگر بوجہ منفعت دلالۃً اذن ہے۔ اس صورت میں بھی حکم یہ لکھتے ہیں کہ لگان دینا نہ آئے گا۔ ہاں شرکاء کو یہ اختیار ہوگا کہ اپنے اپنے حصوں کی قدر وہ بھی اتنی اتنی مدت تک اس کی زراعت کرلیں، مثلاً دو شریک تھے، ایک ایک ثلث کا ثلث والے نے ایک سال زراعت کی، تو دو ثلث والا دو سال زراعت کرسکتا ہے۔ اقول: مگر یہ حکم اس صورت کا ہے کہ زمین اجارہ کے لئے معد و معروف نہ ہو کہ اس صورت میں اگرچہ بوجہ منفعت دلالۃً اذن ہے مگر اذن عاریت واجارہ دونوں کو محتمل ہے۔ اور عاریت اقل ہے۔ تو وہی متعین ہے۔ اور اجارہ بلادلیل ثابت نہیں۔ لہٰذا اجر واجب نہ آیا، مگر جو زمین معد للاستغلال ہے۔ جیسے زمین دیہات اس میں ثبوت اذن بحکم اعداد وعہد بروجہ اجارہ ہی مانا جائے گا۔ جب تک صراحۃً نفی اجازت یا تصریح عاریت نہ کردیں **لان المعروف کالمشروط وھذا ظاھر جدًا** (کیونکہ معروف چیز مشروط کی طرح ہے اور یہ بالکل واضح بات ہے۔ ت) تو یہ صورت مثل صورت اولیٰ یعنی زراعت باذن صریح شرکاء ہوگی، اور لگان لازم آئے گا، اسے نہ مانئے تو بحال مفنعت اذن دلالۃً ثابت ہونا، اگر وہاں چل سکے جہاں کوئی مزارع موجود نہیں، تو آباد دیہات میں اس کا ثبوت سخت دشوار ہے کہ غیر شخص زراعت کرتا تو شریک دیگر کو اپنے حصہ کی اجرت ملتی، اور شریک نے خود کاشت کی، اور لگان دلائیں نہیں، صرف یہ اختیار دیں کہ اتنی مدت یہ بھی زراعت کرلے، اور ممکن کہ یہ زراعت کے لئے آمادہ نہ ہو، اس کے اسباب نہ رکھتا ہو، اس کے کاموں کا متحمل نہ ہو، ان کی فرصت نہ پاتا ہو، تو اس کا حصہ بلا معاوضہ دوسرے کے تصرف میں رہا، اس پر رضا واذن دلالۃً ماننا بہت مشکل ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ لگان لازم کریں کہ صریح نفع حاصل ہے یہ دونوں صورتیں علم کی تھیں، اور اگر کچھ نہ معلوم ہو کہ زراعت سے زمین کو مضرت پہنچے گی یا منفعت، اس کا حکم نہیں لکھتے، اقول: وہ صورت مضرت کے حکم میں ہے کہ دلالۃً ثبوت اذن بوجہ علم منفعت تھا جب یہ نہیں وہ نہیں، تو نہ ہوا مگر مطلقاً بلا اذن تصرف، اور یہی غصب ہے۔

وذٰلك لان الاصل فی التصرف فیما فیه ملك لغیرہ الحظر الا باذنه ولو دلالة ولم یوجد ھو ولا ھی۔	اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ غیر کی ملک میں تصرف اس کی اجازت کے بغیر ممکن ہے اگرچہ وہ اجازت دلالۃً ہو، جبکہ یہاں کسی طرح اجازت نہیں۔ (ت)

جامع الفصولین فصل ۳۳ بحث "انتفاع بمشترک" میں ہے:

یغرم الزارع لشریکه نقصان نصف الارض لو انتقصت لانه غاصب	ایک شریک نے زمین کی کاشت کی تو وہ دوسرے شریک کے نصف حصہ کے نقصان کا ضمان دے گا۔

فی نصیب شریکه(مز)وعن مز رحمه الله تعالٰی، لو غاب احدهما فلشریکه ان یزرع نصف الارض،ولو اراد الزراعة فی العام الثانی زرع النصف الذی کان زرعه،ویفتی بانه لو علم ان الزرع ینفع الارض ولاینقصها فله ان یزرع کلها،ولو حضرا الغائب فله ان ینتفع بکل الارض مثل تلك المدة، لرضا الغائب فی مثله دلة،ولو علم ان الزرع ینقصها او الترك ینفعها ویزیدها قوة فلیس للحاضر ان یزرع فیها شیئا اذا الرضا لم یثبت هنالك کذا، (قفقط)[1]۔	بشرطیکہ کاشت سے زمین کو نقصان ہو کیونکہ وہ اپنے شریک کے نصف کا غاصب ہے(مز)اور مز رحمۃ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ اگر ایک شریک غائب ہو تو دوسرے شریک کو نصف زمین کاشت کرنے کا اختیار ہے۔اور اگر دوسرے سال بھی زراعت کرنا چاہے تو اسی حصہ کو کاشت کرے،اور فتوٰی یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ زراعت زمین کے مفید ہے نقصان دہ نہیں ہے تو تمام زمین کو کاشت کرے اور غائب شریک آجائے تو اس کو حق ہوگا کہ وہ بھی اتنی ہی مدت کل زمین کو اپنے کاشت کرے یہ اس لئے کہ مفید ہونے کی صورت میں غائب کی دلالۃ رضا ہے۔اور اگر معلوم ہو کہ کاشت زمین کے لئے نقصان دہ ہے۔یا ترک زراعت مفید ہے اور زمین کے لئے مزید قوت کا بعث ہے تو پھر حاضر شریک کو کوئی چیز کاشت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، کیونکہ نقصان کی صورت میں دوسرے شریک کی رضا ثابت نہیں ہے۔یوں "قفقط" میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار کتاب الغصب میں ہے:

نقل(ای فی تنویر البصار)اولا عن العمادیة عن محمد(فذکر ماقدمنا عن الجامع قال)ثم نقل عن"القنیة"ان الحاظر لایلزمه فی المالك المشترك اجر،ولیس للغائب استعماله بقدر تلك المدة لان المهایاة بعد الخصومة،قال وبینهما تدافع الا ان یفرق بین الارض و	تنویر الابصار میں اولا عمادیۃ سے بحوالہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نقل کیااور جامع الفصولین سے ہمارے نقل کردہ کے موافق ذکر کیا، پھر انھوں نے قنیہ سے یہ نقل کیا کہ حاضر شریک پر مشترکہ ملکیت میں کوئی اجرت لازم نہیں ہوتی اور غائب کو اتنی مدت زمین کو استعمال کرنے کا اختیار نہیں ہے کہ کیونکہ بدلہ کا لین دین قاضی کے ہاں خصومت کے بعد ہتاہے اور کہا کہ ان دونوں منقولہ عبارتوں میں اختلاف ہے الا یہ کہ زمین اور

[1] جامع الفصولین الفصل الثالث والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۹

الدار، وھو بعید اوانھما روایتان، ثم نقل عن الخانیۃ ان مسئلۃ الدار کمسئلۃ الارض، وان للغائب ان یسکن مثل ماسکن شریکہ، وان المشائخ استحسنوا ذٰلك و ھکذا روی عن محمد وعلیہ الفتوی[1]۔	دار کا فرق قائم کیا جائے اور یہ بعید ہے یا یہ کہا جائے یہ دو مختلف روایتیں ہیں اس کے بعد انھوں نے خانیہ سے نقل کیا کردار کا مسئلہ اور زمین کا مسئلہ ایک ہے کہ مکان میں بھی شریک غائب کو اتنی مدت سکونت کا حق ہے جتنی مدت حاضر شریک سکونت پذیر رہا ہو، اور اس کو مشائخ نے پسند فرمایا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے بھی اسی طرح منقول ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

نیز جامع الفصولین میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

(فص) سکن دار مشترکۃ بغیبۃ شریکہ لایلزمہ اجر حصتہ ولو معدۃ للاستغلال (الی قولہ) علل فی (ذ) بانہ سکن بتاویل الملك فلا اجر (واقعۃ الفتوی) زرع ارضا بینہ وبین غیرہ ھل لشریکہ ان یطالبہ بربع او ثلث بحصۃ نفسہ کما ھو عرف ذٰلك الموضع، اجیب بانہ لایملك ذٰلك یغرمہ نقصان نصیبہ فی الارض لو انقصت[2]۔	(فص) ایک شریک مشترکہ مکان میں دوسرے کی غیر موجودگی میں سکونت پذیر رہا تو اس پر کوئی اجرت لازم نہ ہوگی اگرچہ مکان کرایہ داری کے لئے تیار کیا ہو، ان کا بیان اس قول تک کہ (ذ) میں اس کی علت یہ بیان کی گئی کہ وہ ملکیت کی تاویل پر سکونت پذیر ہوا ہے تو اجرت لازم نہ ہوئی، واقعۃ الفتوی میں ہے کہ اپنی اور غیر کی مشترکہ زمین میں کاشت کرے تو کیا دوسرے شریک کو اس سے ربع یا ثلث کرے تو کیا دوسرے شریک کو اس سے ربع یا ثلث کا اپنے حصہ کے طور پر مطالبہ کا حق ہے جیسا کہ وہاں معروف ہے جواب دیا گیا کہ دوسرے شریک کو یہ حق نہیں ہے، ہاں اگر زمین کو کاشت سے نقصان ہوا تو اس کو اپنے نصف کے نقصان کا ضمان لینا روا ہوگا۔ (ت)

اقول: یہ ہے کہ وہ حکم کہ اس صورت زراعت بے اطلاع کا شرکاء پر کتب میں مذکور ہے، مگر یہ احکام عرف کے ساتھ دائر ہیں، اور یہاں دیہات میں عموما صرف دئر وسائر یہ ہے کہ زمین کا اجارہ پر اٹھنا ہی منفعت جانتے ہیں اور اس کا پڑا رہنا ہی نقصان سمجھتے ہیں کہ وہ صرف معد للاجار ہوتے ہیں اس کے بعد اس پر کوئی نظر نہیں ہوتی کہ زراعت اس کے لئے نفع ہے یا ترک، تو یہاں یہ صورت صورت اولٰی یعنی اذن دلالۃ میں منحصر ہے، اور بوجہ اعداد اجر لازم، مگر کوئی خاص زراعت ایسی فرض کی جائے کہ زمیندار اس پر

---

[1] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۳۲۔۱۳۱

[2] جامع الفصولین الفصل الثالث والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۳۹

راضی نہ ہوتے ہوں اور اسے مضارض جانتے ہوں تو وہ مستثنٰی رہے گی، اس تقریر پر دربارہ دیہات خلاصہ حکم یہ ہے کہ شریک کو زراعت کرنا مطلقاً جائز اور حصہ شرکاء کا لگان مطلقاً لازم ہے، مگر اس صورت میں کہ دیگر شرکاء نے صراحۃً منع کردیا ہو۔ یا کوئی ایسی زراعت کرے جس سے زمین بگڑتی ہو، اور زمیندار اس پر راضی نہ ہوتے ہوں، ان دونوں صورتوں میں نقصان زمین کا تاوان دے گا اگر واقع ہو، اور لگان نہ آئے گا، اور شرکاء نے صراحۃً بلا لگان اجازت دی، تو لگان نہیں، اور زراعت جائز ہے **ھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی** (یہ میری طرف سے ہے اور علم حق میرے رب کے پاس ہے۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۵: مسئولہ محمد سید علی صاحب طالب العلم از کانپور مسجد حاجی بدنو شطرنجی محل ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ملک بنگالہ میں ظاہر املک تین قسم پر منقسم ہے:

اول ملک شاہی

دوم ملک زمینداری

سوم ملک رعیتی

رعایا زمیندار کو خراج دیتے ہیں، اور زمیندار بادشاہ کو، بادشاہی اصل مالک زمین کا ہے، اور بالکل تصرفات کا اختیار رکھتا ہے۔ زمین عـــہ بادشاہ کے تحت میں زمین کا مالک ہے۔ اور زمیندار کے تصرفات بادشاہ کے تصرفات کے تابع ہیں، اور رعیت زمیندار کے تابع ہے، زمیندار رعایا کو زمین ومکان میں جتنے تصرفات کے لئے حکم دیتا ہے، اسی کا اس کو اختیار ہوتا ہے زیادہ نہیں اس حالت میں کوئی رعیت دوسری رعیت کے پاس اگر اپنی رعیتی زمین کو بیچے تو قیمت کے فی تولہ چار آنہ حساب سے (یا کم و بیش) زمیندار کی سرکار میں نذرانہ دینا ہوتا ہے مثلاً زید اگر اپنی رعیتی زمین کو عمرو کے پاس قیمت دو سو روپے بیچے، اور عمرو دو سو روپے دے کر قبالہ کرلے، اور زید وعمرو میں خرید وفروخت ہوگیا، تو اب عمرو زمیندار کے سرکار میں فی تولہ چار آنہ کے حساب سے دو سو کی نذر پچاس روپے علاوہ خراج کے جب تک ادا نہ کرے گا تب تک خریدی ہوئی زمین کی بابت زید کے نام کو خارج کر کے عمرو کے نام کو اپنے دفتر میں ثابت نہ کرے گا، عمرو کو اس زمین پر تصرف کرنے نہ دے گا، پس نذر مذکور علاوہ خراج کے زمیندار کو لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا بالدلائل** (دلائل کے ساتھ بیان کرکے اجر حاصل کیجئے۔ت)

الجواب:

جو زمیندار آباواجداد کے وقت سے وراثۃً مالک زمین چلے آتے ہیں یا جس نے ایسے مالکوں

عـــہ: فی الاصل کذالك لعلہ "زمیندار"۔

سے بیع وہبہ وغیرہ کسی عقد صحیح شرعی سے ملک حاصل کی وہ زمیندار اس زمین کا شرعاً مالک ہے اب یہ زمین جو ایک کاشتکار نے دوسرے کے ہاتھ بیع کی اس بیع سے اگر وہ خریدنے والا کاشتکار اس زمین کا مالک مستقل نہیں سمجھا جاتا بلکہ زمیندار کو نذرانہ دینے کے بعد بھی کاشت کار ہی سمجھا جاتا ہے تو یہ بیع محض باطل ہے۔

کاشت کار اول نے جو ثمن کاشتکار دوم سے لیا وہ اس کے لئے ناجائز ہے۔اس پر واجب ہے کہ کاشتکار دوم کو واپس دے،اور یہ نذرانہ کہ زمیندار کو دیا جائے گا کہ سال اول اجرت زمین میں اضافہ تصور کیا جاتا تو زمیندار کو جائز ہوتا،مگر ظاہراً وہ اضافہ نہیں سمجھا جاتا۔بلکہ پہلے کاشتکار کی جگہ دوسرے کو قائم کرنے کی رشوت تو یہ زمیندار کو بھی جائز نہیں،ہاں جبکہ کاشتکار اول اس اجارہ سے دوسرے کے لئے دست بردار ہوچکا،اور زمیندار نے دوسرے کو مستاجر قبول کرلیا تو یہ دوسرا شرعاً مستاجر ہوگیا خراج کہ زمیندار اس سے لے گا زمیندار کو حلال ہے۔ظاہراً صورت یہی واقع ہوتی ہوگی،نہ یہ کہ کاشتکار کی بیع بیع شرعی سمجھی جائے اور کاشتکار دوم زمین کا مالک مستقل قرار پائے،اور اگر بالفرض کہیں ایسا ہو اور کاشتکار اول کا دوسرے کے ہاتھ بیچنا بیع فضول ہو اور زمیندار کا اس نذرانہ پر قبول کرنا زر ثمن میں اضافہ اور بیع کی اجازت ہے۔تو وہ روپیہ جو کاشتکار اول کو ملا برضائے زمیندار اس کے لئے حلال ہے۔اور وہ نذرانہ کہ زمیندار نے لے لیا اس کے لئے جائز ہے۔مگر اب جو خراج زمیندار اس کاشت کار دوم سے لے گا یہ حرام و باطل ہے کہ اس تقدیر پر کاشت کار دوم زمین کا مالک مستقل ہوگیا،غیر مالک کا مالک سے خراج لینا کیا معنی،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۶: از شہر بریلی محلّہ فراشی ٹولہ مرسلہ مقصود علی خاں ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر زمیندار بٹائی کے کھیت کو خواہ وہ کفار کی کاشت میں ہو یا مسلمان کاشتکار ہو،چار اشخاص اہل ہنود یا مسلمان کے بیچ اس بٹائی کے کھیت کی کنکوت کرادے اور کاشت کار جو زمین کی کاشت کرتا ہو اس سے کہہ دے کہ اگر تجھ کو یہ تخمینہ منظور ہو تو اس کو کاٹ لے۔اور زمیندار کا حصہ جو طے پایا ہو دے دینا،اور اگر منظور نہ کرے تو اس تخمینہ کو منسوخ کردے،ایسی صورت میں جبکہ کاشتکار بھی تخمینہ منظور کرلے تو یہ تخمینہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟اور اس کی کمی بیشی کا مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ جبکہ زمیندار کو اگر اس تخمینہ سے بیشی ہو تو اس کا کچھ خیال یعنی بیشی کا نہ ہو،اور اگر اس تخمینہ سے کم ہو تو زمیندار پر کاشتکار کا مواخذہ جبکہ وہ تخمینہ منظور کرچکا ہو۔ہوگا یا نہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

کنکوت باطل ہے،شرعا اس کا کچھ اعتبار نہیں،نوے من تخمینہ ہوا اور زمیندار کاشتکار دونوں نے منظور کرلیا،اور آدھے پر بٹائی ہے۔تو اگر سو من پیدا ہوا زمیندار کے پانچ من کاشتکار پر اور رہے۔اسے

جائز نہیں کہ پچاس من کی جگہ پچپن من خود لے اور پینتالیس من زمیندار کو دے، اور اگر اسی من پیدا ہو تو زمیندار کا حق صرف چالیس من ہے پانچ من زیادہ لینا اسے حرام ہے۔ ورنہ مسلمان کاشتکار کے حق میں ماخوذ رہے گا اس کی باطل منظوری کہ برخلاف مقتضائے عقد و بے اذن شرع ہے۔ کچھ معتبر نہیں، ہدایہ میں ہے:

من اشتری زیتا علی ان یزنه بظرفه، فیطرح عنه مکان کل ظرف خمسین رطلا، فهو فاسد وان اشتری علی ان یطرح بوزن الظرف جاز۔ لان الشرط الاول لا یقتضیه العقد، والثانی یقتضیه[1]۔	اگر کسی نے اس شرط پر زیتون خریدا کہ میں اپنے پیمانہ سے ناپ کروں گا اور اس ہر پیمانہ پر پچاس رطل کاٹوں گا، تو یہ عقد باطل ہے۔ اور اگر اس شرط پر خریدا کہ پیمانہ کے وزن برابر شمار ہوگا تو عقد جائز ہوگا کیونکہ پہلی شرط عقد سے لا تعلق ہے جبکہ دوسری شرط عقد کے موافق ہے۔ (ت)

ہاں ہندو کاشتکار سے اس کی مرضی و منظوری کی بناء پر اگر ایسے زیادہ مل جائے تو حرج نہیں،

لجواز ان یاخذ منهم بغیر غدر ولو بعقد ان وقع بین مسلمین کان فاسدا کما بیناه فی بیوع فتاوٰنا، واللّٰه تعالٰی اعلم۔	کیونکہ ہندوؤں سے غدر کے بغیر جو ملے لینا جائز ہے اگرچہ وہ ایسے عقد کے ذریعہ ملے جو مسلمانوں میں ہو تو فاسد قرار پائے جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کے بیوع میں بیان کیا ہے۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵۷: از بنارس گرانٹ بازار مسجد نواب ٹونک مرسلہ محمد شفیع صاحب ۴ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

ایک زمیندار نے کاشت کار کو بخوشی و رضامندی اپنی بیس بیگھ اراضی کا پٹہ دوامی لکھ دیا اس شرط پر کہ فی بیگھ اڑھائی روپے لگان جس کا جملہ پچاس روپیہ ہوتا ہے۔ اس قدر مالگزاری سال بسال ادا کیا کرو، اور ان اراضی کو چاہے خود کاشت کرو یا دوسروں سے کاشت کراؤ، مگر مال گزاری اس کی حسب تحریر مندرجہ تم سے ادا کریں گے، اگر قسط پر ادا نہ کروگے تو بنالش حق ادا کرنے کا ہم زمیندار کو ہوگا۔ اب کاشتکار ان اراضی کو خود ہی کاشت کرتا ہے، اور دوسروں سے بھی کاشت کراتا ہے۔ اور جب دوسرے کاشتکار کے ساتھ بندوبست کرتا ہے تو فی بیگھ پانچ روپے لیتا ہے اور جب بارہ برس گزر گیا تو وہ اراضی انگریزی کاغذات میں قانونا موروثی لکھی گئی، یعنی اب ان اراضیوں کو زمیندار زبردستی بے دخل کرنے کا مستحق نہیں، اگر بخوشی و رضامندی اپنی کاشت کار واپس کردے تو زمیندار واپس کرسکتا ہے، یا اگر مال گزاری کاشتکار

[1] الهدایہ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۶۱

نے ادانہ کیا تو بنالش گورنمنٹ زمیندار کو بذریعہ ڈگری کاشتکار سے وصول کرادے گا، اور اراضیوں کو بھی واپس کرادے گا، اگر کاشتکار بعد ڈگری زمیندار کے مال گزاری کچہری میں داخل کردیا، یا زمیندار کو دے کر رسید حاصل کیا تو پھر کاشت کار ان اراضیوں سے بے دخل نہ ہوگا بدستور قائم رہے گا، ایسی حالت میں کاشتکار کو کاشتکار شکمی سے نفع لینا شرعاً جائز ہے یانہیں؟ اور کاشتکار جو خود کاشت کرتا ہے اس کی پیداوار سے کھانا جائز ہے یانہیں؟ اگر زمیندار کاشت کار کو زبردستی بے دخل کرے تو کچہری میں استغاثہ کرنے کا حق شرعاً پہنچتا ہے یانہیں؟

الجواب:

پٹہ دوامی شرع میں کوئی عقد لازم نہیں۔ ہر سال تمام پر وہ عقد ختم ہوتا اور طرفین کی رضا سے نیا شروع ہوتا ہے۔ ہر سال ختم ہونے پر شریعت مطہرہ کے نزدیک طرفین کو اختیار ہے کہ اس عقد سے باز رہیں، مملوک زمین مدت گزرنے سے شریعت کے حکم میں عقد لازم نہیں ہوتا یہ قانونی بات ہے شرعی حکم نہیں، اگر رضائے زمیندار ہے تو جب تک بھی ہے کاشت کار اس میں کاشت کرسکتا ہے۔ اور دوسروں کو ذیلی بھی بناسکتا ہے۔ مگر زرلگان جتنا خود ادا کرتا ہے اس سے زیادہ دوسرے سے نہیں لے سکتا، اگر لے گا مال خبیث ہوگا، مگر تین صورتوں میں، ایک یہ کہ لگان کی جنس بدل دے مثلاً زمیندار سے روپے ٹھہرے ہیں، یہ ذیلی سے سونا یا نوٹ ٹھہرائے یا اس زمین میں کوئی مالیت کی چیز مثل کنویں کے اضافہ کرے یا اس زمین کے ساتھ دوسری زمین ملاکر مجموع کو ذیلی کاشت میں دے، مثلاً ڈھائی روپے بیگھ پر اس سے لی ہے۔ یہ ایک بیگھ زمین اس میں اور شامل کرکے مجموع ۲۱ بیگھ بلاتفصیل ذیلی کو ایک سو پانچ روپے پر دے، یہ صورتیں جائز ہیں، اور اگر زمیندار کی رضامندی نہ ہو اور وہ اس سے زمین چھوڑ دینے کو کہے اور یہ موروثیت کے دباؤ سے جبراً نہ چھوڑے تو شریعت کے نزدیک گنہ گار ہوگا، اور اس میں جوتنا اس کو ناجائز، جو ناج پیدا ہوگا خباثت سے خالی نہ ہوگا، اور ذیلی کو دے گا تو وہ روپیہ بھی اس کے لئے ناجائز ہوگا اور اسے حکم ہوگا کہ زمیندار کو دے دے یا فقیروں پر تصدق کرے اور اول اولٰی ہے۔ جو شخص ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے حکم شریعت پر عمل کرنا چاہے، تو حکم یہ ہے ورنہ وہ جانے اور اس کا کام، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

اللھم ارزقنا حسنا واسعا بحق مولانا محمد النبی الامی نبی الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ و اٰلہ وصحبہ اجمعین۔	اے اللہ! ہمیں وسیع نیکی عطافرما حضور نبی المرسلین ہمارے آقا محمد النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وصحبہ اجمعین کے وسیلہ سے۔ (ت)

مسئلہ ۵۸تا۶۱: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی خان ۱۴ربیع الاول ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) کہ مالک کافر ہو یا مسلمان، رعایا اس کو بعض زمین کی مال گزاری دے اور بعض کی نہیں، اس کے لئے کیا حکم ہے۔آیا وہ رعایا عنداللہ وعندالرسول ماخوذ ہوگا یانہیں؟

(۲) جس زمین کی رعایا مال گزاری دیتی ہے اس میں درخت لگایا، اب اس درخت کے فروخت کرتے وقت مالک اس کی قیمت کا چوتھائی حصہ مانگتا ہے۔نہ دینے پر اللہ ورسول کے نزدیک ماخوذ تو نہیں؟

(۳) کسی کھیت کے قریب مالک کی زمین غیر آباد ہے۔رعایا نے اپنی زمین کے ساتھ اس غیر آباد زمین کو آباد کرلیا، تو یہ جائز ہے یانہیں؟

(۴) ایک شخص کی زمین مثلاً ۴ کٹھا ہے سروے ناپ نے غیر کی زمین لے کر ۵ کٹھا لکھ دیا ہے اب اس زمین کو وہ شخص اپنے تصرف میں لاسکتا ہے یانہیں؟ اگر تصرف میں لائے تو عنداللہ ماخوذ ہوگا یانہیں؟

الجواب:

(۱) جو مالگزاری مقرر ہوئی اسی کا نہ ادا کرنا ظلم وحرام ہے اگرچہ زمین والا کافر ہو۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! عقود کو پورا کرو۔(ت)

(۲) مالک زمین کا اس درخت میں کچھ حق نہیں، اس کا مانگنا ظلم ہے۔

(۳) جائز ہے جبکہ مالک کو لگان دے یا وہ معاف کردے۔

(۴) اگر وہ کٹھا اس دوسرے کی ملک ہے تو بے اس کی اجازت کے غصب وحرام ہے۔اور اگر وہ بھی کاشتکار ہے اور اس کے پٹے کی میعاد ابھی باقی ہے تو بے اس کی اجازت کے ناجائز ہے لانہ ان لم یملك رقبتها فقد ملك منفعتها (اگرچہ اس کے رقبے کا مالک نہیں تو وہ اس کے نفع کا مالک ہے۔ت) اور اگر یہ بھی نہیں تو سابقاً یا لاحقاً اجازت زمیندار درکار ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۲تا۶۵: مسئولہ مولوی محمد رضا خاں سلمہ ۲۳جمادی الآخرہ ۱۳۳۳ھ

(۱) زید سے اس کی رعایا نے جس میں مسلم ومشرک دونوں ہیں بیس روپے ایک سال کے واسطے قرض مانگے اور لگان کھاتے کا جو قرض چاہ رہا ہے بیس روپے ہے۔اس نے کہا کہ بیس روپے تم کو بلاسودی

[1] القرآن الکریم ۵ /۱

بغیر کسی نفع کے دئے جاسکتے ہیں، مگر تم کو اپنے کھاتے پر معہ ۸/ سال بھر کے اضافہ کرنے ہوں گے، یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جن اسامیوں سے کہ بقایا پچھلی وصول کرنا خواہ وہ تمسک ہے یا معاہدہ زبانی ان سے ۳ / روپیہ یا چھ آنہ روپیہ اس صورت میں لینا اول اپنا اصلی مطالبہ لے لیا گیا تھا، پھر زید نے مشرک کاشتکار سے کہا کہ مطالبہ تیرا ادا ہو گیا اب تو بیع سلم کے اس قدر روپے اور ادا کرو یہ رقم لینا جائز ہو گی یا نہیں؟

(۳) اگر کاشت کار نے اپنا حساب سمجھا تو وہ رقم جو زائد ہے اس کو حساب میں بتایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) جو تمسکات کہ ۱۳۲۱ف میں لکھے جاچکے ان کا وصول بھی اس طرح ہو سکتا ہے یا نہیں کہ تمھارا اصل مطالبہ ادا ہو گیا، اب اتنا بیع سلم کا دے دو، اگر دس روپے کسی مسلمان سے زائد لئے گئے اور اس کا مطالبہ صحیح اول لے لیا اور ان دس روپوں کے عوض مسلم یا مشرک کو سیر بھر گیہوں یہ کہہ کر دے دئے کہ ہم یہ گیہوں اتنے کو فروخت کرتے ہیں اور اس نے بخوشی لے لئے تو یہ جائز ہے؟ اگر یہ جائز نہیں تو کیا صورت ہے کہ مال مشترک سے منتفع ہوں؟

الجواب:

(۱) یہاں کے مشرکین کے ساتھ یہ صورت جائز ہے مسلمان کے ساتھ حرام ہے کہ یہ قرض سے نفع لینا ہے، اور حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعة فهو ربا [1]۔	قرض کے ذریعہ جو نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔

خلاصہ میں ہے:

القرض بالشرط حرام والشرط لغو بان يقرض على ان يكتبه به الى بلد كذا ليوفى دينه [2] **اھ كذا** عـــه **فی الدر المختار** [3] **واللہ تعالٰی اعلم۔**	قرض کے ساتھ شرط لگانا حرام ہے اور شرط لغو قرار پائے گی، مثلاً یوں کہ اس شرط پر قرض دوں گا کہ مجھے لکھ دے کہ قرضہ فلاں شہر سے وصول کرلوں اھ درمختار میں یوں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

عـــه: فی الاصل درمختار میں ہے والمراد ان عبارة الخلاصة فی الدر المختار عبد المنان الاعظمی۔

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسة الرسالة بیروت ۶ /۲۳۸

[2] خلاصة الفتاوٰی کتاب البیوع الفصل الخامس ۳ /۵۴۔۵۳

[3] درمختار بحوالہ خلاصة الفتاوی کتاب البیوع فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۰

(۲) یہاں کے مشرکین کے ساتھ اگر ابتداءً معاہدہ کاشت اس صورت پر کیا جائے کہ یہ زمین مثلاً اتنے سال کے لئے روپے بیگھہ پر تمھیں دی، اگر کسی فصل یا سال تمام پر (جو باہم ٹھہر جائے) بقایا رہے گی تو سوائی یا ڈیوڑھی یا دونی (جو قرار پائے) اس زمین کی اجرت متصور ہوگی۔ تو حسب قرار ادا لے سکتا ہے۔ اور اگر پہلے معاہدہ صرف روپے بیگھہ پر ہوا، اور باقی ٹوٹنے کے بعد باقی میں اس سے زیادہ کیا چاہے تو یہ حرام ہے کہ خلاف معاہدہ ہے۔

قال اللہ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا اے ایمان والو! عقود کو پورا کرو۔ (ت)

اور اگر باقی میں زیادہ نہ لے بلکہ اس سے صاف کہہ دے کہ باقی پوری ادا ہوگئی اس کا تم پر کچھ نہ رہا، مگر وقت پر ادا کرنے کا اتنا حرجہ دے، تو یہاں کے مشرکین سے جائز، چاہے اس کا فرضی نام بیع سلم رکھے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

(۳) پہلی صورت میں کہ وہ داخل معاہدہ تھی حساب میں بتائی جاسکتی ہے۔ اور دوسری صورت میں اس کا حساب سے ادا کرنا لازم ہوگا، یعنی یوں کہے گا کہ بقایا لگان تو تجھ پر اس قدر ہے۔ اور بوجہ تاخیر اتنا بیع سلم کا دینا ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

(۴) ہاں ہوسکتا ہے جبکہ مزارع یہاں کا مشرک ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ مسلمان سے مطلقًا ناجائز، اور فرض ہے کہ اسی کے وہ روپے اسے واپس دے وہ نہ رہا ہو اس کے ورثہ کو دے، ان کا پتہ نہ چلے تو اس کی طرف تصدق کرے بخوشی کا لفظ بے معنی ہے بغیر دباؤ کے ناممکن ہے کہ کوئی دس روپے کے بدلے سیر بھر گیہوں پر راضی ہو، اور اگر یہاں کا مشرک ہے اور اس سے قید معاہدہ پر زیادہ لیا گیا تو وہ بھی حسب بیان جواب دوم ناجائز ہے گیہوں کا یہ معاملہ اس سے کرنا فضول ہے کہ یہ دس روپے بروجہ خبیث آئے، اس مشرک کی ایسی رضا سے وہ خبیث نہ جائے گا کہ وہ دباؤ کی رضا ہے نہ کہ حقیقۃ، اور حقیقۃ بھی ہو تو اس پر مواخذہ حق اللہ کا ہے کہ خلاف حکم کیا، بلکہ سیر بھر گیہوں کسی مسلمان محتاج کے ہاتھ جتنے کو وہ بخوشی راضی ہو بیع کرے پھر وہ روپیہ بہ نیت تصدق مال خبیث اس محتاج کو دے، پھر اس سے گیہوں کے زر ثمن میں لے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱

مسئلہ ٦٦: از سنبھل ضلع مراد آباد محلّہ دہلی دروازہ مرسلہ محمد ظہیر الدین ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید زمیندار نے ایک کاشتکار کو اپنی اراضی بنابر کاشت بدیں شرط دس روپیہ لگان پر دی کہ پانچ روپیہ فصل خریف پر اور پانچ روپیہ فصل ربیع پر ادا کرتا رہے، بحالت عدم ادائے زر بقایا سوایا یعنی بجائے ایک روپیہ کے سوا روپیہ لگان کا لیا جائے گا، وقت مقررہ پر لگان کے نہ ادا کرنے کی صورت میں فصل بہ فصل وسال درسال لگان میں زیادتی ہوتی رہے گی، یہ زیادتی لگان کے بمقابلہ اراضی کے کی گئی ہے۔ آیا یہ زیادتی لگان کی جائز ہے یا ناجائز داخل سود ہے؟

الجواب:

یہ محض حرام وسود ہے بلکہ اس شرط کی وجہ سے وہ اجارہ ہی فاسد وحرام ہوگیا، **فان الاجارۃ تفسد بالشرط الفاسد کالبیع بانھا احد السبعین** (کیونکہ فاسد شرط سے اجارہ فاسد ہوجاتا ہے جس طرح بیع فاسد ہوجاتی ہے کہ وہ ستر میں سے ایک ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ٦٧: از سنگرام پور ڈاکخانہ خاص ضلع بدایون مسئولہ شیخ ضیاء الدین جناب مولٰنا مولوی احمد رضا خاں صاحب!

بعد سلام علیک کے گزارش ہے کہ میرے قریب ایک موضع دھنوپورہ ہے۔ وہاں پر ٹھاکر دلاور سنگ زمیندار موضع مذکور کے ہیں، اس پر ایک ہزار روپیہ ۱۴/ آنے کے سود سے دیگر اشخاص کا قرض ہے۔ اب دلاور سنگھ ایک ہزار ہم سے بلا سود مانگتے ہیں، اور (صہ عہ) پختہ اراضی سیر واسطے پانچ سال بالعوض ایک ہزار روپے کے دیتے ہیں، بعد پانچ سال کے ان کی اراضی چھوٹ جائے گی، اور ہمارا روپیہ بے باق ہوجائیگا، شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اور اگر ناجائز ہے تو کس طریقہ سے جائز ہوسکتی ہے؟ فقط زیادہ سلام

الجواب:

یہ صورت بلا شبہ جائز ہے۔ زمیندار اپنی مملوکہ خالی زمین کو دوسرے کے رہن یا اجارے میں نہیں، ایک مدت معینہ پانچ برس کے لئے ایک اُجرت معینہ پر ہزار روپیہ پر اجارہ دیتا ہے اور باہمی رضا سے زر اجرت پیشگی دینا قرار پاتا ہے۔ اس میں کچھ حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ٦٨: از موضع دیورنیا ضلع بریلی مسئولہ عنایت حسین صاحب ۲۹ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک اراضی کا لگان بندوبست میں عہ ۱۴/ مقرر ہوا، اب اس اراضی کی حیثیت عا۱۸/ کی ہے کسی شخص نے مبلغ مہ پیشگی پانچ سال کا لگان اس وقت کی حیثیت سے ادا کرکے لی، اس طرح پر اس کا لینا جائز ہے یانہیں؟ یا کسی شخص نے بجائے عا۱۸/ روپیہ کی شرح کے عا سے بھی

وہ جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہوگی تو کن کن وجوہات سے جائز ہوگا۔

الجواب:

بندوبست میں جو مقرر ہوا اس کی پابندی عاقدین پر لازم نہیں باہم زمیندار کاشتکار میں جس قدر پر رضامندی ہو جائے کم پر خواہ زائد پر۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۹: از موضع دیورنیا ضلع بریلی مسئولہ شرف الدین و مسیح الدین زمیندار ۳۰ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کاشتکار کو اپنی موروثی اراضی مصدقہ بندوبست بشرح عہ ۴/ بیگھہ خام کسی دوسرے شخص یعنی اپنے ذیلی کاشتکار کو مبلغ مہ لے کر پانچ سال کو پٹہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ مبلغ پچاس روپے اسی میعاد پنجسالہ میں ذیلی کاشتکار کے وصول ہو جائیں گے اور عہ ۴/ لگان زمیندار کو یہی ذیلی کاشتکار ادا کرے گا۔ مکرر یہ کہ شرح لگان مصدقہ بندوبست عہ ۴/ لحاظ نہ کیا جائے خواہ بجائے عہ ۴/ کے ۶/ باہم کاشتکار اصلی و ذیلی طے ہو یا مبلغ عا۸/ یا اور کم و بیش؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

کاشتکار کو جائز نہیں کہ جو زمین اس کے پاس جتنے لگان کو ہے اس سے ایک پیسہ زائد پر ذیلی کو دے، جتنا زیادہ مقرر کرے گا اسے لینا ناجائز ہوگا، مگر تین صورتوں میں جائز ہے:

(۱) اس کے ساتھ اپنے پاس سے اور کوئی چیز ملا کر دونوں کو مجموعۃً زیادہ پر دے۔

(۲) اس زمین کو کنواں کھود کر یا اور کام نفع کا بڑھا کر کرایہ پر دے۔

(۳) کرایہ کی جنس بدل دے، مثلاً اس کے پاس دس روپے سال پر ہے یہ ذیلی کو ایک اشرفی کرائے پر دے یا جتنی اشرفیاں ٹھہریں یونہی نوٹ یا پیسہ یا اکنیاں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۰: از ضلع سکھر سندھ ڈاکخانہ ڈھرکی مقام بھرچونڈی شریف درگاہ عالیہ سلسلہ قادریہ مسئولہ خدا بخش صاحب ۲۳ رمضان ۱۳۳۹ھ چہار شنبہ

بخدمت عظامی منزلت شمس الشریعت حضرت مولٰنا صاحب سلمہ ربہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگریزی قانون کے مطابق جو شخص پانچ برس متواتر اپنی غیر آباد زمین کا محصول (یعنی خراج) نہیں دیتا وہ زمین اس کی ملک سے نکل کر گورنمنٹ کی ہو جاتی ہے کہ بعد دس برس گزرنے کے بغیر رضامندی شخص مذکور کے دوسرے کو دے دیتے ہیں۔ آیا زمین مذکورہ بالا بموجب شرع شریف مالک کی ملک سے نکل کر گورنمنٹی بنتی ہے یا نہیں؟ اور اس زمین کا لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے خریدی ہو تو واپس دے یا نہیں؟ اگر دے تو جو خرچ اس زمین پر کیا ہے اس سے واپس لے یا نہیں؟ نیز یہ کہ اگر مشتری مالک کو دے جب بھی گورنمنٹ

اس کو نہیں دیتی بغیر درخواست کے، اور درخواست بسبب مفلسی کے وہ نہیں دیتا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

شریعت میں اس وجہ سے زمین ملک مالک سے نہیں نکل سکتی، اس کا خریدنا ناجائز ہوگا، اور خرید لی تو مالک کو واپس دینا واجب ہوگا، اور جو قیمت وغیرہ دینے میں خرچ ہو وہ مالک سے واپس نہیں لے سکتا، **لانه هو المضیع لماله** (کیونکہ اس نے اپنا مال ضائع کیا۔ت) اس پر حکم شرعی یہ ہے یہ بجالائے اگرچہ اس کے کرنے کو گورنمنٹ تسلیم نہ کرے۔ اس کا الزام اس پر نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

کتاب الذبائح

(ذبح کا بیان)

مسئلہ ۱۷: شہر بریلی محلّہ ابراہیم پورہ مسئولہ از عزیز الدین ۳ شوال ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ذبیحہ بعد غروب آفتاب و قبل طلوع آفتاب مکروہ ہے یا نہیں؟ اور اگر مکروہ ہے تو کس طرح ہوگا، اور اگر ایسے ہی وقت مذکور میں بلی کسی پرند یا مرغ کو ہلاک کرے، اور ذبح کچھ تھوڑا خون ذبیحہ فورا یا کچھ دیر بعد دے، تو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ آیا ذبیحہ جائز ہوگیا یا نہیں؟ اور وہ ذبیحہ اگر جائز ہوگیا تو وہ بھی مکروہ ہے یا نہیں؟ اور اگر مکروہ ہے تو کیسا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

رات کو ذبح کرنا اندیشہ غلطی کے باعث مکروہ تنزیہی خلاف اولٰی ہے۔ اور ضرورت واقع ہو مثلا صبح کے انتظار میں جانور مر جائے گا تو کچھ کراہت نہیں **لانہ الاٰن مامور بہ حذرا عن اضاعۃ المال** اھ (کیونکہ مال کے ضائع ہونے کے خطرہ کی بناء پر وہ اب اس کا مامور ہے۔ اھ ت) پھر کراہت اس فعل میں ہے ذبح اگر صحیح ہوجائے ذبیحہ میں کچھ کراہت نہیں **لتبین ان الغلط لم یقع** (واضح ہوجانے پر کہ غلطی نہ ہوئی۔ ت) درمختار میں ہے:

کرہ تنزیھا الذبح لیلا لاحتمال	غلطی کے احتمال کی وجہ سے رات کو ذبح کرنا

الغلط [1]۔	مکروہ تنزیہی ہے۔(ت)

حرمت حلت کامدار خون نکلنے نہ نکلنے پر نہیں، بلکہ یہ ثابت ہونا چاہئے کہ وقت ذبح جانور زندہ تھا، اگر یہ معلوم ہو اور خون اصلانہ دے حلال ہے، اور اگر نہ ثابت ہو اور خون زندہ کا سا دے تو بعض دفعہ کہیں رکا ہوا خون کچھ دیر بعد مردے کے بھی نکلتا ہے جانور حلال نہ ہوگا، حیات کی علامت یہ ہے کہ جانور تڑپے یا منہ آنکھ بند کرے یا پاؤں سمیٹے یا اس کے بدن کے بال کھڑے ہوجائیں، درمختار میں ہے:

ذبح شاۃ مریضۃ فحرکت وخرجت الدم حلت والا لاان لم تدر حیاتہ عندا لذبح وان علم حیاتہ حلت مطلقًا۔وان لم تتحرك ولم یخرج الدم،ذبح شاۃ لم تدر حیاتھا وقت الذبح،ان فتحت فاھا لاتوکل، و ان ضمتہ اکلت،وان فتحت عینھا لا توکل،وان ضمتھا اکلت،وان مدت رجلھا لاتوکل،وان قبضتھا اکلت، و ان نام شعرھا لا توکل،وان قام اکلت،وھذا کلہ اذا لم تعلم الحیاۃ وان علمت وان قلت اکلت مطلقًا بکل حال زیلعی [2]۔	مریضہ بکری کو ذبح کیا تو اس نے حرکت کی اور خون نکلا حلال ہو گئی، ورنہ نہیں، یہ جب ہے کہ ذبح کے وقت اس کا زندہ ہونا مشکوک ہو اور اگر زندہ ہونا یقینی ہو تو مطلقًا حلال ہو گی اگرچہ اس نے حرکت نہ کی اور نہ خون جاری ہوا ہو، اگر ذبح کے وقت زندہ ہونا مشکوک ہو تو ذبح کرنے پر اس نے منہ کھولا تو نہ کھایا جائے اور اگر اس وقت منہ بند کیا تو کھالیا جائے گا یوں اگر اس نے آنکھیں کھول رکھیں تو نہ کھایا جائے اور اگر بند رکھیں تو کھایا جائے، اگر ٹانگیں دراز رکھیں نہ کھایا جائے اگر سمٹ لیں تو کھایا جائے اگر اس کے بال کھڑے نہ ہوئے تو نہ کھایا جائے اور کھڑے ہوں تو کھایا جائے یہ سب اس صورت میں ہے جب ذبح کے وقت زندہ ہونا یقینی نہ ہو اور اگر زندہ ہونے کا یقین ہو تو وہ مطلقًا کھانا جائز ہے خواہ کسی حال میں ہو، زیلعی (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ اوخرج الدم ای کما یخرج من الحی،قال فی البزازیۃ وفی شرح الطحطاوی	اس کا قول کہ خون نکلے یعنی جس طرح زندہ سے نکلتا ہے بزازیہ میں کہا، اور شرح طحطاوی میں ہے۔

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

[2] درمختار کتاب الذبح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

خروج الدم لایدل علی الحیاۃ الا اذا کان یخرج کما یخرج فی الحی عند الامام وھو ظاھر الروایۃ [1] (باختصار) واللہ تعالٰی اعلم۔	خون نکلنا زندہ ہونے کی دلیل صرف اس صورت میں ہے کہ اس طرح نکلے جس طرح زندہ سے نکلتا ہے امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے مذہب میں اور وہی ظاہر روایت ہے۔(باختصار)۔(ت)

مسئلہ ۷۲: از شہر کہنہ بریلی ۹ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

ایک مولوی صاحب آئے ہیں، وہ کہتے ہیں بسم اللہ واللہ اکبر لا الہ الا اللہ اللھم منك ولك کہنا چاہئے بسم اللہ اللہ اکبر بغیر واؤ کے جو رائج ہورہا ہے مکروہ ہے۔اس میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بغیر واؤ کے مستحب ہے۔اسے مکروہ کہنا صحیح نہیں، بلکہ تنویر الابصار وغیرہ میں واؤ بڑھانے کو مکروہ فرمایا، بہر حال بلا واؤ کے خالی از کراہت وپسندیدہ ومستحب ہونے میں کلام نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ذبح کرتا ہے دوسرا پاؤں یا سر ذبیحہ کا پکڑے ہے دونوں پر بسم اللہ ضرور ہے یا ذابح کو کافی ہے؟ اور اگر مددگار نے بسم اللہ ترک کی قصدا یا یہ مددگار کوئی کافر ہندو وغیرہ تھا، تو ذبیحہ حلال رہا یا مردار ہوا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اصل ذابح پر تکبیر کہنی لازم اور اسی کی تکبیر کافی ہے۔سر یا پاؤں پکڑنے والے کی تکبیر کی اصلا حاجت نہیں نہ اس کا کافر مشرک ہونا کچھ مضر۔

فان الذبح انما ھو قطع العروق لا الاخذ بالراس والقوائد کما لایخفی۔	ذبح جانور کی رگوں کے کاٹنے کا نام ہے جانور کے سر وپاؤں پکڑنے کا نام نہیں، جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔(ت)

ہاں اگر ایک نے دوسرے کو نفس ذبح میں مدد دی، مثلاً زید ذبح کرتا ہے عمرو نے دیکھا اس کا ہاتھ ضعیف ہے ذبح میں دیر ہوگی اپنا ہاتھ بھی چھری پر رکھ دیا اور دونوں نے مل کر چھری پھیری تو بیشک دونوں میں جو کوئی قصدا تکبیر نہ کہے گا جانور حرام ہو جائے گا، یونہی اگر ان میں کوئی کافر مشرک تھا تو بھی ذبیحہ مردار ہوگیا،

فی الدرالمختار تشترط التسمیۃ من	درمختار میں ہے کہ ذبح کرنے والے پر بسم اللہ

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

الذابح[1] وفیہ عن الخانیۃ ارادۃ التضحیۃ فوضع یدہ من یدالقصاب فی الذبح و اعانہ علی الذبح، سمی کل وجوبا فلو ترکھا احدھما، اوظن ان تسمیۃ احدہما تکفی حرمت[2] الخ، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔	پڑھنا لازم ہے اور اس میں خانیہ سے ہے قربانی کرتے ہوئے اپنا ہاتھ قصاب کے ہاتھ کے ساتھ ذبح میں رکھا اور ذبح میں مدد کی تو ہر ایک بسم اللہ پڑھے، تو اگر ایک نے نہ پڑھا یا خیال کیا کہ ایک کا پڑھنا کافی ہے تو جانور حرام ہوگا الخ، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم بالصواب (ت)

مسئلہ ۷۴: ۱۳صفر ۱۳۳۲ھ:

چہ فرمایند علمائے دیں اندریں مسئلہ کہ بہنگام ذبح کردن حیوان وذابح سوئے کدامے بایداستاد، وراس حیوان کدام جانب می کند، استقاۃ اشاعت ست کہ بوقت ذبح حیوان سروی بجنوب می کند وچہرہ ذابح بقبلہ مے کند خلاصہ آنکہ اگر بجانب شمال وجنوب ومشرق شدہ ذبح سازد، پس چہ حکم دارد، آیا کہ جائزمے شود یا بدعت، اگر بدعت شود کدام بدعت، وکدام اولی ست؟ مع ادلہ تصریحا تحریر فرمایند۔ بینوا توجروا	علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ حیوان کو ذبح کرتے ہوئے حیوان کا سر کس طرف ہونا چاہئے اور ذبح کرنے والا کس جانب کھڑا ہو، مشہور ہے کہ ذبح کے وقت جانور کا سر جنوب کی طرف اور ذبح کرنے والا رو بقبلہ ہو، خلاصہ یہ ہے کہ جنوب، شمال اور مشرق کی طرف ہو کر ذبح ہوا تو کیا حکم ہے، کیا جائز ہوا یا بدعت ہوئی، اگر بدعت ہے تو کون سی، اور کون سی جانب اولٰی ہے؟ دلائل کے ساتھ صراحۃً تحریر فرمایا جائے۔ بینوا توجروا (ت)

الجواب:

سنت متوارثہ آن ست کہ روئے خود وروئے ذبیحہ ہر دو سوئے قبلہ کند، وسر ذبیحہ در بلاد ما کہ قبلہ سوئے مغرب ست جانب جنوب بود تا ذبیحہ بر پہلو چپ خودش خوابیدہ باشد، وپشت او جانب مشرق، تاروئے سمت قبلہ بود، وذابح	سنت یہ چلی آرہی کہ ذبح کرنے والا اور جانور دونوں قبلہ رو ہو، ہمارے علاقہ میں قبلہ مغرب میں ہے اس لئے سر ذبیحہ جنوب کی طرف ہونا چاہئے تاکہ جانور بائیں پہلوں لیٹا ہو اور اس کی پیٹھ مشرق کی طرف ہو تاکہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہوجائے، اور ذبح کرنے والا

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۵

پائے راست خود بر صفحہ راست گردنش نہادہ ذبح کند، اگر توجہ یا توجیہ بہ قبلہ ترک کند مکروہ است، و اگر بر پہلوئے راستش خواباند نزد بعض اجلہ ائمہ مالکیہ حرام گردد، خوردنش روا نبود پس احتراز ازاں مناسب و مؤکد ترشد خروجا عن الخلاف، احمد و دارمی و ابوداؤد و ابن ماجہ از جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ روای قال ذبح النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوأین، فلما وجھھما قال انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض[1]۔ الحدیث۔ و بخاری و مسلم اسامی عـــہ و ابن ماجہ از انس رضی اللہ تعالٰی عنہ آوردند قال ضحی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بکبشین املحین، فرأیتہ واضعاقدمہ علی صفائحھما یسمی و یکبر فذبحھما بیدہ[2]۔ امام عینی در عمدۃ القاری فرمود، فالتکبیر مع التسمیۃ مستحب وکذا وضع الرجل علی صفحۃ عنق الاضحیۃ	اپنا دایاں پاؤں جانور کی گردن کے دائیں حصہ پر رکھے اور ذبح کرے اور خود اپنا یا جانور کا منہ قبلہ کی طرف کرنا ترک کیا تو مکروہ ہے، اگر جانور دائیں پہلو لٹایا تو بعض اجلہ ائمہ مالکی کے نزدیک حرام ہو جائیگا اور اس کا کھانا جائز نہ ہوگا، لہٰذا اس سے پرہیز میں تاکید ہے تاکہ خلاف سے بچایا جائے، احمد دارمی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قربانی کے روز دو خصی، چتکبرے، سینگوں والے دُنبے ذبح فرمائے، آپ نے جب ان کو قبلہ رولٹایا تو آپ نے یہ دعا پڑھی، انی وجھت وجھی للذی فطر السموت والارض الحدیث۔ بخاری و مسلم، دارمی اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا انھوں نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ چتکبرے، موٹے دنبے ذبح فرمائے تو میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنا پاؤں مبارک جانور کی گردن کے ساتھ والے حصہ پر رکھا اور بسم اللہ پڑھی اور تکبیر کہی تو دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا، امام عینی نے عمدۃ القاری میں فرمایا بسم اللہ کے ساتھ تکبیر مستحب ہے اور یوں قربانی کے

عـــہ: ھکذا فی الاصل لعلہ "الدارمی"۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب مایستحب من الضحایا آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰

[2] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۴-۸۳۵، صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۶

الایمین واما التسمیة فھی شرط [1]۔ وہدرانست قال ابن القاسم الصواب ان یضجعھا علی شقھا الایسر، وعلی ذٰلك مضی عمل المسلمین، فان جھل فاضجعھا علی الشق الاخر لم یجز اکلھا [2]۔ درتنویر الابصار کرہ ترك التوجہ الی القبلة [3]۔ دردرمختار ست لمخالفتہ السنة [4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جانور کی گردن کے دائیں پہلو پر پاؤں رکھنا مستحب ہے لیکن بسم اللہ پڑھنا شرط ہے، اور اسی میں ہے ابن قاسم نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ جانور کو بائیں پہلو لٹایا جائے مسلمانوں کا یہی طریقہ جاری ہے اگر جہالت کی اور جانور کو دوسرے پہلو لٹایا تو کھانا جائز نہ ہوگا۔ تنویر الابصار میں ہے کہ قبلہ کی جہت کا ترک مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے کہ یہ سنت کے مخالف ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۵: از شہر لاہور مرسلہ انوار الحق تحصیل چونیاں روز جمعہ ۲ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس طرح ذابح پر تسمیہ پڑھنا ضروری ہے اسی طرح معین ذابح پر تسمیہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور معین ذابح کس کو کہتے ہیں؟

الجواب:

معین ذابح سے یہی مراد ہے کہ ذابح کا ہاتھ کمزور ہو، ذبح میں دقت دیکھے تو دوسرا اس کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھ کر دونوں مل کر ہاتھ پھیریں، اس صورت میں دونوں پر تکبیر واجب ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی قصداً تکبیر نہ کہے گا، ذبیحہ مردار ہو جائے اگرچہ دوسرا تکبیر کہے، دیوبندی قول محض غلط و جہالت ہے۔ تکبیر ذابح پر لازم فرمائی گئی ہے، اور ہاتھ پاؤں پکڑنا ذبح نہیں، ہاتھ پاؤں پکڑنے والا مثل رسی کے وہی کام دے رہا ہے جو ایک رسی دیتی ہے۔ اس پر تکبیر لازم ہونا درکنار، اگر مجوسی یا بت پرست ہاتھ پاؤں پکڑے گا ذبیحہ میں خلل نہ آئے گا، تنویر الابصار میں تھا: **تشترط التسمیة** [5] (بسم اللہ پڑھنا شرط ہے۔ ت) درمختار میں اس طرح کی شرح فرمادی: **من الذابح** [6] (ذبح کرنے والے سے۔ ت) ردالمحتار میں فرمایا:

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۱/ ۱۵۵

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۱/ ۱۵۴، ۵۵

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[5] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[6] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

شمل ما اذا کان الذابح اثنین فلو سمی احدہما وترك الثانی عمدا حرم اکلہ [1]۔	جب ذبح میں دو شخص شریک ہوں تو بسم اللہ پڑھنا دونوں پر شرط ہے۔ اگر ایک نے پڑھا اور ایک نے پڑھنا ترک کیا یا یہ خیال کیا کہ ایک کا پڑھنا کافی ہے کھانا حرام ہوگا۔(ت)

درمختار میں خانیہ سے ہے:

فوضع یدہ مع یدا لقصاب فی الذبح و اعانہ علی الذبح،سمی کل وجوبا فلو ترکہا احدہما وظن ان تسمیۃ احدہما تکفی حرمت [2]۔	ذبح کرنے میں معاون نے قصاب کے ساتھ اپنا ہاتھ بھی ذبح میں چھری پر رکھا تو دونوں بسم اللہ بطور وجوب پڑھیں،ایک نے نہ پڑھا دوسرے نے ترک کیا یا ایک کے پڑھنے کو کافی جانا،جانور حرام ہوگا۔(ت)

شرح نقایہ علامہ برجندی میں ہے:

یشترط تسمیۃ من اعان الذابح بحیث وضع یدہ علی المذبح کما وضع الذابح حتی لو ترك احدہما التسمیۃ لایحل،ذکرہ فی فتاوی قاضی خاں [3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ذبح میں معاون نے اپنا ہاتھ قصاب کے ساتھ چھری پر رکھا تو دونوں کا بسم اللہ پڑھنا شرط ہے،اگر ایک نے بسم اللہ کو ترک کیا تو حلال نہ ہوگا۔اس کو فتاوٰی قاضیخاں میں ذکر کیا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۷۶: مرسلہ بھولا گھمیار دکاندار سیسراؤں،ڈاکخانہ پٹی،تحصیل قصور ضلع لاہور ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین حنفیّہ اس مسئلہ میں کہ ذبح کے وقت جس بکرے کی گھنڈی سر کی طرف ایک چھلہ دار بھی نہ رہے وہ عندالشرع حلال ہے یا حرام؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس مقام میں تحقیق یہ ہے کہ ذبح میں گھنڈی کا اعتبار نہیں،چاروں رگوں میں سے تین کٹ جانے پر مدار ہے۔ اگر ایک یا دو رگ کٹی حلال نہ ہوگا اگرچہ گھنڈی سے نیچے ہو،اور اگر چاروں یا کوئی سی تین کٹ گئیں تو حلال ہے اگرچہ گھنڈی سے اوپر ہو،ردالمحتار میں ہے:

ان کان بالذبح فوق العقدۃ حصل	اگر گھنڈی سے اوپر ذبح میں چار میں سے تین رگیں

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۲

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۵

[3] شرح النقایۃ للبرجندی کتاب الذبائح نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۱

قطع ثلثة من العروق فالحق ماقاله شراح الهداية تبعاللرستغفنی والا فالحق خلافه، اذلم یو جد شرط الحل باتفاق اہل المذہب، ویظهر ذٰلك بالمشاہدة اوسوال اہل الخبرة، فاغتنم ہذا المقال ودع عنك الجدال[1]۔ وهو تعالٰی اعلم۔	کٹ گئیں جو ہدایہ کے شارحین نے رستغفنی کی اتباع میں کہا وہ حق ہے ورنہ حق اس کے خلاف ہے کیونکہ اہل مذہب کی متفقہ شرط برائے حلت نہ پائی گئی یہ معیار مشاہدہ سے ظاہر ہوگا یا ماہرین سے پوچھنے پر ظاہر ہوگا اس مقالہ کو غنیمت سمجھو اور جھگڑا ختم کرو واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۷: از چوئی زیریں مسجد کلاں ضلع ڈیرہ غازی خاں مرسلہ جناب عبداللہ صاحب ۱۲ رمضان ۱۳۳۵ھ

جناب حضرت مولٰنا و بالفضل اولٰنا، جناب شمس العلماء و مفتی العصر سلامت، حضور انور، مذبوحہ فوق العقدہ کا مسئلہ جو اختلاف میں ضبط ہے، آں صاحب مہربانی فرما کر مرجح قول کو بدلائل تحریر فرما کر دستخط فرمادیں، تکلیف سے بالکل عفو کریں۔

الجواب: اس مسئلہ پر تحقیق و قول فیصل یہ ہے کہ ذبح فوق العقدہ سے اگر چاروں یا تین رگیں کٹ گئیں ذبح ہوگیا، جانور حلال۔ اور اگر صرف دو ہی کٹیں حلقوم و مری نیچے رہ گئے، ذبح نہ ہوا، اور جانور مردار، یہ بات دیکھنے سے معلوم ہوسکتی ہے، خود پہچان نہ ہو تو پہچان والوں کے بیان سے۔ ردالمحتار میں ہے:

والتحرير للمقام ان يقال ان كان بالذبح فوق العقدة حصل قطع ثلثة من العروق، فالحق ماقاله شراح الهداية تبعاللرستغفنی والا فالحق خلافه، اذ لم يوجد شرط الحل باتفاق اہل المذہب، ويظهر ذٰلك بالمشاہدة او سوال اہل الخبرة فاغتنم ہذا المقال، ودع عنك الجدال[2] اھ	مقام کی وضاحت یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اگر گھنڈی سے اوپر ذبح میں تین رگیں کٹ گئی ہوں تو شراح ہدایہ نے رستغفنی کی اتباع میں جو کہا وہ حق ہے ورنہ حق اس کے خلاف ہے کیونکہ اہل مذہب کی متفقہ شرط برائے حلت نہ پائی گئی، یہ معیار مشاہدہ سے یا ماہرین کے بتانے پر ظاہر ہوگا اس مقالہ کو غنیمت سمجھو اور جھگڑا ختم کرو اھ، اس

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۷۸

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۷۸

وفیما کتبت علیه فان قلت سیأتی عن البدائع ان الاوداج متصلة من القلب بالدماغ،فیحصل فریها بالذبح فوق العقدة ایضا لامحالة،ولاشك ان ذٰلك بین اللبة والحیین،فیجب الحل،قلت سنذکر هناك ان المراد ثمة بالاوداج الودجان اذهما المتصلان من الدماغ الی القلب لا الحلقوم والمری [1]۔واللّٰه تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	پر میں نے حاشیہ میں نے لکھا اگر تجھے اعتراض ہو کہ بدائع سے عنقریب نقل ہوگا کہ اوداج رگیں دل ودماغ سے متصل ہوتی ہیں تو گھنڈی سے اوپر ذبح کرنے میں لازماً یہ رگیں کٹ جائیں گی اور اس میں شک نہیں کہ یہ جبڑوں اور لبہ کے درمیان میں ہے۔تو گھنڈی سے اوپر ذبح میں حلال ہوجانا لازمی ہے۔میں جواب میں کہوں گا کہ وہاں اوداج سے دو دوجان رگیں مراد ہیں کیونکہ یہ دونوں دل تا دماغ متصل ہوتی ہیں، باقی دو یعنی حلقوم اور مری مراد نہیں ہیں،واللّٰه تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ ۷۸: از شہر گور کھپور محلّہ اسمٰعیل پور مرسلہ محمد عبدالواسع صاحب حنفی ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص ذبیحہ کو ذبح کرتا ہو اور اس کے ساتھ دوسرا ایک اور جو شریک حال ہو کر ذبیحہ کے اعضاء پکڑے ہوئے ہے،اگر ذبحہ کرنے کے علاوہ یہ ایک اس کا شریک حال تکبیر نہ کہے تو کیا ذبیحہ حرام ہوجائے گا؟ یعنی کیا ذبح کرنے والا اور اس کے شریک حال دونوں کے لئے ذبح کے وقت تکبیر کہنا لازم وضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:

ذبیحہ کا ہاتھ پاؤں پکڑنے والا بندش کی رسی کی طرح ہے۔اس پر تکبیر کچھ ضروری نہیں بلکہ وہ اہل تکبیر میں سے بھی ہونا ضروری نہیں،اگر مشرک یا مجوسی ہو جب بھی ذبیحہ میں فرق نہ آئے گا،وہ معین ذابح جس پر تکبیر کہنا ضرور ہے وہ ہے کہ ذابح کا ہاتھ ضعیف ہو تنہا اس کی قوت سے ذبح نہ ہوسکتا ہو، یہ شخص نفس فعل میں اس کی امداد کرے اس کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھے اور ذبح دونوں قوتوں کے اجتماع سے واقع ہو،اس حالت میں دونوں پر تکبیر لازم ہے۔ایک بھی قصداً چھوڑے گا ذبیحہ مردار ہوجائے گا لانه اذا اجتمع المبیح والمحرم غلب المحرم (کیونکہ مباح کرنے والی اور حرام کرنیوالی دلیلیں جمع ہوں تو حرام کی دلیل کو غالب کیا جاتا ہے۔ت) درمختار میں ہے:

---

[1] جدالممتار علی ردالمحتار

وتشترط التسمیة من الذابح حال الذبح [1] اھ فدل علی عدم اشتراطھا من غیر الذابح۔	حالت ذبح میں ذبح کرنے والے کے لئے بسم اللہ پڑھنا شرط قرار دیا گیا ہے اھ تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ غیر ذابح کے لئے یہ شرط نہیں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذا کان الذابح اثنین فلو سمی احدھما و ترك الثانی عمدا حرم اکله کما فی التاترخانیة [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جب دو مل کر ذبح کریں تو ایک نے بسم اللہ پڑھی اور دوسرے نے قصداً ترک کی تو اس کا کھانا حرام ہے، جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۷۹ و ۸۰: از چوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دیں دریں مسائل: **(۱)** حکم ذبح فوق العقدہ نوشتہ شدہ بمن رسید، لیکن جناب اعلیحضرت فیصلہ ہانہ کردہ۔ ہمیں اختلاف دریں ملک بسیار ست، کسے می گوید کہ ہر چار رگ بریدہ شود، کسے می گوید کہ نہ۔ براہ کرم مولٰنا صاحب بکدام روایت قائل است، ہر چہ رائے مولوی صاحب واتفاق فتوٰی است، تحریر فرمایند تاکہ بر اں عمل درآمد کردہ باشد۔ **(۲)** بریتیم قربانی واجب ست یانہ؟	علمائے دین کیا فرماتے ہیں ان مسائل میں: **(۱)** فوق العقدہ (گھنڈی کے اوپر) ذبح کا حکم لکھا ہوا مجھے ملا، لیکن جناب اعلیحضرت نے فیصلہ نہ فرمایا، اس ملک میں اس مسئلہ میں کثیر اختلاف ہے کوئی کہتا ہے چاروں رگیں کٹی ہوئی ہونی چاہئیں، کوئی اس کے خلاف کہتا ہے۔ برائے مہربانی مولوی صاحب جس روایت کے قائل ہوں اور جو رائے ہو اور فتوٰی کا جس پر اتفاق ہو وہ لکھیں تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔ **(۲)** یتیم پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) اجماع ائمہ ماست کہ اگر سہ رگ بریدہ شود ذبیحہ حلال ست، و ایں معنی بمشاہدہ یا رجوع باہل خبرت تواں دریافت، ہمیں در فتوٰی سابقہ نوشتہ شدہ و ہمیں است فیصلہ علامہ شامی و ردالمحتار،	**(۱)** ہمارے ائمہ کرام کا اجماع ہے کہ اگر تین رگیں کٹ گئی ہوں تو ذبیحہ حلال ہے، یہ معیار شاہدہ سے یا ماہر سے دریافت کریں، پہلے فتوٰی میں یہی لکھا گیا تھا اور یہی فیصلہ علامہ شامی کا ردالمحتار میں

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۷

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۲

وانچہ یکبار برائے امتحان مشہور فقیر شد آنست کہ بذبح فوق العقد نیز رگہا بریدہ مے شود۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہے اور ایک بار اس فقیر نے بطور امتحان مشاہدہ کیا تو فوق العقدہ سے بھی تمام رگیں کٹی ہوئی تھیں،واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۱: از سرال ڈاکخانہ بشندور تحصل وضلع جہلم مرسلہ حافظ سجاد شاہ ۱۸ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقدہ مذبوح بطرف صدر ہو جائے تو کیا حکم ہے،

قال عینی وذکر العقدۃ لافی کلام اللہ و لافی کلام رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1]۔	علامہ عینی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا عقدہ(گھنڈی)کاذکر اللہ عزوجل اور سول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کلام میں موجود نہیں ہے۔(ت)

اس مسئلہ میں تردد ہے۔

الجواب: کم از کم تین رگیں کٹنا لازم ہے،اگر عقدہ طرف راس رہااور تین سے کم رگیں کٹیں مردار ہوگیا اور عقدہ طرف صدر رہااور ذبح بین اللبہ واللحیین ہوااور تین رگیں کٹ گئیں حلال ہوگیا،ھوالتحقیق الذی لایحل العدول عنہ(یہی تحقیق ہے اس سے عدول نہ چاہئے۔ت)واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۲:از مدرسہ اسلامیہ عربیہ ریلوی ہمایوں پوسٹ پٹ میاں تعلقہ شکارپور ضلع سکھر مسئولہ محمد محسن علی ہاشمی مدرس اول ۸ شوال ۱۳۳۵ھ

چہ مے فرمایند علمائے عظام دریں مسئلہ کہ مذبوح فوق العقعدہ حلال ست یاحرام؟بینوا توجروا	کیافرماتے ہیں علمائے عظام اس مسئلہ کہ فوق العقدہ ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے یاحرام؟بینوا توجروا(ت)

الجواب:

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الذکاۃ مابین اللبۃ و اللحیین [2]۔ولاشك ان	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ذبح لبہ اور دو جبڑوں کے درمیان ہےاور شک نہیں کہ مافوق العقدہ

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب الذبائح المکتب الامدادیۃ مکہ المکرمہ ۴/ ۱۳۷

[2] نصب الرایۃ لاحادیث الہدایہ کتاب الذبائح المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴/ ۱۸۵

مافوق العقدۃ مما یلیہا بین المحلین وکلام التحفۃ والکافی وغیرہما یدل علی ان الحلق یستعمل فی العنق کما فی ابن عابدین فتحریر العلامۃ عندی ما افادہ فی رد المحتار اذ قال والتحریر للمقام ان یقال ان کان بالذبح فوق العقدۃ حصل قطع ثلثۃ من العروق فالحق ماقالہ شراح الہدایۃ تبعا للرستغفنی و الا فالحق خلافہ اذا لم یوجد شرط الحل باتفاق اہل المذہب ویظہر ذٰلک بالمشاہدۃ او سؤال اہل الخبرۃ فاغتنم ہذا المقال ودع عنک الجدال[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ان دونوں کے درمیان سے متصل ہے اور کافی اور تحفہ وغیرہما کا کلام دلالت کرتا ہے کہ حلق کا استعمال گردن پر ہوتا ہے جیسا کہ ابن عابدین کے کلام میں ہے تو علامہ ابن عابدین کا فیصلہ کن کلام میرے نزدیک معتبر ہے جس کا انھوں نے ردالمحتار میں افادہ کیا جب انھوں نے فرمایا: تحریر مقام یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ فوق العقدہ ذبح میں اگر تین رگوں کا کٹنا پایا گیا تو حق وہ ہے جو شراح ہدایہ نے رستغفنی کی اتباع میں کہا ورنہ حق اس کے خلاف میں ہے کیونکہ تین رگیں نہ کٹنے کی صورت میں اہل مذہب کی متفقہ شرط حلال ہونے کی نہ پائی گئی اور یہ معیار مشاہدہ یا ماہرین سے پوچھنے پر معلوم کیا جاسکتا ہے، اس مقالہ کو غنیمت سمجھو اور تنازع ختم کرو، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۸۳: از شہر بریلی محلّہ بہاری پور مسئولہ جناب مولوی نواب سلطان احمد خاں صاحب زید مجدہم بتاریخ ۴ صفر المظفر قدسی ۱۳۳۰ھ
بندوق سے ایک ہرن شکار ہوا، چونکہ اس وقت چاقو یا چھری موجود نہ تھے، تو ایک سوار کو گاؤں کی طرف چھری لینے کو دوڑایا اتنے میں ہرن قریب مرنے کے ہوگیا، تو ایک زمیندار سے جو اتفاقیہ وہاں موجود تھا درانتی جس سے چارہ کاٹا جاتا ہے، دندانہ دار ہوتی ہے لی گئی، اور ایک مرد عادل مسلمان نے ذبح کیا، اس شکار کو کھایا گیا، اس پر چند لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسے آلہ سے ذبح کیا ہوا حرام ہے۔ تو یہ اعتراض ان کا بجا ہے یا بیجا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

درانتی بھی آلات ذبح سے ہے، ردالمحتار کتاب الصید میں ہے:

لو نصب شبکۃ وکان بہا اٰلۃ جارحۃ	اگر ایسا جال لگایا جس کے ساتھ کوئی آلہ جارحہ

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۷

کمنجل وسمی علیه وجرحه حل عندنا کما لو رماه بها انتهی مختصرا۔[1]	لگا ہوا ہو مثلاً منجل، اور بسم اللہ پڑھی ہو اور آلہ نے اسے زخمی کردیا تو ہمارے نزدیک حلال ہوجائے گا، جیسا کہ آلہ جارحہ پھینکنے کی صورت میں حلال ہوجاتا ہے۔انتہی مختصرا۔(ت)

تاج العروس شرح قاموس میں ہے:

المنجل کمنبر حدیدۃ ذات اسنان یقضب بها الزرع وقیل هو مایقضب به العود من الشجر[2]۔	منجل بروزن عنبر، وہ ایک دانتوں والا لوہے کا آلہ (درانتی) ہے، اس کے ساتھ فصل کو کاٹا جاتا ہے۔اور بعض نے کہا کہ اس کے ساتھ دخت کی ٹہنی کاٹی جاتی ہے۔(ت)

مگر اس سے ذبح کرنا ممنوع وگناہ ہے کہ بے سبب ایذا ہے۔جیسے کند چھری یا اس سے بھی زائد، ذبائح الہندیہ میں محیط امام سرخسی سے ہے:

الکلیلة یجوز الذبح بها ویکرہ[3]۔	کند چھری سے ذبح جائز ہے اور مکروہ ہے۔(ت)

لیکن ایسی صورت میں کہ جانور مراجاتا ہے اور اس کے سوا کوئی آلہ نہیں، اجازت بعید نہیں۔

فان الضرورات تبیح المحذورات[4]۔وربما یفیدہ قول الدر المختار کل تعذیب بلا فائدۃ مثل قطع الراس والسلخ قبل ان تبرد ای تسکن عن الاضطراب[5] اھ فهذا وان کان تعذیبا فلا فائدۃ بل للضرورۃ۔	ضروریات مباح کردیتی ہیں ممنوعات کو،اور درمختار کا قول اس کے لئے مفید ہے کہ سرد ہونے سے قبل یعنی اضطراب ختم ہونے سے قبل جانور کا سر کاٹنا اور جانور کی کھال اتارنا مثلاً یہ بے فائدہ عذاب ہے اھ تو یہ اگرچہ بے فائدہ عذاب دینا ہے لیکن ضرورت کی وجہ سے ہے۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۲

[2] تاج العروس شرح القاموس باب اللام فصل النون داراحیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۱۲۸

[3] فتاوٰی ہندیة کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۷

[4] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسة ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۱۸

[5] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

پھر اگر رگیں کٹنے سے پہلے جانور میں مذبوح کی حیات سے زیادہ حیات باقی تھی جب تو بالاتفاق حلال ہوگیا، اور اس کا کھانا بے تامل روا، اور اس پر اعتراض محض باطل وبے جا، اور اگر آلہ کند تھا اور بہت سختی کرنی پڑی کہ اکثر رگیں کٹنے سے پہلے ہی دانتوں کی رگڑوں، صدموں سے اس کی روح فنا ہو گئی یا رہی تو صرف اتنی ہی رہی جو بعد ذبح ہوتی ہے کہ فقط موت کا تڑپنا باقی ہوتا ہے۔ اس کے بعد دو چار پہر جی نہیں سکتا، تو اس صورت میں یہاں کہ اور کوئی آلہ ملتا ہی نہ تھا اختلاف علماء ہے بعض فرماتے ہیں حرام ہوگیا، کہ ذکوٰۃ اختیاری یعنی رگوں کے کاٹنے سے اس کی موت نہ ہوئی، بلکہ سبب موت قطع عروق سے پہلے ہی متحقق ہو لیا، اور بعض نے کہا حلال ہے جب آلہ میسر نہ تھا یہ بھی ایک ذکوٰۃ اضطراری کی شکل میں آگیا، اور رجحان موجودہ جانب حرمت ہی پایا جاتا ہے۔ اور اسی میں احتیاط،

نقل المصنف ان من التعذر مالو ادرك صيده حيا او اشرف ثوره على الهلاك وضاق الوقت عن الذبح اولم يجد الة الذبح فجرحه حل فی روایة [1]۔	مصنف نے نقل کیا متعذر صورتوں میں یہ کہ شکار کو زندہ حالت میں پایا یا وہ موت کے قریب تھا، اور ذبح کرنے والے کو وقت کی تنگی تھی یا ذبح کا آلہ نہ پایا تو ایسی صورت میں اگر زخمی کردیا تو حلال ہوگا یہ ایک روایت ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الاولی ان یقول فی قوله لان نقله المصنف عن القنية معزوا الى بعض المشائخ وقال البعض الأخر لايحل اكله الا اذا قطع العروق۔ افاده ط [2]۔	روایت کی بجائے ایک قول کہنا مناسب ہے کیونکہ اس کو مصنف نے قنیہ سے بحوالہ بعض مشائخ نقل کیا ہے اور بعض دیگر نے کہا اس کا کھانا حلال نہیں جب تک اس کی رگیں نہ کاٹ دے، اس کا افادہ علامہ طحطاوی نے کیا۔ (ت)

اور ہندیہ کی عبارت یہ ہے:

اشرف ثوره على الهلاك وليس معه الامايجرح مذبحه	جانور موت کے قریب ہے اور ذبح کرنیوالے کے پاس صرف ایسی چیز ہے جو ذبح والے مقام کو زخمی

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۹

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۳

ولو طلب اٰلة الذبح لایدرك ذکاته فجرح لایحل، الا اذا قطع العروق قال القاضی عبدالجبار یحل ان جرحه کذا فی القنیة [1]۔	کرسکتا ہے، اور اگر وہ ذبح کا آلہ تلاش کرے تو جانور مردار ہوجائے ایسی صورت میں مقام ذبح کو زخمی کردینے سے حلال نہ ہوگا جب تک اس کی رگوں کو کاٹ نہ دے، قاضی عبدالجبار نے کہا ہے اگر زخمی کردیا جس سے موت واقع ہوئی تو حلال ہے یوں قنیہ میں ہے۔(ت)

تنویر الابصار و در مختار و ردالمحتار کتاب الصید میں ہے:

ان ادرکه الرامی والمرسل حیا ذکاه وجوبا، فلو ترکها حرم، وکذا یحرم لو عجز عن التذکیة (بان لم یجد اٰلة او لایبقی من الوقت مایمکن تحصیل الالة والا ستعداد للذبح) لان العجز عن التذکیة لایحل الحرام [2] اھ ملتقطا۔ واللّٰه تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	کتا چھوڑنے والے یا تیر مارنے والے نے شکار کو زندہ پایا تو اس کو ذبح کرنا واجب ہے اگر نہ کیا تو حرام ہوگا اور یونہی اس صورت میں ذبح کرنے سے عاجز رہا تو بھی حرام ہوگا، عجز کی صورت یہ کہ ذبح کا آلہ نہ پائے یا اتنا وقت نہ پایا کہ آلہ حاصل کرسکے یا ذبح کی استعداد نہ پائے، کیونکہ عجز حرام کو حلال نہیں کرتا اھ ملتقطا۔ واللّٰه تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۸۴ و ۸۵: از ڈیرہ اسمٰعیل خاں ملک وزیرستان چھاؤنی ٹانک پوسٹ کرگٹی ورکس کمپنی مرسلہ مولوی اکبر حسین صاحب اسٹون ۲۶۰۴ ۱۳ رمضان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: لوہے کی پتی کی چھری بنی ہو، نہ اس میں دستہ ہو نہ دستہ کی جگہ پر کوئی سوراخ ہو، اس سے ذبح کرنا درست ہے یا نہیں؟ یہ جگہ فیلڈ ہے اور گرمی بہت سخت اور دھوپ میں کام کرنا پڑتا ہے۔ یہاں روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

اگر اس میں کسی طرف دھار رکھی گئی ہو جیسے چھُری میں، تو دھار سے ذبح جائز ہے، اور دھار نہ ہو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۸

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۳، ردالمحتار کتاب الصید دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۳

تو ذبح ناممکن اور جانور مردار ہوجائے گا، **نص علیہ الامام النسفی فی الکافی** (اس پر امام نسفی نے کافی میں نص فرمائی ہے۔
اگر دھوپ میں کام کرنے کے ساتھ روزہ ہوسکے اور آدمی مقیم ہو مسافر نہ ہو تو روزہ فرض ہے اور اگر نہ ہوسکے روزہ رکھنے سے بیمار پڑ جائے، ضرر قوی پہنچے، تو مقیم غیر مسافر کو ایسا کام کرنا حرام ہے۔ اگر ترک پر قدرت نہ ہو اور کسی طرح نہ ممکن ہو قضا رکھے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۶: از سرنیا ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ

کوئی جانور دیوار سے دب گیا، گردن مٹی سے دب گئی، تو کس ترتیب سے ذبح کرے؟

الجواب:

اگر اندیشہ ہے کہ نکالنے تک اس کا دم نکل جائے گا، تو جہاں چاہے تکبیر کہہ کر خون نکال دے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۸۷: مرسلہ مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی پیلی بھیت ۱۴ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بھنگی نے ظاہر کے نام کا بکرا مانا، اسے ایک فقیر مسلمان نے بھنگی کے گھر جاکر ذبح کیا اور اس کا کلیجہ نکال کر بھونا، اور اس فقیر کے ہمراہ چار مسلمان اور تھے، پانچوں نے کھایا، فقیر کافر ہوا یا مسلمان رہا؟ مرتکب حرام ہوا یا نہیں؟ اور بقیہ آکلین کا کیا حکم ہے؟ اور یہ ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟ مثل میت ہے یا اس سے کچھ اوترتا؟ اور جو اس ذبیحے کو حلال بتائے وہ برتقدیر حرمت کافر ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ذابح اگر غیر خدا کے نام پر ذبح کرے یعنی وقت ذبح جس طرح تکبیر کا حکم ہے یہ غیر خدا کا نام لے مثلاً بسم اللہ کی جگہ باسم فلاں کہے تو ذبیحہ قطعاً حرام، **قال اللہ تعالٰی** "وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا۔ (ت) اسی طرح اگر مسلمان عـــہ کلمہ گو نے اس ذبح

عـــہ: خصصت الکلام بالمسلم لان المشرک | میں نے مسلمان کو خاص ذکر کیا کیونکہ مشرک اگرچہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۳

سے غیر خدا کی عبادت کا قصد کیا اور اہل اسلام اراقۃ دم لوجہ اللہ سے جس طرح کا تقرب اللہ جل جلالہ کی طرف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لاتحل ذبیحتہ مطلقًا وان سمی اللہ تعالٰی وقصد بہ التقرب الیہ وحدہ وعزوجل والکتابی تحل ذبیحتہ اذا سمی اللہ تعالٰی وحدہ وان قصد بہ التقرب الی غیرہ تعالٰی،قال النیشاپوری فی تفسیرہ قال مالك و الشافعی وابوحنیفۃ و اصحابہ،اذا ذبحوا علی اسم المسیح فقد اہلوا بہ لغیر اللہ فوجب ان یحرم ،واذا ذبحوا علی اسم اللہ فظاہر اللفظ یقتضی الحل ولا عبرۃ بغیر اللفظ [1] اھ وقال فی الہندیۃ عن البدائع لو سمع منہ یعنی من الکتابی ذکر اسم اللہ تعالٰی لکنہ عنی باللہ تعالٰی وعزوجل المسیح علیہ السلام قالوا توکل الااذا نص فقال بسم اللہ الذی ہو ثالث ثلثۃ فلایحل الخ [2]۔**اقول:**

اللہ وحدہ تعالٰی کے نام اور اسی کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ذبح کرے تب بھی اس کا ذبیحہ حلال نہ ہوگا،اور اہل کتاب (یہودی یا عیسائی) اگر اللہ تعالٰی کے نام پر ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ حلال ہوگا اگرچہ وہ غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کرے۔علامہ نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ امام مالک،شافعی،ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے فرمایا کہ اگر عیسائی مسیح کے نام پر ذبح کریں تو اس نے یقینا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا،لہٰذا ضروری ہے کہ وہ ذبیحہ حرام ہو۔اور اگر وہ اللہ تعالٰی کے نام پر ذبح کریں تو ظاہر الفاظ کے اعتبار پر وہ ذبیحہ حلال ہوگا اور غیر لفظ کا اعتبار نہ ہوگا اھ،ہندیہ میں فرمایا کہ بدائع میں ہے کہ اگر کتابی عیسائی سے ذبح کے وقت اللہ تعالٰی کا نام سنا لیکن اس نے اللہ تعالٰی سے مراد مسیح علیہ السلام کو لیا تو فقہاء نے فرمایا کہ اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا جب تک کہ صریح الفاظ میں یوں نہ کہے اللہ کے نام سے جو تین میں سے تیسرا ہے۔اگر صریح طور پر ایسے کہے تب حرام ہوگا الخ **اقول:** (میں کہتا ہوں) (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] غرائب القرآن (تفسیر النیسابوری) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ مصطفی البابی مصر ۲/ ۷۲

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۵

چاہتے ہیں، اس نے اس ذبح سے اسی نوع کا تقرب غیر خدا کی طرف چاہا، تو بھی حرمت ذبیحہ میں کلام نہیں، اگرچہ اس پر زبان سے خالص تکبیر ہی کہی ہو کہ جب اس نے غیر خدا کو معبود قرار دیا یا اس ذبح سے اس کی عبادت کا قصد کیا مرتد ہوگیا اور مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں، مگر نازلہ مسئولہ سائل ان صورتوں سے بری ہے کہ یہ تو یقینا معلوم کہ کوئی کلمہ گو ذبح کرتے وقت بسم اللہ کی جگہ باسم ظاہر ہرگز نہیں کہتا، نہ زنہار کسی مسلمان پر یہ گمان ہوسکتا ہے کہ وہ غیر خدا کی عبادت چاہے اور ظاہر واہر بھنگیوں وغیرہم کفار کے باطل معبودان کو معاذاللہ معبود قرار دے، تو لاجرم اس نے اللہ ہی کے نام ذبح کیا اور عبادت غیر خدا کا خیال بھی اس کے دل میں نہ آیا، بلکہ اصلا اس پر بھی کوئی دلیل نہیں کہ اس کی جان دینے سے فقیر مسلم اس معبود باطل کی مجرد تعظیم (جو مثل تعظیم اہل دنیا بوجہ غناء انحائے تعظیم الٰہی سے نہیں ہوسکتی) منظور رکھی ہو، کہ مسئلہ ذبح عند قدوم الامیر کو اس سے تعلق ہوسکے، انصاف یہ ہے کہ اس طرح کے فقیروں کو صرف اپنے کھانے سے غرض ہوتی ہے، کافر بلا کر لے گیا انھوں نے تکبیر کہہ کر بطور مسلمانان ذبح کیا اور اپنے کھانے کے قابل کردیا، اس کے سوا انھیں دوسری نیت فاسدہ کا مرتکب جاننا مسلمان پر نری بدگمانی ہے جو بنص قطعی قرآن حرام۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کہ کچھ گمان گناہ ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والسرفیه ما اشرنا الیه ان الکتابی لایخرج بهذا عن کونه کتابیا فتحل اذا جرد التسمیة لله تعالٰی کما ان المشرك لایخرج عن الاشراك بتجرید التسمیة فلا تحل وان سمی الله تعالٰی اما المسلم لیخرج بهذا القصد عن الاسلام فلا تحل هکذا ینبغی ان یفهم هذا المقام ۱۲ منه قدس سره العزیز۔

اس میں نکتہ یہ ہے جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے کہ عیسائی و کتابی خالص اللہ تعالٰی کا نام لینے اور مراد مسیح علیہ السلام لینے پر کتابی ہونے سے باہر نہ ہوگا، لہٰذا اس کا ذبیحہ حلال جس طرح مشرک خالص اللہ تعالٰی اور اسی کا تقرب مراد لینے سے شرک سے باہر نہ ہوگا لہٰذا اس کا ذبیحہ حلال نہ ہوگا جبکہ مسلمان غیر اللہ کا تقرب وعبادت مراد لینے پر اسلام سے باہر ہوجاتا ہے لہٰذا وہ ذبیحہ حلال نہ ہوگا، اس مقام کو یوں سمجھنا مناسب ہے ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

وقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب[1] الحدیث، رواہ الائمة مالك والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی عن ابی ہریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	(رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) گمان سے دور رہو کہ گمان سے بڑھ کر کوئی بات جھوٹی نہیں الحدیث (اس کو ائمہ مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور دل کے ارادے پر حکم کرنا خصوصًا ایسا کہ صراحۃً خلاف ظاہر وموہوم مضمحل بلکہ محض غلط باطل ہے، بیشک جرم عظیم ہے۔

قال الله تعالٰی "وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾"[2]۔ وقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم افلا شققت عن قلبه حتی تعلم أقالها ام لا[3] اخرجه مسلم عن اسامة بن زید رضی الله تعالٰی عنهما۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بے یقین بات کے پیچھے نہ پڑ بیشک کان، آنکھ، دل سب سے سوال ہونا ہے (ت) (رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا کہ دل کے عقیدے پر اطلاع پاتا (اس کو مسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

سیدی عارف باللہ احمد زروق روح اللہ تعالٰی روحہ فرماتے ہیں:

انما ینشؤا الظن الخبیث عن القلب الخبیث[4] ذکرہ سیدی عبدالغنی النابلسی فی الحدیقة الندیة۔	خبیث گمان خبیث دل سے نکلتا ہے۔ (اس کو سیدی عبدالغنی النابلسی نے حدیقۃ الندیۃ میں ذکر کیا ہے۔ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب النکاح باب لایخطب علی خطبة اخیه قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۷۲ و ۸۹۶، صحیح مسلم کتاب البر والصلة باب تحریم الظن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۶، جامع الترمذی ابواب البر والصلة باب ماجاء فی ظن السوء امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

[3] صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر بعد قوله لا اله الا الله قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۸

[4] الحدیقة شرح الطریقة المحمدیة الخلق الرابع والعشرون مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۸

تفسیر کبیر میں فرمایا:

انما کلفنا بالظاہر لابالباطن فاذا ذبحہ علی اسم اللہ وجب ان یحل ولا سبیل لنا الی الباطن [1]۔	ہم ظاہر کے مکلّف میں باطن کے نہیں، تو جب اس نے اللہ تعالٰی کے نام پر ذبح کیا تو ضرور حلال ہوگا، ہمیں اس کے باطن کی طرف راہ نہیں ہے۔(ت)

منیہ وذخیرہ وشرح وہبانیہ و درمختار وغیرہ میں ہے:

انا لانسیئ الظن بالمسلم انه یتقرب الی الادمی بھذاالنحر [2]۔	ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ اس نے اس ذبح سے کسی آدمی کا تقرب چاہاہے۔(ت)

دیکھو ائمہ دین وعلماء معتمدین کیونکر صاف تصریحیں فرماتے ہیں کہ ہمیں باطن کی طرف کوئی راہ نہیں، ظاہر پر عمل کا حکم ہے۔ جب مسلمان نے خدا کا نام لے کر ذبح کیا واجب ہوا کہ ذبیحہ حلال ہو، ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ اس نے ذبح سے آدمی کی طرف تقرب چاہاہو، جبکہ فقہائے عدول کے یہ اقوال خدااور رسول کے وہ ارشاد، تواب سوئے ظن پر بنانہ کرے گامگر خبیث الباطن کج نہاد،

"وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾" [3] "وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾" [4]۔	اللہ تعالٰی غافل نہیں اس سے جو تم کرتے ہو، اور اللہ تعالٰی فساد کو پسند نہیں فرماتا ہے۔(ت)

پس صورت مستفسرہ میں وہ ذبیحہ قطعاً حلال ہے، اور اس فقیر اور اس کے ساتھ والوں نے لحم مذکی کھایا نہ مردار، فقہائے کرام نے خاص اس جزئیہ کی تصریح فرمائی کہ مثلاً مجوسی نے اپنے آتشکدے یامشرک نے اپنے بتوں کے لئے مسلمان سے بکری ذبح کرائی اور اس نے خدا کا نام پاک لے کر ذبح کی بکری حلال ہے۔ کھائی جائے، فتاوٰی عالمگیری وفتاوٰی تاتارخانیہ وجامع الفتاوٰی میں ہے:

مسلم ذبح شاة المجوسی لبیت نارہم، اوالکافر لالھتھم توکل، لانه سمی اللہ تعالٰی [5]۔	مسلمان نے مجوسی کی بکری اس کے آتشکدہ کے لئے یا کافر کی بکری ان کے بتوں کے لئے اللہ تعالٰی کے نام سے ذبح کی تو وہ کھائی جائے کیونکہ مسلمان نے اللہ تعالٰی کے نام کو ذکر کیا ہے۔(ت)

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ المطبعة البھیة مصر ۵/ ۲۳

[2] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

[3] القرآن الکریم ۲/ ۸۵

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۵

[5] فتاوٰی ہندیة بحوالہ التتارخانیہ عن جامع الفتاوی کتاب الذبائح نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

البتہ مسلمان کے لئے اس صورت میں کراہت لکھتے ہیں، ہندیہ میں عبارت مذکورہ کے بعد ہے: **ویکرہ للمسلم**[1] (مسلمان کے لئے کراہت ہے۔ت) ظاہر ہے کہ مسلمان کو ایسا فعل کرنا نہ تھا کہ اس میں بظاہر گویا اس کافر کا کام پورا کرنا اور اس کے زعم میں اس کے قصد مذموم کا آلہ بننا ہے، اگرچہ حقیقت امر بالکل اس کے مباین ہے **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) بالجملہ اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ یہاں صرف وقت ذبح قول ونیت ذابح کا اعتبار ہے۔ اگر ذابح مسلم نے اللہ ہی کے لئے ذبح کیا اور وقت ذبح اللہ ہی کا نام لیا تو ذبیحہ قطعاً حلال۔ اگرچہ مالک نے کسی کے نام پر مشہور کر رکھا ہو۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھیں کیا ہوا کہ تم اللہ تعالٰی کے نام پر ذبیحہ کو نہیں کھاتے۔(ت)

یوں ہی کتابی کا ذبیحہ، اگر وقت ذبح خالص نام خدا لے۔

قال تعالٰی "طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ"[3]۔ **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اہل کتاب کا طعام تمھارے لئے حلال ہے، **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**(ت)

مسئلہ ۸۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ میں کہ کھال مذبوح حلال مثل گائے، بھینس، بکری، مرغ وغیرہ کے حلال ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مذبوح حلال جانور کی کھال بیشک حلال ہے۔ شرعاً اس کا کھانا ممنوع نہیں اگرچہ گائے، بھینس بکری کی کھال کھانے کے قابل نہیں ہوتی۔

فی الدرالمختار اذا ماذکیت شاۃ فکلہا * سوی سبع ففیہن الوبال، فحاء ثم خاء ثم غین * ودال ثم میمان وذال[4] **انتہی فالحاء الحیاء**	درمختار میں ہے جب بکری ذبح کی گئی تو سات اجزاء جن میں وبال ہے کے ماسوا کو کھاؤ، ساتھ یہ ہیں: ح، پھر خ، پھر غ، اور د، پھر دو میم، اور ذ انتہی حاحیاء کی

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۹

[3] القرآن الکریم ۵/۵

[4] درمختار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۹

وھو الفرج،والخاء الخصیۃ،والغین الغدۃ،والدال الدم المسفوح،والمیمان المرارۃ والمثانۃ،والذال الذکر۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	وہ شرگاہ،خاء خصیہ کی،غین غدود کی،دال دم مفسوخ کی،اور دو میم مرارہ(پتہ)اور مثانہ،اور ذال ذکر ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۸۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بدن حیوان ماکول اللحم میں کیا کیا چیزیں مکروہ ہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

سات چیزیں تو حدیثوں میں شمار کی گئیں:(۱)مرارہ یعنی پتہ(۲)مثانہ یعنی پھکنا(۳)حیاء یعنی فرج(۴)ذکر(۵)انثیین(۶)غدہ(۷)دم یعنی خون مسفوح۔

اخرج الطبرانی فی المعجم الاوسط عن عبداللہ بن عمرو ابن عدی۔والبیھقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یکرہ من الشاۃ سبعا المرارۃ والمثانۃ والحیاء والذکر والانثیین والغدۃ والدم وکان احب الشاۃ الیہ مقدمھا[1]۔	طبرانی نے معجم الاوسط میں عبداللہ بن عمرو اور ابن عدی سے اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ذبیحہ جانور کے سات اجزاء کو مکروہ فرماتے تھے سات یہ ہیں:مرارہ(پتہ) مثانہ، حیاء(شرمگاہ)ذکر،خصیے،غدود اور خون،اور آپ کو بکری ذبیحہ کا مقدم حصہ پسند تھا۔(ت)

ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:خون تو حرام ہے کہ قرآن عظیم میں اس کی تحریم منصوص،اور باقی چیزیں میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ سلیم الطبع لوگ ان سے گھن کرتے ہیں اور انھیں گندی سمجھتے ہیں،اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ"[2] یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان پر سب گندی چیزیں حرام فرمائیگا،حاشیہ طحطاوی میں ہے:

قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اما الدم	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا لیکن خون

[1] المعجم الاوسط حدیث ۹۴۸۶ مکتبۃ المعارف ریاض ۱۰/ ۲۱۷

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۷

فحرام بالنص واکرہ الباقیۃ لانها مما تستخبثه الانفس [1]۔قال اللہ تعالٰی "وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ" [2]۔	تو وہ حرام ہے قرآنی نص سے ثابت ہے اور باقی کو میں مکروہ تحریمہ سمجھتاہوں کیونکہ ان سے نفوس نفرت کرتے ہیں اور جبکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا "وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ" (ت)

اسی طرح ینابیع میں ہے کما سیأتی (جیساکہ عنقریب آئے گا۔ت) اور مختار و معتمد یہ ہے کہ کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے یہاں تک کہ امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہ نے بلفظ حرمت تعبیر کی۔ عالمگیری میں ہے:

اما بیان مایحرم اکله من اجزاء الحیوان سبعة الدم المسفوح والذکر و الانثیان والقبل والغدۃ والمثانۃ و المرارۃ [3]۔	لیکن یہ بیان کہ حیوان کے اجزاء میں سے جن کا کھانا حرام ہے وہ سات ہیں: بہنے والا خون، ذکر، خصیے، شرمگاہ، غدود، مثانہ اور پتہ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

کرہ تحریما من الشاۃ سبع ،الخ [4]۔	بکری کے سات اجزاء مکروہ تحریمی ہیں الخ (ت)

درمختار میں ہے:

وقیل تنزیها والاول اوجه [5]۔	بعض نے کہا مکروہ تنزیہی ہیں جبکہ پہلا قول زیادہ معتبر ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

وھو ظاہر اطلاق المتون الکراھۃ [6]۔	یہی ظاہر ہے کہ متون نے کراہت کو مطلق ذکر کیا۔(ت)

مغنی المستفتی عن سوال المفتی میں ہے:

المکروہ تحریما من الشاۃ سبع [7] الخ۔	بکری کے سات اجزاء مکروہ تحریمی ہیں۔(ت)

---

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار مسائل شتی دارالمعرفۃ بیروت ۴ /۳۶۰

[2] القرآن الکریم ۷ /۱۵۷

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ البدائع کتاب الذبائح الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۹۰

[4] درمختار شرح تنویر الابصار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۴۹

[5] درمختار شرح تنویر الابصار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۴۹

[6] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۷۷

[7] مغنی المستفتی عن سوال المفتی

یہ تو سات ؎ بہت کتب مذہب، متون وشروح وفتاوٰی میں مصرح اور علامہ قاضی بدیع خوارزمی صاحب غنیہ الفقہاء وعلامہ شمس الدین محمد قہستانی شارح نقایہ وعلامہ محمد سیدی احمد مصری محشیٰ درمختار وغیرہم علماء نے دو چیزیں اور زیادہ فرمائیں (۸) نخاع الصلب یعنی حرام مغزاس کی کراہت نصاب الاحتساب میں بھی ہے (۹) گردن کے دو پٹھے جو شانوں تک ممتد ہوتے ہیں، اور فاضلین اخیرین وغیرہما نے تین اور بڑھائیں (۱۰) خون جگر (۱۱) خون طحال (۱۲) خون گوشت یعنی دم مسفوح نکل جانے کے بعد جو خون گوشت میں رہ جاتا ہے۔ بحر المحیط میں ہے:

الغدد والذکر والانثیان والمثانۃ و العصبان اللذان فی العنق والمرارۃ والقصیب مکروہ [1] اھ ملخصاً۔	غدود، ذکر، خصیے، مثانہ، گردن کے دو پٹھے، پتہ، پیٹھ کا گودا مکروہ ہیں اھ ملخصا (ت)

جامع الرموز میں اس کے بعد ہے:

وکذا الدم الذی یخرج من اللحم والکبد والطحال [2]۔	یوں ہی وہ خون جو گوشت، جگر اور تلی سے نکلے (ت)

ذبائح الطحطاوی میں ہے:

الذکر والانثیان والمثانۃ والعصبان اللذان فی العنق والمرارۃ تحل مع الکراہۃ، وکذا الدم الذی یخرج من اللحم والکبد والطحال دون الدم المسفوح، وھل الکراھۃ تحریمیۃ اوتنزیھیۃ قولان [3]۔	ذکر، خصیے، مثانہ، گردن کے دو پٹھے، پتہ کراہت کے ساتھ حلال ہیں، اسی طرح وہ خون جو گوشت، جگر اور تلی سے نکلے جو بہنے والے خون سے بچا ہوا ہو، اور کیا یہ کراہت تحریمی یا تنزیہی دو قول ہیں (ت)

اسی میں مسائل شتی میں ہے: وزید نخاع الصلب [4] (اور مزید پیٹھ کا گودا۔ت)

اقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی اوج التحقیق (میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہی تحقیق کی بلندی تک وصول ہے۔ت) علماء کی ان زیادت سے ظاہر ہوگیا کہ سات میں حصر مقصود نہ تھا۔

---

[1] جامع الرموز بحوالہ المحیط کتاب الذبائح مکتبہ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۵۱

[2] جامع الرموز بحوالہ المحیط کتاب الذبائح مکتبہ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۵۱

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۷

[4] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار مسائل شتی مکتبہ عربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۶۰

بلکہ صرف باتباع نظم حدیث ونص امام ان پر اقتصار واقع ہوا، اور خود ان علمائے زائدین نے بھی قصد استیعاب نہ فرمایا، یہ امر انھیں عبارات مذکورہ سے ظاہر، اور اس پر دوسری دلیل واضح یہ کہ جگر وطحال و گوشت کے خون گنے اور (۱۳) خون قلب چھوڑ گئے حالانکہ وہ قطعاً ان کے مثل ہے۔ یہاں تک کہ عتابیہ وخزانۃ وقنیہ وغیرہا میں اس کی نجاست پر جزم کیا، اور اسی طرح امام برہان الدین فرغانی صاحب ہدایہ نے کتاب التجنیس والمزید میں فرمایا، اگرچہ روضہ ناطفی ومراقی الفلاح ودر مختار ورد المحتار وغیرہا اسفار میں طہارت کو مختار رکھا، اور ظاہر ہے کہ نجاست مثبت حرمت ہے اور طہارت مفید حلت نہیں، حلیہ میں ہے:

فی القنیۃ دم قلب الشاۃ نجس والیہ مال کلام صاحب الھدایۃ فی التجنیس وفی خزانۃ الفتاوٰی دم القلب نجس ودم الکبد والطحال لا[1]۔	قنیہ میں ہے بکری کے دل کا خون نجس ہے۔ تجنیس میں صاحب ہدایہ کا میلان اسی طرف ہے۔ اور خزانۃ الفتاوٰی میں ہے کہ دل کا خون نجس ہے تلی اور جگر کا خون نجس نہیں ہے۔ (ت)

رحمانیہ میں ہے:

فی العتابیۃ دم القلب نجس، ودم الکبد والطحال لا[2]۔	عتابیہ میں ہے دل کا خون نجس ہے۔ جگر اور تلی کا خون نجس نہیں۔ (ت)

اور نیز عدم حصر پر ایک اور دلیل قاطع یہ ہے کہ عامہ کتب میں دم مسفوح، اور ان کتابوں میں دم لحم وکبد وطحال کو شمار کیا، تو اس سے واضح کہ کلام اعضاء سے اخلاط تک متجاوز ہوا، اور بیشک اخلاط سے (۱۴) مرہ بھی ہے یعنی وہ زرد پانی کہ پتہ میں ہوتا ہے جسے صفر کہتے ہیں، اور ہمارے علماء کتاب الطہارۃ میں تصریح فرماتے ہیں کہ اس کا حکم مثل پیشاب کے ہے، بلکہ بعض نے تو مثل خون کے ٹھہرایا، در مختار میں ہے: مرارۃ فی حیوان کبولہ[3] (حیوان کا پتہ پیشاب کی مانند ہے۔ ت) حلیہ میں ہے:

قیل مرارۃ الشارۃ کالدم وقیل کبولھا خفیفۃ عندھما، طاہرۃ عند محمد[4]۔	بعض نے کہا ہے پتہ جانور کا خون کی طرح ہے۔ بعض نے کہا پیشاب کی طرح ہے۔ شیخین کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک پاک ہے۔ (ت)

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] رحمانیہ

[3] درمختار کتاب الطہارۃ باب الاستنجاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۷

[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

بہر حال کھانا اس کا بیشک ناجائز ہے کما ھوالمذہب فی البول (جیسا کہ پیشاب کے بارے میں ان کا مذہب ہے۔ت) باوجود اس کے یہاں شمار میں نہ آیا، یونہی اخلاط سے بلغم ہے کہ جب براہ بینی مندفع ہو، جیسے بھیڑ وغیرہ میں مشاہد ہے۔اسے عربی میں مخاط اور فارسی میں آب بیتی کہتے ہیں، (۱۵) اس کا کھانا بھی یقینا ناجائز، **صرح بہ فی العقود الدریۃ تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ** (یہی تصریح عقود الدریۃ تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ میں ہے۔ت) یہ بھی یہاں غیر معدود اور منجملہ دماء، (۱۶) وہ خون بھی ہے جو رحم میں نطفہ سے بنتا ہے منجمد ہو کر علقہ نام رکھا جاتا ہے۔وہ بھی قطعاً حرام۔نہایہ و تبیین الحقائق و ردالمحتار وغیرہا میں ہے:

العلقۃ والمضغۃ نجسان کالمنی[1]۔	علقہ (منجمد خون) اور مضغہ (ابتداء تخلیق کا خون اور لوتھڑا) منی کی طرح ناپاک ہے۔(ت)

یہ بھی نہ گنا گیا، تو واضح ہوگیا کہ عامہ کتب میں لفظ سبع (سات) صرف باتباع حدیث ہے۔جس طرح کتب کثیرہ میں شاۃ (بکری) کی قید، **کمامر عن تنویر الابصار و مغنی المستفتی و مثلہ فی غیرھما** (جیسا کہ تنویر الابصار اور مغنی المستفتی سے گزرا، اور اس کی مثل ان کے غیر میں ہے۔ت) حالانکہ حکم صرف بکری سے خاص نہیں، یقینا سب جانوروں کا یہی حکم ہے، حاشیہ طحطاوی میں ہے:

قولہ من الشاۃ ذکر الشاۃ اتفاقی لان الحکم لا یختلف فی غیرہا من الماکولات[2]۔	بکری کا ذکر اتفاقی ہے کیونکہ دوسرے جانورں کے ماکولات میں فرق نہیں (ت)

تو جیسے لفظ شاۃ محض باتباع حدیث واقع ہوا، اور اس کا مفہوم مراد نہیں، یونہی لفظ سبع اور اہل علم پر مستتر نہیں کہ استدلال بالفحوٰی یا اجرائے علت منصوصہ خاصہ مجتہد نہیں، **کما نص علیہ العلامۃ الطحطاوی تبعا لمن تقدمہ من الاعلام** (جیسا کہ اس پر علامہ طحطاوی نے اپنے گزرے ہوئے بزرگوں کی اتباع میں نص کی ہے۔ت) اور یہاں خود امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اشیاء ستہ کی علت کراہت پر نص فرمایا کہ خباثت ہے۔اب فقیر متوکلا علی اللہ تعالٰی کوئی محل شک نہیں جانتا کہ دُبر یعنی پاخانے کا مقام، کرش یعنی اوجھڑی، امعاء یعنی آنتیں بھی اس حکم کراہت میں داخل ہیں، بیشک دُبر فرج وذکر سے اور کرش و امعاء مثانہ سے اگر خباثت میں زائد نہیں تو کسی

---

[1] ردالمحتار بحوالہ نہایہ وزیلعی کتاب الطہارۃ باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۰۸

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار مسائل شتی دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۶۰

طرح کم بھی نہیں، فرج وذکر اگر گزرگاہ بول و منی ہیں دُبر گزرگاہ سرگین ہے، مثانہ اگر معدن بول ہے شکنبہ ورودہ مخزن فرث ہے اب چاہے اسے دلالۃالنص سمجھئے خواہ اجرائے علت منصوصہ، **الحمدللہ** بعد اس کے فقیر نے ینابیع سے تصریح پائی، کہ امام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دبر کی کراہت پر تنصیص فرمائی، رحمانیہ میں ہے:

فی الینابیع کرہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الشاۃ سبعۃ اشیاء الذکر والانثیین والقبل والدبر والغدۃ و المثانۃ والدم، قال ابوحنیفۃ الدم حرام بالنص، والستۃ نکرہھا لانہا تکرہہا الطبائع[1]۔	ینابیع میں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بکری کے سات اجزاء ذکر، خصیے، مادہ کی شرمگاہ، پاخانہ کی جگہ، غدود، مثانہ اور خون کو مکروہ فرمایا، اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: خون نص کے ذریعہ حرام اور باقی چھ کو ہم مکروہ سمجھتے ہیں کیونکہ طبائع ان سے نفرت کرتے ہیں۔(ت)

(۲۰) وہ گوشت کا ٹکڑا جو رحم میں نطفہ سے بنتا ہے جسے مضغہ کہتے ہیں، اجزائے حیوان سے ہے۔ اور وہ بھی بلاشبہ حرام عام ازیں کہ مخلقہ ہو یا غیر مخلقہ، یعنی ہنوز اس میں اعضاء کی کلیاں پھوٹی ہوں یا صرف لوتھڑا ہو،

فقد اسلفنا عن السغناقی والزیلعی والشامی انہا نجسۃ، ومعلوم ان کل نجس حرام، وقد قال فی الھدایۃ فی الجنین التام الخلقۃ انہ جزء من الام حقیقۃ لانہ متصل بہا حتی یفصل بالمقراض[2] الخ **قلت** ویدل علیہ صحۃ الاستثناء وھو حقیقۃ فی الاتصال واذا کان ذٰلک کذالک فالمضغۃ اولی بالجزئیۃ، وھذا یدل ان السبع لم تستوعب الاجزاء، فضلا من الاخلاط اخوات الدماء۔	ہم سغناقی، زیلعی اور شامی سے پہلے نقل کرچکے ہیں کہ وہ نجس ہے۔ اور ہر نجس کا حرام ہونا معلوم ہے اور ہدایہ میں فرماچکے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں مکمل خلقت بچہ ماں کا جز ہے کیونکہ وہ حقیقی جز ہے حتی کہ اس کو کاٹ کر جدا کیا جاتا ہے، **میں کہتا ہوں** اور اس پر استثناء کی صحت دلالت کرتی ہے اور استثناء کی حقیقت اتصال ہے تو جب معاملہ یوں ہے تو مضغہ بطریق اولٰی ماں کا جز ہے۔ اس سے اس بات پر دلالت ہے کہ سات کا عدد پورے اجزاء کو شامل نہیں چہ جائیکہ خون کی آمیزش سے پیدا ہونے والے امور کو شامل ہوں۔(ت)

[1] رحمانیہ

[2] الہدایہ کتاب الذبائح مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۳۸

(۲۱) ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک بچہ تام الخلقۃ بھی کہ من وجہ جزو حیوان ہے **یتصل بالام ویتغذی بغذائھا، ویتنفس بتنفسھا** (ماں سے متصل ماں کی ماں کی غذا سے اور اس کی سانس سے سانس پاتا ہے۔ت) حرام ہے خواہ اس کے پوست پر بال آئے ہوں یا نہیں، مگر جبکہ زندہ نکلے اور ذبح کرلیں، ہدایہ میں ہے:

من نحر ناقۃ اوذبح بقرۃ فوجد فی بطنھا جنینا میتا لم یوکل، اشعر اولم یشعر [1]۔	جس نے اونٹنی یا گائے ذبح کی تو اس کے پیٹ میں بچہ مردہ ہو تو نہ کھایا جائے اس پر بال ہوں یا نہ ہوں۔(ت)

شامی میں علقہ ومضغہ کی نجاست لکھ کر فرماتے ہیں: **وکذا الولد اذالم یستھل** [2] (یونہی بچہ جب نہ چیخے۔ت)

(۲۲) یونہی نطفہ بھی حرام ہے خواہ نر کی منی مادہ کے رحم میں پائی جائے یا خود اسی جانور کی منی ہو، ردالمحتار میں ہے:

فی البحر والتتارخانیۃ ان منی کل حیوان نجس [3]۔	بحر اور تتارخانیہ میں ہے کہ ہر حیوان کی منی نجس ہے۔(ت)

اب سات کے سہ گونہ سے بھی عدد بڑھ گیا اور ہنوز اور زیادات ممکن وہ سات اشیاء حدیث میں آئیں، اور پانچ چیزیں کہ علماء نے بڑھائیں، اور دس فقیر نے زیادہ کیں، ان بائیس مسائل اور باقی فروع وتفاریع سب کی تفصیل تام وتحقیق تمام فقیر کے رسالہ **المنح الملیحۃ فیما نھی من اجزاء الذبیحۃ** میں دیکھی جائے، **الحمد للہ ما الھم، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۰: از جڑودہ ضلع میرٹھ مرسلہ سید صابر جیلانی صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جانور کی کون سی چیز جائز اور حلال ہے اور کون سی چیز ناجائز وحرام ہے؟

الجواب:

حلال جانور کے سب اجزاء حلال ہیں مگر بعض کہ حرام یا ممنوع یا مکروہ ہیں (۱) رگوں کا خون (۲) پتّا

---

[1] الہدایۃ کتاب الذبائح مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۰۸

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۰۸

(۳)بُھکنا(۴)و(۵)علامات مادہ ونر(۶)بیضے(۷)غدود(۸)حرام مغز(۹)گردن کے دو پٹھے کہ شانوں تک کھنچے ہوتے ہیں (۱۰)جگر کا خون(۱۱) تلی کا خون(۱۲)گوشت کا خون کہ بعد ذبح گوشت میں سے نکلتا ہے(۱۳)دل کا خون(۱۴)پت یعنی وہ زرد پانی کہ پتے میں ہوتا ہے(۱۵)ناک کی رطوبت کہ بھیڑ میں اکثر ہوتی ہے(۱۶)پاخانہ کا مقام(۱۷)اوجھڑی(۱۸)آنتیں (۱۹)نطفہ(۲۰)وہ نطفہ کہ خون ہوگیا(۲۱)وہ کہ گوشت کالوتھڑا ہوگیا(۲۲)وہ کہ پورا جانور بن گیا اور مردہ نکلا یا بے ذبح مرگیا۔

مسئلہ ۹۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زندہ جانور کا کوئی عضو مثلاً دنبہ کی چکی کاٹ کر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

جو عضو مچھلی اور ٹیڑی کے سوا کسی زندہ جانور سے جدا کرلیا جائے مردہ ہے اور کھانا اس کا حرام۔

رواہ الحافظ ابو عیسٰی محمد الترمذی عن ابی واقد اللیثی رضی اللہ تعالٰی عنه قال قدم النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم المدینة وھم یحبون اسنمة الابل، ویقطعون الیات الغنم فقال صلی اللہ تعالٰی علیه و سلم مایقطع من البہیمة وھی حیة فھو میتة. قال الحافظ والعمل علی ہذا عند اھل العلم [1] فی الہدایة فی مسائل السمك اذا قطع بعضھا فمات یحل اکل ما ابین ومابقی لان موته بأفة وما ابین من الحی وان کان میتا فمیتته حلال [2]۔واللہ تعالٰی اعلم بحقیقة الحال۔	ابو عیسٰی محمد ترمذی نے ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ زندہ اونٹوں کی کوہانوں اور دنبوں کی چکیوں کو کاٹ کھانا پسند کرتے تھے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: زندہ جانور کا کاٹا ہوا حصہ مردار ہو حافظ ترمذی نے فرمایا: اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے ہدایہ کے مچھلی کے مسائل میں ہے کہ اگر مچھلی کا کچھ حصہ کاٹ کر جدا کرلیا اور مچھلی مرجائے تو اس کے دونوں ٹکڑے حلال ہیں کیونکہ اس کی موت سماوی ہوتی ہے تو زندہ سے ٹکڑا جدا کیا ہوا اگرچہ مردہ ہے لیکن اس کا مردہ حلال ہے۔اللہ تعالٰی حقیقت حال بہتر جانتا ہے۔(ت)

[1] جامع الترمذی ابواب الصید باب ماجاء فی ماقطع من الحی فھو میت امین کمپنی کراچی ۱/ ۱۷۹

[2] الہدایة کتاب الذبائح مطبع یوسفی لکھنو دہلی ۴/ ۴۴۱

مسئلہ ۹۲: موضع بکہ جیبی والا،علاقہ جاگل تھانہ ہری پور ڈاک خانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ذبح کس شخص کا جائز اور کس کا ناجائز ہے؟

الجواب:

جن، مرتد، مشرک، مجوسی، مجنون، ناسمجھ اور اس شخص کا جو قصداً تکبیر ترک کرے ذبیحہ حرام و مردار ہے۔اور ان کے غیر کا حلال جبکہ رگیں ٹھیک کٹ جائیں، اگرچہ ذابح عورت یا سمجھ والا بچہ یا گونگا یا بے ختنہ ہو،اور اگر ذبیحہ صید ہو تو یہ بھی شرط ہے کہ ذبح حرم میں نہ ہو،ذابح احرام میں نہ ہو،

فی الدرالمختار شرط کون الذابح مسلما حلالا اوکتابیا ولومجنونا اوامرأۃ اوصبیا یعقل التسمیۃ والذبح ویقدر اواقلف اواخرس لاوثنی ومجوسی ومرتد وجنی وتارك تسمیۃ عمدا [1] اھ ملخصا فی رد المحتار،قولہ مجنونا،المراد بہ المعتوہ کما فی العنایۃ عن النھایۃ لان المجنون لاقصد لہ ولانیۃ لان التسمیۃ شرط بالنص وھی بالقصد [2] الخ،واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے ذبح کرنے والے مسلمان کا حالت احرام میں نہ ہونا، یاکتابی ہوا گرچہ مجنون ہو یا عورت ہو یا بچہ عقلمند ہو جو بسم اللہ وذبح کو سمجھتاہو اور قادر ہو،بے سنت ہو یا گونگا ہو، بت پرست، مجوسی، مرتد، جن اور قصداً بسم اللہ کو ترک کرنے والا نہ ہو اھ ملخصا،ردالمحتار میں ہے اس کا قول "مجنون ہو" سے مراد معتوہ (نیم پاگل) ہے کیونکہ مکمل مجنون کا قصد نہیں ہوتا اور نہ نیت ہوتی جیسا کہ عنایہ میں نہایہ سے ہے کیونکہ قصد کے بغیر بسم اللہ کی شرط پوری نہیں ہوتی جبکہ بسم اللہ پڑھنا نص سے ثابت ہے الخ،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۹۳: ازاوجین مرسلہ ملایعقوب علی خاں یکم رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے نامدار مفتیان ذوی الاقتدار اس مسئلہ میں کہ اقوام بواہر اور عورات اور خروعنی عـــہ اور کتابی اور مجوسی اور نصرانی اور مردم مشرک، یہ سب بہ تکبیر اللہ اکبر ذبح کریں درست ہے یا نہیں؟ اور اہل علم ذبح کرے اور ہندو جانور کو دبائے تومددگار اور ذابح دونوں پر تکبیر کہنا واجب ہے یا فقط ذبح کنندہ

عـــہ: ھکذا فی الاصل ۱۲۔

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۸

پر؟اور سوائے ذابح کے اور نے تکبیر نہ کہی تو وہ جانور حلال ہے یا حرام؟بسند عبارت کتب بیان فرمائیں بینوا توجروا

الجواب:

مسلمان وکتابی کا ذبیحہ حلال ہے اگرچہ عورت یا عنین ہو اور ان کے سوا مشرک مجوسی، مرتد کسی کا ذبیحہ اصلا حلال نہیں اگرچہ تکبیر کہہ کر ذبح کریں، درمختار میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما او کتابیا ولو امرأۃ لاذبیحۃ غیر کتابی من وثنی ومجوسی ومرتد[1] اھ ملخصًا۔	ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ہونا اگرچہ عورت ہو، شرط ہے، کافر غیر کتابی مثلا بت پرست، مجوسی اور مرتد نہ ہو، اھ ملخصًا۔(ت)

قوم بوہرہ میں جو شخص صرف بدعت رفض وغیرہ رکھتا ہو اور اس کے ساتھ ضروریات دین کا منکر نہ ہو تو اس کا بھی ذبیحہ حلال، کہ اگرچہ بدعتی مذہب ہے مگر اسلام رکھتا ہے، اور اگر ضروریات دین سے کسی امر کا انکار کرے گو دعوی اسلام رکھتا اور کلمہ طیبہ پڑھتا ہو، جیسے آج کل اکثر روافض زمانہ کا حال ہے تو کافر مرتد ہے اور اس کا ذبیحہ حرام مطلقًا کما حققناہ فی السیر من فتاوٰنا بتوفیق اللہ سبحٰنہ تعالٰی (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کے باب سیر میں اس کی تحقیق کی ہے۔ بتوفیق اللہ تعالٰی۔ت) نصارٰی زمانہ کہ علی الاعلان الوہیت وابنیت بندہ خدا وزادہ کنیز خدا سیدنا مسیح عیسی بن مریم علیہم الصلوۃ والسلام کے قائل ہیں، ان کے بارہ میں مختلف بہت مشائخ کرام ان کے ذبیحہ کو حرام فرماتے ہیں یہاں تک کہ کہا گیا اسی پر فتوی ہے، مگر ظاہر الروایہ اطلاق حل ہے والتحقیق فی سیر فتاوٰنا (اور ہمارے فتاوٰی کے باب سیر میں اس کی تحقیق ہے۔ت) بہرحال اس قدر ضروری ہے کہ مسلمان کو ان کے ذبیحہ سے احتراز چاہئے، بلکہ مجمع الانہر میں ہے:

النصارٰی فی زماننا یصرحون بالابنیۃ قبحم اللہ تعالٰی، وعدم الضرورۃ متحقق، والاحتیاط واجب لان فی حل ذبیحتھم اختلاف العلماء کما بیناہ فالاخذ بجانب الحرمۃ اولی[2]۔	ہمارے زمانے میں نصرانی عیسٰی علیہ السلام کی ابنیت کی تصریح کرتے ہیں اللہ تعالٰی ان کو قبیح کرے جبکہ عدم ضرورت بھی متحقق ہے اور واجب ہے کیونکہ ان کے ذبیحہ میں علماء کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے لہٰذا حرام ہونے کا پہلو اولٰی ہے۔(ت)

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] مجمع الانہر کتاب النکاح باب المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۸

پھر یہ بھی اس حالت میں ہے کہ وہ ذبح بطور ذبح کریں ورنہ جانور کو گلا گھونٹ کرمار ڈالا، یا گلے میں ایک طرف چھری بھونک دی رگیں نہ کاٹیں جیسا کہ فقیر نے جہاز میں بچشم خود معائنہ کیا تواس کے حرام قطعی ہونے میں اصلا کلام نہیں کہ ایسا مقتول تو مسلمان کے ہاتھ کا بھی مردار ہے نہ کہ کافر کا،اور جو شخص جانور کو دبائے، یا ہاتھ پاؤں پکڑے ایسے مددگار پر تکبیر ضرور نہیں،نہ اس کے ہندو وغیرہ ہونے سے کچھ حرج کہ وہ ذابح نہیں،ہاں جو نفس فعل ذبح میں مدد دے یعنی ذابح کا ہاتھ مثلا کمزور تھا اس نے بھی اس کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھ کر پھیرا کہ دونوں کے فعل سے ذبح واقع ہوا،تو ایسی حالت میں دونوں پر تکبیر لازم ہے۔ان میں جو قصدا تکبیر نہ کہے گا یا حرام الذبیحۃ مثلا ہندو، مجوسی،مرتد ہوگا تو جانور حرام مردار ہو جائے گا،درمختار میں ہے:

تشترط التسمیۃ من الذابح[1] (ذابح کا تسمیہ پڑھنا شرط ہے۔ت)اسی میں ہے:

ارادالتضحیۃ فوضع یدہ مع یدالقصاب فی الذبح و اعانہ علی الذبح سمی کل وجوبا فلو ترکھا احدہما او ظن ان تسمیۃ احدہما تکفی حرمت[2]۔**واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**	قربانی کے ارادے سے اپنا ہاتھ قصاب کے ہاتھ کے ساتھ ذبح کرنے میں شریک کیااور ذبح میں مدد کی تو دونوں پر بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اگر ایک نے پڑھنا ترک کیا یا یہ خیال کیا کہ ایک کا پڑھنا کافی ہے تو ذبیحہ حرام ہوگا**واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**(ت)

مسئلہ ۹۴: از گلگت چھاؤنی جوئنال مرسلہ سید محمد یوسف علی صاحب ۷ شعبان معظم ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیعہ کے یہاں کا ذبح کرا کھانا،دیگر جس کا عقیدہ درست نہ ہو اس کا ذبح کھانا کیسا ہے **؟بینوا توجروا**

الجواب:

آج کل کے رافضی تبرائی علی العموم کافر مرتد ہیں،شاید ان میں گنتی کے ایسے نکلیں جو اسلام سے کچھ حصہ رکھتے ہوں،ان کا عام عقیدہ یہ ہے کہ یہ قرآن شریف جو بحمد اللہ تعالٰی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد پورا نہ رہا،اس میں سے کچھ پارے یا سورتیں یا آیتیں صحابہ کرام اور اہلسنت نے **معاذ اللہ** کم کردیں،اور یہ بھی ان کے چھوٹے بڑے سب مانتے ہیں کہ حضرت مولا علی ودیگر ائمہ اطہار کرم اللہ تعالٰی وجوہم اگلے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل تھے، یہ دونوں عقیدے خالص کفر ہیں جو شخص

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۵

قرآن مجید سے ایک حرف، ایک نقطہ کی نسبت ادنٰی احتمال کے طور پر کہے کہ شاید کسی نے گھٹادیا یا بڑھادیا یا بدل دیا ہو وہ کافر ہے اور قرآن عظیم کا منکر، یونہی جو کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل بتائے وہ بھی کافر، اور جبکہ ان اشقیاء نے باوصف ادعائے اسلام عقائد کفر اختیار کیے تو مرتد ہوئے، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

هؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام و احکامهم احکام المرتدین[1]۔	یہ قوم ملت اسلامیہ سے خارج ہے ان کے احکام مرتدین والے ہیں۔ (ت)

اور مرتد کے ہاتھ کا ذبیحہ نرا حرام و مردار سوئر کی مانند ہے اگرچہ اس نے لاکھ تکبیریں پڑھ کر ذبح کیا ہو، درمختار میں ہے:

لاتحل ذبیحة غیر کتابی من وثنی و مجوسی و مرتد[2]۔	غیر کتابی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے خواہ وہ بت پرست ہو مجوسی ہو یا مرتد ہو۔ (ت)

اسی طرح جس مذہب کا عقیدہ حد کفر تک پہنچا ہو، جسے نیچیری کہ وجود ملائکہ و وجود جن و وجود شیطان و وجود آسمان و صحت معجزاتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام و حشر و نشر و جنت و نار بطور عقائد اسلام وغیرہا بہت ضروریاتِ دینیہ سے منکر ہیں۔ یونہی وہ وہابی کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مثل سات یا چھ یا دو یا ایک خاتم النبیین کسی طبقہ زمین میں کبھی موجود مانے یا ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی اور کو نبوت ملنی جائز جانے اور اسے آیۂ وخاتم النبیین کے مخالف نہ سمجھے، یا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین شان اقدس کے لئے حضور کو بڑا بھائی، اپنے آپ کو چھوٹا بھائی کہے، یا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت یہ ناپاک کلمہ لکھے کہ مر کر مٹی میں مل گئے، وعلی ہذا القیاس جو بد مذہب ضروریات دین اسلام میں سے کسی عقیدہ کا منکر ہو یا اس میں شرک کرے یا تاویلیں گھڑے، باجماع تمام علماء اسلام وہ سب کے سب کافر و مرتد ہیں اگرچہ لوگوں کے سامنے کلمہ، نماز قرآن پڑھتے، روزہ رکھتے، اپنے آپ کو سچا پکا مسلمان جتاتے ہوں کہ جب وہ ضروریات اسلام کے منکر ہوئے تو انھوں نے خدا اور رسول و قرآن کو صاف صاف جھٹلایا، پھر یہ جھوٹے طور پر کلمہ وغیرہ کیا نفع دے سکتا ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی منافق لوگ کلمہ و نماز پڑھتے اور اپنے آپ کو قسمیں کھا کھا کر مسلمان بتاتے تھے اور اللہ تعالٰی نے ان کی ایک نہ سنی اور صاف فرمایا "وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۟ۚ"[3] اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ نرا جھوٹا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴
[2] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸
[3] القرآن الکریم ۶۳/ ۱

دعوی اسلام کرتے ہیں:

خاص ایسے لوگوں کے کفر میں ہر گز شک نہ کیا جائے کہ جو ان کے عقیدہ پر مطلع ہو کر پھر سمجھ بوجھ کر ان کے کفر میں شک کرے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔ در مختار میں ہے:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[1] اھ واما ارتدادہم فھو الصحیح الثابت المنصوص علیہ کما اوضحناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی السیر من فتاوٰینا وفی رسالتنا "المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ المکفرۃ"۔	جو ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ کافر ہے اھ لیکن ان کا ارتداد تو صحیح ثابت منصوص علیہ ہے جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی کے باب السیر میں واضح کر دیا ہے نیز اس اپنے رسالہ "المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ المکفرۃ" میں بیان کیا ہے۔(ت)

اس قسم کے ہر بدمذہب کا ذبیحہ مردار و حرام، ان کے ساتھ نکاح حرام و باطل و محض زنا، ان کے ساتھ کھانا پینا بیٹھنا اٹھنا، ملنا جلنا، کوئی برتاؤ مسلمان کا سا کرنا ہر گز ہر گز کسی طرح جائز نہیں، ہاں جو مذہب دین اسلام کی ضروری باتوں سے کسی بات میں شک نہ کرتا ہو، صرف ان سے نیچے درجہ کے عقیدوں میں مخالف ہوں، جیسے رافضیوں میں تفضیلی، یا وہابیوں میں اسحاقی وغیرہم وہ اگرچہ گمراہ ہے کافر نہیں اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۵: از گونڈہ ملک اودھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبدالعزیز صاحب مدرس مدرسہ مذکورہ ۱۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ

یہ جو اکثر کتب دینیہ میں لکھا ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ درست ہے تو آج کل یہود و نصارٰی جو ہیں ان کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

شک نہیں کہ نصارٰی الوہیت و ابنیت عبداللہ و ابن امتہ، سیدنا مسیح ابن مریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صاف تصریح کرتے ہیں جو نصارٰی ایسے ہیں اور یوہیں وہ یہود کہ ابنیت عبداللہ عزیر علیہ الصلٰوۃ والسلام مانیں ان کا ذبیحہ حلال ہونے میں ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے، جمہور مشائخ جانب حرمت گئے اور کہا گیا کہ اسی پر فتوٰی ہے۔ اور بکثرت محققین تحقیق جواز فرماتے ہیں کہ یہی ظاہر الروایۃ اور یہی اقوٰی من حیث الدلیل ہے

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

وقد حققناہ فی فتاوٰنا بما یتعین المراجعۃ الیہ (ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کر دی ہے اور اس کی طرف مراجعت کی جائے۔ت) مستصفی میں ہے:

فی مبسوط شیخ الاسلام یجب ان لایاکلوا ذبائح اہل الکتاب اذا اعتقدوا ان المسیح الہ، وان عزیرا الہ، و لایتزوجوا نسائھم، وقیل علیہ الفتوی لکن بالنظر الی الدلائل ینبغی ان یجوز الاکل والتزوج [1]۔	شیخ الاسلام کی مبسوط میں ہے جب کہ اہل کتاب کا عقیدہ ہو کہ مسیح علیہ السلام اللہ ہے، تو ان کے ذبیحہ کو مت کھاؤ اور ان کی عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ اور یوں اگر عزیر علیہ السلام کو الہ کہتے ہوں، بعض کے نزدیک اس پر فتوٰی ہے لیکن دلائل کی روشنی میں کھانا اور نکاح کرنا جائز ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

صح نکاح کتابیۃ، وان اعتقدوا المسیح الھا، وکذا حل ذبیحتھم علی المذہب بحر [2] اھ مختصرًا۔	کتابیہ عورت سے نکاح جائز ہے اگرچہ وہ مسیح کے الہ ہونے کا عقیدہ رکھے، یونہی ان کا ذبیحہ مذہب میں جائز ہے بحر اھ مختصرًا۔ (ت)

ہاں کراہت میں شک نہیں کہ جب بےضرورت کتابی خالص کے ذبیحے کو علماء ناپسند کرتے ہیں تو یہ بدتر درجے میں ہیں، فتح القدیر میں ہے:

یجوز تزوج الکتابیات والاولی ان لایفعل، ولایاکل ذبیحتھم الا لضرورۃ [3]۔	کتابی عورتوں سے نکاح جائز ہے اور اولٰی یہ ہے کہ نہ کیا جائے اور ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے، ماسوائے ضرورت کے۔ (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

النصارٰی فی زماننا یصرحون بالابنیۃ قبحھم اللہ تعالٰی، وعدم الضرورۃ متحقق، والاحتیاط واجب۔ لان	ہمارے زمانہ کے نصرانی عیسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کی ابنیت کی تصریح کرتے ہیں اللہ تعالٰی ان کو قبیح کرے۔ ضرورت بھی متحقق نہیں ہے اور احتیاط واجب ہے کیونکہ ان کے

[1] ردالمحتار بحوالہ المستصفٰی کتاب النکاح فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۹

[2] درمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۹

[3] فتح القدیر کتاب النکاح فصل فی المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۳۵

فی حل ذبیحتھم اختلاف العلماء کما بیناہ فالاخذ بجانب الحرمۃ اولی عند عدم الضرورۃ[1]۔	ذبیحہ کے حلال ہونے میں علماء کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے ضرورت نہ ہو تو حرمت کی جانب کو ترجیح ہے۔(ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ وہ ذبح بطور ذبح کریں، اور وقت ذبح خالص اللہ عزوجل کا نام پاک لیں، مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام شریک نہ کریں اگرچہ دل میں مسیح ہی کو خدا جانیں، بالجملہ نہ قصدا تکبیر چھوڑیں نہ تکبیر میں شرک ظاہر کریں ورنہ جو ذبیحہ ان شرائط سے خالی ہو وہ مسلمان کا بھی حرام و مردار ہوتا ہے چہ جائیکہ کتابی، ردالمحتار میں ہے:

لاتحل ذبیحۃ من تعمد ترك التسمیۃ مسلما او کتابیا بنص القراٰن[2]۔	قصدا بسم اللہ کو ترک کرنے والے کا ذبیحہ حلال نہیں ہے وہ مسلم ہو یا کتابی قرآن کی نص کی بناء پر۔(ت)

درمختار میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما او کتابیا ذمیا او حربیا الا اذا سمع منہ عند الذبح ذکر المسیح[3]۔	ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ذمی یا حربی ہونا شرط ہے۔ہاں اگر ذبح کے وقت ان سے مسیح کا نام سنا جائے تو ناجائز ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ولوسمع منہ ذکر اللہ تعالٰی لکنہ عنی بالمسیح قالوا یوکل الا اذا نص فقال باسم اللہ الذی وھو ثالث ثلثۃ، ہندیۃ[4]۔	اگر عیسائی سے اللہ تعالٰی کا نام سنا لیکن اس سے مراد اس نے مسیح کا لیا تو فقہاء نے فرمایا کھالیا جائے ہاں اگر صراحۃً "باسم اللہ تعالٰی جو کہ تین کا تیسرا ہے" کہیں تو نہ کھائیں، ہندیہ (ت)

نصارٰی زمانہ کا حال معلوم ہے کہ نہ وہ تکبیر کہیں نہ ذبح کے طور پر ذبح کریں، مرغ و پرند کا تو گلا گھونٹتے ہیں، اور بھیڑ بکری کو اگرچہ ذبح کریں، رگیں نہیں کاٹتے، فقیر نے بھی اسے مشاہدہ کیا ہے۔
ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ میں کپتان کی ملک سے سمور کا ایک مینڈھا جہاز میں دیکھا گیا جسے وہ چالیس روپے

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب النکاح باب المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۸

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۰

[3] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[4] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۸

کے خرید بتاتا تھا، مول لینا چاہا کہ گوشت درکار تھا، نہ بیچا اور کہا جب ذبح ہوگا گوشت کا حصہ خرید لینا، ذبح کیا تو گلے میں ایک کروٹ کو چھری داخل کردی تھی رگیں نہ کاٹیں، اس سے کہہ دیا گیا کہ اب یہ سوئر ہے ہمارے کسی کام کا نہیں بلکہ نصارٰی کے یہاں صد سال سے ذبح شرعی نہیں، فتاوٰی قاضی خاں میں نقل فرمایا:

النصرانی لاذبیحۃ لہ۔ وانما یاکل ہو ذبیحۃ المسلم و یخنق [1]۔	نصرانی کا ذبیحہ ہی نہیں، وہ مسلمان کا ذبیحہ کھالیتا ہے اور وہ جانور کا گلا گھونٹتا ہے۔ (ت)

تو نصارائے زمانہ کا ذبیحہ ضرور حرام یہود کا حال معلوم نہیں۔ اگر ان کے یہاں بھی ترک تکبیر یا ذبح کی تغیر ہو تو حکم حرمت ہے ورنہ بے ضرورت، ناپسندی و کراہت **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص فرقہ غیر مقلدین یا فرقہ قادیانی یا وہابیہ سے ہو اس کے ہاتھ کا ذبیحہ واسطے اہل سنت وجماعت کے کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

قادیانی صریح مرتد ہیں۔ ان کا ذبیحہ قطعی مردار ہے۔ اور غیر مقلدین وہابیہ پر بوجوہ کثیرہ الزام کفر ہے۔ ان میں جو منکر ضروریات دین ہیں وہ تو بالاجماع کافر ہی ہیں، ورنہ فقہائے کرام ان پر حکم کفر فرماتے ہیں اور ذبیحہ کا حلال ہونا نہ ہونا حکم فقہی ہے خصوصا وہی احتیاط کہ مانع تکفیر ہو، یہاں ان کے ذبیحہ کے کھانے سے منع کرتی ہے کہ جمہور فقہاء کرام کے طور پر حرام و مردار کا کھانا ہوگا، لہذا احتراز لازم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۷: از بریلی محلّہ قراولاں مسئولہ عبدالکریم خیاط قادری رضوی ۲۳ محرم ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا خسر دیوبندی ہے وہ اپنی قیمت سے گوشت خرید کر بھیجتا ہے۔ لانے والا بھی دیوبندی ہے تو یہ گوشت حلال ہے یا نہیں؟ نیز دیوبندی کی قربانی کا گوشت کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

دیوبندی کا ذبیحہ مردار ہے۔ اور دیوبندی کا بھیجا ہوا گوشت اگرچہ مسلمان کا لایا ہوا ہو مردار ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۸: از نجیب آباد مسئولہ جناب احمد حسن خاں صاحب رضوی بتاریخ ۲۸ محرم ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعض اوقات وہابیوں سے ذبیحہ

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الحظر والاباحۃ مسائل مایکرہ ومالایکرہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۷۸

کرایا جاتا ہے جس کا گوشت گھر میں پکتا ہے کھانا کیسا ہے؟

الجواب:

وہابی رافضی قادیانی وغیرہم جن جن کی گمراہی حد کفر تک ہے ان کا ذبیحہ مردار ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۹: از بشارت گنج ضلع بریلی مسئولہ حاجی غنی رضا خاں صاحب رضوی ۲۸ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہابی یا رافضی کا ذبیحہ گائے یا بکری یا مرغی کا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہابیہ اور رافضی کے یہاں کا گوشت پکا ہوا بطور دعوت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

وہابیہ اور رافضی کا ذبیحہ مردار ہے اور ان کے یہاں کا گوشت کھانا حرام ہے۔ فتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

احکامھم احکام المرتدین[1] (ان کے احکام مرتدین کے احکام ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۰و۱۰۱: از ڈونگر پور ملک میواڑ راجپوتانہ مکان جمعدار سمندر خاں مسئولہ عبدالرؤف خاں ۱۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) بوہروں کے یہاں کا ذبیحہ کیا ہوا گوشت ان کے یہاں کا پکا ہوا کھانا اہلسنت وجماعت کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اور کوئی شخص ذبیحہ کرتا ہو اور اس سے اپنی اور اپنے بچوں کی گزراوقات کرتا ہو وہ خدا کے یہاں مواخذہ حشر میں تو نہ ہوگا؟ یا نامہ اعمال میں اس کے کچھ لکھا جائے گا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) بوہرے کہ اسمعیلی رافضی ہیں ان کے ہاتھ کا ذبیحہ مردار ہے۔ اور ان کے یہاں کا گوشت پکا ہوا بھی حرام ہے، مگر یہ کہ مسلمان نے ذبح کیا اور اس وقت سے اس وقت تک مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہوا ہو، گوشت کے علاوہ باقی کھانوں پر اگرچہ قطعی حکم حرمت مگر بہر حال احتراز ہی مناسب ہے۔

(۲) ذبح کا پیشہ شرعاً ممنوع نہیں، نہ اس پر کچھ مواخذہ ہے اگرچہ گائے ذبح کرنے کا پیشہ ہو، وہ جو حدیث لوگوں نے دربارہ ذابح بقر و قاطع شجر بنا رکھی ہے محض باطل وموضوع ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الظہیریۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

مسئلہ ۱۰۲: از شہر کہنہ بریلی محلّہ کوٹ مرسلہ محمود علی صاحب بنگال ۲صفر ۱۳۳۱ھ

عورت کاذبح کیاہوا حلال اور درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

عورت کاذبیحہ جائز ہے جبکہ ذبح کرناجانتی ہو، اور شرائط حلت مجتمع ہو، درمختار میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما اوکتابیا، ولو امرأۃ [1] (باختصار) واللہ تعالٰی اعلم۔	ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ہونا شرط ہے اگرچہ عورت ہو (باختصار)۔(ت)

مسئلہ ۱۰۳: مرسلہ احمد شاہ خاں از موضع نگریاسادات ضلع بریلی

عورت کے ہاتھ کاذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

مسلمان عورت کے ہاتھ کاذبیحہ جائز ہے جبکہ وہ ذبح کرنا جانتی ہو اور ٹھیک ذبح کردے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۴: از مقام سید پور ڈاکخانہ وزیر گنج ضلع بدایوں مسئولہ سید احمد حسین صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نماز وروزہ کرتاہے لیکن شراب خور ہے، سفلہ وچنڈو وبھنگ وغیرہ، زنا وحرام خوری، چوری، آگ دیتاہے۔ مگر ان فعلوں کو برا جانتاہے تو ایسے شخص کاذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

اس صورت میں زید فاسق ہے۔ مستحق عذاب جہنم ہے۔ مگر اس کے ہاتھ کاذبیحہ درست ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۵تا ۱۰۷: از بھوٹا بھوٹی موٹولانگر علاقہ جام نگر کاٹھیاوار مرسلہ حاجی اسمٰعیل میاں صدیقی حنفی ابن امیر میاں ۲۳صفر ۱۳۳۶ھ

(۱) اگر ایک مرد نے طاہر عورت کو بغیر نکاح کے گھر میں رکھاہے آیا اس شخص کاذبیحہ کھانا درست ہے یا نہیں؟

(۲) قربانی کرنا واجب ہے، اگر کوئی شخص ماہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی صبح صادق کے بعد اور نماز سے

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

پہلے قربانی کرے تو وہ قربانی جائز ہے یا نہیں؟

(۳) قربانی کے حصے تین کرنا، ایک حصہ اپنا دوسرا خویش واقارب کا، تیسرا مسکینوں کا، آیا گر مساکین لوگ اسلام میں سے نہیں ہیں، تو اس حصہ کا کیا حکم ہے، اور اگر کسی شخص نے قربانی کی اور تین حصے نہیں کئے اور سارا گھر میں رکھ لیا آیا قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) اگر بالفرض اس پر زنا ثابت بھی ہو جب بھی زانی کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے کہ ذبح کے لئے دین سماوی شرط ہے اعمال شرط نہیں، اور اتنی بات پر کہ گھر میں رکھا ہے۔ اور ہمارے سامنے نکاح نہ ہوا، نسبت زنا کر بھی نہیں سکتے، بنص قطعی قرآن مجید حرام شدید ہے۔ بلکہ اگر گھر میں بیبیوں کی طرح رکھتا ہو اور بیبیوں کا سا برتاؤ برتتا ہو تو ان کو زوج وزوجہ ہی سمجھا جائے گا اور ان کی زوجیت پر گواہی دینی حلال ہوگی اگرچہ ہمارے سامنے نکاح نہ ہوا، **کما فی الھدایۃ والدر المختار والھندیۃ وغیرھا** (جیسا کہ ہدایہ، درمختار اور ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) دیہات میں عید جائز نہیں۔ قربانی اگر گاؤں میں ہو طلوع صبح کے بعد ہو سکتی ہے اگرچہ شہری نے اپنی قربانی وہاں بھیج دی ہو، اور اگر قربانی شہر میں ہو جہاں نماز عید واجب ہے تو لازم ہے کہ بعد نماز ہو، اگر نماز سے پہلے کرلی قربانی نہ ہوئی اگرچہ قربانی دیہاتی کی ہو کہ اس نے شہر میں کی، درمختار میں ہے:

(اول وقتھا بعد الصلاۃ ان ذبح فی مصر) ای لو اسبق صلوۃ عید ولو قبل الخطبۃ لکن بعدھا احب (وبعد طلوع فجر یوم النحر ان ذبح فی غیرہ) والمعتبر مکان الاضحیۃ لامکان من علیہ فحیلۃ مصری اراد التعجیل ان یخرجھا الخارج المصر فیضحی بھا اذا اطلع الفجر۔ مجتبی [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر شہر میں قربانی دینی ہو تو اس کا وقت نماز کے بعد شروع یعنی نماز عید سے پہلے ہو اگرچہ قربانی خطبہ سے پہلے کرے بعد از خطبہ افضل ہے، اور قربانی شہر میں نہ ہو تو اس کا اول وقت بعد از طلوع فجر بروز عید قربان، اس فرق میں قربانی کا مقام معتبر ہے نہ کہ قربانی والے کا مقام شہری کے لئے قربانی جلدی کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ وہ جانور کو شہر سے خارج لیجا کر فجر کے بعد قربانی کرے، مجتبٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

(۳) تین حصے کرنا صرف استحبابی امر ہے کچھ ضروری نہیں چاہے سب اپنے صرف میں کرلے یا سب عزیزوں قریبوں کو دے دے، یا سب مساکین کو بانٹ دیں، یہاں اگر مسلمان مسکین نہ ملے تو کافر کو اصلا نہ دے کہ یہ کفار ذمی نہیں، توان کو دینا قربانی ہو خواہ صدقہ، اصلا کچھ ثواب نہیں رکھتا، درمختار میں ہے:

اما الحربی ولو مستامنا فجمیع الصدقات لایجوز له اتفاقا، بحر عن الخانیة وغیرہا [1]۔	حربی اگر مستامن بھی ہو تواس کو کوئی بھی صدقہ دینا بالاتفاق ناجائز ہے۔ بحر نے خانیہ وغیرہا سے نقل کیا۔ (ت)

بحرالرائق میں معراج الدرایہ شرح ہدایہ سے ہے:

صلته لاتکون براشرعا، ولذا لم یجز التطوع الیه فلم یقع قربة [2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	اس سے صلہ شرعا نیکی نہیں اسی لئے اس کو نفلی صدقہ بھی جائز نہیں لہذا عبادت نہ بنے گا **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۸: از سرنیا ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ

زید نماز روزے سے بالکل بے خبر ہے اور ذبح کے وقت کلی بھی نہیں کرتا، تواس کا ذبح کیسا ہے؟

الجواب:

اگر مسلمان ہے اور ذبح کرنا جانتا ہے اور تکبیر کہے تو ذبح ہوجائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۹: از گوری ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفرپور مرسلہ عبدالجبار صاحب یکم شعبان ۱۳۳۶ھ

ایک شخص مسلمان کلمہ گو اپنی بدقسمتی سے ادائے نماز میں غفلت کرتا ہے، پس اس صورت میں ذبیحہ وضیافت اس کا مسلمانوں کو کھانا ونماز جنازہ، دفن مقبرہ مومنین میں جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کس دلیل سے، ذبیحہ اہل کتاب وضیافت مسلمانوں کو جائز کیا گیا؟

الجواب:

ضرور اس کا ذبیحہ جائز، اور اس کے جنازہ کی نماز، اور اسے اسلامی طور پر دفن کرنا مسلمانوں پر فرض

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱

[2] بحرالرائق کتاب الزکوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۴۸

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اما الدیوان الذی لایعبؤاللہ بہ شیئا فظلم العبد نفسہ فیما بینہ وبین ربہ،من صوم یوم ترکہ،اوصلوٰۃ ترکھا،فان اللہ تعالٰی یغفر ذٰلك ان شاء ویتجاوز[1]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بناء پر کہ گناہوں کا دفتر اللہ تعالٰی کے ہاں اس کی حیثیت نہیں ہے تو بندے کا اپنے نفس پر ظلم اس کے اور اس کے رب کے درمیان معاملہ ہے کسی دن کا روزہ یا کوئی نماز ترک کی ہو تو اللہ تعالٰی چاہے تو اسے بخش دے اور درگزر فرمادے۔(ت)

ضیافت بھی جائز ضرور ہے اس سے بچنے نہ بچنے میں عمل سلف مختلف ہے کما فصلہ الامام حجۃ الاسلام فی الاحیاء (جیسا کہ حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ت) اسکا بیان ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۰: از مدرسہ مڈھاوی ڈاکخانہ کوراولی ضلع میں پوری مرسلہ محمد بختیار صاحب مدرس ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

قصاب پیشہ شخص جو ذبح کرے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

درست ہے جبکہ تکبیر کے ساتھ ذبح کرے،فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

یلزم علی ھذا الجاھل ان لایاکل ماذبح القصاب[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ایسے جاہل کو لازما آتا ہے کہ وہ قصاب کے کسی ذبیحہ کو نہ کھائے،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۱۱: از کانپور مدرسہ فیض عام مرسلہ مولوی عبدالحمید صاحب ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قصاب کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

ذبح قصاب وغیرہ سب کا ایک حکم ہے۔مسلمان یا کتابی،عاقل ہونا چاہئے کہ ذبح جانتا ہو اور عمداً تسمیہ ترک نہ کرے،کسی قوم یا پیشہ کی تخصیص محض جہالت ہے،درمختار میں ہے:

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ۲۵۵۰۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۷/ ۳۴۲،مسند احمد بن حنبل از مسند عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۲۴۰

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی ہندیۃ کتاب الصید الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۰۲

لایعطی اجر الجزار منہا لانہ کبیع [1]۔	قربانی کا کوئی حصہ قصاب کی اجرت میں نہ دے کیونکہ یہ معاوضہ سوداکاری کے معنی میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لانہ انما یعطی الجزار بمقابلۃ جزرہ [2]۔	کیونکہ یہ قصاب کے عمل کے بدلے میں دے گا۔(ت)

خانیہ میں ہے:

وضع صاحب الشاۃ یدہ مع ید القصاب فی المذبح واعانہ علی الذبح، سمی کل وجوبا [3] الخ (ملخصا)	بکری والے نے ذبح میں قصاب کے ساتھ اپنا ہاتھ شریک کیا تو دونوں پر بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔الخ (ملخصا)۔(ت)

بزازیہ میں ہے:

لاریب ان القصاب یذبح للربح ولو علم انہ نجس لا یذبح، فیلزم علی ہذا الجاہل ان لایاکل ماذبحہ القصاب [4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بے شک قصاب نفع حاصل کرنے کے لئے ذبح کرتا ہے اگر اسے معلوم ہو کہ یہ نجس ہے تو ذبح نہ کرے گا، تو ایسے جاہل پر لازم آتا ہے کہ قصاب کا ذبیحہ نہ کھائے، واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۱۲: از اوجین علاقہ گوالیار مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی محمد یعقوب علی خاں صاحب ۱۱ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

خنثٰی جانور کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

خنثٰی کہ نر و مادہ دونوں کی علامتیں رکھتا ہو، دونوں سے یکساں پیشاب آتا ہو، کوئی وجہ ترجیح نہ رکھتا ہو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں کہ اس کا گوشت کسی طرح پکائے نہیں پکتا، ویسے ذبح سے حلال ہو جائے گا، اگر کوئی کچا گوشت کھائے، کھائے، درمختار میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاضحیۃ فصل مسائل متفرقہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۰

[4] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی ہندیہ کتاب الصید الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۰۲

ولابالخنثی لان لحمہا لاینضج، شرح وھبانیۃ[1]۔	خنثٰی بکرے کی قربانی جائز نہیں کیونکہ اس کا گوشت پکتا نہیں، شرح وہبانیہ۔(ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لاتجوز التضحیۃ بالشاۃ الخنثٰی لان لحمہا لاینضج، کذا فی القنیۃ[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔	خنثٰی بکرے کی قربانی جائز نہیں کیونکہ اس کا گوشت پکتا نہیں، قنیہ میں اسی طرح ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۳: از کلکتہ دھرم تلااسٹریٹ نمبر ۱۶۲ مرسلہ حافظ عبدالرحمان صاحب ۳ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بکری بچہ جنی، اور بعد جننے کے مر گئی، اب وہ بچہ ایک کتیاکا دودھ پی کر سیانا ہوا، پس وہ بچہ حلال ہے یاحرام؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر ایسا سیانا ہوگیاکہ دودھ چھٹے کچھ مدت گزری، جب تو بالاتفاق بلاکراہت حلال ہے۔یونہی دودھ پیتے کو چند روز اس دودھ سے جدا رکھ کر حلال جانور کا دودھ یا چارادیا، اور اس کے بعد ذبح کیاجب بھی بالاتفاق بے کراہت حلال ہے۔اور اگر اسی حالت میں ذبح کرلیاتو اس کا کھانا مکروہ ہے۔اس صورت میں کراہت بھی محل نزاع نہیں، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے یعنی کھانا بہتر نہیں، اور کھالے توگناہ نہیں، یا تحریمی یعنی کھانا ناجائز وگناہ ہے۔عامہ کتب میں معتمدہ مذہب مثل نوازل وخلاصہ وخانیہ وذخیرہ وبزازیہ وتبیین الحقائق وتکملہ لسان الحکام للعلامۃ ابراہیم حلبی ودرمختار وغیرہا میں قول اول ہی پر جزم فرمایا اور خود محرر مذہب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ سے اس پر نص صریح آیا، اور شک نہیں کہ وہی اقوی من حیث الدلیل ہے۔درمختار میں ہے:

حل اکل جدی غذی بلبن خنزیر لان لحمہ لایتغیر وماغذی بہ یصیر مستھلکا لایبقی لہ اثر[3]۔	بھیڑ کے جس بچے نے خنزیر کا دودھ بطور خوراک پیا تو اسے کھانے میں حرج نہیں ہے کیونکہ اس کا گوشت متغیر نہ ہوااور جو خوراک دی گئی وہ ہلاک ہو گئی اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔(ت)

[1] درمختار کتاب لاضیحہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۹
[3] درمختار کتاب الحظروالاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۶

خلاصہ میں ہے:

فی النوازل لو ان جدیاً غذی بلبن الخنزیر فلا باس باکلہ،فعل ھذا قالوا لاباس باکل الدجاج الذی یخلط ولا یتغیر لحمہ،والذی روی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال تحبس الدجاجۃ ثلثۃ ایام کان للتنزیہ[1] (باختصار)۔	نوازل میں ہے جو بچہ خنزیر کے دودھ کی خوراک سے پرورش پایااس کو کھانے میں حرج نہیں ہے اسی لئے فقہاء نے فرمایا جو مرغ گندگی کھائے اور اس کا گوشت متغیر نہ ہو تو کھانے میں حرج نہیں ہے،اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد کہ مرغی کو تین دن قید رکھ کر ذبح کیا جائے،یہ ارشاد تنزیہ کے طور پر ہے۔(باختصار)(ت)

اسی سے تکملہ لسان میں فرمایااسی طرح بقیہ کتب میں مذکور ہے،ہندیہ کی کتاب الکراہیۃ میں قنیہ سے ہے:

ذکر محمد رحمہ اللہ تعالٰی جدی او حمل یرضع بلبن الاتان یحل اکلہ ویکرہ[2]۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا بکری یاگائے کا بچہ گدھی کے دودھ سے پرورش پائے اس کا کھانا حلال ہے اور مکروہ ہے۔(ت)

اسی قنیہ میں بعض علماء سے قول ثانی نقل کیا،وہی ظاہرا کلام فتاوی کبرٰی وخزانۃ المفتین کا مفاد،اور امام اعبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے ارشاد سے مستفاد،ردالمحتار میں ہے:

فی شرح الوہبانیۃ عن القنیۃ راقما انہ یحل اذا ذبح بعد ایام والالا[3]۔	شرح وہبانیہ میں قنیہ سے نقل کیاکہ اگر چند روز کے بعد ذبح کیاتو حلال ہے ورنہ نہیں۔(ت)

سیدابوالسعودازہری فتح اللہ المعین حاشیہ کنزمیں فرماتے ہیں:

الجدی اذا ربی بلبن الا تان،قال ابن المبارك یکرہ اکلہ قال واخبرنی رجل عن الحسن،قال اذا ربی الجدی بلبن الخنزیر لاباس	بھیڑ کا بچہ گدھی کے دودھ سے پرورش پائے تو ابن مبارک نے فرمایااس کا کھانا مکروہ ہے مجھے یک شخص نے حسن سے خبر دی انھوں نے کہا بھیڑ کا بچہ اگر خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے توحرج

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصید الفصل الخامس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۰۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۹

[3] ردالمحتار کتاب الکراہیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۷

بہ۔قال معناہ اذا اعتلف ایاما بعد ذٰلك کالجلالۃ کذا بخط شیخنا عن الخانیۃ [1]۔	نہیں، انھوں نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے بعد وہ چارہ کھاتا رہا تو وہ جلالہ یعنی گندگی کھانیوالے جانور کی طرح ہے ہمارے شیخ کے سے یوں خانیہ سے منقول ہے۔

ہندیہ کی کتاب الصید والذبائح میں ہے:

الجدی اذا کان یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما ,فلا باس لانہ بمنزلۃ الجلالۃ والجلالۃ اذا حبست ایاما فعلفت لاباس بھا فکذا ہذا ,کذا فی الفتاوٰی الکبری [2]۔	بکری کا بچہ گدھی یا خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے پھر چند روز چارہ کھالے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ گندگی کھانے والے جانور کی طرح ہے اور یہ گندگی کھانے والا اگرچند روز قید میں رکھا جائے اور چارہ کھائے تو کوئی حرج نہیں اسی طرح یہ بھی ہے، فتاوٰی کبرٰی میں ایسے ہی ہے۔(ت)

اسی طرح خزانۃ المفتین میں برمز فتاوٰی کبرٰی سے منقول:

فقد علق نفی الباس علی الاعتلاف فافاد وجودہ عند عدمہ ,والباس انما ہو فیما ینھی عنہ۔	انھوں نے حرج کی نفی کو چارہ کھانے سے معلق کیا ہے تو چارہ نہ کھانے کی صورت میں حرج کا وجود ثابت ہوتا ہے اور حرج کا تعلق ممنوع چیز ہے(ت)

لہٰذا اختلاف علماء سے بچنے کے لئے اسلم وہی ہے کہ چند روز کا وقفہ دے کر ذبح کریں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۴: از شیر پور ضلع پیلی بھیت مرسلہ محمد منگل خانصاحب تعلقدار ۳ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بچہ ہرنی کا کتی کا دودھ پی کر پرورش ہوا اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر اب دودھ چھوڑے ہوئے ایک زمانہ گزرا تو اس کا گوشت حلال ہے۔اور اگر اب بھی پیتا ہے تو چند روز وہ دودھ چھڑائیں، پاک دودھ پلائیں یا چارہ کھلائیں، یہاں تک کہ پیٹ میں وہ دودھ

---

[1] فتح المعین علی الکنز لمنلا مسکین کتاب الکراہیۃ فصل فی الاکل والشرب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۸۶

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

بالکل نہ رہے۔اس وقت اسے ذبح کرکے کھاسکتے ہیں۔عالمگیریہ میں ہے:

الجدی اذاکان یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما فلا باس لانه بمنزلة الجلالة،والجلالة اذا حبست ایاما فعلفت لا باس بها فکذا ہذا، کذا فی الفتاوٰی الکبری[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	بھیڑ کا بچہ اگر گدھی یا خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے اور بعد میں چند روز چارہ کھائے تو حرج نہیں ہے کیونکہ وہ جلالہ (گندگی کھانے والے جانور) کی طرح ہے اور جلالہ کو چند روز قید میں رکھا جائے چارہ کھائے تو اس کے کھانے میں حرج نہیں ہے۔تو یہ بھی ایسا ہے،فتاوٰی کبرٰی میں یونہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۱۵: از شہر کہنہ اپر برہما مرسلہ محمد یعقوب صاحب امام مسجد شہر مذکور ۱۷محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی جانور آدمی کا دودھ پئے گا تو اس کا گوشت کھانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جس جانور نے آدمی کا دودھ پیا ہو وہ اس کے باعث حرام نہیں ہو جاتا، اگرچہ پوری پرورش انسان بلکہ خنزیر کے دودھ سے پائی، غایت یہ کہ چند روز بند کرکے چارہ کھلائیں یا حلال جانور کا دودھ پلائیں، اس کے بعد ذبح کریں، خانیہ میں ہے:

لوان جدیا غذی بلبن الخنزیر لاباس باکله[2]۔	بھیڑ کا بچہ اگر خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے تو اس کے کھانے میں ممانعت نہیں۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

الجدی یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما فلاباس[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	بھیڑ کا بچہ اگر گدھی یا خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے تو اس نے چند روز بعد میں چارہ کھالیا تو کھانے میں حرج نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الذبائح مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۲

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

مسئلہ ۱۱۶: مرسلہ مولانا بخش ہولا پاڑنگ چاہ بگان ڈاکخانہ لٹاکو باڑی ضلع ڈونگ بتاریخ ۷ شعبان ۱۳۳۳ھ

جناب مولانا احمد رضاخاں صاحب مصدر اشفاق فراواں ومحزن الطاف بیکراں برحال بیکساں، بعد سلام مسنون اسلام مشہور، ضمیر مبین یاد کے عرصہ بعید منقضی ہوتا ہے کہ خاکسار نے حضور کے گوش گزار کیا تھا کہ کوئی مشرک یاکافر کسی جانور کو کالی یا بھوانی کے بھوگ چڑھاوے، اور بل دینے کو لے جائے اور بل نہ دے یعنی گردن نہ مارے، صرف کان کاٹ کر چھوڑ دے یہ کہہ کرکے "یابھوانی یاکالی یہ تمھارا بھوگ ہے" تو اس جانور کو ذبح کرنا اور کھانا مسلمانوں کو جائز اور درست ہے یانہیں؟ ہم نے ان کو بموجب آیہ شریف "وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ"[1] (ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔ت) منع کیا کہ جس جانور یا مٹھائی وغیرہ کو مشرک یاکافر اپنے بتوں کو چڑھائیں وہ نہ کھانا چاہئے، تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ عالموں نے فتوی دیا ہے کھانے کے لئے، اس وجہ سے ہم لوگ چڑھائے ہوئے جانور کو کھاتے ہیں، چونکہ اس زمانہ میں بہت سا اختلاف ہورہا ہے اور لوگوں نے کئی ایک طریقہ اختیار کیا ہے اس لئے آپ سے التجا ہے کہ آپ گویا اس وقت کے امام ہیں ہادی گمراہاں سمجھ کر درخواست کرتے ہیں شاید ہم غلطی پر ہوں اور آپ کے باعث ہم کو راہ راست نصیب ہو للہ جواب خط سے ضرور سرفراز فرمائیں، اس کا اجر آپ کو اللہ تعالٰی عطا فرمائے گا، جواب کے لئے لفافہ خط کے ساتھ شامل خدمت والا میں ارسال کرتا ہوں،

الجواب:

مشرکین اپنے بتوں کے لئے سانڈ چھوڑتے اسے سائبہ کہتے جسے کان چیر کر چھوڑتے اسے بحیرہ کہتے اور ان جانوروں کو حرام جانتے، اللہ تعالٰی نے ان کو رد فرمایا کہ:

"مَاجَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّ لَا سَآىٕبَةٍ وَّ لَا وَصِیْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ ۙ وَّ لٰكِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾"[2]	اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے کان چرا ہوا اور نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حامی، ہاں کافر لوگ اللہ پر جھوٹا افتراء باندھتے ہیں اور ان میں اکثر نرے بے عقل ہیں، (ت)

یعنی یہ باتیں اللہ نے تو ٹھہرائیں نہیں لیکن کافران پر جھوٹ باندھتے ہیں، تو ان جانوروں کو حرام بناناکافروں کا

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

[2] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۳

قول، اور قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اور آیہ مااہل بہ لغیر اللہ اس جانور کے لئے ہے جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا جائے، چھوڑے ہوئے جانور سے اسے کوئی تعلق نہیں نہ کہ مٹھائی تک پہنچے، یہ تعصب وہابیوں کے جاہلانہ خیال ہیں کہ "جاندار یا بے جان ذبیحہ ہو یا غیر، جس چیز کو غیر خدا کی طرف منسوب کرکے پکاریں گے حرام ہوجائیں گی" ایسا ہو تو ان کی عورتیں بھی ان پر حرام ہوں کہ وہ بھی انھیں کی عورتیں کہہ کر پکاری جاتی ہیں اللہ تعالٰی کا نام ان پر نہیں لیا جاتا، ایسے بیہودہ خیالوں سے بچنا لازم ہے۔ ہاں بت کے چڑھاوے کی مٹھائی پرشاد مسلمانوں کو نہ لینا چاہئے کہ کافر اسے صدقہ کے طور پر بانٹتے ہیں، وہ لینا ذلت بھی ہے اور **معاذاللہ** جو چیز انھوں نے تعظیم بت کے لئے بانٹی اس کا ان کے موافق مراد استعمال بھی ہے. بخلاف چھوڑے ہوئے جانور کے کہ اس کا کھانا کافروں کے خلاف مراد اور ان کی ذلت ہے، اس میں حرج نہیں مگر شرط یہ ہے کہ فتنہ نہ ہو، ورنہ فتنہ سے بچنا لازم ہے۔

قال اللہ تعالٰی "اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ج"[1] ۔**واللہ تعالٰی اعلم**۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: فتنہ قتل سے شدید تر ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۱۷: مسئولہ مسلمانان کاٹھیاواڑ جام جودھپور معرفت شیخ عبدالستار پوربند کاٹھیاواڑ ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۳ھ

اس ملک میں رواج ہے کہ اہل ہنود بکریوں کے چرواہے مندروں پر بکرا چڑھانے کے واسطے لے جاتے ہیں اور اس کے ذبح کرنے کے واسطے مسلمان قصاب کو بلاتے ہیں اور اکثر قصاب نہیں ہوتے تو پیش امام کو لے جاتے ہیں اور بعد ذبح کے وہ گوشت انھیں لوگوں پر تقسیم کیا جاتا ہے اس گوشت کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور ذبح کرنے کے واسطے جانا چاہئے یا نہیں؟ اور قصاب وہاں سے گوشت لے کر فروخت کرتے ہیں ان سے خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ذبح میں ذابح کی نیت شرط معتبر ہے، اگر کافر اپنے معبودوں کے لئے ذبح کرائے اور مسلمان اللہ عزوجل کے لئے اس کا نام لے کر ذبح کرے جانور حلال ہوجائے گا مگر یہ فعل مسلمان کے لئے مکروہ ہے، اور اس گوشت کا اس سے لینا بھی نہ چاہئے کہ اس میں کافر کے زعم میں اس کے مقصد باطل کو پورا کرنا ہے اور یہ گوشت گویا اس کی طرف سے تصدق لینا ہے۔

والید العلیا خیر من الید السفلٰی،	اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ تو یہ

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۱

ولا ینبغی لید کافر ان تکون اعلٰی من ید مسلم و المسئلة منصوص علیها فی العالمگیریة والتتارخانیة انه یحل ویکره للمسلم [1]۔	مناسب نہیں کہ کافر کا ہاتھ مسلمان کے ہاتھ سے افضل ہو، اس مسئلہ پر عالمگیری میں نص ہے تاتارخانیہ میں ہے حلال ہے اور مکروہ ہوگا مسلم کے لئے (ت)

ہاں قصاب وغیرہ جس مسلمان نے اس سے گوشت لیا اور بعد ذبح مسلم نظر مسلم سے غائب نہ ہوا تھا اسکے خریدنے میں حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۸: مرسلہ شیخ گھورا موضع یکسٹر اڈاکخانہ ایٹاری ضلع شاہ آباد آرہ ۱۷صفر ۱۳۳۵ھ

اگر ہندو کسی جانور یعنی بکرا بکری، بھیڑا بھیڑی وغیرہ کو کسی اپنے دیوتا کے نام پر یا دیوتا کی جگہ پر لے جا کر اس کا کان کاٹ ڈالے اور بعد میں اس جانور کو کسی مسلمان کے ہاتھ بیچ ڈالے اور وہ مسلمان اس جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح کرکے کھائے تو وہ جانور یا اس کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حلال ہے

قال اللہ تعالٰی "وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ" [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمہیں کیا ہوا کہ نہیں کھاتے جس پر اللہ تعالٰی کا نام پکارا گیا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۹و۱۲۰: از چتوڑ گڑھ علاقہ اودیہ پور راجپوتانہ مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ بروز شنبہ

(۱) سانڈ حرام ہے یا حلال، فتاوٰی عبدالحہ صاحب لکھنوٴ جلد سوم میں حرام لکھا ہے اس بناء پر کہ وہ سانڈ مالک کی ملک سے خارج نہیں۔

(۲) خراطین یا کسی مکروہ تحریمی یا حرام شے کا جلا کر کھانا یا جس شیئ میں جلائی ہے مثلاً گھی وغیرہ اس کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب:

(۱) سانڈ اگر اللہ کے لئے ذبح کرلیا جائے گا تو اس کے گوشت کی حلت میں تو کوئی کلام ہی نہیں،

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۲۱

قال اللّٰہ تعالٰی "مَاجَعَلَ اللّٰہُ مِنۡۢ بَحِیۡرَۃٍ وَّ لَا سَآئِبَۃٍ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی نے بحیرہ اور سائبہ نہیں بنائے۔ (ت)

کافروں کا یہ اعتقاد تھا کہ کان چیر کر چھوڑ دیا یا بحار کر دیا تو اس کا کھانا حرام ہے، قرآن عظیم نے اس کا رد فرمادیا، رہا ملک غیر کی وجہ سے حرام ہونا یہ معصوم وغیر معصوم میں عدم تفرقہ سے ناشی ہے۔ کافر کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن نہ مستامن منہ، یعنی نہ وہ اس کی امان میں ہو نہ یہ اس کی امان میں، اس سے صرف غدر حرام ہے، ہاں ایک اور راہ سے یہاں عدم جواز آسکتا ہے، وہ یہ کہ یہ صورت اگر قانوناً جرم ہو تو ایسا مباح جو مسلمان کو معاذاللہ ذلت پر پیش کرے شرعاً ممنوع ہو جاتا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) حرام شیئ جلنے کے بعد بھی حرام ہی رہے گی اور دوسری شیئ میں اگر ایسی مخلوط ہوگی کہ تمیز ناممکن ہے، تو اسے بھی حرام کردے گی،

اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حلال اور حرام مجتمع ہوں تو حرام کو غلبہ ہوتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۱: از ملک آسام مقام نوعلی گاؤں ضلع شیپ ساگر مرسلہ پیر ملا مولوی سید عبدالمجید صاحب ۱۶رمضان ۱۳۱۳ھ

علمائے دین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ ایک بیل غیر اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا ہے آیا اس جانور کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں کہ یہاں پر بہت اختلاف ہے اس کو معہ دلیل تحریر فرمائیں،

الجواب:

اس چھوڑ دینے سے وہ جانور حرام نہیں ہو جاتا۔

قال اللّٰہ تعالٰی مَاجَعَلَ اللّٰہُ مِنۡۢ بَحِیۡرَۃٍ وَّ لَا سَآئِبَۃٍ وَّ لَا وَصِیۡلَۃٍ وَّ لَا حَامٍ ۙ وَّ لٰکِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ ؕ وَ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام اللہ تعالٰی نے نہیں بنائے لیکن کافروں نے اللہ تعالٰی پر جھوٹ افتراء باندھا جبکہ ان کی اکثریت بے عقل ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۴۴

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۳

تفسیر مدارک شریف میں ہے:

یفترون علی اللہ الکذب فی نسبتھم ہذا التحریم الیہ، واکثرھم لایعقلون ان اللہ تعالٰی لایحرم ذٰلك[1]۔	اللہ تعالٰی پر ان کے حرام کرنے کی نسبت میں افتراء باندھتے ہیں جبکہ ان کی اکثریت بے عقل ہے اللہ تعالٰی نے ان کو حرام نہیں کیا۔(ت)

مگر اس چھوڑدینے سے وہ ملک مالک سے بھی خارج نہیں ہوتا، اسی کی ملک پر باقی رہتا ہے کہ بیل چھوڑنے والے چھوڑتے وقت نہ یہ کہتے کہ جو اسے پکڑلے اس کا مالک ہوجائے، نہ وہ ہرگز اس کا پکڑنا روا رکھتے ہیں، بلکہ ان کی نیت یہی ہوتی ہے کہ یہ یونہی چھوٹا پھرے، تو جانور بدستور انھیں کا مملوک رہتا ہے، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لو سیب دابۃ، وقال لاحاجۃ لی الیھا، ولم یقل ہی لمن اخذہا فاخذہا الانسان لاتکون لہ[2]۔	اگر کوئی جانور آزاد چھوڑ دیا گیا اور یہ نہ کہا جو پکڑے اس کا ہوگا تو کوئی انسان پکڑلے تو وہ اس کا مالک نہ بنے گا۔(ت)

اس وجہ سے اس کا پکڑنا، ذبح کرنا، کھانا کچھ جائز نہیں کہ وہ ملک غیر ہے یہاں تک کہ اگر مالک اجازت دے دے بلاشبہ حلال ہوجائے، یا اگر کسی شخص کا اس بیل چھوڑنے والے پر کچھ دین آتا ہو مثلاً اس نے کچھ مال اس کا چھینا یا چرایا یا سود یا رشوت میں لیا ہو اور اس سے وصول کی امید نہیں تو یہ شخص اپنے آتے میں اس بیل کو لے سکتا ہے جبکہ اس کی قیمت اس کے مقدار حق سے زائد نہ ہو

وھی مسئلۃ الظفر بخلاف الجنس الحق المفتی الاٰن بجواز اخذہ کما فی ردالمحتار وغیرہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ مسئلہ اپنے حق کے خلاف جنس پر قابو پانے کا ہے جس پر آج کل فتوٰی ہے کہ قابو پانا جائز ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۲۲: ازاودے پور میواڑ مہارانا ہائی اسکول مرسلہ مولوی وزیر احمد صاحب ۱۸صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانہ میں بکرا جو شیخ سدو کے نام سے یا دوسرے کسی بزرگ کے نام سے موسوم کیا جائے، اور وہ بکرا اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کیا جائے اس کا کھانا مسلمان

[1] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیۃ یفترون علی اللہ الکذب الخ دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۳۰۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۲

[3] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵

کو جائز ہے یا نہیں؟اور "وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ج"[1] سے مراد قبل ذبح کے پکارا جانا ہے یا وقت ذبح کے؟

الجواب الملفوظ

اصل کلی اس میں یہ ہے کہ ذابح کی نیت اور وقت ذبح اس کے تسمیہ کا اعتبار ہے اس کے سوا کسی بات کا لحاظ نہیں، اگر مالک نے خاص اللہ عزوجل کے لئے نیت کی ہے اور ذابح نے بسم اللہ کی جگہ بسم فلاں کہا، یا بسم اللہ ہی کہا اور اراقت دم سے عبادت غیر خدا مقصود رکھی ذبیحہ مردار ہوگیا، اور اگر مالک نے کسی غیر خدا اگرچہ بت یا شیطان کے لئے نیت کی اور اسی کے نام کی شہرت دی اور اسی کے ذبح کرنے کے واسطے ذابح کو دیا، اور ذابح نے خاص اللہ عزوجل کے لئے اس کا نام پاک لے کر ذبح کیا بنص قطعی قرآن حلال ہوگیا۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھیں کیا ہوا کہ اس چیز میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارھم او الکافر لالھتھم توکل لانہ سمی اللہ تعالٰی ویکرہ للمسلم، کذا فی التاتارخانیۃ[3]۔	مسلمان نے مجوسی کی بکری ذبح کی ان کے آتشکدہ کے لئے، یا کسی کافر کی بکری ان کے معبودوں کے لئے ذبح کی تو کھائی جائے کیونکہ مسلمان نے اللہ تعالٰی کا نام لے کر ذبح کی ہے اور مسلمان کو یہ عمل مکروہ ہے تاتارخانیہ میں یونہی ہے۔ (ت)

اس مسئلہ کی تحقیق وتفصیل ہمارے رسالے سبل الاصفیاء فی حکم الذبح للاولیاء میں ہے اور شیخ سدو کوئی بزرگ نہیں بلکہ ایک خبیث روح ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۳: از قصبہ کلی ناگر تھانہ مادھوٹانڈہ پرگنہ پورنپور، ضلع پیلی بھیت مرسلہ محمد اکبر علی صاحب ۱۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے شیخ سدو کے نام سے مرغ وغیرہ ذبح

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۲۱

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

کرایا، اور میلاد بھی زید نے پڑھوایا، تو زید کے مکان پر میلاد پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اور کھانا زید کا میلاد خواں نے کھایا تو وہ اس کے حق میں کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ذکر میلاد شریف بہ نیت ہدایت پڑھے، اور اس میں ایسی ارواح کی تکریم سے ممانعت کرے جن کا اسلام تک معلوم نہیں، بلکہ بعض علماء نے انھیں ارواح خبیثہ لکھا، اور وہ مرغ وغیرہ ذبیحہ نہ کھائے جو ایسوں کے لئے ذبح ہوا، اور بہتر یہ ہے کہ اس کے یہاں کا اور کھانا بھی نہ کھائے، جب تک وہ توبہ نہ کرے زجرالہ وتوبیخا اور اگر یہ عالم مقتدی ہے تو ایسوں کے ساتھ اور انکے یہاں کھانا کھانے سے احتراز اور اہم ہے۔ **کما نص علیہ فی الھندیۃ وغیرھا** (جس طرح کہ ہندیہ وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۴: از کلی ناگر ضلع پیلی بھیت مرسلہ اکبر علی صاحب ۶ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان میں چچا اور بھائی اور بھتیجا رہتے ہیں، اور حقہ پانی ان سب کا ایک ہے، اور بھتیجے نے شیخ سدو کے نام سے جانور ذبحہ کیا اور کوئی مولوی صاحب اس کے چچا یا بھائی کے یہاں آکر ٹھہرے، اور مولوی صاحب کو معلوم ہوگیا کہ ان کا بھتیجا غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح کرواتا ہے اور چچا اور بھائی کو کھلاتا ہے، تو جو مولوی صاحب اس کے چچا کے یہاں مقیم ہیں ان مولوی صاحب کو ان کے گھر کا کھانا درست ہے یا نہیں اور مولوی صاحب سے کہا گیا کہ اس کے گھر کا کھانا نہ کھاؤ، تو درجواب مولوی صاحب نے کہا کہ تم کون ہو ہم کسی کا کہنے کو نہیں مان سکتے ہیں مولوی صاحب کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جانور جو اللہ عزوجل کے نام پر ذبح کیا جائے اور اس سے اللہ عزوجل ہی کی طرف تقرب مقصود ہو اگرچہ اس پر باعث مسلمان کا اکرام، یا اولیاء کرام کا، خواہ اموات مسلمین کو ایصال ثواب یا اپنے کوئی جائز مثل تقریب شادی ونکاح وغیرہ یا جائز انتفاع مثل گوشت فروشی قصاباں ہو تو اس کے جائز وحلال ہونے میں شک نہیں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ"[1]	تمھیں کیا ہوا کہ اس چیز سے نہ کھاؤ جس پر اللہ سبحانہ کا نام پاک لیا گیا۔

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۲۱

مگر خبیث روحوں کو منانا تقرب الی اللہ نہیں ہو سکتا، شیخ سدو بھی ارواح خبیثہ سے شمار کیا گیا ہے، تو ذبح کرنے والے کی نیت اگر شیخ سدو کی طرف تقرب کی ہو جانور بلاشبہ مردار ہو جائے گا، اگرچہ بظاہر تکبیر ہی کہہ کر ذبح کیا گیا ہو، یہاں ذابح کی ہی نیت کا اعتبار ہے اگرچہ مالک کی نیت کچھ ہو، مثلاً مالک نے خالص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کرنے کو جانور دیا ہے، ذابح نے اسے کسی بت کی بھینٹ چڑھادیا جانور بیشک حرام ہوگیا مالک کی نیت کچھ نفع نہ دے گی، یوہیں مالک نے اگر کسی بت یا شیطان ہی کے لئے ذبح کرنے کو کہا اور ذابح نے معبود برحق جل جلالہ کے لئے ذبح کیا جانور بیشک حلال ہے، مالک کی نیت کچھ نقصان نہ دے گی، پس صورت مذکورہ میں اگر ذابح نے سدو کی طرف تقرب کی نیت سے ذبح کیا اور ان مولوی کو اس کا یہ حال معلوم تھا، پھر اس سے گوشت کھایا، تو یہ شخص مردار خور ہوا، اور اس کے پیچھے نماز منع ہے، اور اگر اسے ذابح کی نیت معلوم ہو گئی تھی کہ اس نے وہ نیت فاسدہ نہ کی بلکہ خالص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کیا، تو اگرچہ جانور حلال ہوگیا مگر بہتر اس سے بچنا تھا جبکہ مالک نے غیر خدا کے تقرب کے لئے دیا تھا، خصوصاً اس شخص کو جو مولوی کہلاتا ہو اور لوگ اس کے فعل کو حُجت جانتے ہوں، عالمگیری میں ہے:

مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارہم او الکافر لالھتھم توکل لانہ سمی اللہ تعالٰی ویکرہ للمسلم [1]۔	مسلمان نے مجوسی کی بکری اس کے معبود کے آتشکدہ کے لئے یا کسی کافر کی بکری اس کے معبود کے لئے ذبح کی تو کھائی جائے کیونکہ مسلمان نے اللہ تعالٰی کے نام سے ذبح کی ہے اور مسلمان کو یہ عمل مکروہ ہے۔(ت)

اور اگر نیت معلوم نہ تھی اور یہ جان چکا تھا کہ یہ لوگ شیخ سدو کے منانے والے ہیں، اور بچنا اور اہم تھا کہ ارواح خبیثہ کے منانے والوں اور اس سے استعانت کرنے والوں کا ظاہر حال سخت مخدوش ہے، اور ایسی جگہ شہادت سے احتراز لازم اور اگر گوشت نہ کھایا بلکہ اور کھانا کھایا تو جب مولوی کہلا کر ایسے لوگوں کے یہاں اکل طعام کہ قلوب المسلمین میں شبہہ ڈالے ہرگز مناسب نہ تھا، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

سُبُل الاصفیاء فی حُکمِ الذبح للاَوْلیَاء ۱۳۱۲ھ

(اولیاء اللہ کے لئے ذبح کرنے میں اصفیاء کے طریقے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۲۵: در رد فتوٰی بعض معاصرین ۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

از لشکر گوالیار ڈاک دربار بجواب سوال مولوی نور الدین صاحب اوائل ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے ایک بکرامیاں کااور عمرو نے ایک گائے چہل تن کی اور مرغ مدار کا پالا، اور پال کران کو باتکبیر ذبح کیا یا کرالیااس کا کھانا مسلمانوں کو عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حامدا لك ومصليا ومسلما على حبيبك واله ياوهاب اللهم هداية الحق والصواب۔	یااللہ ! تیرے لئے حمد کرنے والا اور تیرے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والا ان کی آل پر، حق و صواب کی رہنمائی فرمااے میرے رب ! (ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) حق اس مسئلہ میں ہے کہ حلت وحرمت ذبیحہ میں حال وقول ونیت ذابح کااعتبار نہ کہ مالک کا، مثلاً مسلمان کا

جانور کوئی مجوسی ذبح کرے تو حرام ہوگیا اگرچہ مالک مسلم تھا، اور مجوسی کا جانور مسلمان ذبح کرے تو حلال اگرچہ مالک مشرک تھا، یا زید کا جانور عمرو ذبح کرے اور قصداً تکبیر نہ کہے حرام ہوگیا، اگرچہ مالک برابر کھڑا سو بار بسم اللہ اللہ اکبر کہتا رہے اور ذابح تکبیر سے ذبح کرے تو حلال، اگرچہ مالک ایک بار بھی نہ کہے، ذابح کلمہ گو نے غیر خدا کی عبادت و تعظیم مخصوص کی نیت سے ذبح کیا تو حرام ہوگیا اگرچہ مالک کی نیت خاص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کی تھی۔

یونہی ذابح نے خاص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کیا تو حلال اگرچہ مالک کی نیت کسی کے واسطے تھی تمام صورتوں میں حال ذابح کا اعتبار ماننا اور اس شکل خاص میں انکار کرجانا محض تحکم باطل ہے جس پر شرع مطہر سے اصلاً دلیل نہیں، ولہذا فقہائے کرام خاص اس جزئیہ کی تصریح فرماتے ہیں کہ مثلاً مجوسی نے اپنے آتشکدہ یا مشرک نے اپنے بتوں کے لئے مسلمان سے بکری ذبح کرائی اور اس نے تکبیر کہہ کر ذبح کی حلال ہے، کھائی ہے، اگرچہ یہ بات مسلم کے حق میں مکروہ، فتاوٰی عالمگیری وفتاوٰی تاتارخانیہ وجامع الفتاوٰی میں ہے:

مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارہم او الکافر لالھتھم توکل لانہ سمی اللہ تعالٰی ویکرہ للمسلم [1]۔	مسلمان نے مجوسی کی بکری اس کے آتشکدہ کے لئے یا کسی اور کافر کی اس کے معبودوں کے لئے ذبح کی تو بکری کھائی جائے کیونکہ اس نے اللہ تعالٰی کے نام سے ذبح کی ہے اور یہ عمل مسلمان کو مکروہ ہے۔(ت)

پھر مسلمان ذابح کی نیت بھی وقت ذبح کی معتبر ہے اس سے قبل وبعد کا اعتبار نہیں ذبح سے ایک آن پہلے تک خاص اللہ عزوجل کے لئے نیت تھی، ذبح کرتے وقت غیر خدا کے لئے اس کی جان دی، ذبیحہ حرام ہوگیا، وہ پہلی نیت کچھ نفع نہ دے گی، یونہی اگر ذبح سے پہلے غیر خدا کے لئے ارادہ تھا ذبح کے وقت اس سے تائب ہو کر مولٰی تبارک وتعالٰی کے لئے اراقت دم کی تو حلال ہوگیا یہاں وہ پہلی نیت کچھ نقصان نہ دے گی، ردالمحتار میں ہے:

اعلم ان المدار علی القصد عند ابتداء الذبح [2]۔	معلوم ہونا چاہئے کہ ذبح کی ابتداء میں قصد کا اعتبار ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

غرض ہر عاقل جانتاہے کہ تمام افعال میں اصل نیت مقارنہ ہے، نماز سے پہلے خداکے لئے نیت تھی تکبیر کہتے وقت دکھاوے کے لئے پڑھی، قطعاً مرتکب کبیرہ ہوا، اور نماز ناقابل قبول اور اگر دکھاوے کے لئے اٹھا تھانیت باندھتے وقت تک یہی قصد تھا، جب نیت باندھی قصد خالص رب جل وعلاکے لئے کرلیاتو بلاشبہ وہ نماز پاک وصاف وصالح ہوگئی، تو ذبح سے پہلے کی شہرت پکارکاکچھ اعتبار نہیں، نہ نافع نفع دے نہ مضر ضرر، خصوصاجبکہ پکارنے والاغیر ذابح ہو کہ اسے تواس باب میں کچھ دخل ہی نہیں

کما قد علمت وہذا کلہ ظاہر جدا لا یصلح ان یتناطح فیہ قرناء وجماء۔	جیسا کہ معلوم ہے اور یہ تمام ظاہر ہے اس میں بالکل گنجائش نہیں کہ اس میں بحث کی جائے۔(ت)

پھر اضافت معنی عبادت میں منحصر نہیں کہ خواہی نخواہی مدار کے مرغ یا چہل تن کی گائے کے معنی ٹھہرالئے جائیں کہ وہ مرغ وگاؤ جس سے ان حضرات کی عبادت کی جائے گی، جس کی جان ان کے لئے دی جائے گی، اضافت کو ادنٰی علاقہ کافی ہوتا ہے، ظہر کی نماز، جنازہ کی نماز، مسافر کی نماز، امام کی نماز، مقتدی کی نماز، بیمار کی نماز، پیرکار وزہ۔ اونٹوں کی زکوٰۃ، کعبہ کا حج، جب ان اضافتوں سے نماز وغیرہ میں کفر وحرمت درکنار نام کو بھی کراہت نہیں آتی، تو حضرت مدار کے مرغ، حضرت احمد کبیر کی گائے، فلاں کی بکری کہنے سے یہ خداکے حلال کئے ہوئے جانور کیوں جیتے جی مرداراور سور ہوگئے کہ اب کسی صورت حلال نہیں ہو سکتے، یہ شرع مطہر پر سخت جرأت ہے، خود حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان احب الصیام الی اللہ تعالٰی صیام داؤد واحب الصلٰوۃ الی اللہ عزوجل صلٰوۃ داؤد۔[1] رواہ الائمۃ احمد والستۃ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما الا الترمذی فعندہ فضل الصیام وحدہ[2]۔	بیشک سب روزوں میں پیارے اللہ تعالٰی کو داؤد کے روزے ہیں اور سب نمازوں میں پیاری داؤد کی نماز ہے علیہ الصلٰوۃ والسلام (اس کو ائمہ صحاح ستہ اور امام محمد نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیاہے لیکن امام ترمذی کی روایت میں صرف روزوں کی فضیلت کاذکر ہے۔ت)

علماء فرماتے ہیں مستحب نمازوں میں صلٰوۃ الولدین یعنی ماں باپ کی نماز ہے۔

فی ردالمحتار عن الشیخ اسمٰعیل عن شرح شرعۃ الاسلام من المندوبات صلٰوۃ التوبۃ	ردالمحتار میں شیخ اسمٰعیل سے بحوالہ شرح شرعۃ الاسلام منقول ہے کہ مستحب نمازوں میں صلٰوۃ التوبہ

---

[1] صحیح البخاری کتاب التہجد باب من نام عندالسحر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۲و۴۸۶

[2] صحیح مسلم کتاب الصیام باب النہی عن صوم الدہر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۶۷

وصلوٰۃ الوالدین [1]۔	اور صلوٰۃ والدین ہے۔(ت)

سبحان اللہ! داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز، داؤد علیہ السلام کے روزے، ماں باپ کی نماز کہنا صواب، پڑھنا ثواب، اور جانور کی اضافت وہ سخت آفت کہ قائلین کفار، جانور مردار، کیا ذبح نماز روزے سے بڑھ کر عبادت خدا ہے یا اس میں شرکت حرام ان میں روا ہے۔ خود اضافت ذبح کا فرق سنئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ [2] رواہ مسلم والنسائی عن امیر المومنین علی ونحوہ احمد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	خدا کی لعنت ہے اس پر جو غیر خدا کے لئے ذبح کرے (اس کو مسلم اور نسائی نے امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور اس کی مثل امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

دوسری حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من ذبح لضیف، ذبیحۃ کانت فداءہ من [3]۔ رواہ الحاکم فی تاریخہ عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جو اپنے مہمان کے لئے جانور ذبح کرے وہ ذبیحہ اس کا فدیہ ہو جائے آتش دوزخ سے (اس کو امام حاکم نے اپنی تاریخ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

تو معلوم ہوا کہ ذبیحہ میں غیر خدا کی نیت اور اس کی طرف نسبت مطلقًا کفر کیا حرام بھی نہیں، بلکہ موجب ثواب ہے تو ایک حکم عام کفر وحرام کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔

ولہذا علماء فرماتے ہیں، مطلقًا نیت غیر کو موجب حرمت جاننے والا سخت جاہل اور قرآن وحدیث وعقل کا مخالف ہے، آخر قصاب کی نیت تحصیل نفع دنیا اور ذابح شادی کا مقصود برات کو کھانا دینا ہے، نیت غیر تو یہ بھی ہوئی، کیا یہ سب ذبیحے حرام ہو جائیں گے، یونہی مہمان کے واسطے ذبح کرنا درست وبجا ہے کہ مہمان کا اکرام عین اکرام خدا ہے، در مختار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الوتر والنوافل داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۶۲

[2] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب تحریم الذبح لغیر اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۶۰

[3] الجامع الصغیر بحوالہ الحاکم فی التاریخ حدیث ۸۶۷۲ دارلکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۵۲۶

لو ذبح للضیف لایحرم لانہ سنۃ الخلیل و اکرام الضیف اکرام اللہ تعالٰی[1]۔	جس نے مہمان کی نیت سے ذبح کیا تو حرام نہیں کیونکہ یہ خلیل علیہ السلام کی سنت اور مہمان کا اکرام ہے، اور مہمان کا اکرام اللہ تعالٰی کا اکرام ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال البزدوی ومن ظن انہ لایحل لانہ ذبح لاکرام ابن اٰدم فیکون اہل بہ لغیر اللہ تعالٰی فقد خالف القراٰن والحدیث و العقل فانہ لاریب ان القصاب یذبح للربح ولو علم انہ نجس لایذبح فیلزم ہذا الجاہل ان لایاکل ماذبح القصاب وما ذبح للولائم و الاعراس والعقیقۃ[2]۔	بزازی نے کہا اور جس نے گمان کیا کہ وہ اس لئے حلال نہیں کہ اس میں بنی آدم کا اکرام ہے تو یہ غیر اللہ کے نام سے ذبح ہوا تو اس نے قرآن وحدیث اور عقل کے خلاف بات کی، کیونکہ بلاشبہ قصاب اپنے نفع کے لئے ذبح کرتا ہے اگر اسے معلوم ہو کہ یہ نجس ہے تو وہ ذبح نہ کرے، تو ایسے جاہل کو چاہئے کہ وہ قصاب ذبح کردہ کو نہ کھائے اور ولیمہ اور شادی اور عقیقہ کے لئے ذبح کردہ بھی نہ کھائے۔(ت)

دیکھو علمائے کرام صراحۃً ارشاد فرماتے ہیں کہ مطلقاً نیت ونسبت غیر کو موجب حرمت جاننا اور **ما اُھل بہ لغیر اللہ** میں داخل ماننا نہ صرف جہالت بلکہ جنون ودیوانگی اور شرع وعقل دونوں سے بیگانگی ہے، جب نفع دنیا کی نیت مخل نہ ہوئی تو فاتحہ اور ایصال ثواب میں کیا زہر مل گیا، اور اکرام مہمان عین اکرام خدا ٹھہرا تو اکرام اولیاء بدرجہ اولٰی۔

ہاں اگر کوئی جاہل اجہل یہ نسبت واضافت بقصد عبادت غیر ہی کرتا ہے تو اس کے کفر میں شک نہیں۔ پھر اگر ذابح اس نیت سے بَری ہے تو جانور حلال ہو جائے گا کہ نیت غیر اس پر اثر نہیں ڈالتی **کما حققناہ اٰنفا** (جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔ت)

مگر جب کہ حدیثاً وفقہاً دلائل قاہرہ سے ثابت کرچکے ہیں کہ اضافت معنی عبادت ہی میں منحصر نہیں، تو صرف اس بناء پر حکم کفر محض جہالت وجرات وحرام قطعی اور مسلمانوں پر ناحق بدگمانی ہے، تم سے کس نے کہہ دیا کہ وہ آدمیوں کا جانور کہنے سے عبادت آدمیان کا ارادہ کرتے ہیں، اور انھیں اپنا معبود وخدا بنانا چاہتے ہیں۔

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘-اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[1]	اے ایمان والو! بہت سے گمان سے بچو بے شک کچھ گمان گناہ ہیں۔

اور فرماتا ہے:

"وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌؕ-اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـٴُـوْلًا(۳۶)"[2]	بے یقین بات کے پیچھے نہ پڑ، بیشک کان، آنکھ اور دل سب سے سوال ہونا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[3] رواہ الائمۃ مالك والشیخان وابوداؤد والترمذی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	گمان سے بچو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے (اس کو امام مالک، شیخین، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم اقالھا امر لا۔[4] رواہ مسلم، عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا کہ دل کے عقیدے پر اطلاع پاتا۔ (اس کو امام مسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

امام عارف باللہ سید احمد زروق رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

انما ینشأ الظن الخبیث عن القلب الخبیث[5]،	بدگمانی خبیث دل سے ہی پیدا ہوتی ہے،

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

[3] صحیح البخاری کتاب الوصایا باب قول عزوجل من بعد وصیۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۴، صحیح مسلم کتاب البر باب تحریم الظن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۶

[4] صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم الظن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۷

[5] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الخلق الرابع والعشرون مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۸

نقلہ سیدی عبدالغنی النابلسی فی شرح الطریقۃ المحمدیۃ۔	(اس کو سیدی عبدالغنی نابلسی نے شرح طریقہ محمدیہ میں نقل کیا ہے۔ت)

والہٰذا منیہ وذخیرۃ وہبانیہ ودرمختار وغیرہا میں ارشاد فرمایا:

انا لانسیئ الظن بالمسلم انہ یتقرب الی الاٰدمی بھذا النحر [1]۔	ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے آدمی کی طرف تقرب چاہتا ہو۔

ردالمحتار میں ہے:

ای علی وجہ العبادۃ لانہ المکفر وھذا بعید من حال المسلم [2]۔	یعنی اس تقرب سے تقرب بروجہ عبادات مراد ہے کہ اس میں کفر ہے اور اس کا خیال مسلمان کے حال سے دور ہے۔

بلکہ علماء تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر خود ذابح خاص وقت تکبیر میں یوں کہے "بسم اللہ بنام خدائے بنام محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" تو یہ کہنا کہ مکروہ تو بیشک ہے مگر کفر کیسا! جانور حرام بھی نہ ہوگا، جبکہ اس لفظ سے اس کی نیت حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم محض ہو، نہ معاذاللہ حضور کو رب عزوجل کے ساتھ شریک ٹھہرانا، امام اجل فقیہ النفس قاضی خاں اپنے فتاوٰی میں تحریر فرماتے ہیں:

رجل ضحی وذبح وقال بسم اللہ بنام خدائے بنام محمد علیہ السلام، قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ تعالٰی ان اراد الرجل بذکر اسم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بتبجیلہ و تعظیمہ جازولاباس وان ارادبہ الشرکۃ مع اللہ لاتحل الذبیحۃ [3]۔	کسی نے بنام خدا محمد علیہ السلام قربانی کی یا ذبح کیا، شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر اس شخص نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام سے صرف تعظیم و تبجیل مراد لی تو جائز ہے اور اگر اللہ تعالٰی کے ساتھ شریک بنایا تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ (ت)

بلکہ اس سے بھی زائد خاص صورت عطف میں مثلاً "بنام خدا وبنام فلاں" جس سے صاف معنی

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۷

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاضحیۃ فصل فی الانتفاع بالاضحیۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۰

شرکت ظاہر ہے اگرچہ مذہب صحیح حرمت جانور ہے، مگر حکم کفر نہیں دیتے کہ وہ امر باطنی ہے، کیا معلوم کہ اس کی نیت کیا ہے۔

درمختار میں ہے:

ان عطف حرمت نحو باسم اللہ واسم فلان[1]۔	اگر اللہ تعالٰی کے نام پر دوسرے نام کا عطف کیا تو حرام ہے، مثلاً بسم اللہ واسم فلاں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھوا لصحیح وقال ابن سلمۃ لاتصیر میتۃ لانہا لو صارت میتۃ یصیر الرجل کافرا، خانیۃ، قلت تمنع الملازمۃ بان الکفر امر باطن والحکم بہ صعب فیفرق کذافی شرح المقدسی، شرنبلالیۃ[2]۔	وہی صحیح ہے اور ابن سلمہ نے فرمایا مردار نہ ہوگا کیونکہ اگر مردار کہیں گے تو ذبح کرنے والے کو کافر قرار دینا ہوگا، خانیہ، میں کہتا ہوں یہ ملازمہ ممنوع ہے کیونکہ کفر باطنی امر ہے اور اس کا حکم دشوار ہے تو فرق کرنا ضروری ہے، شرح مقدسی میں اسی طرح ہے، شرنبلالیہ، (ت)

اللہ اکبر! خود ذابح کا خاص تکبیر ذبح میں نام خدا کے ساتھ نام غیر ملا کر پکارے اور کافر نہ ہو، جب تک معنی شرک کا ارادہ نہ کرے بلکہ بے عطف "بنام خدا بنام محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" کہے اور اسی نام پاک کے لینے سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہی چاہے، حضور کی عظمت ہی کے لئے خاص وقت ذبح بنام خدا کے ساتھ بنام محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہے تو جانور میں اصلا حرمت وکراہت بھی نہیں، مگر پیش از ذبح اگر کسی نے یوں پکار دیا کہ "فلاں کا بکرا، فلاں کی گائے" تو پکارنے والا مشرک اور اس کے ساتھ یہ لفظ منہ سے نکلتے ہی جانور کی بھی کایا پلٹ ہو کر فورا بکری سے کتا، گائے سے سور، اگرچہ وہ منادی غیر ذابح ہو، اگرچہ ابھی نہ وقت ذبح نہ دم تکبیر، **معاذاللہ**، وہ لفظ کیا تھے جادو کے انچھر تھے چھوتے ہی جانور کی ماہیت بدل گئی، ایسے زبردستی کے احکام شرع مطہر سے بالکل بیگانہ ہیں۔

بڑی دلیل ان کے قصد عبادات غیر ومعنی شرک پر یہ پیش کی جاتی ہے کہ "اس ذبح کے بدلے گوشت خرید کر تصدق کرنا ان کے نزدیک کافی نہیں ہوتا، تو معلوم ہوا کہ ایصال ثواب مقصود نہیں، بلکہ خاص ذبح للغیر وشرک صریح مراد ہے، اگرچہ وہ صاف کہہ رہے ہیں کہ ہمارا مطلب صرف ایصال ثواب ہی ہے"۔

---

[1] درمختار کتاب الذبح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] ردالمحتار کتاب الذبح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۱

اقول: اس سے صرف اتنا ثابت ہوا کہ خاص ذبح مراد ہے، ذبح للغیر کہاں سے نکلا، کیا ثواب ذبح کوئی چیز نہیں، یا گوشت دینے میں وہ بھی حاصل ہو جاتا ہے، عنایہ میں ہے:

التضحیة فیھا افضل من التصدق بثمن الاضحیة لان فیھا جمعا بین التقرب باراقة الدم والتصدق والجمع بین القربتین افضل [1] اھملخصًا۔	اس صورت میں قربانی کرنا اس کی قیمت کے صدقہ سے افضل ہے کیونکہ قربانی میں دونوں قربتیں حاصل ہوتی ہیں، خون بہاؤ اور صدقہ بھی، جبکہ دو قربتوں کو جمع کرنا افضل ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

معہذا عوام ایسی اشیاء میں مطلقًا تبدیل پر راضی نہیں ہوتے، مثلاً جو آٹے کی چٹکی روزانہ اپنے گھر کے خرچ سے نکالتے ہیں اور ہر ماہ اسے پکا کر حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نیاز دلا کر محتاج کو کھلاتے ہیں، اگر ان سے کہے کہ یہ آٹا جو جمع ہوا ہے اپنے خرچ میں لائیے اور اسی کے عوض اور پکائیے کبھی نہ مانیں گے حالانکہ آٹے میں کوئی ذبح کا محل نہیں، اور ذبح میں بھی اگر اس جانور کے بدلے دوسرا جانور دیجئے ہر گز نہ لیں گے، حالانکہ ادائے ذبح میں دونوں ایک سے، تو اس کا کافی نہ سمجھنا اسی خیال تعیین و تخصیص کی بنا پر ہے، نہ **معاذاللہ** اس توہم باطل پر، خصوصا جبکہ وہ بیچارے صراحۃً کہہ رہے ہیں کہ حاشاللہ ہم عبادات غیر نہیں چاہتے صرف ایصال ثواب مقصود ہے۔

اور اگر انصاف کیجئے تو در بارہ عدم تبدیل ان کا وہ خیال بے اصل بھی نہیں، اگرچہ انھوں نے اس میں تشدد زیادہ سمجھ لیا ہو، جن چیزوں پر نیت قربت کر لی گئی، شرع مطہر میں بلاوجہ ان کا بدلنا پسند نہیں، **لاسیما اذا کان النزول الی الناقص کما ھھنا وکل ذٰلك ظاھر اجدا** (خصوصا جبکہ اعلٰی سے ادنٰی کی طرف تنزل ہو جیسا کہ یہاں ہے اور یہ تمام نہایت ظاہر ہے۔ ت)

ولہٰذا اگر غنی قربانی کے لئے جانور خریدے اور اس معین کی نذر نہ ہو تو جانور متعین نہیں ہو جاتا اسے اختیار ہے کہ اس کے بدلے دوسرا جانور قربانی کرے پھر بھی بدلنا مکروہ ہے کہ جب اس پر قربت کی نیت کر لی تو بلاوجہ تبدیل نہ چاہئے۔ ہدایہ میں ہے:

بالشراء للتضحیة لایمتنع البیع [2]۔	قربانی کے لئے خرید بیع کے لئے مانع نہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

[1] العنایة علی ہامش القدیر کتاب الاضحیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۴۳۲

[2] الھدایة کتاب الاضحیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۳

ویکرہ ان یبدل بہا غیرھا[1]۔	اور اس قربانی کے جانور کو تبدیل کرنا مکروہ ہے۔(ت)

اسی طرح تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے۔

بالجملہ مسلمانوں پر بدگمانی حرام اور حتی الامکان اس کے قول وفعل کو وجہ صحیح پر حمل واجب، اور یہاں ارادہ قلب پر بے تصریح قائل حکم لگانے کی اصلا راہ نہیں، اور حکم بھی کیسا کفر وشرک کا، جس میں اعلٰی درجہ کی احتیاط فرض، یہاں تک کہ ضعیف سے ضعیف احتمال بچاؤ نکلتا ہو تو اسی پر اعتماد لازم، **کما حقق کل ذٰلك الائمة المحققون فی تصانیفھم الجلیلة** (جیسا کہ ائمہ محققین نے اپنی تصانیف میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ت)

اگر بالفرض بعض کوردل احمقوں پر بہ ثبوت شرعی ثابت بھی ہو کہ ان کا مقصود معاذاللہ عبادات غیر ہے تو حکم کفر صرف انھیں پر صحیح ہوگا ان کے سبب حکم عام لگادینا اور باقی لوگوں کی بھی یہی نیت سمجھ لینا محض باطل۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"[2]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔(ت)

پس حق یہ ہے کہ نہ مطلقًا اس نام پکارنے پر حکم شرک صحیح، نہ اس وجہ سے جانور کو مردار مان لینا درست، بلکہ حکم شرک کے لئے قائل کی نیت پوچھیں گے، اگر اقرار کرے کہ اس کی مراد عبادات غیر ہے تو بے شک مشرک کہیں گے ورنہ ہر گز نہیں، اور حکم حرمت صرف قول وفعل ونیت ذابح خاص وقت ذبح پر مدار رکھیں گے، اگر مالک خواہ غیر مالک کسی کلمہ گو نے معاذاللہ اسی نیت شرک کے ساتھ ذبح کیا تو بے شک حرام کہ وہ اس نیت سے مرتد ہوگیا اور مرتد کا ذبیحہ نہیں، اور اگر اللہ عزوجل کے لئے جان دی اور قصدًا تکبیر نہ کی تو بیشک حلال، اگرچہ اس پر باعث ایصال ثواب یا اکرام اولیاء یا نفع دینا وغیرہا مقاصد ہوں، اگرچہ مالک غیر ذابح کی نیت **معاذاللہ** وہی عبادات غیر ہو، اگرچہ پیش از ذبح یا غیر ذابح نے وقت ذبح کسی کا نام پکارا ہو، مالک سے وہ نیت ناپاک ثابت ہونا بھی ذابح پر کچھ موثر نہیں، جب تک خود اس سے بھی اسی نیت پر جان دینا ثابت نہ ہو کہ جب اس سے وہ نیت ثابت نہیں، اور مسلمان اپنے رب عزوجل کا نام لے کر ذبح کررہا ہے تو اس پر بدگمانی حرام وناروا ہے، اوہام تراشیدہ پر مسلمان کو معاذاللہ مرتکب کفر سمجھنا حلال خدا کو حرام کہہ دینا نام الٰہی عزوجل جو وقت تکبیر لیا گیا باطل وبے اثر ٹھہرانا ہرگز وجہ صحت نہیں رکھتا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ	تمھیں کیا ہوا کہ نہ کھاؤ اس جانور سے جس کے

---

[1] الهدایة کتاب الاضحیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۹

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

اللہِ عَلَیْہِ"[1]	ذبح میں اللہ کا نام یاد کیا گیا۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

انما کلفنا بالظاہر لا بالباطن فاذا ذبحه علی اسم الله وجب ان یحل، ولا سبیل لنا الی الباطل[2]۔	یعنی ہمیں شرع مطہر نے ظاہر پر عمل کا حکم فرمایا ہے باطن کی تکلیف نہ دی، جب اس نے اللہ عزوجل کا نام پاک لے کر ذبح کیا جانور حلال ہو جانا واجب ہوا کہ دل کا ارادہ جان لینے کی طرف ہمیں کوئی راہ نہیں،

یہ چند نفیس وجلیل فائدے حفظ کے قابل ہیں کہ بہت ابنائے زمان ان میں سخت خطا کرتے ہیں۔

وباللہ العصمة والتوفیق وبه الوصول الی التحقیق (حفاظت وتوفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے اور اسی کی مدد سے تحقیق تک رسائی ہے۔ت) واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۲۶: از شہر بریلی مسئولہ عبدالجلیل طالب علم ۲۹ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گائے ذبح کی گئی اواس کا پیٹ جب چاک کیا تو اس میں سے ایک بچہ زندہ کامل اعضا کا نکلا، مگر اس کے جسم میں بال نہیں آیا ہے، اس حالت میں بچہ کا گوشت حلال ہو جائے گا یا نہیں ذبح کرنے سے؟ اور مردہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

بچہ کہ مردہ نکلے حرام، اور زندہ نکلے اور ذبح کر لیا تو حلال، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۷: از اوجین مکان میر خادم علی اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں ۳ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے مدقق ومحققین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو بچہ مردہ بکری مذبوحہ کے شکم سے برآمد ہو بمذاہب امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ حلال ہے یا حرام بیان فرمائیں بعبارت کتب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب:

ناجائز ہے، ہدایہ وعالمگیریہ میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۹

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ المطبعة البهیة المصریة مصر ۵/ ۲۳

من نحرناقة اوذبح بقرة فوجد فی بطنها جنینا میتالم یوکل اشعراولم یشعر وہذا عند ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنہ، وقال ابویوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالٰی اذاتم خلقہ اکل۔[1]	کسی نے اونٹنی یا گائے ذبح کی تو اس کے پیٹ میں بچہ مردہ پائے تو اسے نہ کھایا جائے اس پر بال ہوں یا نہ ہوں، اور یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ہے اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا اگر وہ بچہ تام الخلقت ہو تو کھانا چاہئے۔(ت)

اسی طرح درمختار وغیرہ عامہ کتب میں ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۸تا۱۳۱: از ریاست کوٹہ راجپوتانہ ملک ہاڑوتی قصبہ سانگور مسئولہ مسلمانان سانگور ۲۱رمضان ۱۳۳۵ھ

ہادی دین، پناہ شریعت، علمائے عظام ومفتیان کرام سلمکم اللہ تعالٰی، بعد سلام علیک کے گزارش یہ ہے کہ یہاں پر قصبہ سانگور ریاست کوٹہ راجپوتانہ میں کٹھیک لوگ قدیم زمانے سے گوشت کی دکان کرتے چلے آرہے ہیں، اور مسلمان بھی انھیں کے یہاں سے خریدتے ہیں، ان کھٹکوں کا دوایک مرتبہ کچہری میں مردار گوشت کا مقدمہ جاچکاہے۔ اس لئے بوجہ شکوک اب ان کے یہاں سے مسلمانوں نے گوشت لینا قطعاً بند کردیا اور مسلمان قصائی آباد کرکے اس کے یہاں سے خریدنا شروع کردیا ہے، مگر دوایک مسلمان جن کا تجارتی تعلق چمڑے وغیرہ کا کھٹکوں کے ساتھ ہے، وہ ایسا کہتے ہیں کہ یہ ضد اور نیا مسئلہ ہے، جب ایک مدت سے مسلمان کھٹکوں کے یہاں کا گوشت لیتے چلے آرہے ہیں اور تمام جگہ کھٹک ہی لوگ فروخت کرتے ہیں تو یہ ایک نئی بات پیدا کرکے کھٹکوں کو ناحق نقصان دیا جارہاہے، کیا پہلے زمانے میں کوئی عالم نہ تھے، وہ کیوں کھاگئے، ان کے ایسا کہنے پر بہت سے مسلمان برگشتہ ہورہے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کے دنیا کی بدنامی کا خوف ہے اور اصلی جواب کے منتظر ہیں، مسلمانوں کی طرف سے کھٹکوں کے ساتھیوں کو سمجھایا گیا کہ تم ان سے بموجب شرع اس طرح پر انتظام کرادو:

(۱) نگراں مسلمان رہیں۔

(۲) گوشت مختلف مکانوں پر نہ ہو، جہاں مسلمان تجویز کریں۔

(۳) دبانے والا (۴) ذبح کرنے والا مسلمان ہو۔

ان چاروں شرطوں میں سے وہ شرط اول دوم وچہارم پر رضامند ہوتے ہیں، لیکن یہ رضامندی بھی

[1] الھدایۃ کتاب الذبائح مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۳۸

اُن کی قیاسائے انتظام کو قطع کرنے کے لئے معلوم ہوتی ہے، دائمی نہیں معلوم ہوتی، اس لئے حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں:

(۱) کیا دو شخص کے ورغلانے سے مسلمانوں کو پرانی بات پر جمار ہنا چاہئے، اور جو شخص اس پر صاد کرے اور حکم شرع ایک فضول اور بناوٹی بات بتائے اور آج تک تائب نہ ہو، مسلمان اس کے ساتھ کیا سلوک کریں؟

(۲) کیا مسلمانوں کو ہندو کھٹکوں کے یہاں پر گوشت خریدنے کی ممانعت کا حکم سنایا جاتا ہے، یہ نیا مسئلہ اور بناوٹی بات ہے؟

(۳) جو شخص مسلمان باوجود سمجھانے کے مسلمان قصائی کو چھوڑ کر پرانی روش، پر ضداً ہندو کھٹکوں کے یہاں پر گوشت لینے پر آمادہ ہو، اس پر کیا حکم ہے؟

(۴) کیا کسی شخص کی خاطر سے ہمارے مذہب کے ایسے حکم کو جس سے ہمارے ایمان میں خلل آنے کا ڈر ہو چھوڑ دینا روا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب:

(۱) حکم شرعی یہ ہے کہ مشرک یعنی کافر غیر کتابی سے گوشت خریدنا جائز نہیں، اور اس کا کھانا حرام ہے، اگرچہ وہ زبان سے سو بار کہے کہ یہ مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے، اس لئے کہ امر و نہی میں کافر کا قول اصلا مقبول نہیں، درمختار میں ہے:

خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانات [1]۔	معاملات میں کافر کی خبر بالاجماع مقبول ہے دینی معاملہ میں مقبول نہیں۔ (ت)

نہایہ وغیرہا میں ہے:

من الدیانات الحل والحرمۃ [2]۔	دیانات میں سے حلال وحرام ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی التاتر خانیۃ قبیل الاضحیۃ عن جامع الجوامع لابی یوسف	تاتارخانیہ میں قربانی کے بیان سے تھوڑا پہلے ابویوسف کی جامع الجوامع سے منقول ہے کسی نے

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

[2] ردالمحتار بحوالہ النہایۃ کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

من اشتری لحماً فعلم انہ مجوسی واراد الرد فقال ذبحہ مسلم یکرہ اکلہ اھ ومفادہ ان مجرد کون البائع مجوسیا یثبت الحرمۃ فانہ بعد اخبارہ بالحل بقولہ ذبحہ مسلم کرہ اکلہ فکیف بدونہ[1]۔	گوشت خریدا تو معلوم ہوا کہ فروخت کرنے والا مجوسی ہے اور اس نے واپس کرنا چاہا تو مجوسی نے کہا اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے اس کا کھانا مکروہ ہے اھ تو اس کا مفادیہ ہے کہ خالی فروخت کرنے والے کا مجوسی ہونا حرمت کو ثابت کرتا ہے کیونکہ مجوسی کے اس بیان کے بعد کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے جو کہ حلال ہونے کی خبر ہے، کھانا مکروہ ہے، تو اس کے خبر نہ دینے کی صورت میں کیسے مکروہ نہ ہوگا۔ (ت)

ہاں اگر وقت ذبح سے وقت خریداری تک وہ گوشت مسلمان کی نگرانی میں رہے، بیچ میں کسی وقت مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو، اور یوں اطمینان کافی حاصل ہو کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے تو اس کا خرید ناجائز اور کھانا حلال ہوگا، جب یہ حکم شرعی معلوم ہوگیا جواب سوالات ظاہر ہوگیا وہ پرانا طریقہ شرعاً محض حرام تھا، اس پر جمنا حرام، سخت حرام، اگرچہ دو نہیں، دو لاکھ ورغلائیں، جو حکم شرع کو بناوٹی بتائے اگر جاہل ہے سمجھایا جائے، ورنہ اس پر لزوم کفر ہے توبہ کرے، تجدید اسلام کرے، اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح جدید،، یہی حکم اس کے ساتھیوں کا ہے، یہ لوگ جب تک تائب نہ ہوں مسلمان ان سے میل جول نہ کریں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾"[2]	اور کبھی شیطان تجھ کو بھلادے تو یاد آنے پر ظالم قوم کے پاس مت بیٹھ (ت)

(۲) یہ ممانعت خاص حکم شریعت ہے اور اس کے بناوٹی کہنے والے کے ایمان پر خطرہ ہے کما تقدم انفا۔

(۳) ایسا شخص حرام خوار، حرام کار، مستحق عذاب پروردگار سزاوار عذاب نار ہے، تعزیر شرعی یہاں کون کسے دے سکتا ہے یہی بس ہے کہ مسلمان اس سے یک لخت قطع تعلق کردیں،

قال اللہ تعالٰی "لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ"[3]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) ظلم کرنے والوں کی طرف میلان نہ کرو کہ تم کو آگ مس کرے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظروالاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

(۴) ہر گز روانہیں، اور ایسی خاطر ملعون، وہ شرطیں جو ان سے کی جارہی ہیں ان میں مسلمانوں کی نگرانی اس طرح کی ہو جیسی ہم نے بیان کی کہ وقت ذبح سے وقت خریداری تک کسی آن مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو ورنہ کافی نہیں، اور دبانے والے کا مسلمان ہونا کچھ ضرور نہیں، ذبح کرنے والا مسلمان چاہئے۔

مسئلہ ۱۳۲: از اٹاوہ محلّہ اورنگ آباد مرسلہ فضل حسین صاحب سوم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شہر میں گوشت ہندو کھٹک فروخت کرتے ہیں، اور انتظام ذبح یہ ہے کہ گورنمنٹی مذبح بنا ہوا ہے، بعد ملاحظہ ڈاکٹر انگریزی کے (عام اس سے کہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم ہو) اس مذبح میں کل جانور ذبح ہوتے ہیں، کھٹک گوشت بناکر بازار میں لاکر فروخت کرتے ہیں، مذبح پر ایک مسلمان جاتا ہے جس کی نسبت معلوم ہوا کہ ذبح وہی شخص کرتا ہے، اگرچہ عادت مستمرہ وطریقہ مقررہ تو یہی ہے، لیکن ممکن ہے کہ بخلاف ورزی اس حکم گورنمنٹی کے کوئی جانور خفیۃً اپنے گھروں پر ذبح کرکے اس کا گوشت بھی انھیں جانوروں کے گوشت میں ملاکر فروخت کرلیں، چنانچہ ایسے مقدمات بھی ہوتے اور وہ لوگ سزا پاتے ہیں، شہادت اس امر کی کہ گوشت جو فروخت ہو رہا ہے اس جانور کا ہے جس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے بجز قول اُس کافر کے جو گوشت فروخت کر رہا ہے، اور کوئی نہیں ہے، اور نہ وقت ذبح سے وقت فروخت تک بالاتصال وہ گوشت کسی مسلمان کے زیر نظر رہا، اگرچہ عادت معہودہ کے موافق کہا جاسکتا ہے، کہ مذبح گورنمنٹی میں ذبح ہوا ہے، اور وہاں مسلمان معموًلا جاتا ہے، اور ایسے مقدمات بھی پیش آتے ہیں کہ بیماری مویشی وغیرہ بخوف ڈاکٹر کے معائنہ کے گھر پر ذبح کرلیتے ہیں۔ اور اس گوشت میں شامل کرلیتے ہیں، جو مذبح کے مذبوح جانوروں کا ہے، پس ایسی حالت میں اس ہندو کھٹک سے خریدا ہوا گوشت کھانا جائز وحلال ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اس سے گوشت کا خریدنا، کھانا، کھلانا ناجائز ہے، کہ حیوان جب تک زندہ تھا حرام تھا، ذبح شرعی سے حلال ہوگیا، اور اس کا حصول ثابت نہ ہوا، **والیقین لایزول بالشك** (شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔ت) اور وہ کافر غیر کتابی اگر کہے بھی کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے، تو یہ خبر خصوصاً امر دیانت وحلت وحرمت میں ہیں۔ اور ان امور میں کافر کی خبر محض باطل ونامعتبر ہے، درمختار وہدایہ وتبیین وہندیہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے:

خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لافی الدیانات[1]۔	معاملات میں بالاجماع کافر کی خبر مقبول ہے دیانات میں مقبول نہیں۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

اشباہ میں اسی قاعدہ کے تحت میں ہے:

الشاۃ فی حال حیاتھا محرمۃ فالمشتری مستمسك باصل التحریم الی ان یتحقق زوالہ[1]۔	بکری زندہ حرام ہے، تو خریدار نے اس کے اصل حال کو دلیل بنا کر حرام کردیا تاوقتیکہ اس اصل یقین کا زوال نہ ہوجائے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لاتحل حتی یعلم انھا ذکاۃ مسلم لانھا اصلھا حرام، وشککنا فی الذکاۃ المبیحۃ[2]۔	کھانا حلال نہیں جب تک یقینی علم نہ ہوجائے کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے کیونکہ اصل میں حرام ہے، اور ہمیں مباح بنانے والے ذبح میں شک ہے۔ (ت)

تاتارخانیہ میں جامع الجوامع امام ابویوسف سے ہے:

من اشتری لحما فعلم انہ مجوسی واراد الرد، فقال ذبحہ مسلم یکرہ اکلہ[3] اھ۔	کسی نے گوشت خریدا اور معلوم ہے کہ فروخت کرنیوالا مجوسی ہے تو واپس کرنا چاہاتو مجوسی نے کہا اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے اس کا کھانا مکروہ ہے اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ومفادہ ان مجرد کون البائع مجوسیا یثبت الحرمۃ فانہ بعد اخبارہ بالحل بقولہ ذبحہ مسلم کرہ اکلہ فکیف بدونہ، تأمل[4]۔	اس کا مفاد یہ ہے کہ محض بائع کا مجوسی ہونا ہی حرمت کو ثابت کردے گا کیونکہ اس نے اس کے حلال ہونے کی خبر دی، کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے، اس کے باوجود جب کھانا مکروہ ہوا تو ایسی خبر کے نہ ہونے پر کیسے حلال ہوسکتا ہے، غور کیجئے۔ (ت)

بخلاف اس کے کہ مسلمان اپنے کسی نوکر یا مزدور مشرک کو گوشت لینے بھیجے اور وہ خرید کر لائے اور کہے میں نے مسلمان سے خریدا ہے اس کا کھانا جائز ہوگا، جبکہ قلب میں اس کا صدق جمتا ہو کہ اب یہ اصالۃً دربارہ معاملات قول کافر کا قبول ہے اگرچہ حکم دیانت کو متضمن ہوجائے گا، تبیین الحقائق پر ہندیہ میں ہے:

---

[1] الاشباہ النظائر الفن الاول القاعدۃ الثالثۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۸۹

[2] فتح القدیر

[3] ردالمحتار بحوالہ التاتارخانیہ کتاب الحظروالاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

[4] ردالمحتار بحوالہ التاتارخانیہ کتاب الحظروالاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

لایقبل قول الکافر فی الدیانات الا اذا کان قبول قول الکافر فی المعاملات یتضمن قبوله فی الدیانات، فح تدخل الدیانات فی ضمن المعاملات، فیقبل قوله فیها ضرورة[1]۔	دیانات میں کافر کا قول مقبول نہیں ماسوائے اس کے کہ جب معاملات میں اس کا قول ہونے پر دیانات میں مقبول ہونے کو متضمن ہو تو ایسی صورت میں دیانات، معاملات میں داخل قرار پاتے ہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الجواب ان قوله شریته من المعاملات، و ثبوت الحل والحرمة فیه ضمنی، فلما قبل قوله فی الشراء، ثبت ما فی ضمنه بخلاف مایأتی، وکم من شیئ یثبت ضمنا لاقصدا[2]۔	جواب یہ ہے کہ اس کا یہ کہنا کہ میں نے اسے خریدا ہے، یہ معاملات کی بات ہے اور حلال وحرام ہونا اس میں ضمنی چیز ہے تو جب خریداری کے متعلق اس کا قول مقبول ہے تو ضمنی امر بھی ثابت ہوجائے گا، آئندہ بیان اس کے خلاف ہے، تاہم بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہوجاتی ہیں وہ قصداً ثابت نہیں ہوتیں۔ (ت)

ولہٰذا اگر وہ نوکر کہے کہ بائع مشرک تھا گوشت حرام ہوگا، معلوم ہوا کہ بیچنے والے کا مشرک ہونا ہی حرمت گوشت کے لئے کافی ہے، تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

قال اشتریت اللحم من کتابی فیحل، او قال اشتریته من مجوسی فیحرم[3]۔	اس نے کہا میں نے یہ گوشت کتابی شخص سے خریدا ہے تو حلال ہوگا، یا اس نے کہا میں نے مجوسی سے خریدا ہے، تو حرام ہوگا، (ت)

ہاں جب تک وہ گوشت ذابح مسلم خواہ اور کسی مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو تو اس مسلمان اور نیز دوسرے کو اس مسلم کی خبر پر کہ یہ وہی گوشت ہے جو مسلمان نے ذبح کیا، خریدنا اور کھانا سب جائز ہے کہ اب خبر مسلم ہے نہ کہ کافر، مگر وہ مخبر ثقہ نہ ہو تو قلب پر اس کا صدق جمنا شرط ہوگا۔

فی التنویر شرط العدالة فی الدیانات و یتحری فی الفاسق والمستور[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر میں ہے دینی امور میں عدالت شرط ہے اور فاسق یا مستور الحال شخص کی خبر میں غور وفکر کرے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ تبیین الحقائق کتاب الکراہیۃ الباب نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

مسئلہ ۱۳۳: ۷ محرم الحرام ۱۳۱۳ھ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے گوسفند ذبح کیا ہوا اپنے ایک ملازم غیر کتابی کے ہاتھ مکان کو بھیجا اور آرندہ ذبیحہ نے یہاں کہا کہ یہ ذبیحہ فلاں شخص مسلم نے بھیجا ہے۔ کھانا اس کا مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر قرائن کی رو سے اس کافر کے اس قول میں شک پیدا نہ ہو، ظن غالب اس کے صدق ہی کا ہو، تو مسلمان کے لئے اس ذبیحہ کے کھانے میں کوئی حرج نہیں کہ ہدیہ لانا از قبیل معاملات ہے اور معاملات میں کافر کی بات مقبول، اور جب یہ مان لیا گیا کہ یہ ذبیحہ فلاں مسلم کا بھیجا ہوا ہے، تو اس کے ضمن میں حلت بھی مسلم ہو گئی، اگرچہ ابتداء حلت، حرمت، طہارت، نجاست وغیرہا امور خالصہ دینیہ میں کافر کا قول مقبول نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

من ارسل اجیرا له مجوسیا اوخادما فاشتری لحما فقال اشتریته من یهودی اونصرانی اومسلم وسعه اکله، لان قول الکافر مقبول فی المعاملات الخ[1]۔	جس نے اپنا مجوسی مزدور یا خادم گوشت خریدنے بھیجا تو اس نے واپس آکر کہا میں نے یہودی یا نصرانی یا مسلمان سے خریدا ہے تو مزدور یا غلام کا خریدا ہوا گوشت کھانا جائز ہے کیونکہ معاملات میں کافر کا قول مقبول ہے۔ الخ (ت)

تبیین الحقائق و در مختار میں ہے:

المعاملات یقبل فیها خبر کل ممیز حرا کان اوعبدا مسلما کان اوکافرا، کبیرا او صغیرا لعموم الضرورة فان الانسان قلما یجد المستجمع لشرائط العدالة لیعامله اویستخدمه اویبعثه الی وکلائه ونحوذلك و لادلیل مع السامع یعمل به سوی الخبیر[2] الخ۔	معاملات میں ہر باتمیز شخص کی بات مقبول ہے، وہ آزاد ہو یا غلام مسلمان ہو یا کافر، وہ بڑا ہو یا نابالغ ہو کیونکہ ضرورت عام چیز ہے جبکہ انسان معاملہ یا خدمت لینے یا اپنے وکلاء کے پاس بھیجنے کے لئے شرائط عدالت پر پورا اترنے والے کو بہت کم پاتا ہے اور سامع کے پاس خبر کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہوتی، جس پر عمل کیا جائے۔ (ت)

[1] الهدایة کتاب الکراہیة فصل فی الاکل والشرب مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۵۱

[2] تبیین الحقائق کتاب الکراہیة المطبعة الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۱۲

عالمگیری میں ہے:

یقبل قول الواحد فی المعاملات مسلما کان اوکافرا، دفعاللحرج، ومن المعاملات الوکالات والمضاربات و الرسالات فی الھدایا، والاذن فی التجارات، کذا فی الکافی [1] اھملخصا۔	معاملات میں ایک شخص کی بات قبول کی جائے گی خواہ وہ مسلمان ہو یاکافر ہو تاکہ حرج کو ختم کیا جاسکے اور معاملات میں سے مضاربت اور ہدیہ وغیرہ کا قاصد بنانا تجارت کی اجازت دینا بھی ہے، اسی طرح کافی میں ہے اھ ملخصا۔ (ت)

نیز تبیین میں ہے:

فاذا قبل فیھا قول الممیز وکان فی ضمن قبول قولہ فیھا قبولہ فی الدیانات یقبل قولہ فی الدیانات ضمنا ضررورۃ، وکم من شیئ لایصح قصدا یصح ضمنا و لان کل معاملۃ لاتخلو عن دیانۃ، فلو لم یقبل فیھا فی ضمن المعاملات لادی الی الحرج، بخلاف الدیانات المقصودۃ [2] (ت)	توجب اس میں باتمیز شخص کی بات قبول ہے تو اس کے ضمن والی دینی چیز بھی اس کی قبولیت سے ضرورۃ ضمن میں قبول ہوگی اور اس لئے بھی کہ کوئی معاملہ بھی دینی امر سے خالی نہیں ہوتا، تو اگر وہ معاملہ میں ضمناً ثابت نہ ہو تو حرج کا باعث ہوگا جبکہ بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہوتی ہیں اور قصدا صحیح نہیں ہوتیں، اس کے برخلاف مقصود دینیات کہ وہ ضمناً صحیح نہیں ہوتے، ملخصا (ت)

ہاں اگر بنظر قرائن اس کی بات میں شک پڑے، کچھ فریب معلوم دے، توہر گز نہ کھائے کہ ذبیحہ کی حلت مشکوک وموہوم بات سے ثابت نہ ہوگی،

فان الحیوان ماکان حیاکان حراما، وانما یحل بذبح مشروع فلا یثبت الطاری بالشک۔	کیونکہ جانور جب تک زندہ ہے کھانا حرام ہے وہ صرف شرعی طریقہ سے ذبح کرنے سے حلال ہوتا ہے تو اصل کے خلاف وارد ہونیوالی چیز شک سے ثابت نہ ہوگی۔ (ت)

درمختار میں ہے:

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الکراہیۃ الباب الاول الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۰

[2] تبیین الحقائق کتاب الکراہیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۱۲

یقبل قول المملوك ولو انثی، والصبی، فی الھدیة، وقیدہ فی السراج بما اذا غلب علی رائه صدقھم [1] اھ ملخصا۔	غلام عورت ہو یا بچہ ہو اس کی بات قبول ہوگی، ہدیہ میں اور کہ اس بات کو سراج میں اس قید سے مقید کیا ہے کہ اس کی رائے میں اس مملوک غلام کی سچائی غالب ہو اھ ملخصا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ثم قال کما فی المنح وان لم یغلب علی رأیه ذٰلك لم یسعه قبوله منھم، لان الامر مشتبه علیه، اھ، قال الاتقانی لان الاصل انه محجور علیه، والاذن طاری، فلا یجوز اثباته بالشك [2]۔ الخ، واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	پھر منح میں کہا گیا کہ اگر اس کی سچائی پر غلبہ ظن نہ ہو تو پھر اس کی بات کو قبول کرنے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ معاملہ اس پر مشتبہ رہے گا اھ، اتقانی نے کہا کہ اصل ممانعت ہے اور اجازت بعد والی چیز ہے، لہٰذا شک کے ساتھ اجازت ثابت نہ ہوگی الخ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۴: از ضلع لاہور مقام چونیا مسئولہ انوار الحق بروز چہار شنبہ بتاریخ ۱۴صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

اس شہر میں حلال خور یعنی چوُہڑے درپردہ گائے ذبح کراکے گوشت فروخت کرتے ہیں، بعض مسلمان ان سے خرید لیتے ہیں، اگر ان سے منع کیا جائے تو زید کہتا ہے کہ مولوی عبدالحہ کے فتاوٰی میں لکھا ہے اگر جانور کو مسلمان ذبح کرے اور فروخت کافر کرے تو کھانا جائز ہے، جب شریعت جاز کرتی ہے تو تم کیوں نفرت کرتے ہو، یا حضرت! چوہڑوں سے گوشت کھانا مسلمان کو بہت برا معلوم ہوتا ہے. برائے مہربانی تحریر فرمائیں کہ اگر جائز ہو تو نفرت نہ کی جائے۔ فقط

الجواب:

گوشت میں اصل یہ کہ جانور مثلاً گائے جب تک زندہ ہے اس کا گوشت حرام ہے، اگر کوئی ٹکڑا کاٹ لیا جائے مردار اور حرام ہوگا، "ما ابین فی حی فھو میت" (زندہ جانور سے گوشت کاٹا تو وہ حرام ہے)

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۰

حلت ذکات شرعی سے ثابت ہوتی ہے، توجب ذبح شرعی معلوم و متحقق نہ ہو تو حکم حرمت ہے، کافر نے مسلمان سے راس ذبح کرائی اور قبل اس کے کہ مسلمان کی نگاہ سے غائب ہوا نھیں سے خرید لیا، یہ جائز ہے اور اگر مسلمان نے ذبح کیا اور اس کے بعد جانور اس کی نظر سے غائب ہوگیا" اور کافر عـــہ گوشت اس کی حلت وطہارت کرنا چاہتا ہے۔" اور حلت وحرمت وطہارت ونجاست خالص امور دیانت ہیں، اور امور دیانت میں کافر کی خبر محض نامعتبر ہے۔

قال اللہ تعالٰی "لَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا ﴿۱۴۱﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی ہر گز کافروں کو مومنوں پر راہ نہ دے گا۔(ت)

مسلمان اس کے گوشت کی خریداری سے نفرت واعراض کرتے ہیں، بہت صحیح وبجا ہے، یہی حکم شرع ہے، بلکہ چوہڑے چمار اگر مسلمان سے ذبح کرائیں اور ہنوز نگاہ سے غائب نہ ہو جب بھی خریدنا نہ چاہئے جبکہ قلوب اس سے تنفر کرتے ہوں،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: بشروا ولا تنفروا[2]۔ وعنه صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: ایاکم ومایتعذر منه[3] فان الخبر لایتعذر منه، وعنه صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاك ومایسؤ الاذن[4]۔ ھذا وفصلناہ فی فتاوٰنا	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے؛ بشارت دینے والے بنو اور نفرت پیدا نہ کرو۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے: باعث عذر سے بچو جبکہ خبر باعث عذر نہیں ہے، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کانوں کو تکلیف دہ بات سے بچاؤ۔

عـــہ: اصل میں اسی طرح ہے، مگر ہونا اس طرح چاہئے: "اور کافر گوشت فروش اس کی حلت وطہارت ثابت کرنا چاہتا ہے۔" عبد المنان اعظمی۔

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[3] المستدرك للحاکم کتاب الرقاق دار الفکر بیروت ۴/ ۳۲۷، کشف الخفاء للعجلونی حدیث ۸۶۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۴۷

[4] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الغادیۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتبہ الاسلامی بیروت ۴/ ۷۶، کشف الخفاء للعجلونی حدیث ۸۶۶ و ۸۶۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴۷

بتوفیق اللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اسے ہم نے بتوفیق الٰہی اپنے فتاوٰی میں تفصیل سے بیان کردیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۵: از رامہ ڈاک خانہ جاتلی تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی مرسلہ قاضی تاج محمود صاحب ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

مذبوحہ شدہ مالک کو دستیاب ہوجائے، ذابح نامعلوم ہے، کیا یہ مذبوحہ حلال ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

حلال ہے مگر جب کہ اس گمان کا محل ہو کہ ذابح مرتد یا مشرک یا مجوسی ہے۔ حلبی وشامی علی الدرر میں ہے:

الاولی ان یقال ان کان الموضع مما یسکنہ او یسلك فیہ مجوسی لایوکل والا اکل ولایعترض بشأن ترك التسمیۃ عمدا، فان ہذا موہوم لایعارض الراجح [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ کہنا بہتر ہے، ایسا موضع جہاں مجوسی رہتا ہو وہاں اس کا آنا جانا ہو تو وہاں کا نہ کھایا جائے ورنہ کھایا جائے، اور قصداً بسم اللہ کو ترک کی صورت سے اعتراض نہ کیا جائے کیونکہ یہ احتمال موہوم ہے جو راجح احتمال کا مقابل نہیں بن سکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۶: از موضع بکاجبی والا، علاقہ جاگل تھانہ ہری پور ڈاکخانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد ۲ رمضان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ اگر کوئی شخص کسی کی بکری یا اور کوئی حلال جانور چرا کر ذبح کرے تو وہ جانور اس کے ذبح کرنے سے حلال ہوجائے گا یا نہیں؟ اور اس کا کھانا کیسا ہے؟ اور اس ذبح کرنیوالے کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

یہ شخص ملک غیر میں بے اس کی اجازت کے تصرف کرنے سے گنہ گار ہوا، مگر اگر یہ ذبح کرنیوالا اہل ذبح ہے اور تکبیر اس نے قصداً ترک نہ کی تو جانور کا ذبیحہ صحیح ہوگیا یہاں تک کہ اگر یہ جانور مالک نے خاص قربانی کے لئے خریدا تھا اور اس شخص نے ایام قربانی میں اپنی طرف سے ذبح کرلیا، اور مالک نے یونہی ذبح کیا ہوا اس سے لے لیا تو مالک کی قربانی ادا ہوگئی اور اگر مالک نے تاوان لے لیا تو ذابح کی قربانی ادا ہوگئی اور اگر

[1] ردالمحتار کتاب الصید دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۷

کوئی شخص کسی کا جانور چوری یا غصب سے لے کر ذبح کرے، اور ابھی پکانے یا بھوننے نہ پایا ہو، تو مالک کو اس کا لے لینا اور خود کھانا حلال، اور جسے وہ اجازت دے اسے بھی حلال، ہاں بے اس کی اجازت کے یہ ذبح کرنیوالا نہ خود کھا سکتا ہے نہ دوسرے کو کھلاسکتا ہے اسے حرام ہے جب تک اس کا تاوان ادا نہ کرے، یہ حرمت تعلق غیر کے سبب ہے نہ اس وجہ سے کہ ذبح صحیح نہ ہوا، جس طرح ذابح کے پکالینے یا بھوننے کے بعد مالک کو اس کے لے لینے کا اختیار نہیں کہ اب ذابح اس کا مالک ہو گیا اصل مالک کو صرف تاوان لینے کا اختیار رہا، جب یہ تاوان لے لے گا ذابح کو اس کا کھانا حلال ہو جائے گا، در مختار میں اشباہ سے ہے:

لو شراہا بنیۃ الاضحیۃ فذبحہا غیرہ بلااذنہ فان اخذہا مذبوحۃ ولم یضمنہ اجزأتہ۔وان ضمنہ لا تجزئہ وہذا اذا ذبحہا عن نفسہ، واما اذا ذبحہا عن مالکہا فلاضمان علیہ[1]۔	اگر قربانی کی نیت سے بکری خریدی تو کسی دوسرے شخص نے اس کی اجازت کے بغیر اسے ذبح کردیا تو اگر مالک نے وہ ذبح شدہ بکری رکھ لی اور اس سے ضمان نہ لیا تو مالک کی قربانی جائز ہوگی اور اگر ضمان لیا تو قربانی جائز نہ ہوگی یہ اس صورت میں ہے کہ جب ذبح کرنے والے نے اپنی طرف سے جانور ذبح کیا ہو اور اگر اس نے مالک کی طرف سے ذبح کیا تو اس پر ضمان نہ ہوگا۔(ت)

عالمگیریہ میں محیط سرخسی سے ہے:

رجل ذبح اضحیۃ غیرہ عن نفسہ بغیر امرہ، فان ضمنہ المالك قیمتہا یجوز عن الذابح دون المالك لانہ ظہر ان الاراقۃ حصلت علی ملکہ وان اخذہا مذبوحۃ تجزئ عن المالك لانہ قد نواہا فلیس یضرہ ذبح غیرہ لہا[2]۔	کسی شخص نے غیر کی قربانی کو اپنی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر ذبح کرلیا تو مالک نے اس کو جانور کی قیمت کا ضامن بنایا تو وہ قربانی ذبح کرنے والے کی طرف سے ہوگی مالک کی نہ ہوگی کیونکہ واضح ہوگیا کہ ذبح کرنے والے نے اپنی طرف سے قربانی دی ہے اور اگر مالک نے ذبح شدہ کو لے لیا تو قربانی مالک کی جانب سے ادا ہوئی کیونکہ اس نے قربانی کی نیت کررکھی تھی تو غیر کا ذبح کرنا مضر نہ ہوگا۔(ت)

تنویر میں ہے:

---

[1] درمختار بحوالہ الاشباہ کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ محیط السرخسی کتاب الاضحیۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۲

ان غصب وغیر فزال اسمه واعظم منافعه ضمنه و ملکه بلاحل انتفاع قبل اداء ضما نه کذبح شاة و طبخها اوشیها [1] اھملخصا۔	اگر دوسرے شخص نے جانور غصب کیااور اس میں کوئی تغیر کردیا تواس کا نام زائل ہوگیااور اس کے منافع بڑھالئے ضمان دیا تو مالک ہوجائے گا اور ضمان کی ادائیگی سے قبل اس کو انتفاع حلال نہ ہوگا مثلاً ذبح کرکے پکالیا یا بھون لیا تو مالک ہوجائے گا۔اھ ملخصا(ت)

اسی میں ہے:

ذبح شاة غیره طرحها المالك علیه،واخذ قیمتها او اخذها وضمنه نقصانها [2]۔	غیر کی بکری ذبح کی تو مالک نے اس کے ذمہ ڈال دی اور اس کی قیمت وصول کرلی یا وہ ذبح شدہ بکری مالک نے رکھ لی اور نقصان کا ضمان وصول کرلیا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لانه اتلاف من وجه لفوات بعض المنافع کالحمل و الدر والنسل و بقاء بعضها وهو اللحم، [3] درر۔	کیونکہ یہ من وجہ اتلاف ہے حاملہ ہونے، دودھ اور نسل کے اعتبار سے اور من وجہ باقی ہے گوشت کے اعتبار سے درر۔(ت)

اسی طرح ہدایہ وغیرہا میں ہے:

فظهران ماوقع فی اٰخرالصید من الدر المختار،بما نصه ورأیت بخط ثقة سرق شاه فذبحها بتسمیة فوجد صاحبها هل توکل،الاصح لا،لکفره بتسمیته علی الحرام القطعی بلا تملك ولا اذن شرعی اھفیحرر [4] اھفغیر معتمد ولا محرر،لمخالفته لما	تو درمختار کے باب الصید کے آخر میں جو واقع ہے وہ غیر معتمداور غیر محرر ہے،وہ عبارت یہ ہے،"میں نے ثقہ عبارت میں پایا کہ کسی نے بکری چوری کرکے ذبح کرلی اور اس پر بسم اللہ پڑھی تو مالک ناراض ہوا،کیا وہ کھائی جائے گی؟ (جواب) اصح یہ ہے کہ نہ کھائی جائے کیونکہ حرام قطعی پر بسم اللہ پڑھنے سے کفر ہونے کی بناء پر ملکیت اور اذن شرعی کے بغیر یہ عمل ہوا"،اھ اس کو واضح کیا جائے اھ

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶
[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶
[3] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۲۳
[4] درمختار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۴

فی الدر وغیرہ عامۃ معتمدات المذہب، ولذا قال فی ردالمحتار المعتمد خلافہ بدلیل قولھم بصحۃ التضحیۃ بشاۃ الغصب واختلافھم فی صحتھا بشاۃ الودیعۃ ولذا قال السائحانی، **اقول**: ھذا ینا فی ما تقدم فی الغصب، وفی الاضحیۃ فلا یعول علیہ [1] اھ، ما فی ردالمحتار، **اقول**: و یؤید حدیث شاۃ ذبحت بغیر اذن مالکھا، وقدمت للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم فاخبرہ بذٰلك لحمھا، فلم یتناول منہ وامر بحملہ الا ساری، واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ اس لئے غیر معتبر ہے کہ در مختار اور دیگر عام کتب مذہب کے بیان کے خلاف ہے اور اسی لئے ردالمحتار میں فرمایا اس کا خلاف معتمد علیہ ہے اس پر دلیل فقہاء کا یہ قول ہے کہ غصب شدہ بکری کی قربانی صحیح ہے، اور امانت بکری کے متعلق اختلاف کیا، اور اسی لئے سائحانی نے فرمایا **میں کہتا ہوں** کہ یہ غصب میں بیان شدہ کے خلاف ہے اور قربانی کے بیان سے بھی مخالف ہے، ردالمحتار کا بیان ختم ہوا، **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے مالک کی اجازت کے بغیر ذبح شدہ بکری حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی گئی اور آپ کو واقع بتایا گیا تو آپ نے وہ گوشت نہ کھایا اور آپ نے وہ گوشت قیدیوں کو دے دینے کا حکم فرمایا، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی کافر نے ایک بکری پر اہلال لغیر اللہ کیا، اور بنام خدا ذبح کرنا چاہا، پھر کسی کے کہنے سے ذبح موقوف کرکے ایک شخص کو ہبہ کر دیا نہ کہ اس غیر کے نام پر بلکہ جیسے، آپس میں ایک دوسرے کو ہبہ کرتے ہیں، آیا موہوب لہ کو خدا کے نام پر ذبح کرکے کھانا اس کا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عندالتحقیق کریمہ "مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ج" [2] میں اہلال وقت ذبح مقصود، یعنی اس وقت اگر نام غیر خدا لیا گیا حرام ہے، اس معنی پر آیہ کریمہ کو صورت مسئولہ سے کچھ علاقہ ہی نہیں، اور بعض نے جو پیش از ذبح جانور پر نام غیر خدا پکار دینا مراد رکھا، ان کے نزدیک بھی استمرار اسی کا تادم شرط حرمت ہے۔ استدلال

[1] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

شاہ عبدالعزیز صاحب کا حدیث "**ملعون من ذبح لغیر اللہ**"[1] (جس نے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا وہ ملعون ہے۔ت) اور عبارت نیشاپوری:

اجمع العلماء لو ان مسلما ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحہا التقرب الی غیر اللہ صار مرتدا ذبیحتہ ذبیحۃ مرتد[2]۔	علماء کا اجماع ہے کہ اگر مسلمان نے جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے قصد کرتے ہوئے ذبح کیا تو وہ مرتد ہوجائے گا، اس کا ذبیحہ مرتد کے ذبیحہ کی طرح ہوگا۔(ت)

سے اس کا صاف مؤید ہے، یہ مطلب ہر گز نہیں کہ جب ایک بار اس پر نام خدا کا پکار دیا گیا نجس العین ہوگیا اب اگرچہ وہ نیت جاتی بھی رہے اور وقت ذبح تقرب الی اللہ ہی مقصود ہو، اور نام بھی خدا ہی کا لیا جائے حرام رہے گا، حالانکہ علت حرمت مرتفع ہوگئی اور ارتفاع علت کو ارتفاع معلول لازم، شاہ صاحب اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

آرے ذکر نام خدا براں جانور وقتے فائدہ می دہد کہ تقرب بغیر خدا از دل دور کردہ، وخلاف آں شہرت دادہ آواز دیگر دہند کہ ما ازیں کار برگشتیم[3]۔	ہاں اس جانور پر خدا کا نام ذکر کرنا تب فائدہ مند ہوگا جب غیر خدا کے تقرب کو دل سے نکال دے اور غیر خدا کے تقرب کے خلاف کو شہرت دے اور لوگوں کو بتائے کہ اس کام سے باز آگیا ہوں۔(ت)

اس عبارت سے صاف ظاہر کہ اگر بعد اہلال للغیر ونیت فاسدہ زائل ہوجائے تو جانور قطعاً حلال ہے، خصوصاً صورت مسئولہ میں کہ یہاں تو وہ بکرا صاحب اہلال کی ملک ہی نہ رہا، دوسرے شخص کا مملوک ہوگیا کیا صرف ایک بار نام خدا پکار دینے سے اس میں وہ حرمت ابدی ونجاست سرمدی آگئی کہ اب اگرچہ وہ نیت بھی جاتی رہی، اور اہلال للغیر بھی موقوف ہوجائے بلکہ جانور صاحب اہلال کی ملک بھی نہ رہے، اور ملک ثانی خاص خدا کے نام پر ذبح کرے، بایں ہمہ اس کی حرمت نہ جائے؟ یہ امر بالبداہۃ باطل، اور اس بکر کی حلت میں باتفاق فریقین کوئی شبہ نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم وحکمہ عزاسمہ احکم۔**

---

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ مطبع مجتبائی دہلی ص ۶۱۰

[2] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ مطبع مجتبائی دہلی ۶۱۱)

[3] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ مطبع مجتبائی دہلی ۶۱۱)

مسئلہ ۱۳۸: ۱۴رمضان المکرم ۱۳۱۴ھ

جنگل میں صبح کے وقت بیل مذبوحہ پایا، مگر ذابح معلوم نہیں کہ کافر ہے یا مسلمان، اگر مسلمان ہے تو **بسم اللہ اللہ اکبر** کہی ہو یانہ، آیا مذبوحہ حلال ہے یاحرام؟ اگر حلال ہے تو یہ جزئیہ کون سی کتاب میں ہے اور کون سے باب میں ہے یا "**مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ**"[1] میں داخل کیا جائے کون سی دلیل کے ساتھ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ان بلاد میں کہ مومن اور کافر، مشرک، ملحد، زندیق ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں، ایسا نامعلوم الحال ذبیحہ حلال نہ سمجھا جائے گا۔

کمابینه فی الدر المختار[2] وردالمحتار[3] من اٰخر الصید فراجعهما وفیه تفصیل لا یعدو ماقلناه، واللّٰه تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار کے باب الصید کے آخر میں اس کو بیان کیا ہے تو دونوں کتب کی طرف رجوع کرو اور اس میں تفصیل ہے جو ہمارے بیان کردہ سے زائد نہیں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۱۳۹: از بریلی محلّہ بہاری پور مسئولہ عبدالرشید خاں ۱۳جمادی الاولٰی ۱۳۳۳ھ

اور مدار صاحب کا مرغہ کرنا کیسا ہے؟ اور کھانا اس کا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جو جانور مسلمان نے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا اور اللہ عزوجل کے لئے اس کی جان دے وہ حلال ہے، مرغ مزار پر لے جانا نہ چاہئے نہ مرغ کی خصوصیت ضروری سمجھنا چاہئے، جو ذبح جہاں ہو اللہ کے لئے کرے ان کا ثواب ان کی روح کو پہنچادے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۰: مسئولہ انوارالحق چونیاں ضلع لاہور بروز یک شنبہ بتاریخ ۱۰ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

فتاوٰی شاہ عبدالعزیز صاحب کا حنفی المذہب کے مطابق ہے یا کہ نہیں، اور نیز اس میں لکھا ہے کہ پیر کے نام کا بکرا حرام ہے، خواہ وقت ذبح تکبیر کہی جائے، اب اے وارث النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم! تحریر فرمائے کہ شاہ صاحب اس مسئلہ میں غلطی پر ہیں، یا یہ کہ اس فتاوٰی کی عبارت سمجھنے میں غلطی ہے اس

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

[2] درمختار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۴

[3] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۶

فتوے کی تمام عبارت دو تین ورق پڑھ کر تحریر فرمائیں، اور نیز حضور نے کئی دفعہ پڑھا بھی ہوگا۔

الجواب:

اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ نیت ذابح کا اعتبار ہے اگر اس نے اراقۃ دم تقربا الی اللہ کی اور وقت ذبح نام الٰہی لیا جانور بنص قطعی قرآن عظیم حلال ہوگیا۔

قال اللہ تعالٰی مالکم ان لاتاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھیں کیا ہوا کہ تم اسے نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام پکارا گیا۔ (ت)

تفصیل فقیر کے رسالہ "سبل الاصفیاء" میں ہے، شاہ صاحب سے اس مسئلہ میں غلطی ہوئی، اور وہ نہ فقط فتاوٰی بلکہ تفسیر عزیزی میں بھی ہے، اور نہ ایک ان کا فتاوٰی بلکہ کسی بشر غیر معصوم کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں سے کچھ متروک نہ ہو، سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

کل ماخوذ من قولہ ومردود علیہ الا صاحب ھذہ القبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ تمام حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سواہر ایک اپنے قول پر ماخوذ ہوگا اور قول کو اس پر رد کیا جائے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۱: از رام گڑھ سیٹھاں علاقہ سیکر شیخاوٹی، مدرسہ نور الاسلام، مسئولہ عبدالعزیز ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ پیروں کا بکرا جو مانتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

ذبح اللہ عزوجل کے نام پر کیا جائے اور ثواب پیروں کو پہنچایا جائے، نہ اس میں حرج نہ اس کے ماننے میں حرج، مسلمان یہی کرتے ہیں اور ان کا مقصود ہوتا ہے، اس کے خلاف سمجھنا بدگمانی ہے، کمافی الدرالمختار (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت) اور یہ بدگمانی حرام ہے، کمافی القرآن العظیم (جیسا کہ قرآن عظیم میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۲: از ریاسی ریاست جموں مولانا امام الدین گاذر مرسلہ پیر سید غلام شاہ کشمیری ۱۷ صفر ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بکری کو شیر یا چیتے نے گلے سے

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۹

پکڑا اور خون پینے کے لئے رگوں کو چھید ڈالا یا سنانہ، اور بکری زندہ ہے، اگر ذبح کی جائے تو حلال ہوسکے گی یا نہیں؟ ادھر کشمیر اور پونچھ کے مفتی عدم حلت کا فتوٰی دیتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ وجیز امام کردری اور فتاوٰی عالمگیری میں ایسے جانور کو حرام لکھا ہے،

شاۃ قطع الذئب اوداجھا لاتحل بالذکوۃ وھی حیۃ[1]۔	بھیڑیئے نے بکری کی اوداج (گلے کی رگیں) کاٹ دیں اور ابھی زندہ تھی تو ذبح کردی گئی تو حلال نہ ہوگی۔(ت)

سے استدلال کرتے ہیں، اور نیز کہتے ہیں کہ چار رگیں کاٹنی فرض تھیں وہ شیر نے کاٹ ڈالیں، حالانکہ شیر رگیں بالکل نہیں کاٹتا صرف انھیں بیچ میں سے چھید ڈالتا ہے، مثلارگ کی اصل صورت یہ ہے، زخمی اس طرح = = = = کر دیتا ہے، بسااوقات دو ہی رگوں کو دانت مارتا ہے، موافق مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ جواب ارشاد فرمایا جائے، اگر (ولو فرض) عقدہ توڑ جائے اور سب مذبح کھا جائے، تو اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟ **بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب** (کتاب سے بیان فرمایئے یوم حساب اجر دئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

اللہ[عـــه] عزوجل فرماتا ہے:

عـــه: ایضا فتوائے مولوی محمد مرتضٰی از بلکوٹ، ڈاکخانہ اوڑی، ریاست کشمیر کہ در تحریم مقطوع الاوداج من السبع بود ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ ایں عبارت نوشتہ شد فی الواقع اگر درندہ محل ذبح کہ مابین اللبۃ واللحیۃ ست دو یا بیشتر اوداج را برید کہ اتصال آنہا بدماغ یا سینہ منقطع شد حالا ذبح نتواں شد

نیز مولوی مرتضٰی از بلکوٹ ڈاکخانہ اوڑی، ریاست کشمیر، نے درندہ کی قطع کردہ اوداج (گلے کی رگیں) پر جانور کو حرام قرار دینے کا فتوٰی ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ کو دیا، وہ عبارت یہ ہے: اگر فی الواقع درندے نے مقام ذبح جو لبہ اور لحیہ کے درمیان ہے میں دو یا زیادہ اوداج کو کاٹ دیا ہو کہ ان کا تعلق دماغ یا سینے سے منقطع ہوگیا ہو ایسی صورت میں (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الوجیز کتاب الذبائح الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۱، فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الذبائح الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۰۸

"حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّیَةُ وَ النَّطِیْحَةُ وَ مَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّیْتُمْ ۫" [1]۔	تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور سوئر کا گوشت اور جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام لیا گیا اور گلا گھونٹی، اور لاٹھیوں سے ماری اور اوپر سے گرنے والی، اور جسے کسی نے سینگ مارا، اور درندہ کی کھائی ہوئی، مگر جسے تم ذبح کرلو،

یہ استثناء تمام مذکورات کی طرف راجع ہے جس سے متعلق ہوسکتا ہے، ظاہر ہے کہ خون اور گوشت ذبح نہیں ہوسکتے، عجب نہیں کہ اضافہ لفظ لحم میں یہی حکمت ہو کہ صلاحیت استثنا نہ رہے، اور مردار اور جو ایک بار ذبح ہوچکی صالح ذبح نہیں، بحمد اللہ تعالٰی یہاں سے وہابیہ کا رد ہوگیا، مااُہل سے اگر ماذبح مراد لیتے ہیں جیسا کہ یہی حق اور یہی تفسیر ماثور ہے۔ تو قبل ذبح کسی کا نام پکارنے سے کیوں حرام بتاتے ہیں اور مطلق پکارنا مراد لیتے ہیں، تو جب اسے نام خدا پر ذبح کیا گیا کیونکر حرام کہتے ہیں، حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: "اِلَّا مَا ذَكَّیْتُمْ ۫" [2]۔ (مگر جسے تم ذبح کرلو۔ت) یہ چیزیں حرام ہیں مگر جسے تم ذبح کرلو وہ حلال ہے، پہلی صورت میں تو یہی تھا کہ

لفوات محلّہ پس الا ماذکیتم صادق نیاید آرے اگر دندان زدہ رگ راقدرے شگافتہ، ست کہ خرق باشد نہ قطع یا در غیر محل مذکور چنانکہ در سر یا بر صدر ومجروحہ ہنوز زندہ است آں، ذبح کردہ شد حلال می شود لبقاء محل الذبح فید خل فی قولہ تعالٰی الا ماذکیتم تحقیق وتفصیل ایں مسئلہ درفتوائے فقیر جلد ہفتم کتاب الذبائح است، وباللہ التوفیق واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	وہ جانور ذبح کے قابل نہ ہوگا کیونکہ ذبح کا محل فوت ہوگیا، پس قرآن کا حکم الا ماذکیتم صادق نہ آئیگا، ہاں اگر رگوں کو زخم ہوا اور وہ قدرے پھٹ گئی ہوں اور مکمل قطع نہ ہوئی ہوں یا محل ذبح مذکور کے غیر مثلاً سر یا سینہ کو درندے نے کاٹ دیا اور زخمی جانور ابھی زندہ ہو اور ذبح کرلیا گیا تو حلال ہوگا کیونکہ ذبح کا محل باقی تھا تو اللہ تعالٰی کے ارشاد الا ماذکیتم میں داخل ہوگیا، اس مسئلہ کی تحقیق وتفصیل ہمارے فتاوٰی جلد ہفتم (جو کہ اب بیسویں ہے) کتاب الذبائح میں ہے، توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۳

[2] القرآن الکریم ۵/ ۳

بغیر خدا کے بتائے وہابیہ نے اپنی طرف سے حرام کہہ دیا، اور دوسری صورت جو خود وہابیہ لیتے ہیں اس سے بھی سخت تر ہے کہ جسے اللہ عزوجل نے حلال بتایا اسے حرام بتاتے ہیں، **والعیاذباللہ تعالٰی**، پانچ اشیاء سے باقی ماندہ میں جو مر گئی صالح ذبح نہ رہی، اور جس میں کچھ بھی حیات باقی ہے اگرچہ کتنی ہی خفیف ہو، اگرچہ اس کی حالت کتنی ہی ردی ہو، اگرچہ اس میں صرف مذبوح کی سی تڑپ باقی ہو، جب ذبح کرلی جائیگی مطلقاً حلال ہو جائے گی اگرچہ ذبح کے وقت نہ خون دے نہ تڑپے جبکہ وقت ذبح اس میں حیات ثابت ہو اس لئے کہ رب عزوجل نے استثناء میں کوئی تفصیل نہ فرمائی، یہی ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے، اور اسی پر فتوی، درمختار میں ہے:

ذبح شاة مریضة فتحرکت اوخرج الدم حلت والا لا، ان لم تدر حیاته عندالذبح وان علم حیاته حلت مطلقًا وان لم تتحرك ولم یخرج الدم، وہذا یتأتی فی منخنقة و متردیة ونطیحة والتی بقرا لذئب بطنها، فذکاة ہذہ الاشیاء تحلل وان کانت حیاتها خفیفة، وعلیه الفتوی لقوله تعالٰی الا ماذکیتم من غیر تفصیل[1]۔	بیمار بکری کو ذبح کیا جبکہ اس نے حرکت کی اور خون نکلا تو حلال ہے، ورنہ نہیں بشرطیکہ ذبح کے وقت زندہ ہونا معلوم نہ ہو سکا، اور اگر اس موقعہ پر زندہ ہونا معلوم تھا تو مطلقًا حلال ہے اگرچہ حرکت نہ کی اور نہ خون نکلا ہو، یہ صورت گلہ گھونٹی ہوئی، اوپر سے گرنے والی، سینگ زدہ، اور جس کا پیٹ درندے نے پھاڑ دیا ہو، میں پائی جاتی ہے تو ایسے جانور ذبح کردئے جائیں تو حلال ہوں گے، اگرچہ ذبح کے وقت خفیف سی زندگی معلوم ہو جائے اور اسی پر فتوی ہے اللہ تعالٰی کے قول **الاماذکیتم** مطلق کی بناء پر۔(ت)

ولہذا ہمارے علمائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر درندہ نے جانور کا پیٹ چاک کردیا، یا بالکل سر سے جدا کرکے لے گیا، اور ابھی اس میں حیات باقی ہے ذبح کرنے سے حلال ہو جائے، وجیز کردری جس سے بحوالہ عالمگیری سوال میں استدلال ہے، اس کی پوری عبارت کتاب السیر سے چند سطر پہلے یہ ہے:

شاة قطع الذئب اوداجها وھی حیة لاتذکی لفوات محل الذبح، ولو بقرالذئب بطنها وھی	بھیڑیئے نے بکری کی اوداج (گلے کی رگیں) کاٹ دیں ابھی زندہ ہے مگر ذبح کے قابل نہ ہو تو ذبح نہ ہوگی کیونکہ ذبح کا محل نہ رہا، اور بھیڑیئے نے

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

حیۃ تذکی لبقاء محل الذبح فتحل لوذبحت ولو انتزع الذئب راس الشاۃ وبقیت حیۃ تحل بالذبح بین اللبۃ واللحیین [1]۔	اس کا پیٹ پھاڑ دیا اور ابھی زندہ ذبح کے قابل ہے تو ذبح کی جائے کیونکہ ذبح کا محل باقی ہے، اور اگر بھیڑیئے نے سر کاٹ لیا ابھی زندہ تھی اور ذبح کرلی گئی لبہ اور لحیہ کے درمیان سے تو حلال ہوگی۔(ت)

صورت مسئولہ کا آیہ کریمہ کے اطلاق اور ہمارے امام اعظم کے مذہب مفتی بہ میں داخل ہونا ظاہر ہے اور عبارت وجیز اس سے متعلق نہیں۔ وجیز میں وہ صورت منع کی ہے، درندہ رگیں قطع کردے، اور سوراخ کرنا قطع کردینا نہیں کہ اس میں سینہ سے سر تک رگوں کا اتصال بحال رہتا ہے، اور قطع اس وصل کا فصل کردینا ہے۔ ردالمحتار میں علامہ علی مقدسی سے ہے:

المراد بقطعھا فصلھا من الراس اوعن الاتصال باللبۃ [2]۔	کاٹنے سے مراد یہ کہ سر سے جدا کرلیا یا لبہ سے تعلق کاٹ دیا۔(ت)

جواب مسئلہ کو اسی قدر بس ہے، اور اگر تحقیق مقام درکار ہو **فاقول: وباللہ التوفیق** (تو میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) وجیز کی عبارت مذکورہ میں تین فرعیں ہیں؟

اول: بھیڑیا نے بکری کی رگہائے گردن کاٹ دیں۔

دوم: پیٹ چاک کردیا۔

سوم: سرجدا کردیا۔

پہلی میں حکم دیا ہے کہ ذبح نہیں ہوسکتی، اور دو باقی میں فرمایا ذبح کرلیں حلال ہوجائے گا، اول وسوم کے حکم میں بظاہر صریح تناقض ہے، یہ رگیں دماغ سے دل تک ہوتی ہیں، بدائع وفتاوائے امام قاضی خاں وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

الاوداج متصلۃ من القلب بالدماغ [3]۔	اوداج، دل تادماغ متصل ہوتی ہے۔(ت)

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الذبائح الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۷

[3] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۵، بدائع الصنائع کتاب الذبائح والصید فصل واما بیان شروط حل الاکل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۵۲

توجب سر جدا کر دیا قطعاً یہ رگیں قطع کر دیں، تو فرع اول کے حکم سے فرع سوم میں بھی حرمت چاہئے تھی اور حکم یہ دیا کہ ذبح کرے تو حلال ہے۔ اب اگر یوں توفیق کیجئے کہ ہمارے امام کے نزدیک صحت ذبح کے لئے مطلقاً حیات درکار ہے، اگرچہ اسی قدر جو مذبوح میں بعد ذبح ہوتی ہے، اور صاحبین کے نزدیک اتنی حیات کافی نہیں، امام محمد فرماتے ہیں بس اس سے زائد ہو، اور شرط نہیں، اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں: نہیں، بلکہ یہ چاہئے کہ اتنے زخم کے بعد جانبر ہو سکے، ہدایہ میں ہے:

لو انہ ذکاہ حل اکلہ عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فیہ حیوۃ خفیۃ، اوبینۃ، و علیہ الفتوی، لقولہ تعالٰی اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ مطلقاً من غیر فصل وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی اذ اکان بحال لایعیش مثلہ لایحل لانہ لم یکن موتہ بالذبح، وقال محمد رحمہ اللہ تعالٰی ان کان مثلہ فوق مایعیش المذبوح یحل، والا فلا لانہ لامعتبر بھذہ الحیوۃ[1]۔	اگر ذبح کے وقت خفیف سی زندگی بھی ہو اور ذبح کر لی گئی تو امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس کا کھانا حلال ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے اللہ تعالٰی کے ارشاد الا ماذ کیتم مطلق کی بناء پر، جس میں کوئی تفصیل نہیں ہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک وہ ایسی حالت میں ہو کہ زندہ نہ رہ سکے تو حلال نہ ہوگی کیونکہ ایسی صورت میں اس کی موت ذبح سے واقع نہ ہوگی، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ایسی حالت میں ہو کہ ذبح شدہ سے زیادہ دیر تک زندہ رہ سکتی ہو تو ذبح کرنے سے حلال ہوگی ورنہ نہیں، کیونکہ ایسی زندگانی کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ (ت)

فرع اول قول صاحبین پر مبنی ہے کہ قطع اوداج کے بعد حیات، حیات مذبوح سے اصلاً زائد نہیں ہوتی، لہٰذا وہ حکماً میت ہے، اور میت محل ذبح نہیں، تو اب ذبح نہیں کر سکتے لفوات محل الذبح، اور فرع سوم قول امام پر مبنی ہے کہ اگرچہ سر جدا ہو گیا مگر جبکہ جانور ابھی تڑپ رہا ہے حیات باقی ہے اگرچہ حیات مذبوح سے زائد نہیں سہی، لہٰذا محل ذبح ہے ذبح کر لیں حلال ہو جائے گا، اور فرع دوم میں اگر صرف جلد چاک ہوئی کہ سی کر اندمال وحیات متصور ہو تو بالاجماع حلال ہے، اور نامتصور ہو تو صرف قول امام پر، یوں اگر توفیق کریں جب تو ظاہر ہے کہ فرع اول سے استناد صحیح نہیں، کہ وہ خلاف قول امام وخلاف مذہب مفتی بہ ہے اور اگر ایسی تاویل چاہئے کہ وہ بھی قول امام کی طرف رجوع کر آئے تو اب فوات محل ذبح میں تنقیح مناط

[1] الھدایہ کتاب الصید مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۰۳

کرنی ہوگی **فاقول:** وبہ نستعین اس فوت کے یہ معنی تو بداہۃً نہیں کہ محل ذبح مابین اللبۃ واللحیین تھا وہ معدوم ہوگیا کہ کلام قطع اوداج میں ہے، نہ اس صورت میں کہ بھیڑیا سینہ تک ساری گردن کاٹ کر لے گیا، نہ یہ معنی ہیں کہ محل ذبح اوداج تھیں وہ فنا ہوگئیں کہ قطع تفریق اتصال ہے نہ کہ اعدام، لاجرم یہ معنی ہیں کہ محل اگرچہ باقی ہے مگر اس میں قابلیت فعل ذبح کی نہ رہی، تو محل من حیث ہو محل فوت ہوگیا، اگرچہ ذات باقی ہے، اب فنائے قابلیت میں نظر چاہئے کہ کس صورت میں اس کا فوت ہونا ہے، یہاں اس کی تین صورتیں متصور:

اول: یہ کہ اب معنی ذبح متحقق نہیں ہوسکتے۔

دوم: مقصود ذبح فوت ہوگیا، اور شے جب مقصود سے خالی ہو باطل ہوجاتی ہے۔

سوم: معنی ذبح قبل ذبح فعل غیر ذبح شرعی سے متحقق ہولئے، اور ذبح صالح کی تکرار نہیں، مذبوح کو ذبح نہیں کرسکتے، ولہٰذا اگر مسلمان نے جانور ذبح کردیا اور وہ ابھی پھڑک رہا ہے، دوبارہ مجوسی نے ذبح کیا حرام نہ ہوگا، اور اس کا عکس ہو تو حلال نہ ہوسکے گا، **فان الذبح لایعاد** (کیونکہ ذبح دہرایا نہیں جاتا۔ت) اول کی طرف راہ نہیں کہ معنی ذبح قطع اوداج حی بین اللبۃ واللحیین ہے۔ کنز میں فرمایا: **الذبح قطع الاوداج**[1] (ذبح کی اوداج کو کاٹنا ہے۔ت) پھر فرمایا: **والذبح بین الحلق واللبۃ**[2] (ذبح حلق اور لبہ کے درمیان ہے۔ت) تبیین الحقائق میں فرمایا:

والمیت لیس بمحل للذکاۃ[3]۔	میت محل ذبح نہیں۔(ت)

جب تک جانور زندہ ہے اور گلا اور اس پر وہ رگیں باقی ہیں ضرور قابل قطع ہیں تو معنی ذبح متحقق نہ ہوسکنا کیا معنی، قطع اوداج کا جواب اوپر معلوم ہولیا کہ فرع سوم میں بھی قطع اوداج متحقق ہے۔ اور حکم حلت ہے یونہی دوم کی گنجائش نہیں، اگر کہئے مقصود ذبح انہار دم تھا اور وہ فعل سبع سے ہولیا، تو یہ وجودًا وعدمًا ہر طرح باطل ہے۔ فرع سوم میں انہار دم ہوگیا اور قابلیت ذبح باقی ہے اور وقت ذبح حیات معلوم ہو اور ذبح سے خون نہ نکلے حلت ہوجائے گی، **کما تقدم**، حالانکہ انہار دم نہیں، اگر کہے مقصود ذبح ازہاق روح ہے، اور وہ اس صورت میں فعل سبع کی طرف منسوب ہوگا نہ کہ جانب ذبح، تو یہ وہی قول صاحبین غیر مفتی بہ ہے **کماقدمنا عن الھدایۃ** (جیسا کہ ہدایہ میں سے گزر چکا ہے۔ت) معہذا فرع سوم اس

---

[1] کنز الحقائق کتاب الذبائح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۳۶۱

[2] کنز الحقائق کتاب الذبائح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۳۶۲

[3] تبیین الحقائق کتاب الصید المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۵۲

پر بھی نقض کو موجود، لاجرم صورت سوم مقصود یعنی جہاں قبل ذبح قطع اوداج بین اللبۃ واللحیین واقع ہولے وہاں محل ذبح نہ رہا، یعنی محلیت و قابلیت ذبح فوت ہوگئی کہ ذبح دوبارہ نہیں ہوتا، اور جہاں یہ معنی قبل ذبح متحقق نہ ہوئے عام ازیں کہ سرے سے اوداج قطع ہی نہ ہوئیں یا کسی ایسے فعل سے کہ انسان کی طرف منسوب نہ ہو قطع تو ہوئیں مگر موضوع ذبح پر قطع نہ ہوئیں اور ہنوز حیات باقی ہے وہاں محل ذبح فوت نہ ہوا ذبح کرسکتے ہیں اور موجب حلت ہوگا، اب فروع میں تطابق ہوگیا اور صورت مسئولہ کاحکم بھی کھل گیا، فرع سوم سے مراد اس طرح سرجدا کرنا ہے کہ بین اللبۃ واللحیین قطع اوداج نہ ہو کہ اگرچہ قطع واقع ہو مگر محل ذبح میں نہ ہوا تو معنی ذبح قبل ذبح متحقق نہ ہوئے اور فرع اول سے مراد وہ قطع اوداج ہے کہ بین اللبۃ واللحیین ہو کہ اب تقدم معنی ذبح سے قابلیت ذبح، اور الاماذ کیتم کے تحت میں داخل ہونے کی صلاحیت نہ رہی اور یہی صورت کہ اس فرع ملتقط میں مراد ہے، جو بظاہر فرع سوم کے صریح مناقض ہے، اسی عالمگیری میں عبارت وجیز سے پہلے ہے:

سنور قطع راس دجاجۃ فانہا لاتحل بالذبح وان کان یتحرك کذا فی الملتقط [1]۔	مرغی کا سر بلی نے کاٹ دیا تو وہ ذبح کرنے سے حلال نہ ہوگی اگرچہ وہ ذبح کے وقت حرکت کرے ملتقط میں یوں ہے۔(ت)

اور فرع دوم خود ظاہر ہے کہ اس میں سرے سے قطع اوداج ہی نہیں، اب تمام فروع متفق اور سب مذہب امام ہمام رضی اللہ تعالٰی عنہ پر منطبق ہیں، **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق** (یوں تحقیق چاہئے کہ اللہ تعالٰی ہی توفیق کامالک ہے۔ت) ظاہر ہے کہ صورت سوال فرع دوم کے مثل ہے، اور اس میں بھی قطع نہیں اور ذبح قطع ہے، تو معنی ذبح قبل ذبح متحقق نہ ہوئے، کیا اگر جانور کی رگہائے گردن برمے سے چھید دیں ذبح ہوجائے گا، ہرگز نہیں، کہ چھیدنا قطع کرنا نہیں تو محلیت ذبح ضرور موجود ہے اور بعد ذبح حلت لازم، یہیں سے دو سوال باقی کاجواب ظاہر ہوگیا اور سب مذبح کھالیا محل ذبح نہ رہا، یونہی اگر عقدہ توڑ لیا تو قطع اوداج محل ذبح میں بھی واقع ہوا، بہر حال اب قابلیت ذبح نہ رہی، حلت نہیں ہوسکتی اور اگر عقدہ سے اوپر صرف سرجدا کرلیا کہ بین اللبۃ واللحیین قطع اوداج نہ ہوا تو محل ذبح باقی ہے، بعد ذبح حلت چاہئے اگر ہنوز روح باقی ہو، **ھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی** (میری سمجھ میں یوں ہے، علم حق تو میرے پروردگار کے ہاں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۷

مسئلہ ۱۴۳: مسئولہ والی علی صاحب کانسٹبل از تھانہ بہیڑی ضلع بریلی ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ کتا کسی جانور کو پکڑلے، اور اس جانور کے زخم کتے کی پکڑ کا ہو جائے، اور بعد میں جانور ذبح کرلیا جائے تو وہ حلال ہے یا حرام؟

الجواب:

شکاری کتا جبکہ بسم اللہ کہہ کر چھوڑا گیا اگر جانور اس کے زخم سے مرجائے تو حلال ہے، اور اگر زندہ ملے اور ذبح کرلیا جائے تو حلال ہے، ز اس کے زخم سے جانور میں کوئی حرج نہیں آتا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۴و۱۴۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) اگر ذبیحہ ذبح کیا جائے اور وہ بعد میں ایک دیر کے خون دے، تو کھانا اس کا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) عورت یا لڑکے کے ذبیحہ کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) پہلی صورت میں حلت میں کوئی شبہ نہیں، خروج خون علامت حیات ہے، اور بعد دیر کے نکلنا اس کا غیر مانع، بلکہ اگر خون نہ دے عـــہ فقط حرکت کرے اور تڑپے تاہم کھانا اس کا جائز ہے کہ شرط حلت حیاۃ عند الذبح ہے نہ کہ خروج دم۔

فی تنویر الابصار ذبح شاۃ فتحرکت اوخرج الدم حلت [1]۔	تنویر الابصار میں ہے: ذبح کرنے پر بکری نے حرکت کی یا خون نکلا، تو حلال ہوگی، (ت)

(۲) عورت ولڑکے کا ذبیحہ اگر وہ قواعد وشرائط ذبح سے واقف ہیں اور مطابق شرع ذبح کرسکتے ہیں بلاریب حلال ہے،

فی الدرالمختار وشرط کون الذابح مسلما ولو امرأۃ او صبیا یعقل التسمیۃ	درمختار میں ہے: مسلمان اگرچہ عورت یا بچہ ہو شرط یہ ہے کہ بسم اللہ اور ذبح کو جانتا ہو،

عـــہ: لکنہ فیہ اختلاف ذکرہ فی الھدایۃ فی کتاب الصید ۱۲منہ۔	لیکن اس میں اختلاف ہے جس کو ہدایہ کی کتاب الصید میں ذکر فرمایا ہے ۱۲منہ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

والذبح ویقدر [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اس عمل پر قادر ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤمیش قریب المرگ کو ذبح کیاگیا، اختلاف اس امر میں ہے کہ وہ زندہ تھی کہ مرچکی تھی، ذبح کرنے والا نیز چند اور شخص کہتے ہیں کہ وہ زندہ تھی لیکن دو شخص کی یہ رائے ہے کہ وہ مرچکی تھی، بعد ذبح کے کسی عضو نے جنبش نہ کی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں اس کا کھانا جائز ہے یانہیں، واقعات یہ ہیں کہ یہ بھینیس بعد ذبح کرنے کے ایک قصاب کے ہاتھ دس روپیہ میں فروخت کردی تھی وہی دونوں شخص جو کہتے ہیں کہ وہ مرگئی تھی قصاب کو بہکا دیا، قصاب مذکور نے اس کا گوشت دفن کردیا اور کھال لے گیا اور بریلی فروخت کرآیا، گوشت کی قیمت اس کو معاف کردی گئی صرف کھال کی قیمت جو چھ روپے اس کو طے کردی گئی تھی، اور وہ اس نے بریلی میں بہت منافع کے ساتھ فروخت کیا طلب کی جاتی ہے لیکن وہ چھ روپے دینے سے بھی انکار کرتا ہے، اور کہتاہے کہ تم لوگوں نے مردہ جانور کی کھال نکلوا کر مجھے ناپاک کردیا، میرے برادری والے مجھے نکال دیں گے، میں قیمت نہیں دوں گا، دریافت طلب یہ بات ہے کہ اس قصاب پر کیابرائی آسکتی ہے، اگر یہ خیال کرلیا جائے کہ وہ مرگئی تھی اور دھوکا میں ایسا کیاگیا۔

الجواب:

ذبح ہوتے وقت بھینس کا زندہ ہونا خوب معلوم تھا، یا ذبح کے بعد وہ تڑپی، یا ایسا خون دیا جیسا زندہ جانور سے نکلتاہے، یا اور کوئی علامت زندگی کی پائی گئی، مثلاً منہ یا آنکھ بند کی یا پاؤں سمیٹے یا بدن کے بال کھڑے ہوئے تو وہ حلال ہے اور کھانا جائز، اور قصاب پر دس روپے واجب، اور اگر وقت ذبح اس کا زندہ ہونا تحقیق نہ تھا، نہ بعد ذبح کوئی علامت زندگی کی پائی عــــہ گئی نہ ایسا خون نکلا، نہ وہ حرکت کی، بلکہ بالکل ساکن رہی، یا منہ یا آنکھ کھل گئی، یا پاؤں پھیل گیا، یا بال بچھ گئے، تو بھینس حرام ہے، اور قصاب پر ایک پیسہ بھی واجب نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۷: مسئولہ احمد حسن بنگالی طالبعلم مدرسہ اہل سنت وجماعت ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

صدقہ کا جانور بلاذبح کئے جانور ہی کسی مصرف صدقہ کو دیا جائے تو جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

عــــہ: اصل میں تحریر ہے:- "ڈالی گئی" ۱۲ عبدالمنان الاعظمی۔

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

الجواب الملفوظ

اگر صدقہ واجبہ ہے اور وجوب خاص ذبح کا ہے تو بے ذبح ادا نہ ہوگا، مگر اس حالت میں کہ ذبح کے لئے وقت متعین تھا جیسے قربانی کے لئے ذی الحجہ کی دسویں گیارھویں عـــہ اور وہ وقت نکل گیا تو اب زندہ تصدق کیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۸: مسئولہ شیخ محمد وزیر صاحب پٹیل از قصبہ تحصیل اون ضلع ایوت محال ملک برار ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا ایک بیٹا بکر چالیس روپیہ کا ملازم سرکار ہے، زید کا آبائی واجدادی پیشہ یہ ہے کہ روزانہ ہر بز قصاب کے مکان پر جانا، اور جس قدر بکریاں ذبح کرنے کی ہوں، ان کو ذبح کردینا اور ان کی اجرت میں فی راس ایک آنہ پیسہ یا پاؤ بھر گوشت لینا، چلا آتا ہے، اور نیز ہر مواضعات قریب میں جاکے قوم ہندو کے مکان پر جو ان کی پرستش کا بکرا ہوتا ہے، اس کو ذبح کردیتا ہے، اور اس کی اجرت لیتا ہے، یہ پیشہ اس وقت تک جاری ہے، اور سنا گیا ہے کہ ذابح البقر و قاطع الشجر ودائم الخمر کی بخشش میں احتمال ہے، اگر اس مسئلہ کی کچھ بنیاد ہے اور یہ سچ ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم بواپسی ڈاک جواب باصواب سے سرفراز فرمائے۔

الجواب:

گائے بکری کا ذبح کرنا جائز ہے،

قال اللہ تعالٰی " اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً " [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک اللہ تعالٰی نے تمھیں حکم دیا ہے کہ گائے کو ذبح کرو۔ (ت)

وہ قول کہ لوگوں میں مشہور ہے محض بے اصل ہے، قطع شجر کی بھی اجازت قرآن عظیم میں موجود ہے۔

قال اللہ تعالٰی " مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآىٕمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم نے جو سبز درخت کاٹے یا ان کو تم نے باقی کھڑا رہنے دیا تو یہ اللہ تعالٰی

عـــہ: اصل میں بارھویں نہیں ہے غالبا ناقل کا سہو ہے ۱۲ عبدالمنان الاعظمی۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۶۷

اللہِ "[1]	کے حکم سے ہوا۔ (ت)

ہاں دائم الخمر البتہ مرتکب سخت کبیرہ اور مستحق عذاب نار ہے، مگر یہ کہنا اس کی نسبت بھی باطل ہے کہ اس کی مغفرت کبھی نہیں ہوگی یہ صرف کافر کے لئے ہے، مسلمان کیسا ہی گنہگار ہو زیر مشیت ہے چاہے عذاب فرمائے تو اس کا عدل ہے، چاہے بلا عذاب بلکہ بلاحساب بخش دے تو اس کا فضل ہے۔

" اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ "[2]	اللہ تعالٰی نہ مغفرت فرمائے گا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے، اور مغفرت فرمائے گا اس سے کم کو جس کو وہ چاہے گا۔ (ت)

پھر مسلمانوں میں سے جس پر عذاب فرمائے گا ہرگز وہ عذاب دائم نہ ہوگا، انجام بلاشبہ مغفرت ہے، اور جب ان جانوروں کا ذبح جائز ہے اس پر اُجرت مقرر کرکے لینا بھی جائز ہے کماھو حکم مباح یحتاج الی عمل (جیسا کہ ہر مباح محتاج العمل کا حکم ہے۔ت)

اب یہاں متعدد صورتیں ہیں، سائل دو اجرتیں بتاتا ہے، ایک آنہ یا پاؤ بھر گوشت، یہ اگر یوں ہے کہ کبھی ایک آنہ مقرر کرلیا جاتا ہے کبھی پاؤ بھر گوشت تو وہ آنہ جائز ہے، اور گوشت کہ اسی جانور کا قرار پاتا ہے ناجائز ہے لانہ کقفیز الطحان (کیونکہ یہ پیسنے والے آٹے کا حصہ قفیز کی طرح ہے۔ت) بلکہ اگر اس جانور کا نہ ٹھہرے جب بھی گوشت کثیر التفاوت چیز ہے۔

لانہ قیمی فلا یصلح دینا علی الذمۃ ویقع فیہ النزاع وکل ماکان کذالك یورث الفساد۔	کیونکہ یہ قیمت والی چیز جو کسی کے ذمہ دین نہیں بن سکتی اور اس میں تنازعہ ہوتا ہے اور جو ایسی چیز ہو وہ فساد برپا کرتی ہے۔ (ت)

اور اگر یہ معنی ہیں کہ تعین کچھ نہیں ہوتا کبھی ایک آنہ دیتے ہیں کبھی گوشت، تو یہ جہالت اجر ہے، جہالت اجر مفسد اجارہ ہے۔ بہرحال اُجرت میں گوشت کا قدم درمیان ہے اجارہ فاسد ہے، اور عقد فاسد حرام واز قبیل ربا ہے، اور اس کا عادی ہونا ضرور موجب فسق، اور اس کا پیشہ کرنے والا فاسق معلن، اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ، اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنا منع، اور پڑھی تو پھیرنا واجب۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۴۸ و ۴/ ۱۱۶

فتاوٰی حجہ وغنیہ میں ہے: ولو قدموا فاسقا یأثمون [1] (اگر فاسق کو امام بنایا تو بنانیوالے گنہگار ہوں گے) زیلعی وغیرہ میں ہے:

لان فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علیهم اہانته شرعا [2]۔	کیونکہ آگے کرکے امام بنانے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ شرعا ان پر اس کی اہانت لازم تھی۔(ت)

رہا یہ کہ وہ ہندو کی پرستش کا بکرا اس کے یہاں جاکر ذبح کرتا ہے، اور اس کے ذبح سے تعظیم الٰہی کی نیت کرتا اور اللہ عزوجل کا نام لیتا ہے، تو جانور حلال ہوجائے گا، مگر یہ فعل اس کے لئے مکروہ ہے فی الھندیۃ توکل ویکرہ للمسلم [3] (ہندیہ میں اسے حلال اور مسلمانوں کے لئے مکروہ کہا گیا ہے۔ت) اور اگر اس کافر ہی کی نیت پر ذبح کرتا ہے تو جانور تو مردار ہوا ہی اس ذابح کا ایمان بھی بچنا مشکل ہے۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ مسلمان پر حتی الامکان بدگمانی کی اجازت بھی نہیں کہ اس کا مقصود فقط اپنے ٹکے سیدھے کرنا ہوگا نہ کہ معبود باطل کی تعظیم کہ مسلمان سے متوقع نہیں، نہ معبود حق کی تعظیم کا خیال آتا ہوگا، تو یوں بھی یہ فعل سخت شنیع اور جانور کی جان کی ناحق تضییع ہے، پھر اس کی امامت سے احتراز چاہئے کہ وہی احتیاط جو ہمیں اس پر بدگمانی نہیں کرنے دیتی نماز میں اسے امام نہ بنانے دے گی،

فان سوء الظن شیئ، والحزم شیئ اٰخر، وہذا من باب الخروج ومن اتقی الشبہات فقد استبراء لدینه و عرضه، واللہ تعالٰی اعلم۔	بدگمانی علیحدہ چیز ہے، اور احتیاط دوسری چیز ہے، اور یہ علیحدہ رہنا ہے، اور جو شخص شبہات سے بچا تو اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ بنالیا واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۹: مرسلہ غلام نبی صاحب ساکن موضع میانہ ٹھٹہ ضلع گوجرانوالا ڈاک خانہ موز اتوار، ۲ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمّٰی چراغ دین امام مسجد نے ایک بکرا ذبح کیا اور اس کا چمڑا مسمّٰی حا کو قوم خاکروب نے اتارا اور گوشت بنایا، اور گوشت مذکور کو چند مسلمانوں نے مل کر تقسیم کرلیا اور اپنے گھروں میں پکا کر کھایا، کیا وہ گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس بات کا خلاصہ حال مع ثبوت حدیث و

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۲

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

قرآن شریف ارسال فرمائیں، اور اس مسئلہ کو اخبار ودبدبہ سکندری شائع کرادیں۔

الجواب:

جب وہ جانور مسلمانوں نے اللہ عزوجل کے لئے تکبیر کہہ کر ذبح کیا تو حلال ہوجانے میں کوئی شبہہ ہی نہ رہا، خاکروب کا گوشت بنانا وہ اگر اس وجہ سے ہے کہ بکرا اسی کی ملک تھا اور اس نے اپنے ظاہر پیر وغیرہ کسی معبود باطل کے لئے ذبح کرایا تو اس کا کھانا مسلمانوں کو مکروہ ہے **کما نص علیه فی الهندیة** (جیسا کہ ہندیہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) اسی طرح اگر کسی معبود باطل کے لئے ذبح نہ کرایا، بلکہ اس نے ان کی دعوت کی تھی تو اس دعوت کا ہی قبول کرنا نامناسب تھا، اور اگر بکرا مسلمان کی ملک تھا اور اس سے بنوایا، اور وہ اپنا ناپاک پیشہ کرتا ہے اور اس کے ہاتھ خوب پاک نہ کرالئے تھے، تو سخت بے احتیاطی کی، اور اگر اس کے ہاتھ پاک کرائے تھے یا وہ قوم کا خاک روب ہے یہ پیشہ نہیں کرتا، تو یہ دیکھا جائے کہ وہاں کے عرف میں خاک روب کی چھوئی ہوئی چیز سے پرہیز کرتے اور اس کے استعمال کو معیوب جانتے ہیں یا نہیں، اگر جانتے ہیں، اور ان لوگوں نے بے پروائی کی تو مصلحت دینی کے خلاف کیا اور نافرمانی کے مرتکب ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **بشروا ولاتنفروا**[1] (خوشخبری دو، منافرت پیدانہ کرو۔ت) دوسری حدیث میں ہے: **ایاك ومایسوء الاذن**[2] (کانوں کے لئے تکلیف دہ بات سے بچو۔ت) تیسری حدیث میں ہے:

ایاك ومایعتذر منه فان الخبر لا معتذر منه[3]۔	معذرت والی چیز سے بچو، تو بیشک خیر معذرت خواہی والی چیز نہیں ہے۔(ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ بکرا وقت ذبح سے مسلمانوں کے ہاتھ میں پہنچنے تک مسلمانوں کی نگاہ سے غائب نہ ہوا، اور اگر ذبح کرکے اسے دے دیا اور کوئی مسلمان دیکھتا نہ رہا، اس نے گوشت بنایا اور مسلمانوں کو دیا تو اب اس کا کھانا سرے سے حلال ہی نہ رہا،

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتخولهم بالموعظة والعلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[2] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الغادیة رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامیہ بیروت ۴/ ۷۶، کشف الخفاء للعجلونی حدیث ۸۶۶ و ۸۶۷ دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۲۴۷

[3] المستدرك للحاکم کتاب الرقاق دار الفکر بیروت ۴/ ۳۲۷، کشف الخفاء للعجلونی حدیث ۸۶۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴۷

فان الکافر لایقبل قوله فی الدیانات [1]۔	دین کے امور میں کافر کی بات قابل قبول نہیں۔(ت)

ہاں اگر اس کو اجیر کیا ہو تو جواز رہے گا،

لان الکافر یقبل قوله فی المعاملات وان تضمنت شیئا من الدیانات،وکم من شیئ یثبت ضمنا لایثبت قصدا [2]۔وتبیینه فی التبیین وغیرہ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ کافر کی بات معاملات میں اگرچہ وہ دیانات کو متضمن ہوں، قابل قبول ہے، جبکہ بہت سے امور ضمناً ثابت ہوتے ہیں اور قصداً ثابت نہیں ہوتے،اس کی وضاحت تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۵۰: از ملک بنگالہ ضلع نواکھالی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ گھوڑے کا گوشت کھانا ازروئے شرع شریف کے جائز ہے یانہیں؟ اگر جائز ہے تو احادیث سے ثابت ہے یا قول فقہاء سے اور فتوی قول امام اعظم پر ہے یا صاحبین؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صاحبین کے نزدیک حلال ہے،اور امام مکروہ فرماتے ہیں، قول امام پر فتوٰی ہوا کہ کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی،اور اصح وراجح کراہت تحریم ہے۔

صححه الامام قاضی خاں فی فتاواہ،وقد قالوا انه فقیه النفس ولا یعدل عن تصحیحه وقال الشامی ثم نقل ای القهستانی تصحیح کراہة التحریم عن الخلاصة والهدایة والمحیط والمغنی و القاضی خاں و العمادیة وغیرها وعلیه المتون [3] اھ ومعلوم ان الترجیح للمتون وانها الموضوعة	امام قاضی خاں نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تصحیح فرمائی ہے جبکہ فقہاء نے فرمایا: قاضی خان فقیہ النفس ہیں، لہٰذا اس کی تصحیح سے عدول نہ ہوگا،اور علامہ شامی نے فرمایا کہ پھر قہستانی نے خلاصہ،ہدایہ، محیط، مغنی، قاضی خاں اور عمادی وغیرہا سے کراہت تحریمہ کی تصحیح نقل کی ہے،اور کہا کہ اس پر متون وارد ہیں اھ اور واضح بات ہے کہ ترجیح متون کو ہے اور وہ مذہب کو نقل کرنے کے لئے وضع

[1] تبیین الحقائق کتاب الکراہیة فصل فی الاکل والشرب المطبعة الکبرٰی الامیریه بولاق مصر ۶/ ۱۲

[2] تبیین الحقائق کتاب الکراہیة فصل فی الاکل والشرب المطبعة الکبرٰی الامیریه بولاق مصر ۶/ ۱۲

[3] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۳

لنقل المذہب فلا یعارضہا ما فی کفایۃ البیہقی بخلاف انہ ظاہر الروایۃ و لافتوی الجمہور (عہ) المنقول بقیل بعد ما قدمنا(عہ) من التصحیحات الجلیلۃ للائمۃ الجلۃ۔	کئے گئے ہیں۔ لہٰذا ان کا خلاف جو کفایۃ البیہقی میں بیان کیا ہے وہ متون کے معارض نہیں ہوسکتا، اور یہی ظاہر الروایۃ ہے، اور قیل کے ساتھ نقل شدہ جمہور کا فتوی بھی ان کا معارض نہیں ہوسکتا خصوصاً ہماری ذکر کردہ اجلہ ائمہ کی تصحیحات کے بعد (ت)

بہر حال مسئلہ اس قابل نہیں کہ اس پر فتوی فساد دیا جائے، یا فریق بندی عمل میں آئے، **واللہ الموفق واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۱: از بریلی مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب ۲ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

ماقولکم غفر اللہ لکم ہذہ المسئلۃ افیدوا نایرحمکم اللہ تعالٰی درباره اکل فرس، بعض قائل بکراہت تحریمی و بعض بکراہت تنزیہی، ولیکن بہر صورت شیرش جائز داشتہ اند، تحقیق دریں باب چیست؟	علمائے کرام اللہ تعالٰی تمھاری مغفرت فرمائے آپ کا اس مسئلہ میں کیا قول ہے، ہمیں افادہ فرماؤ، اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے، گھوڑے کا گوشت کھانے میں بعض مکروہ تحریمہ اور بعض مکروہ تنزیہیہ کے قائل ہیں، جبکہ اس کے دودھ کو بہر صورت جائز مانتے ہیں، اس مسئلہ میں تحقیق کیا ہے۔ (ت)

الجواب:

درمسئلہ گوشت اسپ علماء رامعترک عظیم ست، وتصحیح نیز مختلف وکراہت قول امام ست، بس اسلم احتراز تام ست، ہمچناں بر مذہب امام در شیر او نیز اختلاف کردہ اند، امام قاضی خاں بتحریم رفتہ، ودر درمختار جواز را وجہ گفتہ، بریں روایت وجہ فرق خود پیدا است کہ	گھوڑے کے گوشت کے مسئلہ میں علمائے کرام کا عظیم معرکہ ہے اور تصحیح بھی مختلف ہے، کراہت امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے، پس مکمل احتراز میں بہتری ہے، اور اس کے دودھ کے متعلق بھی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے مذہب کے بیان میں اختلاف ہے، امام قاضی خاں علیہ الرحمۃ حرمت کی طرف گئے اور درمختار نے جواز کو وجہ قرار دیا ہے۔ اس

عہ: لفظ "جمہور" اندازہ سے بنایا گیا ۱۲ عبدالمنان۔

عہ: اندازہ سے "بعد" کا لفظ بڑھایا ۱۲ عبدالمنان۔

در تحلیل لحم تقلیل آلہ جہاد ست بخلاف لبن، باز ایں ہمہ بر تقدیرے ست کہ بحد سکر نہ رسد، ورنہ تعمد ایں بالاتفاق ممنوع باشد، کما لایخفی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار کی روایت کے مطابق گوشت اور دودھ میں فرق کا واضح بیان ہے کہ گوشت کو حلال کردینے میں آلہ جہاد کی قلّت پیدا کرنا ہے جبکہ دودھ کا معاملہ اسکے خلاف ہے، اور دودھ کی بحث اس حد تک ہے جس میں سکر یعنی نشہ نہ ہو، ورنہ قصداً اتنی مقدار پینا ممنوع ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۲: از دارا گنج ضلع بجنور مرسلہ ممتاز مسیح صاحب ایم اے مشن مورخہ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

ہادی دین جناب مولانا صاحب! عرض مدعا یہ ہے کہ اہل سنت وجماعت حنفی مذہب میں گھوڑا اور اقسام اور اس کے مثل خچر وگدھے کے حلال ہیں یا حرام؟ یا ان تینوں جانوروں میں سے کون سا جانور حلال ہے؟ مہربانی فرما کر بحوال حدیث شریف یا قول علماؤں کے جواب سے مشرف فرمائے۔

الجواب:

گدھا حرام ہے،، یونہی وہ خچر جو گدھی سے پیدا ہوا گرچہ باپ گدھا نہ ہو، اور ہمارے امام اعظم علیہ الرضوان کے مذہب میں گھوڑا مکروہ تحریمی ہے یعنی قریب بحرام، یونہی وہ خچر جس کی ماں گھوڑی ہو، حدیث میں ہے:

نھی علیہ اجل الصلٰوۃ والسلام یوم خیبر عن لحوم الحمر الاھلیۃ[1]۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے خیبر کے روز پالتو گدھے کے گوشت کو ممنوع فرمایا۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۳: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں ۱۶صفر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ڈپٹی امداد علی صاحب نے رسالہ امداد المسلمین میں الو کے بارہ میں لکھا ہے کہ عالمگیری میں لکھا ہے: **البوم یوکل**[2] (الو حلال ہے۔ ت) اور طحطاوی میں ہے:

یوکل القمری والسوادین والزرزور والصصل والھدھد والبوم والطاؤس[3]۔	قمری، سوادین، زرزور، صلصل، ہدہد، بوم طاؤس نامی پرندے حلال ہیں۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الذبائح والصید الخ باب لحوم الحمر الانسیۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح والصید الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

[3] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۷

اور شامی میں ہے:

فی غرر الافکار عندنا یوکل الخطاف والبوم [1]۔	غرر الافکار میں ہے اور ہمارے نزدیک خطاف اور بوم نامی پرندے حلال ہے۔ (ت)

اور میزان میں ہے:

من ذٰلك قول الائمة الثلثة فی المشهور عنهم انه لا کراهة فی مانهی عن قتله کالخطاف والهدهد و الخفاش و البوم الببغاوالطاؤس مع قول الشافعی فی ارجح القولین انه حرام [2]۔	ائمہ ثلثہ سے ان کا مشہور قول کہ جن پرندوں کے ہلاک کرنے سے منع کیا گیا ہے ان کو کھانے میں کراہت نہیں ہے، اسی قبیل سے ہے، مثلاً خطاف، ہدہد، خفاش۔ بوم، ببغا اور طاؤس نامی پرندے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے دو قول میں سے راجح قول میں یہ حرام ہے۔ (ت)

اور حیاۃ الحیوان دمیری شافعی رحمہ اللہ تعالٰی سے بھی ثابت ہے، شافعی کے نزدیک حرام ہونا، نہ حنفیّہ کے نزدیک تمام کتب ہائے معتبرہ فقہ سے بوم کا حلال ہونا ثابت ہے۔ یہاں تک کہ خلاصہ کلام ڈپٹی صاحب مذکور ہے، اور فتاوٰی ہندیہ ترجمہ فتاوٰی عالمگیری کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ قول ظاہر بوم سے مراد یہی الو ہے کہ پرند معروف ہے، اور شاید کوئی اور معنی مراد ہوں، واللہ تعالٰی اعلم، اس واسطے مترجم نے بعینہٖ لفظ چھوڑ دیا اس مسئلہ میں تحقیق جو بیان فرمائیں کہ صدق وکذب وہابیہ ظاہر ہو۔ فقط

الجواب:

عبارت عالمگیری جو امداد المسلمین میں نقل کی، اس کے شروع میں لفظ قیل واقع ہے، اصل عبارت یوں ہے:

قیل الشقراق لایوکل والبوم یوکل [3]۔	یعنی بعض نے کہا کہ کہ شقراق نہ کھایا جائے اور بوم کھایا جائے۔

یہ لفظ اس قول کے ضعف پر دلیل ہوتا ہے، اور یہ بتاتا ہے کہ اس کی طرف بعض گئے ہیں، اکثر علماء

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۹۴

[2] المیزان الکبرٰی کتاب الاطعمۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۷

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۹۰

خلاف پر ہیں، اور حیاۃ الحیوان کا حوالہ تو سرے سے غلط ہے اس میں کہیں نہیں لکھا کہ حنفیّہ حلال جانتے ہیں اس میں صرف شافعیہ کے دو قول لکھے ہیں، عبارت اس کی یہ ہے:

الحکم یحرم اکل جمیع انواعها. قال الرافعی ذکر ابوعاصم العبادی ان البوم کالرخم، وکذٰلك الضوع، ومن شافعی رحمه الله قول انه حلال [1]۔	حکم یہ ہے کہ تمام اقسام حرام ہیں، رافعی نے کہا ابوعاصم العبادی نے ذکر کیا ہے کہ رخم کی طرح بوم حرام ہے، اور اسی طرح ضوع بھی حرام ہے، اور امام شافعی حرام ہے اور امام شافعی کا ایک قول ہے کہ یہ حلال ہے۔ (ت)

خیر ان سب سے قطع نظر کرکے اس مسئلہ کی طرف چلئے، یہی عالمگیری وطحطاوی وشافعی و میزان، جن سے امداد المسلمین میں یہ عبارتیں نقل کیں، ان میں اور ورج کے سوا ہماری تمام کتب مذہب اور صحاح احادیث سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہم اجمعین میں صاف صریح حکم قطعی کل بلااستثناء وتخصیص موجود ہے کہ ہر پرندا اپنے پنجہ سے شکار کرنے والے حرام ہے، جیسے ہر درندہ دانتوں سے شکار کرنے والے، عالمگیری میں بدائع سے ہے:

لایکل کل ذی مخلب من الطیر [2]۔	یعنی حرام ہے ہر پنجہ والا پرند۔

طحطاوی میں ہے:

لایل سباع الوحوش والطیر [3] اھ ملخصاً۔	درندے وحشی وپرند سب حرام ہیں اھ ملخصاً۔

حموی پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے:

الدلیل علیه انه صل الله تعالٰی علیه وسلم نهی عن اکل کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر، رواه مسلم وابوداؤد وجماعة، و السرفیه ان طبیعة هذه الاشیاء مذمومة شرعا فیخشی ان	یعنی دلیل اس پر یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر درندے کیلے والے اور ہر پرندے پنجہ والے کے کھانے سے منع فرمایا، مسلم وابوداؤد وغیرہما ایک جماعت محدثین نے یہ حدیث روایت کی، اور اس میں راز یہ ہے کہ ان چیزوں کی خصلت شرعا بد ہے تواندیشہ ہے کہ

[1] حیاۃ الحیوان باب الباء الموحدۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۲۸

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۹

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۷

يتولد من لحمها شيئ من طباعها فيحرم اكراما لبني آدم كما انه يحل ما احل اكراما له[1]۔	ان کا گوشت کھانے سے کچھ خصلت ان کی سی آدمی میں پیدا ہوجائے، لہٰذا انسان کی عزت کے لئے ان کا کھانا حرام ہوا، جیسے کہ اس کی عزت ہی کے لئے حلال جانور حلال کے گئے،

میزان امام شعرانی میں ہے:

من ذٰلك اتفاق الائمة الثلثة على تحريم كل ذي ناب من السباع ومخلب من الطير يعدوبه على غيره (الى ان قال) لانه فيه قسوة من حيث انه يقسر غيره و يقهره من غير رحمة بذٰلك الحيوان المقسور فيسرى نظير تلك القسوة فی قلب الاٰكل له۔ واذاقسى قلب العبد صار لا يحن قلبه الى موعظة وصار كالحمار[2]۔	یعنی انھیں مسائل سے ہے امام ابوحنیفہ وامام شافعی وامام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اتفاق کہ ہر کیلے والا درندہ اور ہر پنجہ والا پرندہ جو دوسرے پر اس کیلے یا پنجے سے حملہ کرتا ہے حرام ہے، اس لئے کہ اس میں سنگدلی ہے کہ وہ بیدردی سے مجبور ومغلوب کرتا ہے، تو ایسی ہی سنگدلی اس کے کھانیوالے میں سرایت کرے گی، اور جب آدمی کا دل سخت ہوجاتا ہے تو کسی نصیحت کی طرف میل نہیں کرتا اور آدمی سے گدھا ہو کر رہ جاتا ہے۔

میں کہتاہوں یوں ہی کتب طیبہ سے ثابت کہ الو کھانے والا آدمی سے الو ہو کر رہ جاتاہے والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔ غرض یہ قاعدہ کلیہ شرعیہ ہے جس پر ائمہ حنفیّہ کا اجماع ہے، اور اس سے ہرگز کوئی پنجہ والا پرندہ کہ سباع طیر سے ہو مستثنٰی نہیں اور شک نہیں کہ الو پنجہ والا پرندہ ہے۔ بلکہ اس کے پنجے بہت شکاری پرندوں سے زیادہ قوی اور تیز ہیں، اور شک نہیں کہ گوشت اس کی خوراک ہے، اور شک نہیں کہ وہ اپنے سے کم طاقت پرندوں پر حملہ کرتا ہے، یہ سب باتیں یقینا معلوم ہیں، اور فقیر کے سامنے بہت شکار پیشہ مسلمانوں نے بیان کیا کہ یہ پرندہ شکاری ہے، پانچ عـــہ سکان بریلی نے کہ ان میں چار صاحب قوم کے قراول،

عـــہ: نیاز محمد خاں ابن رحم خاں ونذیر خان ابن وزیر خاں وعنایت اللہ خاں ابن کرم علی خاں وغلامی خان ابن حسن خاں قراول ساکناں بہار پیور محلہ قراوُلان ومحمد خاں ابن گل خان افغان ساکن شہر کہنہ ۱۲۔

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح دار المعرفۃ بیروت ۴ /۱۵۵، ردالمحتار علی الدر المختار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۹۳

[2] المیزان الکبرٰی کتاب الاطعمۃ مصطفی البابی مصر ۲ /۵۷

اور پانچوں نمازی نیک سنی صحیح العقیدہ ہیں، ہفدہم ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ کو میرے سامنے اس مضمون کی شہادت ادا کی، اور ان میں بعض نے کہا ہمارے سامنے توتے کو شکار کرلے گیا، بعض نے کہا کھونٹی پر شکرہ بندھا تھا شکرہ کو مار لے گیا، حالانکہ شکرہ اتنا بڑا اور قوی اور خود شکاری جانور ہے، اور الو کی منقار بہت چھوٹی ہوتی ہے کہ چونچ سے اس کا قابو میں آنا معقول نہیں، نہ کہ ایسا زور کہ بندش توڑ کر زندہ لے جائے، لاجرم پنجہ سے شکار کیا، اور یہ امر اس جانور کی قوت سے کچھ عجب نہیں کہ وہ شکرہ سے بھاری جانور کو شکار کرلیتا ہے، علامہ زکریا بن محمد بن محمود انصاری قزوینی کتاب عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات میں اس کا حال لکھتے ہیں:

تصطاد السنانیر الضعاف وتعادی الغراب وھو ذلیل بالنھار اما باللیل فلا یقدر علیہ شیئ من الطیور[1]۔	الو کمزور بلیوں کو شکار کرلیتا ہے، کوے سے اس کو دشمنی ہے، دن کو ذلیل ہوتا ہے مگر رات میں کوئی پرند اس پر قدرت نہیں رکھتا۔

مرآت الاصطلاحات عنبر شاہی میں ہے:

چنگ بالفتح بروزن سنگ قلاب آہنی وپنجہ آدمی وحیوان درندہ، شکاری چوں باز وشاہین وشیر وپلنگ وامثال آں[2]، واز شعر طوطی ہند امیر خسرو دہلوی جنگ بوم واقع شدہ، وبوم ہر چند جانور شکاری نیست، بدیں معنی کہ مردم بداں شکار نمی کنند، لیکن فی الحقیقۃ ذومخلب ست کہ صید مے نماید، چنانچہ دیدہ شد، وشعر مذکور این ست ۔ بوم کہ باشد کہ بچنگ دراز طعمہ برداز دہن جرہ باز	چنگ بروزن سنگ ہے، لوہے کے شکنجے اور آدمی کے پنجے، شکاری اور درندے حیوان جیسے باز، شاہین، شیر، چیتا، اور ان کی ہم مثل کو چنگ کہتے ہیں، طوطی ہند امیر خسرو دہلوی کے شعر میں چنگ الو کے لیے استعمال ہوا ہے اگرچہ مشہور شکار کا پرندہ اس معنی میں نہیں کہ آدمی اس کا شکار نہیں کرتا لیکن حقیقتًا وہ اپنے پنجے سے شکار کرتا ہے جیسا کہ مشاہدہ میں آیا ہے وہ شعر یہ ہے: الو جس کا پنجہ دراز ہے منہ سے کھاتا ہے باز والی جرات (ت)

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات النوع السادس من الحیوان (بوم) مصطفی البابی مصر ص ۲۷۱

[2] مرآت الاصطلاحات عنبر شاہی

غرض جب وہ شکاری جانور ہے تو اس کے حرام ہونے میں اصلا جائے کلام نہیں، رہا بعض عبارت حنفیہ میں لفظ بوم کی نسبت لفظ **یوکل** وارد ہونا **اقول:** نہ وہ اجماعی قاعدہ فقہ حنفی وحدیث نبوی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے مقابل ہوسکتا ہے نہ مشاہدات کو رد کرسکتا ہے اس سے بالتعیین الو کی حلت ثابت ہی نہیں ہوتی، زبان عرب میں لفظ بوم خاص الو کے لیے موضوع نہیں، بلکہ ہر اس پرند پر اطلاق کیا جاتا ہے جو شب کو اپنے آشیانہ سے نکلتا ہے۔ علامہ دمیری حیاۃ الحیوان میں فرماتے ہیں:

قال الجاحظ وانواعها الهامة والصدی والضوع والخفاش وغراب الليل والبومة وهذه الاسماء كلها مشتركة ای تقع علی كل طائر من طير الليل يخرج من بيته ليلا ،قال وبعض هذه الطيور يصيد الفار وسام ابرص والعصافير وصغار الحشرات وبعضها يصيد البعوض، ومن طبعها ان تدخل علی كل طائر فی وكره وتخرجه منه وتاكل فراخه وبيضه وهی قوية السلطان بالليل لايحتملها شيئ من الطير [1]	جاحظ نے کہا، اور اس کے اقسام ہامہ، صدی، ضوع، خفاش، غراب اللیل، بوم نامی پرندے ہیں اور یہ تمام نام مشترک ہیں، یعنی رات کو اپنے گھر سے نکل کر پرواز کرنے والے ہر پرندے پر بولتے ہیں، اور کہا ان پرندوں میں سے بعض چوہے، چھپکلی، چڑیوں اور چھوٹے چھوٹے حشرات کو شکار کرتے ہیں اور ان میں سے بعض مچھروں کا شکار کرتے ہیں اور وہ طبعی طور پر ہر پرندے کے گھونسلے میں داخل ہو کر اس کو اڑاتا ہے اور اس کے چوزوں اور انڈوں کو کھاجاتے ہیں اور رات میں وہ قوی تسلط والے ہوتے ہیں کہ کوئی بھی پرندہ ایسی قوت نہیں پاتا۔ (ت)

توجن کتابوں میں ذکر اکل ہے ان میں بوم سے الو مراد نہیں بلکہ وہ پرند شب مقصود ہے جو پنجہ شکاری نہیں رکھتا جیسے چمگادڑ وغیرہ، یہ معنی امام عتابی کی تصریح سے ثابت ہیں۔ علامہ قہستانی جامع الرموز میں لکھتے ہیں:

لاباس بما ليس بذی مخلب كالبوم فی رواية عن ابی يوسف، كما فی العتابی۔ [2]	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالی سے ایک روایت یہ ہے کہ جن پرندوں کے پنجے نہیں ہیں ان کے کھانے میں حرج نہیں ہے، جیسا کہ عتابی میں ہے۔ (ت)

پس حنفیہ کی طرف حلت چغد کی نسبت ایک دھوکا ہے کہ اشتراک لفظ بوم سے پیدا ہوا،

[1] حیاۃ الحیوان باب الباء الموحدۃ (البوم) مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۲۶

[2] جامع الرموز بحوالہ العتابی کتاب الذبائح مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳ / ۳۴۹

وباللہ التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۴: ازاوجین مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

مولٰنا صاحب مجمع فضائل ومنبع فواضل فرید العصر، وحید الزمان، مخدوم مکرمی دام افضالکم بعد تمہید مراسم فدویت وارزوئے حصول سعادت مواصلت کہ عمدۃ مقاصد ہر دو جہاں ہے التماس پرداز ہے کہ حضور نے حرمت بوم کے باب میں جو فتوٰی ارسال فرمایا، اس میں یہ عبارت مرقوم ہے وہ سمجھ میں نہ آئی کہ جن کتابوں میں ذکر اکل ہے ان میں بوم سے مراد الو نہیں بلکہ وہ پرندہ شب مقصود ہے جو پنجہ شکاری نہیں رکھتا جیسے چمگادڑ وغیرہ، یہ معنی عتابی تصریح سے ثابت نہیں،

لاباس بمالیس بذی مخلب کالبوم [1] الخ۔	جو پرندہ پنجے والا نہ ہو اس کے کھانے میں حرج نہیں ہے جیسا کہ بوم ہے۔ الخ۔ (ت)

توکیا چمگادڑ اور باگل بھی حلال ہے؟ جواب بالتشریح بیان فرمایئے۔ زیادہ نیاز، **بینوا توجروا**

الجواب:

چمگادڑ چھوٹا ہو یا بڑا جسے ان دیار میں باگل کہتے ہیں، اس کی حلت حرمت ہمارے علمائے کرام رحمہ اللہ تعالٰی میں مختلف فیہ ہے بعض اکابر نے اس کے کھانے سے ممانعت فرمائی ہے اس وجہ سے کہ وہ ذی ناب ہے، مگر قواعد حنفیّہ کے موافق وہی قول حلت ہے، ز مطلقًا دانت موجب نہیں بلکہ وہ دانت جن سے جانور شکار کرتا ہو، ظاہر ہے کہ چمگادڑ پرند شکاری نہیں، ولہذا درمختار میں قول حرمت کی تضعیف فرمائی، ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے:

اما الخفاش فقد ذکر فی بعض المواضع انہ یوکل، وفی بعض المواضع انہ لا یوکل لان لہ نابا اھ [2] ورأیتنی کتبت علی ہامشہ مانصہ فیہ انہ لایصید بنابہ، ولایصول ولیس کل مالہ ناب حراما۔	چمگادڑ کے متعلق بعض مواضع میں ذکر ہے کہ کھایا جائے اور بعض مواضع میں ہے کہ نہ کھایا جائے کیونکہ اس کے کیلے ہوتے ہیں اھ، مجھے یاد ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ اپنے کے لے سے شکار نہیں کرتا اور نہ ہی یہ حملہ آور ہوتا ہے اور ہر کیلے والا حرام نہیں ہوتا۔ (ت)

[1] جامع الرموز بحوالہ العتابی کتاب الذبائح مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳ /۳۴۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۹۰

برجندی میں ہے:

ذکر فی المحیط ان فی الخفاش اختلاف العلماء اھ[1]۔	محیط میں مذکور ہے کہ چمگادڑ میں علماء کا اختلاف ہے اھ (ت)

درمختار میں ہے:

وقیل الخفاش لانہ ذوناب[2]۔	بعض نے کہا چمگادڑ حرام ہے کیونکہ یہ کیلے والا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال الاتقانی وفیہ نظر لان کل ذی ناب لیس بمنھی عنہ اذا کان لایصطاد بنابہ[3] اھ	اتقانی نے کہا ہے اور اس میں اعتراض ہے کیونکہ ہر کیلے والا حرام نہیں ہے جبکہ وہ اپنے کیلے سے شکار نہ کرتا ہو اھ (ت)

برجندی میں ہے:

المراد الناب الذی ھو سلاح وذوالناب الحیوان الذی ینھب بالناب[4] اھ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	ناب (کیلے) سے مراد وہ ہے جو ہتھیار بنے، اور کیلے والا جانور وہ ہے جو کیلے کے ساتھ حملہ آور ہو، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۵۵: از درتحصیل کچھا ضلع نینی تال مرسلہ عبدالعزیز خاں ۱۴رجب ۱۳۱۵ھ

جو کوّا کہ دانہ کھاتا ہے اور رنگ میں بالکل سیاہ ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اور جو کوا کہ دانہ اور نجاست دونوں کھاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

دانہ خور کوا کہ صرف دانہ کھتا اور نجاست کے پاس نہیں جاتا جسے غراب زرع یعنی کھیتی کا کوا کہتے ہیں، چھوٹا سا سیاہ رنگ ہوتا ہے، اور چونچ اور پنجے غالباً سرخ، وہ بالاتفاق جائز ہے، اور مردار خور کوا جسے غراب ابقع بھی کہتے ہیں کہ اس کے رنگ میں سپیدی بھی سیاہی کے ساتھ ہوتی ہے بالاتفاق ناجائز ہے۔

---

[1] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الذبائح نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۳

[2] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۹

[3] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۴

[4] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الذبائح نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۳

اور اسی حکم میں پہاڑی کوا بھی داخل کہ بڑا اور یک رنگ سیاہ ہوتا ہے اور موسم گرما میں آتا ہے، اور خلط کرنیوالا جسے عقعق کہتے ہیں کہ اس کے بولنے میں آواز عق عق پیدا ہوتی ہے۔ اس میں اختلاف ہے، اور اصح حل مگر کراہت تنزیہہ میں کلام نہیں،

هذا خلاصة مافی الدر المختار [1] وردالمختار والمقام بعد یحتاج الی زیادة تحریر وضبط وتقریر لعل الله یسیرہ فی تحریر اٰخر والله تعالٰی اعلم۔	یہ درمختار اور ردالمحتار میں بیان شدہ کاخلاصہ ہے جبکہ یہ مقام ابھی زیادہ تحریم وضبط اور تقریر کا محتاج ہے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالٰی کسی اور تحریر میں اس کو آسان کردے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۶: مسئولہ مولوی محمد ایوب صاحب سنبھل مرادآبادی ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۲۵ھ

کوا حرام ہے یا نہیں؟ الو حرام ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ کوے کہ ہمارے دیار میں پائے جاتے ہیں سب حرام ہیں، الو حرام ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۷: از شاہجہان پور ڈاک خانہ نادرشاہیان مقام میران پور، یعقوب شاہ خاں بروز یکشنبہ ۱۸/ ۱۳۳۴ھ

جناب قبلہ دام اقبالہ بعد سلام علیکم عرض ہے کہ پیلو کے انڈے اور گوشت اور پالنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سب جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گائے کی حلت کا حکم کس وقت سے جاری ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھی اس کا گوشت تناول فرمایا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

گائے کی حلت شریعت قدیمہ ہے۔ اللہ عزوجل قرآن عظیم میں فرماتا ہے:

"هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا"	یعنی کیا آئی تیرے پاس خبر ابراہیم کے عزت دار مہمانوں کی، جب وہ اس کے پاس آئے بولے

[1] ردالمحتار علی الدرالمختار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۹۵

سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ ﴿۲۶﴾ ۙ[1] دوسری جگہ فرمایا: "بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ ﴿۶۹﴾"[2]۔	سلام، کہا سلام انجانے لوگ ہیں پھر جلدی کرتا اپنے گھر گیا، سوان کے کھانے کو لے آیا ایک فربہ بچھڑا بھنا ہوا۔

احادیث سے ثابت ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے قربانی کی، اور قربانی کا گوشت کھانے کا حکم فرماتے، مگر خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تناول فرمایا یا نہیں، اس بارے میں کوئی تصریح حدیث اس وقت پیش نظر نہیں، **واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۵۹: از شہر بریلی محلّہ قاضی ٹولہ شہر کہنہ مرسلہ محمد عمران صاحب ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گوشت گائے کا کھایا یا نہیں؟

الجواب:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گائے کی قربانی فرمائی اور اس کے کھانے کھلانے کا حکم فرمایا خود بھی ملاحظہ فرمایا یا نہیں، اس عـــہ کا ثبوت نہیں، دنیا کی ہزاروں نعمتیں ہیں کہ حضور نے قصدا تناول نہ فرمائیں، گوشت گاؤ کی مذمت میں جو حدیث ذکر کی جاتی ہے صحیح نہیں، **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۰ و ۱۶۱: مسئولہ معرفت سیٹھ آدم جی گونڈل کاٹھیاوار ہاشم بیگ شنبہ یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) کبوتر کھانے میں کسی قسم کی کراہت ہے؟

(۲) عقیقہ کا گوشت ماں باپ کھائیں یا نہیں؟

الجواب:

(۱) کچھ نہیں۔

عـــہ: حدیث مسلم کتاب الزکوٰۃ کہ بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے گوشت گاؤ صدقہ میں آیا، وہ حضور کے پاس لایا گیا اور حضور سے عرض کیا گیا کہ یہ صدقہ ہے کہ بریرہ کو آیا، فرمایا اس کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ[3]۔ اس سے بظاہر تناول فرمانا معلوم ہوتا ہے ۱۲ حجۃ الاسلام حامد رضا رضی اللہ عنہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۱ /۲۴ تا ۲۶

[2] القرآن الکریم ۱۱ /۶۹

[3] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب اباحۃ الهدیۃ للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۳۴۵

(۲) کھائیں، اس کا حکم مثل قربانی ہے، تین حصے مستحب ہیں، ایک اپنا ایک عزیزوں قریبوں کا ایک مسکینوں کا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۲: مرسلہ محمد حکیم الدین از ضلع پورینہ موضع چوپڑا ۴ صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ خرگوش پنجہ والا ناخن دار مگر شتر کی مانند ہے اور ہر چند میں حیض مثل عورتوں کے ہوتی ہے، اس کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ لہذا بعض علماء کی زبانی سنا گیا ہے کہ خرگوش پنجہ والا ناخن دار حرام ہے جو خرگوش کہ حلال ہوتا ہے اس کے کُھر ہوتا ہے مانند بکری و بیل وغیرہ کے، جناب والا! اس پر بھی ہم کو اطمینان کُل نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے بخدمت فیض درجت یہ کمترین بطور عریضہ ھذا روانہ کرتا ہے ضرور بالضرور جواب سے اس ذرہ بے مقدار کو آفتاب درخشا فرمائیں گے۔ زیادہ والسلام۔

الجواب:

خرگوش ضرور حلال ہے، اسے حرام جاننا رافضیوں کا مذہب ہے، خرگوش کے پنجے ہی ہوتے ہیں، کُھر والا خرکوش دنیا کے پردہ پر کہیں نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۳و۱۶۴: مرسلہ مولوی حافظ مصاحب علی صاحب از مقام جاورہ مورخہ یکم رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) بعض کفار جو کہ گوشت خور نہیں ہیں تالاب یا ندی سے مچھلیاں پکڑوا کر دیگر تالاب یا ندی محفوظ میں ڈلوادیں اس غرض سے کہ مسلمان مچھلیاں پکڑوا کر نہ کھا سکیں، تو کیا ایسے تالاب یا ندی سے مسلمانوں کو مچھلیاں پکڑوا کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید، بکر، عمرو، خالد نے مل کر ایک کمپنی قائم کرکے ایک کارخانہ جاری کیا اور عام طور پر اعلان کردیا کہ جس کا دل چاہے اس کارخانہ میں شریک ہوجائے، فی حصہ ایک صد روپیہ قرار پایا ہے جو شخص جس قدر حصے خریدنا چاہے اسی قدر روپیہ کا منافع دیا جائے گا۔ اور اگر کارخانہ میں نقصان و نفع ہوگا تو حصہ کے تناسب سے نقصان کا زیر بار ہونا پڑے گا۔ خریدار حصہ سے خواہ ایک حصہ خریدے یا دس حصہ تین مرتبہ کرکے روپیہ کمپنی میں وصول کیا جائے گا، کارخانہ کو اختیار ہے جو کام چاہے جاری کرے، کسی خریدار حصہ کو امور کارخانہ میں واہل کارخانہ یعنی منیجر وغیرہ کے امور میں دخل اندازی کا اختیار نہ ہوگا، خریدار کو صرف نفع یا نقصان سے غرض ہے، اور خریدار حصہ اپنے خرید شدہ نفع یا نقصان سے فروخت کرنے کا مجاز ہوگا، پس سوال یہ ہے کہ ایسے کارخانہ میں شرکت اور اس کے بعد خرید وفروخت مذکور جائز ہے یا نہیں؟ نیز یہ خرید وفروخت کس بیع میں داخل ہے؟

الجواب:

(۱) مچھلیاں پکڑنے سے ملک ہوجاتی ہے اور دوسرے دریا میں چھوڑنے سے ملک سے خارج نہیں ہوتیں، نہ دوسرے کو ان کالینا جائز ہوتا ہے۔ مسلم ہو یاکافر، جب تک چھوڑنے والے نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ اس کی ہیں جو ان کو لے، تو ملک غیر ہونے کے سبب سے ان میں ممانعت آئے گی، مگر ازانجا کہ یہ کفار نہ ذمی ہیں نہ مستامن نہ ان سے اس بارہ میں کوئی معاہدہ ہے، لہٰذا اب بھی وہ مچھلیاں حکما ایسی ہی ہیں جیسی پکڑنے سے قبل تھیں، ان کا ارادہ فاسد ان پر رد کیا جائے گا اور مسلم کافر جو کوئی پکڑے اس کے لئے مباح ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اگر وہ تجارت بروجہ شرعی ہو عقود فاسدہ یا ربا کو دخل نہ ہو تو اس میں شرکت جائز مگر اپنے روپیہ کا حصہ دوسرے کے ہاتھ بیچنا اور اس کا خریدنا دونوں حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۵: از گلگت ایجنسی مرسلہ سردار امیر خاں ملازم کپتان اسٹوٹ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شخص کے ہاتھ کا ذبح ناجائز ہے جیسے کہ ہنود اس کے ہاتھ کی پکڑی مچھلی کھانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے، اگرچہ اس کے ہاتھ میں مرگئی یا اس نے مار ڈالی ہو کہ مچھلی میں ذبح شرط نہیں جس میں مسلمان یا کتابی ہونا ضرور ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۶و۱۶۷: از بنگالہ ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس ومفتیان شرع متین اس حیوان کے بارے میں جو کہ عجائب المخلوقات میں بایں طور بیاں کیا گیا ہے:

ومنها سمكة مدورة ذنبها اطول من ثلثة اذرع وعلى وسط ذنبها شوكة معقفة شبه كلاب وهى سلاحها تضرب بها وهى نمراء بياضها فى غاية البياض ونقد سواد ها فى غاية السواد و لها منخران على ظهر ها وفم على بطنها وفرج كفرج النساء[1] انتهى.	ان میں سے ایک مچھلی گول قسم کی دم تین ہاتھ لمبی ہے اور اس کی دم کے درمیان میں کنڈے کی شکل میں ایک ٹیڑھا کانٹا ہے وہ اس کا ہتھیار ہے۔ وہ مچھلی نہایت سفید ہے جس پر گہرے سیاہ رنگ کے نقطے ہوتے ہیں اس کے نتھنے اس کی پیٹھ پر اور اس کا منہ پیٹ پر اس کی شرمگاہ عورتوں کی شرمگاہ کی طرح ہوتی ہے۔ انتہی (ت)

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات بحر فارس المقالۃ الثانیۃ مصطفی البابی مصر ص۸۸

اگر یہ مچھلی ہو تو اس کو عربی میں کیا کہتے ہیں اور فارسی میں اس کا کیا نام ہے اور ہندی میں اس کا اس مخصوص بہ کیا ہے۔ بحوالہ کتب تحریر فرمایئے،

(۲) اور جریث کو اہل ہند کیا کہتے ہیں اور وہ کون سی مچھلی ہے اس کی عوارضات مختص بہا کو بوضاحت بیان فرمایئے، غایۃ الاوطار میں لکھا ہے کہ جریث کو بعض اہل ہند سنگی کہتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے۔ اگر غلط ہے تو پھر سنگی کیا شے ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ مچھلی کہ عجائب المخلوقات میں ذکر کی اگر اس کا وجود ہر دو عالم مثالی وخیالی سے باہر ثابت ہو تو ان نوادر سے ہے۔ جو بہ مرور دہور کبھی کسی سیاح کی نظر پڑے اور عامہ ناس ان کے رسم واسم سے آگاہ نہیں، "**وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ**"[1] (اور تمھارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ت) علامہ قزوینی کو خود اس کا نام معلوم ہوتا تو لکھتے، وہ خود اس کے عجائب دہر سے ہونے کے معترف ہیں عبارت مذکورہ سوال کے بعد کہا **والبحر لا تحصی عجائبہ**[2] (سمندر کے عجائبات بے شمار ہیں۔ ت) اسے جریث گمان کرنا صحیح نہیں، جریث ایک کثیر الوجود مچھلی سواحل پر ارزانی سے بکنے والی ہے، محرر المذہب سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مبسوط میں روایت فرماتے ہیں:

عن عمرو بن شوذب عن عمرۃ بنت ابی طبیخ قالت خرجت مع ولیدۃ لنا فاشترینا جریثہ بقفیز حنطۃ فوضعناھا فی زنبیل فخرج راسھا من جانب وذنبھا من جانب فمر بنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال بکم اخذت قالت فاخبرتہ فقال ما اطیبہ وارخصہ و اوسعہ للعیال[3]۔	یعنی عمرہ بنت ابی طبیخ نے کہا میں اپنی کنیز کے ساتھ جا کر ایک جریث ایک قفیز گیہوں کو خرید کر لائی جو زنبیل میں سمائی، ایک طرف سے سر نکلا رہا ایک طرف سے دم، اتنے میں مولا علی کرم اللہ وجہہ کا گزر ہوا، فرمایا، کتنے کو لی؟ میں نے قیمت عرض کی۔ فرمایا: کیا پاکیزہ چیز ہے اور کتنی ارزاں اور متعلقین پر کتنی وسعت والی۔

ولہٰذا علامہ قزوینی نے اسے عجائب میں ذکر نہ کیا البتہ جری کا نام لیا اور اسے مارماہی سے تفسیر کیا کہ

---

[1] القرآن الکریم ۷۴ /۳۱

[2] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات حر فارس المقالۃ الثانیۃ فصل فی عجائبہ مصطفی البابی مصر ص۸۸

[3] المبسوط للامام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

بزعم بعض وہی جریث ہے۔اس تقدیر پر خود انھوں نے اس نادر مچھلی اور جریث میں فرق کیا،اسے عجائب بحر فارس اور اسے عجائب ہند میں لکھا۔اس کی وسط دم پر کانٹا بتایا تھااور جری کی پیٹھ پر ایک چیز مثل عمود لکھی،اور وہ منخزین وفم وفرج کا ذکر یہاں نہ کیا،

حیث قال منها (ای من عجائب بحر الهند)سمكة مدورة یقال لها مارماهی علی ظهرها شبه عمود و محددالراس لا تقوم لها فی البحر سمكة الا تضربها بذلك العمود و تقتلها[1]۔	جہاں انہوں نے فرمایا کہ ہندوستان کے سمندر کے عجائبات میں سے ایک گول مچھلی ہے جس کو مارماہی کہا جاتا ہے اس کی پیٹھ پر عمودی شکل محدد سر والا کانٹا ہوتا ہے،سمندر میں جو مچھلی اس کی زد میں آئے اس کو وہ اپنے مدور کانٹے سے ہلاک کردیتی ہے۔(ت)

اور تحقیق یہ ہے کہ یہ دوسری مچھلی بھی نہ مارماہی ہے۔نہ مارماہی جریث مارماہی گول نہیں بلکہ لمبی بالکل سانپ کی شکل پر ہوتی ہے۔عربی میں اسے جری بکسر وتشدید را،اور جری بالفتح اور جریت بتائے فوقانیہ بروزن جرّیث اور صلور وسلور اور انقلیس وانكلیس، بفتح ہمزہ ولام ہر دوانقلیس وانكلیس بکسر ہر دو اور فارسی میں مارماہی اور ہندی میں بام کہتے ہیں،جاحظ نے کہا وہ پانی کا سانپ ہے یعنی صورۃ نہ کہ حقیقۃ،بعض نے کہا وہ سانپ اور مچھلی کے جوڑے سے پیدا ہے،قزوینی نے اسے پر جزم کا،اور صحیح یہ کہ یہ بھی بے ثبوت ہے بلکہ وہ سانپ سے جدا ایک خاص نوع ماہی ہے۔اہل فن نے ان اسمائے مذکورہ اعنی جری وصلور وانقلیس میں بہت اختلاف کیا۔بہت نے انھیں مارماہی کا غیر جانا،کسی نے کہا جری بے سنے کی مچھلی کو کہتے ہیں،کسی نے کہا ایک قسم ماہی ہے جس کے سر ودم باریک اور پشت چوڑی ہوتی ہے۔کسی نے کہا انكلیس چھوٹی مچھلی کی شکل پر ایک جانور ہے جس کی دم کے پاس مینڈک کے پاؤں کے مثل دو۲ پاؤں ہوتے ہیں،اور ہاتھ نہیں ہوتے،بصرہ کی نہروں میں پایا جاتا ہے۔بعض نے کہا بحرین کی مچھلی ہے۔اس جانور کو شلق بالکسر یا شلق مثل کشف کہتے ہیں،کسی نے کہا شلق بھی انكلیس اور انكلیس جریث ہے، کسی نے کہا انكلیس مارماہی اور صلور جریث ہے بہر حال اس قدر میں شک نہیں کہ مارماہی ایک معروف مشہور مچھلی مستطیل الخلقۃ مشابہ مار ہے نہ کہ مدور،ارشاد الساری شرح صحیح البخاری زیر حدیث:

قال ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما طعامه میتة الا ماقدرت منها والجری	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ اس کی خوراک میتہ ہے مگر کچھ بھون لی جاتی ہے اور جرّی

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات بحر الهند فصل فی جزائر هذاالبحر مصطفی البابی مصر ص ۸۴

لاتاکله الیهود ونحن ناکله فرمایا۔الجری بکسر الجیم والراء والتحتیة المشددتین وبفتح الجیم والجریث بمثناةفوقیة بعد التحتیة ضرب من السمك یشبه الحیات وقیل سمك لا قشرله۔وقیل نوع عریض الوسط دقیق الطرفین [1]۔	کو یہودی نہیں کھاتے اور ہم کھاتے ہیں،اور آپ نے فرمایا جِرّی جیم اور راء کے کسرہ اور دو مشدد یاء اور جیم کے فتح کے ساتھ پڑھا جائے،اور جریث آخر میں ثاء سے پہلے یاء ہے،اور یہ مچھلی سانپ کی طرح ہوتی ہے،اور بعض نے کہا کہ اس پر چھلکا نہیں ہوتا اور بعض نے بتایا کہ درمیان سے چوڑی اور آگے پیچھے سے باریک ہوتی ہے۔(ت)

مجمع بحارالانوار میں علامہ زرکشی سے ہے:

الجری بکسر جیم وراء مشددة وتشدید یاء ضرب من السمك یشبه الحیات وقیل نوع غلیظ الوسط رقیق الطرفین،وقیل مالا قشر له [2]۔	جری جیم اور راء کے کسرہ اور شد کے ساتھ اور آخر میں مشدد یاء ہے یعنی مارماہی جو سانپ کے مشابہ ہوتی ہے۔بعض نے کہادرمیان سے موٹی اور آگے پیچھے سے باریک ہوتی ہے۔ اور بعض نے کہااس پر چھلکا نہیں ہوتا(ت)

اسی میں ہے:

لا تاکلوا الانکلیس بفتح ہمزة وکسرھا سمك شبیه بالحیات(ای مارماہی)والا نقلیس لغة،وکرہ لرداءة غذائة لالانه حرام [3]۔	الانکلیس بفتح ہمزہ یاکسرہ ہے کومت کھاؤ،یہ سانپ کی مانند ایک مچھلی ہے یعنی مارماہی،ایک لغت میں الانقلیس کہا جاتا ہے اس کو کھانا اس لئے مکروہ ہے کہ کہ اس کی غذاردی ہے اس لئے نہیں کہ وہ حرام ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

---

[1] صحیح البخاری کتاب الذبائح والصید والتسمیة باب قول اللہ تعالٰی احل الکم صید البحر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲۵(ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب الذبائح والصید والتسمیة باب قول اللہ تعالٰی احل الکم صید البحر دار الکتاب العربی بیروت ۸/ ۲۶۷

[2] مجمع بحار الانور اب الجیم مع الراء تحت الجری مکتبہ دارالایمان المدینة المنورة ۱/ ۳۵۰

[3] مجمع بحار الانور باب الھمزہ مع النون تحت انکلس مکتبہ دارالایمان المدینة المنورة ۱/ ۱۲۵

لاتاکلوا الصلور والانقلیس هما الجری والمارماہی نوعان من السمك کالحیة [1]۔	صلور اور انقلیس کو نہ کھاؤ، اور ان کا نام جری اور مارماہی ہے یہ دونوں سانپ کے مشابہ مچھلیاں ہیں۔(ت)

قاموس میں ہے:

الصلور کسنور الجری فارسیته المارماهی [2]۔	صلور، سنور کے ہم وزن ہے اس کا نام جری، اور فارسی میں مارماہی کہتے ہیں۔(ت)

تاج العروس میں ہے:

وهو السمك الذی یکون علی هیأة الحیات و منه حدیث عمار ضی الله تعالٰی عنه لا تاکلوا الصلروالا الانقلیس [3]۔	یہ سانپ شکل کی مچھلی ہے، حضرت عمار رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسی کے متعلق فرمایا: صلور اور انقلیس کو نہ کھاؤ۔(ت)

اسی میں ہے:

قال احمد بن الحریش قال النضر الصلور الجریث و الانقلیس مارماهی [4]۔	احمد بن حریش نے کہا کہ نضر نے کہا کہ صلور وہ جریث ہے اور انقلیس وہ مارماہی ہے۔(ت)

انھیں دونوں میں ہے:

(الانقلیس)الصلور الجری قال اللیث هی (سمکة کالحیة)وقال غیره الجریث کانکلیس وهو قول ابن الاعرابی [5]۔	"الانقلیس" صلور، جری ہے۔لیث نے کہا یہ مارماہی ہے یعنی سانپ کی طرح مچھلی ہے اور ان کے غیر نے کہا "جریث" انکلیس کی طرح ہے اور یہ ابن اعرابی کا قول ہے۔(ت)

---

[1] مجمع بحار الانوار باب الصاد مع اللام تحت"صلور"مکتبہ دار الایمان المدینة المنورة ۳ /۳۴۷

[2] القاموس المحیط فصل الصاد باب الراء تحت"الصلور"مصطفی البابی مصر ۲ /۷۴

[3] تاج العروس فصل الصاد باب الراء تحت"الصلور"دار احیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۴۰

[4] تاج العروس فصل الجیم من باب الثاء تحت الجریث دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۹

[5] تاج العروس فصل القاف من باب السین دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۲۱

حیاۃ الحیوان الکبرٰی میں ہے:

الانکلیس بفتح الھمزۃ واللام وکسرھما معا سمك شبیه بالحیات ردی الغذاء و ھو الذی یسمی الجری والمار ماھی، وقال الزمخشری قیل انه الشلق وقال ابن سیدہ ھو علی ھیئۃ السمك صغیر له رجلان عند ذنبه کرجل الضفدع ولا ید له یکون فی انھار البصرۃ، ولیس لفظه عربیا اھ[1] ملخصا۔	"انکلیس" ہمزہ اور لام پر فتح اور کسرہ بھی یہ سانپ شکل کی مچھلی ہے جس کی غذا ردی ہے اس ک نام جری اور مارماہی ہے۔ زمخشری نے کہا کہ بعض نے شلق کہا ہے۔ ابن سیدہ نے کہا یہ عام مچھلی کی طرح ہوتی ہے اور ضفدع (مینڈک) کے پاؤں کے طرح اس کی دم کے نیچے دو پاؤں ہوتے ہیں اور اس کے اگلے پاؤں نہیں ہوتے، بصرہ کے دریاؤں میں پائی جاتی ہے اور عربی میں اس کا نام نہیں ہے اھ ملخصا۔ (ت)

قاموس وتاج میں ہے:

(الشلق بالکسر او ککتف سمکۃ صغیرۃ) او علی خلقۃ السمکۃ لھا رجلان عند الذنب کرجلی الضفدع لا یدان لھا، تکون فی انھار البصرۃ، وقیل ہی من سمك البحرین ولیست بعربیۃ (او) ھی (الانکلیس) من السمك وھو الجری والجریث عن ابن الاعرابی[2]۔	شلق کسرہ کے ساتھ یا کتف کے وزن پر ہے۔ یہ چھوٹی مچھلی ہے یا مچھلی کے مشابہ مخلوق ہے۔ اس کی دم کے نیچے مینڈک کے پاؤں کی طرح پاؤں ہوتے ہیں اور اس کے اگلے پاؤں نہیں ہوتے اور یہ بصرہ کے دریاؤں میں پائی جاتی ہے بعض نے کہا کہ یہ بحری مچھلی ہے اور عربی میں اس کا نام نہیں ہے۔ یا یہ انکلیس ہے جو مچھلی کی قسم ہے۔ اور اس کو جَرّی کہتے ہیں اور جریث بھی، یہ ابن اعرابی سے منقول ہے۔ (ت)

عجائب قزوینی بیان حیوانات بحر میں ہے:

جری ھو الذی یقال له مارماہی متولد	جرّی جس کو مارماہی کہتے ہیں یہ نسل مچھلی اور سانپ

---

[1] حیاۃ الحیوان باب الھمزۃ الانکلیس مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۴

[2] القاموس المحیط فصل الشین من باب القاف مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۵۹، تاج العروس فصل الشین من باب القاف دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۹۹

من الحیة والسمك قال الجاحظ انه یاکل الجردان [1]۔	سے پیدا ہوتی ہے جاحظ نے کہا ہے کہ یہ جردان کھاتی ہے۔(ت)

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

ماقیل ان المار ماہی متولد من الحیة لیس بواقع بل ھو جنس شبیه بھا صورة [2]۔	جو یہ بتایا گیا کہ مار ماہی کی نسل سانپ اور مچھلی سے پیدا ہے، ایسا واقع نہیں ہے بلکہ وہ مچھلی کی جنس ہے جو صورت میں سانپ کے مشابہ ہے۔(ت)

جس طرح ان اسامی میں اختلافات ہوئے یونہی ایک جماعت نے جریث بھی مارماہی کا نام جانا،اوراسے وہی مچھلی مشابہ مارمانا، عمدۃالقاری شرح صحیح البخاری میں ہے:

الجری قال عیاض ھو من السمك مالا قشر له وقال ابن التین ویقال له ایضا الجریث وقال الازھری الجریث نوع من السمك یشبه الحیات ویقال له ایضا المارماھی،والسلور وقیل سمك عریض الوسط دقیق الطرفین [3] اھ مختصرا۔	جری کے متعلق عیاض نے کہا وہ مچھلی ہے جس پر چھلکا نہیں ہے۔اور ابن تین نے کہا اس کو جریث بھی کہتے ہیں اور ازہری نے کہا جریث مچھلی قسم ہے جو سانپ کے مشابہ ہے اس کو مارماہی بھی کہتے ہیں اور سلور بھی، بعض نے کہا یہ درمیان سے چوڑی اور آگے پیچھے سے باریک ہوتی ہے اھ مختصرا۔(ت)

مجمع البحار میں ہے:

الجری قیل ھو الجریث المارماھی [4] ملخصا۔	جری کے متعلق کہا گیا کہ جریث مارماہی ہے اھ ملخصا (ت)

اسی میں نہایہ سے ہے:

فی ح علی رضی اللہ تعالٰی عنه قال	ح میں لکھا ہے کہ علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ

---

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات المقالة الثانیة القول فی حیوان الماء مصطفی البابی مصر ص۹۷

[2] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر کتاب الذبائح فصل فیما یحل اکل ولایحل دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۵۱۴

[3] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب قول اللہ تعالٰی احل لکم صید البحر ادارۃ الطباعة المنیریة بیروت ۲۱ /۱۰۵

[4] مجمع بحار الانوار باب الجیم الراء تحت "الجری" مکتبه دارالایمان المدینة المنورة ۱ /۳۵۰

الجریث ھو نوع من السمك یشبه الحیات ای المار ماھی [1]۔	جریث مچھلی کی قسم جو سانپ کے مشابہ ہے۔یعنی مار ماہی (ت)

تاج العروس میں ہے:

(الجریث کسکیت سمک)معروف ویقال له الجری وھو نوع من یشبه الحیات،ویقال له بالفارسیة المار ماھی [2]اھ ملتقطا۔	جریث بروزن سکیت معروف مچھلی ہے۔اس کو جری کہا جاتا ہے اور مچھلی کی قسم سانپ کے مشابہ ہے اس کو فارسی میں مار ماہی کہتے ہیں اھ ملتقطا۔(ت)

حیاۃ الحیوان میں ہے:

الجریث ھو ھذا السمك الذی یشبه الثعبان وجمعه جراثی ویقال له ایضا الجری بالکسر والتشدید وھو نوع من السمك یشبه الحیة،ویسمی بالفارسیة مارماھی،وقد تقدم فی الھمزة انه الانکلیس قال الجاحظ انه یاکل الجردان وھو حبة الماء وحکمه الحل [3]اھ باختصار۔	جریث یہ مچھلی ہے جو سانپ کے مشابہ ہے اس کی جمع جراثی ہے۔اس کو جری بھی کہتے ہیں کسرہ اور شد کے ساتھ،وہ مچھلی ہے جو سانپ کے مشابہ ہے اس کو فارسی میں مار ماہی کہتے ہیں،اور ہمزہ کی بحث میں گزرا کہ یہ انکلیس ہے جاحظ نے کہا یہ جردان کھاتی ہے۔اور یہ پانی کا سانپ ہے اس کا یہ حکم ہے کہ وہ حلال ہے اھ باختصار(ت)

مگر فقہائے کرام جسے جریث کہتے ہیں وہ یقینا مار ماہی کے سواء دوسری مچھلی ہے کہ متون وشروح وفتاوٰی میں تصریحا دونوں کا نام جدا جدا ذکر فرمایا،لاجرم مغرب میں کہا:**ھو غیر المار ماھی** [4] (وہ مار ماہی کا غیر ہے۔ت)علامہ ابن کمال باشا اصلاح وایضاح میں فرماتے ہیں:

(والجریث والمارماہی)الجریث نوع من السمك غیر المار ماھی ذکرہ فی المغرب،وانما افردھما بالذکر لما کان الخفاء فی کونھما	(جریث اور مار ماہی)جریث مچھلی کی قسم ہے جو مار ماہی کا غیر ہے۔یہ مغرب میں مذکور ہے۔ان دونوں کو علیحدہ اس لئے ذکر کیا کہ ان کے مچھلی ہونے میں خفا ہے۔

[1] مجمع بحار الانوار باب الجیم مع الراء تحت "جرث" مکتبہ دار الایمان المدینة المنورة ۱/ ۳۳۸۔۳۹

[2] تاج العروس فصل جیم من باب الثاء تحت "الجرث" دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۰۹

[3] حیاۃ الحیوان باب الجیم الجریث مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۴

[4] المغرب

من جنس السمک، ولمکان الخلاف، فیھما لمحمد، ذکرہ صاحب المُغرَب [1]۔	نیز ان کے حکم میں محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا اختلاف ہے اس کو صاحب مغرب نے بیان کیا ہے۔(ت)

حاشیۃ الکمثری علی الانور میں ہے:

الجریث نوع من السمك غیر مار ماھی [2]۔	جریث مچھلی کی قسم ہے جو مار ماہی کا غیر ہے۔(ت)

یہ ایک سیاہ رنگ گول مچھلی ڈھال کی مانند ہے اسے فارسی میں ماہی کول کہتے ہیں۔ درمختار میں ہے:

(الجریث)سمك اسود (والمارماھی)سمك فی صورۃ الحیۃ وافردھما بالذکر للخفاء، وخلاف محمد [3]۔	(جریث) سیاہ رنگ کی مچھلی ہے۔(مارماہی) یہ سانپ کی شکل کی مچھلی ہے۔ان دونوں کو علیحدہ اس لئے ذکر کیا ہے ان کے مچھلی ہونے میں خفاء ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا اس میں اختلاف بھی ہے۔(ت)

(جریث) سیاہ رنگ کی مچھلی ہے۔(مارماہی) یہ سانپ کی شکل کی مچھلی ہے۔ان دونوں کو علیحدہ اس لئے ذکر کیا ہے ان کے مچھلی ہونے میں خفاء ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا اس میں اختلاف بھی ہے۔(ت) عمدۃ القاری میں بعد عبارت مذکورہ و نقل اقوال مسطورہ ہے: **قلت الجریث سمك اسود** [4] (میں کہتا ہوں "جریث" سیاہی رنگ کی مچھلی ہے۔ت) فتح اللہ المعین حاشیۃ الکنز للعلامۃ الازہری میں ہے:

الجریث سمکۃ سوداء قالہ العینی وقال الوافی الجِرِّیث بکسر الجیم والراء وتشدیدھا نوع من السمك مدورۃ کالترس [5]۔	جریث سیاہ رنگ کی مچھلی ہے۔یہ علامہ عینی نے فرمایا ہے۔جبکہ وافی نے کہا کہ جریث را اور جیم کے کسرہ اور شد کے ساتھ، مچھلی کی قسم ہے جو ڈھال کی طرح گول ہوتی ہے۔(ت)

اسی طرح طحطاوی وشامی وغیرہما میں ہے:

عازییہ لابی السعود وزل قلم العلامۃ ط فجعلہ عنہ عن العینی وانما ذلك صدر الکلام فقط، امام الاخیر	انھوں نے اس کو ابوسعود کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ علامہ طحطاوی کا قلم پھسلا ہے تو انھوں نے اس کو ابوسعود سے علامہ عینی سے منقول بتایا ہے۔یہ

[1] اصلاح وایضاح علامہ ابن کمال پاشا

[2] حاشیۃ الکمثری علی انوار الاعمال

[3] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۹

[4] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب قول اللہ تعالٰی احل لکم صید البحر ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۱/ ۱۰۵

[5] فتح المعین کتاب الذبائح فصل فیما یحل وفیما لایحل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۷۴

فعن الوافی کما اسمعناك نصه۔	ابتداء کلام میں ہے اور آخر میں وافی سے منقول بتایا جس کو ہم نے ذکر دیا ہے۔(ت)

ذخیرۃ العقبٰی میں ہے: یقال له بالفارسیة ماھی کول[1] (اسے فارسی میں ماہی کول کہا جاتا ہے۔ت) سنگھی میری زبان کا لفظ نہیں، غایۃ الاوطار والے دونوں مترجم دہقانی تھے، دیہاتوں کی زبان دیہاتی جانیں، واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۶۸: از بریلی مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں ۲رمضان مبارک ۱۳۱۰ھ

ماقولکم غفراللہ لکم فی ھذہ المسئلة افیدونا یرحکم اللہ خوردن ماہی بسیار کوچک بحاشیہ مالابدمنہ مکروہ تحریمی نوشتہ است؟	اس مسئلہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے ہمیں مطلع فرمائیں اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے کہ مالابدمنہ میں نہایت چھوٹی مچھلی کو کھانا مکروہ ہے تحریمی لکھا ہے؟

الجواب:

ماہی ریزہ کہ شایان شق شوف نباشد وہمچناں شکم چاک ناکردہ بریاں کنندش، نزد امام شافعی حرام ست، ونزد سائر ائمہ حلال رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کمانص علیه فی معراج الدرایة،ثم ردالمحتار،ونصه لو وجدت سمکة فی حوصلة طائر تؤکل،وعند الشافعی لا تؤکل لان کالر جیع ورجیع الطائر عندہ نجس،وقلنا انما یعتبر رجیعا اذا تغیر و فی السمك الصغار التی تقلی من غیر ان یشق جوفه۔فقال اصحابه لایحل اکله،لان رجیعه	باریک ریزہ کی طرح مچھلی جس کا پیٹ چاک نہیں ہوسکتا، اور یوں بے چاک بھون کر کھائی جاتی ہے یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک حرام ہے اور باقی ائمہ کرام کے نزدیک حلال ہے۔(رحمہم اللہ تعالٰی) جیسا کہ معراج الدرایہ میں تصریح ہے اور پھر ردالمحتار میں یوں فرمایا کہ اگر پرندے کے گھونسلہ میں مچھلی پائی جائے تو وہ کھائی جائے، اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں کھانا جائز نہیں کیونکہ وہ پرندوں کی بیٹھ کی طرح ہے جبکہ ان کے ہاں پرندے کی بیٹھ نجس ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ بیٹھ تب ہوسکتی ہے جب اس کا رنگ متغیر ہو، اور امام شافعی کے اصحاب چھوٹی مچھلی جس کو چاک کئے بغیر بھون لیا جاتا ہے۔ کہ متعلق فرماتے ہیں اس کا کھانا حلال نہیں ہے کیونکہ اس کی بیٹھ نجس ہے۔ اور باقی

[1] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الذبائح نولکشور کانپور ۴/ ۵۷۲

نجس وعند سائر الائمة یحل [1] اھ آرے درجواہر الاخلاطی دیدم کہ بکراہت تحریم تصریح وہمیں را تصحیح کردہ است،حیث قال اسمك الصغار کلھا مکروھة کراھة التحریم ھو الاصح [2]،پس اسلم اجتناب ست۔واللہ تعالٰی اعلم۔	تمام ائمہ کرام کے نزدیک حلال ہے۔اھ،ہاں میں نے جواہر الاخلاطی میں دیکھا ہے انھوں نے اس کے مکروہ تحریمہ ہونے میں تصریح کی ہے۔اور اسی کی تصحیح کی ہے جہاں انھوں نے فرمایا کہ چھوٹی مچھلیاں تمام مکروہ تحریمہ ہیں اور یہی صحیح ہے، پس اجتناب بہتر ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۶۹: مرسلہ محمد علی اکبر کوڑاسال سویم ڈھاکہ تاریخ ۱۴جمادی الاول ۱۳۳۳ھ

کہ سوکھی مچھلی (جو دیار بنگالہ میں معروف ومشہور ہے) کھانا جائز ہے یانہیں؟اور برتقدیر حلال ہونے کے اگر کوئی حرام کہے تو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب:

مچھلی تر ہو یا خشک،مطلقاً حلال ہے۔

قال تعالٰی "اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ" [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا:حلال کیا گیا تمھارے لئے بحری شکار کو۔(ت)

سوائے طافی کے جو خود بخود بغیر کسی سبب ظاہر کے دریا میں مرکر اترا آتی ہے۔عالمگیریہ میں ہے:

السمك یحل اکله الاماطفا منه [4]۔	مچھلی کھانا حلال ہے ماسوائے پانی پر تیرنے والے مرکر۔(ت)

خشک مچھلی کا کسی نے استثناء نہ کیا،اگر حرام کہنے والا جاہل ہے اسے سمجھایا جائے،اور ذی علم ہے تو اس پر حلال خدا کے حرام کہنے کا الزام عائد ہے۔اسے تجدید اسلام وتجدید نکاح چاہیے،ہاں اگر وہاں سوکھی مچھلی ماہی دریا کے سوا کسی خشکی کے جانور کا نام ہے، جیسے ریگ ماہی،تو اس کا حال معلوم ہونا چاہئے،اگر ریگ ماہی کی طرح حشرات الارض سے ہے تو ضرور حرام ہے۔عالمگیریہ میں ہے:

جمیع الحشرات وھوام الارض لاخلاف	حشرات الارض مٹی سے پیدا شدہ ہے ان چیزوں کے

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۹۶
[2] جواہر الاخلاطی کتاب الذبائح قلمی نسخہ ص۲۸۷
[3] القرآن الکریم ۵ /۹۶
[4] فتاوٰی ہندیة کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۸۹

فی حرمة هذه الاشیاء [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۰: مسئولہ مولوی غلام گیلانی صاحب شمس آباد ضلع کیمل پور ۲۵ شعبان ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض ملکوں میں مچھلی خشک اور گوشت خشک کھایا جاتا ہے، قبل پکانے کے تو تو اس میں سخت بدبو ہوتی ہے مگر بعد پکنے کے بھی بدبو باقی رہتی ہے، کیا اس کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

فی الواقع ایسی سخت بدبودار چیز علاوہ اس کے کہ نفاست طبع کے خلاف ہے، نظافت دین سے بھی جدا ہے۔ **وبنی الدین علی النظافة** (دین کی بنیاد نظافت پر ہے۔ ت) مسموع ہوا کہ اس کے مستعملین کے بدن و دہن میں اس کی بو بس جاتی ہے۔ یہ علاوہ کراہت اکل کے اور بلائے شدید اور ملائکہ کو ایذا ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان الملئکة تتاذی لما یتاذی به بنو اٰدم [2]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس سے بنی آدم اذیت پائیں اس سے فرشتے بھی اذیت پاتے ہیں (ت)

اور ایسی حالت میں ان کو قرآن مجید پڑھنا منع ہے۔ حدیث میں ہے:

طیبوا افواهکم فانها طرق القراٰن [3]۔	اپنے منہ صاف رکھو کیونکہ یہ قرآن کا راستہ ہیں۔ (ت)

بلکہ جو بدبو پر مشتمل ہو اسے مسجد میں جانا حرام ہے۔ اور جماعت میں شامل ہونا ممنوع ہے اور جبکہ اس سے ضرر غالب متحقق ہو، تو حرمت میں کیا شبہ ہے۔ **فان المضار کلها حرام** (سب ضرر رساں چیزیں حرام ہیں۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۱: مرسلہ از چاند پور ضلع بجنور محلّہ پتیا پاڑہ مکان محمد حسین خاں زمیندار

مچھلی بے ذبح کیوں جائز ہے؟

الجواب:

خون مفسوح ناپاک ہے وہ بدن میں رہے اور جانور مر جائے تو تمام گوشت پوست نجس و حرام ہو جاتا ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۹

[2] صحیح مسلم کتاب المساجد باب نھی من اکل ثوبا ابصلا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹

[3] کنز العمال حدیث ۲۷۵۲ و ۲۷۵۳ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۱/ ۶۰۳

ذبح سے مقصود اس کا جدا کرنا ہے۔ولہذا حدیث صحیح میں ارشاد ہوا:

ماانھر الدم وذکر اسم اللہ علیہ فکلوا[1]۔الحدیث، رواہ الستۃ عن رافع بن خدیج عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	جس کا خون بہادیا گیااور اس پر اللہ تعالٰی کا نام ذکر کیا گیا تو اسے کھاؤ،الحدیث،اس کو صحاح ستہ کے ائمہ نے روایت کیا رافع بن خدیج سے انھوں نے نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے۔(ت)

اور فرمایا:

انھرالدم بما شئت واذکر سم اللہ[2] رواہ احمد و النسائی وابوداؤد وابن ماجۃ وابن حبان والحاکم عن عدی بن حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	خون بہادے جس سے تو چاہے۔اور اللہ تعالٰی کا نام ذکر کر،اس کو احمد نسائی،ابن ماجہ،ابن حبان اور حاکم نے عدی بن حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے۔(ت)

اور وارد ہوا:

کل مافری الاوداج[3]۔الحدیث۔رواہ ابن ابی شیبۃ عن رافع بن خدیج والطبرانی فی الکبیر عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جو چیز اوداج کو کاٹ دے۔الحدیث،اس کو ابن ابی شیبہ نے حضرت رافع بن خدیج سے،اور طبرانی نے کبیر میں ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔(ت)

مچھلی اور ٹیری میں خون ہوتا ہی نہیں کہ اس کے اخراج کی حاجت ہو،غیر دموی کے نزدیک میں ہمارے یہاں صرف یہی دو حلال ہیں،لہذا صرف یہی بے ذبح کھائے جاتے ہیں،شافعیہ وغیرہم کے نزدیک کہ اور دریائی جانور بھی کل یا بعض حلال ہیں وہ انھیں بھی بے ذبح جائز جانتے ہیں کہ دریا کے کسی جانور میں خون نہیں ہوتا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الذبائح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲۷ و ۸۳۱ و ۸۳۲،صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب جواز الذبح بکل ما انھرام الدم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۶

[2] سنن النسائی کتاب الضحایا اباحۃ الذبح بالعود نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۲۰۵،مسند احمد بن حنبل حدیث عدی بن حاتم المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۵۸

[3] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الصید من قال اذا انھر الدم الخ ادارۃ القرآن کراچی ۵/ ۳۸۹

مسئلہ ۱۷۲: شمس الہدٰی طالب علم مدرسہ منظر الاسلام بریلی محلّہ سوداگراں ۱۲صفر ۱۳۳۹ھ

حضور پر نور کا اس مسئلہ میں کیا ارشاد ہے کہ مچھلی کو اس کی آنت وغیرہ کے کھانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مکروہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۳: مسئولہ شوکت علی صاحب ۲ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ (علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ت) کہ کھانا جھینگا کا درست ہے یا نہیں؟ مکروہ ہے یا حرام؟

الجواب:

حمادیہ میں علماء کے دونوں قول نقل کئے ہیں، کہ بعض حرام کہتے ہیں اور بعض حلال۔

حیث قال الدود الذی یقال لہ جھینکہ عند بعض العلماء لانہ لایشبہ السمک، و انما یباح عندنا من صید البحر انواع السمک، وھذا لایکون کذٰلک، و قال بعضھم حلال لانہ یسمی باسم السمك [1]۔	جہاں انھوں نے کہا کہ وہ کیڑا جسے جھینگا کہا جاتا ہے بعض کے نزدیک حرام ہے کیونکہ وہ مچھلی کے مشابہ نہیں ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک سمندری شکار میں مچھلی کی اقسام ہی مباح ہیں، اور جھینگا ان میں سے نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا یہ حلال ہے کیونکہ اس کا نام مچھلی ہے۔(ت)

اقول: عبارت حمادیہ سے ظاہر یہی ہے کہ ان کے نزدیک قول حرمت ہی مختار ہے کہ اسی کو تقدیم دی والتقدیم اٰیۃ التقدیم (مقدم کرنا مقدم بنانے کی علامت ہے۔ت) اور جھینگے کو دود یعنی کیڑا کہا اور کیڑے حرام ہیں، اور اہل حلت کی طرف سے دلیل میں یہ نہ کہا وہ مچھلی ہے بلکہ یہ کہ اس پر مچھلی کا نام بولا جاتا ہے۔ تحقیق مقام یہ ہے کہ ہمارے مذہب میں مچھلی کے سوا تمام دریائی جانور مطلق حرام ہیں، تو جن کے خیال میں جھینگا مچھلی کی قسم سے نہیں ان کے نزدیک حرام ہوا ہی چاہئے مگر فقیر نے کتب لغت وکتب طب وکتب علم حیوان میں بالاتفاق اسی کی تصریح دیکھی کہ وہ مچھلی ہے۔ قاموس میں ہے:

الاربیان بالکسر سمك کالدود [2]۔	اربیان کسرہ کے ساتھ، کیڑے کی طرح مچھلی ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی حمادیہ کتاب الصید والذبائح قلمی نسخہ ص ۵۶۷ و ۳۳۲

[2] القاموس المحیط باب الواؤ فصل الراء مصطفی البابی مصر ۴/ ۲۳۵

صحاح وتاج العروس میں ہے:

الاربیان بیض من السمك كالدود يكون بالبصرة[1]۔	اربیان سفید مچھلی ہے کیڑے کی مانند بصرہ میں ہوتی ہے۔(ت)

صراح میں ہے: اربیان نوعے از ماہی ست[2] (جھینگا، مچھلی کی ایک قسم ہے۔ت) منتہی الارب میں ہے:

نوعے از ماہی ست کہ آنرا بہندی جھینگا میگویند[3]۔	مچھلی کی ایک قسم ہے اسے ہندی میں جھینگا کہتے ہیں۔(ت)

مخزن میں ہے:

روبیان اور اربیان نیز آمدہ بفارسی ماہی روبیان نامند[4]۔	روبیان اور اربیان بھی آیا ہے۔ فارسی میں اس مچھلی کو روبیان کہتے ہیں۔(ت)

اسی طرح تحفہ میں ہے۔ تذکرہ داؤد انطاکی میں ہے:

روبیان اسم لضرب من السمك يكثر ببحر العراق و القلزم احمر كثير الارجل نحو السرطان لكنه اكثر لحما[5]۔	روبیان مچھلی کی قسم ہے، بحر عراق اور بحر قلزم میں بکثرت پائی جاتی ہے یہ سرخ رنگ اور کثیر پاؤں والے کیکڑے کی طرح ہوتی ہے لیکن وہ گوشت میں زیادہ ہے۔(ت)

حیاۃ الحیوان الکبرٰی میں ہے:

الروبيان هو سمك صغير جدا احمر[6]۔	روبیان بہت چھوٹی مچھلی سرخ رنگ ہوتی ہے۔(ت)

---

[1] تاج العروس باب الواؤ والیاء فصل الراء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۱۴۳

[2] الصراح فی لغۃ الصحاح باب الواؤ والیاء نولکشور لکھنؤ ص ۵۴۴

[3] متن الارب باب الراء فصل الباء مطبع اسلامیہ لاہور ۲/ ۹۲

[4] مخزن الادویۃ فصل الراء مع الواؤ نولکشور کانپور ص ۳۱۳

[5] تذکرۃ اولی الالباب لداؤد انطاکی الباب الثالث حرف الراء مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۱

[6] حیاۃ الحیوان باب الراء المہملۃ تحت الروبیانۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۸

جامع ابن بیطار میں ہے:

روبیان سمك بحری تسمیه اهل مصر الفرندس، واهل الاندلس یعرفونه بالقمرون[1]۔	روبیان سمندری مچھلی ہے۔ مصر والے لوگ اسے فرندس اور اہل اندلس اسے قمرون کے نام سے جانتے ہیں۔(ت)

انوار الاسرار میں ہے:

الروبیان سمك صغار جدا احمر[2]۔	روبیان بہت چھوٹی مچھلی سرخ رنگ ہوتی ہے۔(ت)

تو اس تقدیر پر حسب اطلاق متون وتصریح معراج الدرایہ مطلقاً حلال ہونا چاہئے کہ متون میں جمیع انواع سمک حلال ہونے کی تصریح ہے۔

والطافی لیس نوعا براسه، بل وصف یعتری کل نوع۔	طافی کوئی قسم نہیں ہے بلکہ یہ ایک وصف ہے جو ہر قسم کو لاحق ہوسکتا ہے۔(ت)

اور معراج میں صاف فرمایا کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں جن کا پیٹ چاک نہیں کیا جاتا اور بے آلائش نکالے بھون لیتے ہیں امام شافعی کے سوا سب ائمہ کے نزدیک حلال ہیں، ردالمحتار میں ہے:

وفی معراج الدرایة ولو وجدت سمکة فی حوصلة طائر توکل وعند الشافعی لا توکل لانه کالرجیع ورجیع الطائر عنده نجس، وقلنا انما یعتبر رجیعا اذا تغیر وفی السمك الصغار التی تقلی من غیر ان یشق جوفه فقال اصحابه لا یحل اکله لان رجیعه نجس وعند سائر الائمة یحل[3]۔	اور معراج الدرایہ میں ہے اگر پرندے کے گھونسلے میں مچھلی پائی جائے کھائی جائے، اور امام شافعی کے نزدیک نہ کھائی جائے کیونکہ پرندے کی بیٹھ کی طرح ہے، اور ان کے ہاں پرندے کی بیٹھ نجس ہے اور ہم کہتے ہیں بیٹھ تب بنے گی جب متغیر ہوجائے گی، اور چھوٹی مچھلی جس کو بغیر چاک کئے بھون لیا جاتا ہے شافعی حضرات فرماتے ہیں حلال نہیں ہے کیونکہ اس کی بیٹھ نجس ہے۔ اور باقی ائمہ حلال کہتے ہیں۔(ت)

مگر فقیر نے جواہر الاخلاطی میں تصریح دیکھی ہے کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں سب مکروہ تحریمی ہیں اور یہ کہ یہی صحیح تر ہے۔

---

[1] الجامع المفردات الادویة والاغذیة حرف الراء تحت روبیان دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۴۴۵

[2] انوار الاسرار

[3] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

حیث قال السمك الصغار کلها مکروهة کراة التحریم هو الاصح [1]۔	جہاں کہیں کہ چھوٹی تمام مچھلیاں مکروہ تحریمہ ہیں یہی صحیح ہے۔(ت)

جھینگے کی صورت تمام مچھلیوں سے بالکل جدا اور کنگھجے وغیرہ کیڑوں سے بہت مشابہ ہے۔اور لفظ ماہی غیر جنس سمک پر بھی بولا جاتا ہے۔جیسے ماہی سقنقور، حالانکہ وہ ناکے کا بچہ ہے کہ سواحل نیل پر خشکی میں پیدا ہوتا ہے۔اور ریگ ماہی کہ قطعاً حشرات الارض اور ہمارے ائمہ سے حلت روبیان میں کوئی نہیں معلوم نہیں اور مچھلی بھی ہے تو یہاں کے جھینگے ایسے ہی چھوٹے ہیں جن پر جواہر اخلاطی کی وہ تصحیح وارد ہوگی، بہر حال ایسے شبہہ واختلاف سے بے ضرورت بچنا ہی چاہئے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۴تا۱۷۶: از بریلی مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب ۲رمضان مبارک ۱۳۱۰ھ

ماقولکم غفر الله لکم هذه المسائل افیدونا یرحمکم الله تعالٰی: (۱) جھینگا خوردن چہ حکم دارد؟ (۲) پوست بیضہ خوردن؟ (۳) نسج عنکبوت خوردن؟	ان مسائل میں آپ کا کیا حکم ہے ہمیں بتاؤ، اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے: (۱) جھنگا کا کھانا کیا حکم رکھتا ہے؟ (۲) انڈے کا چھلکا کھانا؟ (۳) مکڑے کا جالا کھانا؟

الجواب:

(۱) مختلف فیہ است۔ہر کہ از جنس ماہی دانستہ حلال گفتہ فان السمك بجمیع انواعه حلال عندنا۔ہر کہ غیر او گمان بُردہ بحرمت رفتہ اذکل مائی ماخلا السمك حرام عندنا،اسلم در ہمچوں مسائل اجتناب است الحمد للہ فقیر و اہل بیت فقیر عمر باست کہ نخوردہ ایم ونہ ہرگز ارادہ خوردنش دادیم۔**واللہ تعالٰی اعلم۔** (۲) پوست بیضہ جزاوست پس در حلت و	(۱) مختلف فیہ ہے۔جو حضرات اس کو مچھلی کی قسم کہتے ہیں حلال کہتے ہیں، کیونکہ مچھلی کی تمام اقسام ہمارے نزدیک حلال ہیں، اور جو حضرات اس کو غیر مچھلی کہتے ہیں وہ حرام مانتے ہیں کیونکہ مچھلی کے ماسوا تمام آبی جانور ہمارے نزدیک حرام ہیں، ایسے مسائل میں اجتناب بہتر ہے، الحمد اللہ اس فقیر اور اس کے گھر والوں نے عمر بھر نہ کھایا اور نہ اسے کھائیں گے، **واللہ تعالٰی اعلم۔** (۲) انڈے کا چھلکا انڈے کے حکم میں ہے کیونکہ

[1] جواہر الاخلاطی کتاب الذبائح قلمی نسخہ ص۲۲۹۔۲۸۷

حرمت بحکم اوست ہمچوں جلد حیوان، واللہ تعالٰی اعلم۔ (۳) تصریح ایں جزئیہ ایدوں بخیال نیست نہ اینجا کتب حاضر دارم اماظاہر ممانعت است ہمچوں خانہ زنبور کمانص علیہ فی الھندیۃ [1] عن الملتقط عن الامام خلف بن ایوب رحمہ اللہ تعالٰی زیراکہ نسجش متولد از لعاب اوست۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کا جزء ہے جیسا کہ حیوان کی کھال، واللہ تعالٰی اعلم۔ (۳) مکڑے کے جالے کا حکم خیال میں نہیں ہے اور نہ ہی یہاں میری کتب ہیں لیکن ظاہری طور پر ممنوع ہے جس طرح زنبور کا گھر ممنوع ہے جیسا کہ ہندیہ میں ملتقط سے اور وہاں امام خلف بن ایوب رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کیونکہ جالامکڑے کے لعاب سے بنتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۷: از موضع ڈرہال ضلع مرادآباد مرسلہ شیخ محمد اسمٰعیل صاحب **۲۱ شوال ۱۳۱۲ھ**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ ملائم ہڈی کو چبالیتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور ایک ہڈی ملائم گائے کے نشانہ میں ہوتی ہے جس کو چبنی کہتے ہیں اور اسے گوشت کے ساتھ کھالیتے ہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جانور حلال مذبوح کی ہڈی کسی قسم کی منع نہیں جب تک اس کے کھانے میں مضرت نہ ہو، اگر ہو تو ضرر کی وجہ سے ممانعت ہوگی، نہ اس لئے کہ ہڈی خود ممنوع ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ کراچی ۵/ ۲۹۰

کتاب الصید

(شکار کا بیان)

مسئلہ ۱۷۸: ۱۰ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

(آپ کا کیا فرمان ہے) اندریں مسئلہ کہ ایک شخص روز شکار بندوق کا شوقیہ کھیلتا ہے۔ پس بحکم شرع شریف کے کس قدر شکار کھیلنا جائز ہے اور کس وقت میں؟ اور وہ شکاری ہر روز شکار کھیلنے سے گنہگار ہوتا ہے یا نہیں؟ دریں امور چہ حکم دارد، **بینوا مفصلا توجروا کثیرا۔**

الجواب:

شکار کہ محض شوقیہ بغرض تفریح ہو، جیسے ایک قسم کا کھیل سمجھا جاتا ہے ولہذا شکار کھیلنا کہتے ہیں، بندوق کا ہو خواہ مچھلی کا، روزانہ ہو خواہ گاہ گاہ۔ مطلقًا باتفاق حرام ہے۔ حلال وہ ہے جو بغرض کھانے یا دوا یا کسی اور نفع یا کسی ضرر کے دفع کو ہو آج کل بڑے بڑے شکاری جو اتنی ناک والے ہیں کہ بازار سے اپنی خاص ضرورت کے کھانے یا پہننے کی چیزیں لانے کو جانا اپنی کسر شان سمجھیں، یا نرم ایسے کہ دس قدم دھوپ میں چل کر مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہونا مصیبت جانیں، وہ گرم دوپہر، گرم لو میں گرم ریت پر چلنا اور ٹھہرنا، اور گرم ہوا کے تھپیڑے کھانا گوارا کرتے اور دو۲ دو۲ پہر دو۲ دو۲ دن شکار کے لئے گھر بار چھوڑے پڑے رہتے ہیں کیا یہ کھانے کی غرض سے جاتے ہیں، حاشا وکلا بلکہ وہی لہو ولعب ہے اور بالاتفاق حرام، ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ ان شکاریوں سے اگر کہیے مثلًا مچھلی بازار میں ملے گی وہاں سے لے لیجئے ہر گز قبول نہ کر سکیں گے، یا کہئے کہ اپنے

پاس سے لائے دیتے ہیں، کبھی نہ مانیں گے بلکہ شکار کے بعد خود اس کے کھانے سے بھی چنداں غرض نہیں رکھتے بانٹ دیتے ہیں، تو یہ جانا یقیناوہی تفریح وحرام ہے۔ درمختار میں ہے:

الصید مباح الا للتلھی کما ھو ظاھر[1]۔	شکار مباح ہے مگر لعب کے طور پر مباح نہیں۔(ت)

اسی طرح اشباہ وبزازیہ ومجمع الفتاوٰی وغنیہ ذوی الاحکام وتاتارخانیہ وردالمحتار وغیرہا میں عامہ اسفار میں ہے واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۹: معرفت مولوی امام بخش صاحب طالب علم مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ وحید احمد خاں ۱۸ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شکار تفریحا کھیلنا حرام ہے، زید کہتا ہے کہ شکار اگر گوشت کھانے کے واسطے کھیلا جائے تو کچھ حراج نہیں کیونکہ ہم روز گوشت ہی کھاتے ہیں اور چونکہ آج کل گوشت مہنگا ہے اس واسطے شکار سے ہم کو فائدہ ہوگا، اور اگر یہ کہو کہ کسی جان بے فائدہ لینا ٹھیک نہیں تو روز گوشت کیوں کھاتے ہو، زید کی اس گفتگو پر یہ سوال کیا گیا کہ تم مہنگے کا سوال پیش کرتے ہو، اور اگر تمھیں شکار سے پیٹ ہی بھرنا مقصود ہے تو روز شکار کیوں نہیں کھیلتے تاکہ تم کو پورا فائدہ حاصل ہو، گاہے گاہے کیوں شکار کھیلتے ہو، وہ بھی اپنے ہمعمروں کو ساتھ لے جاکر، اس سے یہ ظاہر ہوا کہ تم تفریحا ہی شکار کھیلتے ہو، جس کی اجازت شرع شریف نہیں دیتی یہ بے نوا حضور سے مستفتی ہے کہ زید کی گفتگو صحیح ہے یا نہیں؟ اور زید کی یہ تاویل قابل سماعت ہوگی یا نہیں جبکہ نہ مجبوری ہے نہ کسی بیماری کی صحت شکار کے گوشت سے مد نظر ہے۔

الجواب:

تفریح کے لئے شکار حرام ہے۔ اور غذا یا دوا کے لئے مباح ہے۔ اور نیت کا علم اللہ کو ہے۔ اگر واقعی وہ کھانے ہی کے لئے شکار کو جاتا ہے تفریح مقصود نہیں تو حرج نہیں، اور اس کی علامت یہ ہے کہ مچھلی کے شکار کو جانا چاہئے، اور مچھلیاں بازار میں ملتی ہوں اور دام رکھتا ہو، نہ خریدے بلکہ شکار ہی کرکے لائے اور وہ تکالیف ومصائب جو اس میں ہوتی ہے گوارا کرے تو ہرگز اسے کھانا مقصود نہیں بلکہ وہی تفریح واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۰: مسئولہ علی احمد صاحب ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شکار مچھلی کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ شکار چارہ تلی سے اور گھیسے سے کھیلا جاتا ہے۔

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۱

الجواب:

کسی جانور کا شکار اگر غذا یا دوا یا دفع ایذا یا تجارت کی غرض سے ہو جائز ہے اور جو تفریح کے لئے ہو جس طرح آج کل رائج ہے اور اسی لئے اسے شکار کھیلنا کہتے اور کھیل سمجھتے ہیں، اور وہ جو کھانے کے لئے بازار سے کوئی چیز خرید کر لانا عار جانیں، دھوپ اور لو میں خاک اڑاتے اور پانی بجاتے ہیں، یہ مطلقاً حرام ہے۔ **کما نص علیه فی الاشباہ والدر المختار وغیرہا** (جیسا کہ اشباہ اور در مختار وغیرہما میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) پھر مچھلی کا شکار کہ جائز طور پر کریں، اس میں زندہ گھیسا پرونا جائز نہیں، ہاں مار کر ہو یا تلی وغیرہ بے جان چیز تو مضائق نہیں، یہ سب اس فعل کی نسبت احکام تھے، رہی شکار کی ہوئی مچھلی اس کا کھانا ہر طرح حلال ہے، اگرچہ فعل شکار ان ناجائز صورتوں سے ہوا ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۱: از حیدرآباد دکن محلّہ افضل گنج اقامت گاہ مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھ جج ریاست حیدرآباد مرسلہ جناب صاحبزادہ مولوی سید احمد اشرف میاں صاحب متوطن کچھوچھا شریف ضلع فیض آباد، شاگرد رشید مفتی صاحب مذکور ۳ محرم الحرام شریف ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بندوق کی گولی سے مارا شکار حلال ہے یا حرام، گولی کو حلت صید میں تیر کا حکم ہے یا نہ۔یں؟ لمبی شکل کی جو گولیاں ہوتی ہے ان کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بندوق کی گولی در بارہ حلت صید حکم تیر میں نہیں، اس کا مارا ہوا شکار مطلقاً حرام ہے۔ کہ اس میں قطع وخرق نہیں، صدم ودق وکسر وحرق ہے، شامی میں ہے:

لایخفی ان الجرح بالرصاص انما هو بالاخراق، و الثقل بواسطة اندفاعه العنیف اذلیس له حد فلا یحل وبه افتی ابن نجیم [1]۔	یہ مخفی نہیں کہ تابنے کی گولی کا زخم اس کے جلانے اور ثقل کی وجہ سے ہے جو بذریعہ شدید دباؤ کے حاصل ہوتا ہے کیونکہ دھار نہیں ہوتی تو شکار حلال نہ ہوگا، اور یہی ابن نجیم کا فتوٰی ہے۔ (ت)

مطلول شکل کی جو گولیاں ہیں **اولاً:** وہ بھی دھار دار نہیں ہوتی بلکہ تقریباً بیضوی شکل پر سنی جاتی ہیں، اور آلہ کا حدید یعنی تیز ہونا اگرچہ شرط نہیں مگر محدد یعنی باڑھ دار ہونا کہ قابل قطع وخرق ہو ضرور ہے۔ **ثانیاً:** اگر بالفرض گولی تیر کی طرح دھار دار رہی بنائی جائے اور اسے بطور معہود بندوق سے سر کریں جب بھی

[1] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۰۴

ثبوت حلت میں نظر ہے کہ صرف دھار دار کا وجود ہی کافی نہیں، بلکہ تیقن بھی ضروری ہے، اس کی دھار سے قطع ہونا ہی باعث قتل ہوا۔ اور یہاں ایسا نہیں کہ اس کا احراق وصدمہ شدید قاتل ہے کما سمعت اٰنفًا (جیسا کہ ابھی آپ نے سنا۔ ت) تو محتمل کہ یہی وجہ قتل ہوا ہو، نہ قطع، اور بحالت شک واحتمال حکم حرمت ہے۔ ہدایہ میں ہے:

الاصل فی ھذہ المسائل ان الموت اذا کان مضافا الی الجرح بیقین کان الصید حلالا، واذا کان مضافا الی الثقل بیقین کان حراما، وان وقع الشك و لایدری مات بالجرح او بالثقل کان حراما احتیاطا[1]۔	ان مسائل میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر موت یقینی طور پر زخم کی طرف منسوب ہو تو شکار حلال ہے، اور اگر وہ ثقل کی طرف منسوب ہو تو یقینا حرام ہے، اور اگر شک ہو اور معلوم نہ ہو کہ زخم سے مرا ہے یا ثقل سے تو احتیاطا حرام ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لایوکل مااصابہ البندقۃ فمات بھا لانھا تدق وتکسر ولا تجرح و کذٰلك ان رماہ بحجر و کذٰلك ان جرحہ، قالو اتاویلہ اذا کان ثقیلا وبہ حدۃ لاحتمال انہ قتلہ بثقلہ۔ الخ[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔	بندوق لگنے سے ہلاک شدہ کو نہ کھایا جائے کیونکہ وہ دباؤ سے توڑتی ہے زخم نہیں کرتی، اور اسی طرح اگر پتھر مارا اور دباؤ سے زخمی ہوا، وضاحت یہ ہے کہ اگر پتھر بھاری ہو اور اس کی دھار ہو تو حرام ہے کیونکہ احتمال ہے کہ ثقل کے دباؤ سے ہلاک ہوا ہو، اس لئے حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۲: ۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں باب (اس باب میں علمائے دین ومفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں۔ ت) کہ ایک شخص نے بسم اللہ کہہ کر شکار پر بندوق چلائی، پس جس وقت جا کر دیکھا تو کوئی آثار اس میں زندگی کے نہ تھے اور نہ جنبش تھی، جس وقت کہ اس کو ذبح کیا تو خون نکلا اچھی طرح سے، پس وہ شکار حلال ہے یا حرام؟ اور اگر اس کو حلال نہ کرتے تو حلال ہوتا یا حرام؟ اور

[1] الہدایۃ کتاب الصید مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۰۹

[2] الہدایۃ کتاب الصید مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۰۸ و ۸۰۹

درصورت نہ نکلنے خون کے بھی، جواب تحریر فرمائے۔

الجواب:

اگر ذبح کرلیااور ثابت ہوا کہ ذبح کرتے وقت اس میں حیات تھی مثلاً پھڑک رہا تھا یا ذبح کرتے وقت تڑپا اگرچہ خون نہ نکلا، یا خون ایسا دیا جیسا مذبوح سے نکلا کرتا ہے اگرچہ جنبش نہ کی، یا کسی اور علامت سے حیات ظاہر ہوئی تو حلال ہے۔اور اگر بندوق سے مار کر چھوڑ دیا ذبح نہ کیا یا کیا مگر اس میں وقت ذبح حیات کا ہونا ثابت نہ ہوا تو حرام ہے۔ غرض مدار کا اس پر ہے کہ ذبح کرلیا جائے اور وقت ذبح اس میں رمق حیات باقی ہو، اگرچہ نہ جنبش کرے نہ خوں دے حلال ہو جائے گا، ورنہ حرام، درمختار میں ہے:

ذبح شاۃ مریضۃ فتحرکت اوخرج الدم حلت والالا ان لم تدر حیاتہ عند الذبح وان علم حیاتہ حلت مطلقًا، وان لم تتحرك ولم یخرج الدم وھذا یتأتی فی منخنقۃ ومردیۃ ونطیحہ، والتی بقر الذئب بطنھا فذکاۃ ھذہ الاشیاء تحلل وان کانت حیاتھا خفیفۃ وعلیہ الفتوٰی لقولہ تعالٰی الا ماذکیتم من غیر فصل[1] اھ وفی ردالمحتار عن البزازی عن الاسبیجابی عن الامام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ خروج الدم لایدل علی الحیاۃ الااذا کان یخرج کما یخرج من الحی قال وھو ظاہر الروایۃ[2]۔	مریض بکری ذبح کی تو اس نے حرکت نہ کی اور خون نکلا تو حلال ہے ورنہ نہیں بشرطیکہ ذبح کے وقت زندہ ہونا نہ معلوم ہوسکا اور اگر زندہ ہونا یقینا معلوم ہے تو مطلقًا حلال ہے اگرچہ حرکت نہ کرے، اور خون نہ نکلے یہ صورت گلہ گھوٹنے، اوپر سے گرنے والے اور سینگ زدہ میں متحقق ہوتی ہے اور جس کا پیٹ بھیڑیئے نے پھاڑ دیا ہو وہاں یہ صورت ہوسکتی ہے تو ایسے جانور کا ذبح ہونا حلال کردے گا اگرچہ ان کی خفیف زندگی معلوم ہے، اسی پر فتوٰی ہے کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: الا ما ذکیتم یعنی جس کو تم نے ذبح کردیا، بلا تفصیل یہ حکم ہے اھ اور ردالمحتار میں بزازی سے انھوں اسبیجابی سے انھوں نے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ محض خون نکلنا حیات کی دلیل نہیں مگر ایسا نکلے جیسے زندہ سے نکلتا ہے تو حیات کی دلیل ہے۔اور یہ ظاہر الروایۃ ہے۔(ت)

اسی کی کتاب الصید میں ہے:

المعتبر فی المتردیۃ واخواتھا کنطیحۃ	اوپر سے گرنے والی اور اسی جیسی مثلاً سینگ زدہ،

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۰

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۹۶

وموقوذۃ وما اکل السبع والمریضۃ مطلق الحیاۃ وان قلت کما اشرنا الیہ وعلیہ الفتوی [1]۔	لاٹھی زدہ، درندہ کی کھائی ہوئی، اور مریضہ میں مطلق حیات معتبر ہے اگرچہ حیات قلیل ہی ہو جیسا کہ ہم نے اس طرف اشارہ کردیا ہے۔ اور اسی پر فتوی ہے۔ (ت)

مدارک التزیل میں ہے:

الموقوذۃ التی اثخنوہا ضربا بعصی اوحجر [2]۔	موقوذۃ وہ ہے جس کو لاٹھی یا پتھر سے مارا ہو۔ (ت)

معالم میں ہے:

قال قتادۃ کانوا یضربونہا بالعصی فاذا ماتت اکلوھا [3] اھ فظھران المضروب بکل مشقل کالبندقۃ ولو بندقۃ الرصاص کلہ من الموقوذۃ فیحل بالذکاۃ وان قلت الحیاۃ۔	قتادہ نے کہا جاہلیت میں لوگ لاٹھی مارتے جب مرجاتی تو اسے کھاتے تھے اھ، تو ظاہر ہوا کہ کسی دباؤ والی چیز سے ضرب لگی ہوئی جیسے بندق اگرچہ تانبے کی گولی ہو تو وہ موقوذہ یعنی لاٹھی زدہ کے حکم میں ہے تو وہ ذبح سے حلال ہوگی اگرچہ حیات قلیل ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لایخفی ان الجرح بالرصاص انما ھو بالاحراق و الثقل بواسطۃ اندفاعہ العنیف اذلیس لہ حد فلا یحل وبہ افتی ابن نجیم [4]، واللہ تعالٰی اعلم۔	مخفی نہیں کہ تانبے کی گولی کا زخم جلانے اور ثقل سے جو شدید دباؤ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ بنتا ہے۔ کیونکہ دھار نہیں ہوتی، لہٰذا اس زخم سے حلال نہ ہوگی، اسی پر ابن نجیم نے فتوی دیا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۳

[2] مدارک التنزیل (تفسیر نسفی) تحت آیۃ ۵/ ۳ دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۶۹۹

[3] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۵/ ۳ مصطفی البابی مصر ۲/ ۷

[4] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۴

مسئلہ ۱۸۳: از گونڈہ بہرائچ مکان مولوی مشرف علی صاحب مرسلہ حضرت سید حسین حیدر میاں صاحب ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بندوق کا شکار کھانا جبکہ تکبیر کے ساتھ سر کی جائے کیاحکم رکھتا ہے؟ بینواتوجروا

الجواب:

اگر زندہ پایااور ذبح کیا، ذبح کے سبب حلال ہوگیا ورنہ ہرگز نہ کھایا جائے، بندوق کا حکم تیر کی مثل نہیں ہوسکتا، یہاں آلہ وہ چاہیے جو اپنی دھار سے قتل کرے۔اور گولی چھرے میں دھار نہیں، آلہ وہ چاہئے جو کاٹ کرتا ہو۔اور بندوق توڑ کرتی ہے نہ کہ کاٹ، ردالمحتار میں ہے:

لایخفی ان الجرح بالرصاص انما ھوبالاحراق و الثقل بواسطۃ اندفاعہ العنیف اذ لیس لہ حد فلا یحل وبہ افتی ابن نجیم [1]۔	مخفی نہیں کہ تانبے کی گولی کازخم جلانے اور ثقل جو شدید دباؤ سے حاصل ہوتے ہیں سے بنتاہے کیونکہ گولی کی دھار نہیں ہوتی، لہٰذااس سے حلال نہ ہوگی، اس پر ابن نجیم نے فتوٰی دیا ہے۔(ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لایحل صید البندقۃ وما اشبہ ذٰلك و ان خرق لانہ لایخرق الا ان یکون شیئ من ذٰلك قد حدد وطولہ کالسھم وامکن ان یرمی بھی، فان کان کذٰلك و خرقۃ بحدہ حل اکلہ [2] انتھی، وبہ اندفع ماظن بعض اجلہ علماء کالنفور من الحرمۃ بالرصاص الکبیر لثقلہ دون الحبات لخفتھا وذٰلك لان مناط الحل لیس ھی الخفۃ بل الحد والخرق، وبدیھی	بندوق وغیرہ کا شکار اگرچہ زخمی ہوجائے حلال نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں نہیں، ہاں اگر گولی کی لمبی دھار ہو تو تیر کی مانند ہونے کی بناء پر اسکی طرف پھینکی جاسکے اور وہ چیر دے تو اس کا کھانا حلال ہوگا، اھ اس بیان سے کانپور کے بعض اجلہ علماء کا یہ گمان مدفوع ہوگیا کہ بڑی تانبے والی گولی سے حرام ہے کیونکہ وہ بھاری ہوتی ہے اور چھرے دار گولی سے حلال ہوگی کیونکہ چھرے باریک ہوتے ہیں، یہ اس لئے کہ حلت کامدار خفیف و باریک ہونا نہیں ہے بلکہ اس کامدار

---
[1] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۴

[2] فتاوٰی امام قاضی خاں کتاب الصید والذبائح نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۳

ان لاشیئ من ذٰلك فی الحبات الا تری الی ماقال فی الدرالمختار لو کانت یعنی البندقة خفیفه بھا حدة حل [1] حیث لم یقتصر علی الخفة زاد بھا حدة۔ ولابد من قید اٰخر ترکه وصرحة به وھو من تصیبه بحدھا کما مر عن الامام فقیه النسف۔ وھی مسئلة المعراض الشھیرة فی الکتب،فالصواب اطلاق المنع، واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	دھار دار اور چیر نا ہے اور یہ چیز چھروں یعنی دانوں میں بدیہی طور پر نہیں پائی جاتی، آپ دیکھ نہیں رہے جو درمختار میں فرمایا کہ باریک گولی کی دھار ہو تو حلال ہے یہاں انھوں نے صرف خفت پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ دھار کو زائد ذکر کیا اور ایک اور قید بھی ضروری جس کو واضح ہونے کی وجہ سے ذکر نہ کیا وہ یہ کہ دھار لگنے سے زخمی ہو جیسا کہ امام فقیہ النفس (قاضی خاں) کا کلام گزرا، اور کتب میں معراض کے عنوان سے یہ مسئلہ مشہور ہے تو یہی درست ہے کہ گولی کا شکار مطلقًا منع ہے واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۴: از کراچی بندر محلّہ جمعدار گل محمد مکرانی مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب مکرانی ۵ ۳ شعبان ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے کرام رحمکم ربکم اندریں مسئلہ کہ اگر شخصے شکار بہ تفنگ یعنی بندوق کرد، وبذریعہ بندقہ رصاص یعنی گولی یا چھرہ شکار زخمی شد و شخص مذکور وقت سرکدن بندوق بسم اللہ الرحمٰن اللہ اکبر ہم گفتہ اماجانور مذکور قبل از ذبح مرد، آیاآں جانور شرعا حلال ست یا حرام؟ دریں مسئلہ درمیاں علمائے بندر کراچی مباحثہ واختلاف افتادہ است۔ آخر الامر طرفین بریں قرار دادہ اند کہ ہر جو ایںکہ علمائے کرام بریلی دہند، جانبین تسلیم نمایند۔ بینوا توجروا یوم الحساب۔	علمائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص بندوق سے شکار کرے اور تانبے کی گولی یا چھرہ سے شکار زخمی ہو کر ذبح سے قبل مرجائے اور وہ بندوق چلاتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ لے تو کیا وہ جانور حلال ہے یاحرام؟ اس مسئلہ میں بندر کراچی کے علماء کا مباحثہ واختلاف ہے بالآخر دونوں فریقوں نے قرار دیا کہ علمائے بریلی جو بتائیں ہم تسلیم کرلیں گے، جواب دو اجر پاؤ قیامت کے روز۔ (ت)

الجواب:

حلال نیست زیرا کہ آلہ آں باید کہ دم بُرندہ دارد نہ آنکہ صدمہ شکنندہ یا گرمی سوزندہ	حلال نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے خون بہانے والا آلہ چاہئے نہ کہ وہ جو ٹکڑا کر توڑے یا گرمی سے

[1] درمختار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۳

کمافی ردالمحتار۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جلائے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۸۵: ۲۱ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کتے کا پکڑا ہوا شکار مسلمان کھاسکتے ہیں یا نہیں؟ایک خرگوش کو کتے نے اس طرح پکڑا ہے کہ اس کے دانت خرگوش کے جسم میں پیوستہ ہوگئے ہیں،اور بہت سارا جسم اس کا چباڈالا ہے کہ خرگوش کے جسم میں خون جاری ہے،ہنوزابھی جان باقی ہے۔پس اس کو ذبح کرکے کھاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

بسم اللہ کہہ کر تعلیم یافتہ کتے کو جو شکار کرکے مالک کے لئے چھوڑ دیا کرے خود نہ کھانے لگے غیر حرم کے حلال جانور،وحشی پر جو اپنے پاؤں یا پروں کی طاقت سے اپنے بچاؤپر قادر تھا چھوڑا،اور کتااس کے چھوڑنے سے سیدھا شکار پر گیا یا اسکے پکڑنے کی تدبیر میں مصروف ہوا بیچ میں اور طرف مشغول یا غافل نہ ہوگیا اور اس نے شکار کو زخمی کرکے مارڈالا یا ایسا مجروح کردیا اس میں اتنی ہی حیات باقی ہے جتنی مذبوح میں ہوتی ہے کچھ دیر تڑپ کر ٹھنڈا ہوجائے گا اور کتے کو چھوڑنے میں کوئی کافر مجوسی یا بت پرست یا ملحد یا مرتد جیسے آج کل نصارٰی،رافضی،نیچری،وہابی،قادیانی وغیرہم،خلاصہ یہ کہ مسلمان یا کتابی کے سوا کوئی شریک نہ تھا،نہ شکار کے قتل میں کتے کی شرکت کسی دوسرے کتے نا تعلیم یافتہ یا سگ نیچری یا کسی اور جانور نے کہ جس کا شکار ناجائز ہو اور چھوڑنے والا چھوڑنے کے وقت سے شکار پانے تک اسی طرف متوجہ رہا،بیچ میں کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوا،تو وہ جانور بے ذبح حلال ہوگیا،اور ان چودہ شرطوں سے ایک میں بھی کمی ہو اور جانور بے ذبح مرجائے تو حرام ہوجائے گا ورنہ حرم کا شکار تو ذبح سے بھی حلال نہیں ہوتا۔باقی صورتوں میں ذبح شرعی سے حلال ہو جائے گا،تنویر الابصار ودرمختار و ردالمحتار میں ہے:

(الصید بخمسة عشر شرطا)خمسة فی الصائد وھو ان یکون من اھل الذکاة وان یوجد منه الارسال وان لا یشارکه فی الارسال من لایحل صیدہ،وان لا یترك التسمیة عامدا۔وان لایشغل بین الارسال والاخذ	کوئی شکار کل پندرہ شرطوں سے مباح بنتا ہے پانچ شرطیں شکاری میں پائی جائیں کہ ۱وہ ذبح کرنے کا اہل ہو،۲اور وہ خود کتے کو شکار پر چھوڑے،۳اور اس کے ساتھ چھوڑنے میں ایسا شخص شریک نہ ہو جس کا شکار حلال نہیں ہوتا،۴اور وہ قصدا بسم اللہ کو ترک نہ کرے،۵اور کتا چھوڑنے اور شکار کر پکڑ لینے تک

بعمل اٰخر،وخمسة فی الکلب ان یکون معلما وان یذھب علی سنن الارسال،وان لا یشارکه فی الاخذ ما لایحل صیده وان یقتله جرحا،وان لایاکل منه و خمسة فی الصید،ان لا یکون من بنات الماء الا السمك وان یمنع نفسه بجناحیه اوقوائمه وان لا یکون متقویا بنابه،او بمخلبه،وان یموت بھذا قبل ان یصل الی ذبحه [1] اھ.**قلت** و معنی قوله ان یموت ای حقیقة اوحکما بان لایبقی فیه حیاة فوق المذبوح، کما نص علیه فی الدر،واوضحه المحشی۔	درمیاں میں کسی اور عمل میں مصروف نہ ہو، اور پانچ شرطیں کتے میں پائی جائیں (۱) سکھایا ہوا ہو۔(۲) سیدھا شکار کی طرف جائے (۳) کتے سے شکار کو وصول کرنیوالا ایسا شخص نہ ہو جس کا شکار حلال نہیں ہوتا (۴) شکار کو کتا زخمی کرکے مارے (۵) اور خود شکار کو نہ کھائے۔اور پانچ شرطیں شکار میں پائی جائیں (۱) پانی میں پیدا ہونے والا شکار صرف مچھلی ہو۔(۲) وہ بھاگ کر یا اڑ کر اپنا دفاع کرسکے (۳ و ۴) کیلی دانت یا پنجوں والا نہ ہو۔(۵) ذبح تک رسائی سے قبل مرجائے اھ میں کہتا ہوں اس کا کہنا کہ مرجائے، یعنی حقیقۃً مرجائے یا حکماً مرجائے مذبوح سے زائد اس میں حیات نہ ہو، جیسا کہ درمختار میں تصریح ہے،اور محشی نے اس کو واضح کیا ہے۔(ت)

انھیں میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما حلالا خارج الحرم ان کان صیدا،فصید الحرم لا تحله الذکاة مطلقا (او کتابیا، ولو مجنونا [2])اھ ملخصا۔والمراد به المعتوه کما فی العنایة عن النھایة لان المجنون لا قصد له ولا نیة لان التسمیة	ذبح کرنے والے کے لئے مسلمان جو حالت احرام اور حرم میں نہ ہو۔شرط ہے،اور شکار ہو تو ضروری ہے کہ حرم سے باہر ہو کیونکہ حرم کا شکار ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتا مطلقاً ذبح کرنے والا اہل کتاب میں سے ہو اگرچہ ذبح کرنے والا مجنون ہو اھ ملخصا۔مجنون سے مراد معتوہ (ابتدائی جنون) ہو جیسا کہ عنایہ میں نہایہ سے نقل کیا ہے کیونکہ کامل جنون والا

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۱،ردالمحتار علی الدرالمختار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۷

[2] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

شرط بالنص وہی بالقصد وصحۃ القصد بما ذکرنا یعنی قولہ اذا کان یعقل التسمیۃ والذبیحۃ ویضبط اھ ش۔[1]	قصد اور نیت کا اہل نہیں ہے کیونکہ بسم اللہ پڑھنا منصوص شرط ہے اور وہ قصد کے بغیر ممکن نہیں اور قصد کی صحت ہمارے ذکر کردہ سے ہوتی ہے یعنی اس کا قول کہ وہ بسم اللہ اور ذبح اور ضبط کو سمجھتا ہو، اھ ش۔(ت)

ان سب شرائط کے ساتھ جس خرگوش کو کتے نے مارا مطلقًا حلال ہے اور اگر ہنوز مذبوح سے زیادہ زندگی باقی ہے تو بعد ذبح حلال ہے۔اس کے دانت جسم میں پیوست ہوجانا وجہ ممانعت نہیں ہوسکتا، قرآن عظیم نے اس کا شکار حلال فرمایا اور شکار بے زخمی کئے نہ ہوگا اور زخمی جبھی ہوگا کہ اس کے دانت اس کے جسم کو شق کرکے اندر داخل ہوں اور یہ خیال کہ اس صورت میں اس کا لعاب کہ ناپاک ہے بدن کو نجس کردے گا، دو وجہ سے غلط ہے۔

اوّلًا: شکار حالت غضب میں ہوتا ہے اور غضب کے وقت اس کا لعاب خشک ہوجاتا ہے۔

ولذافرق جمع من العلماء فی اخذہ طرف الثوب ملا طفا فینجس او غضبان فلا۔	اس لئے علماء کی ایک جماعت نے کتے کے پاک کپڑے کو پیار سے منہ میں لینے اور غصہ کی حالت میں لینے میں فرق کیا ہے کہ جانور پیار سے منہ میں لے تو ناپاک اور غصہ میں لے تو پاک ہے۔(ت)

ثانیًا: اگر لعاب لگا بھی تو آخر جسم سے خون بھی نکلے گا، وہ کب پاک ہے جب اس سے طہارت حاصل ہوگی اس سے بھی ہوجائے گی، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۸

کتاب الاضحیہ

(قربانی کا بیان)

مسئلہ ۱۸۶: از موضع مہچندی ضلع پیلی بھیت مرسلہ حاجی نصر الدین صاحب ۱۴محرم ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جلد چہارم کتاب شرح وقایہ **کتاب الاضحیہ** ص ۴۳ میں تحریر ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو شخص دیکھے تم میں سے چاند ذی الحجہ کا اور ارادہ کرے قربانی کا تو چاہئے کہ اپنے بال اور ناخن کو روک رکھے یعنی نہ کاٹے، روایت کیا جماعت نے، اب ایک شخص اہل اسلام کا ارادہ قربانی کرنے کا ہے، تو وہ شخص دیکھنے چاند ذی الحجہ کے سے اپنے بال اور ناخن نہ روک رکھے یا حجامت کرالے، یا اس نے یہ حکم نہ مانا، اور رسول مقبول صلی اللہ صلی تعالٰی علیہ وسلم کی حکم عدولی کرے تو اس کے واسطے شرع شریف میں سے کیا حکم ہے؟ اور کیا کہا جائے گا؟ جواب تحریر فرمائے، اور قربانی اس کی صحیح طور پر ہوگی یا کوئی نقص اس کی قربانی میں عائد ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ حکم صرف استحبابی ہے کرے تو بہتر ہے نہ کرے تو مضائقہ نہیں، نہ اس کو حکم عدولی کہہ سکتے ہیں نہ قربانی میں نقص آنے کی کوئی وجہ، بلکہ اگر کسی شخص نے ۳۱ دن سے کسی عذر کے سبب خواہ بلا عذر ناخن تراشے ہوں نہ خط بنوایا ہو کہ چاند ذی الحجہ کا ہوگیا تو وہ اگرچہ قربانی کا ارادہ رکھتا ہو اس مستحب پر عمل نہیں کرسکتا اب دسویں تک رکھے گا تو ناخن وخط بنوائے ہوئے اکتالیسواں دن ہوجائے گا،

اور چالیس دن سے زیادہ نہ بنوانا گناہ ہے۔ فعل مستحب کے لئے گناہ نہیں کرسکتا۔

فی ردالمحتار فی شرح المنیة وفی المضمرات، عن ابن المبارك فی تقلیم الاظفار وحلق الرأس فی عشر ذی الحجة، قال لا تؤخر السنة، وقد ورد ذٰلك ولایجب التاخیر اھ فھذا محمول علی الندب بالاجماع الا ان نفی الوجوب لا ینافی الاستحباب فیکون مستحبا الا ان استلزم الزیادة علی وقت اباحة التاخیر، ونھایته مادون الاربعین، فلا یباح فوقھا۔[1] اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے کہ منیہ کی شرح اور مضمرات میں ابن مبارک سے نقل کیا کہ ناخن کاٹنا اور سر منڈانا ذوالحجہ کے دس دنوں میں آپ نے اس کے متعلق فرمایا کہ سنت کو مؤخر نہ کیا جائے جبکہ اس کے متعلق حکم وارد ہے تاہم تاخیر واجب نہیں ہے اھ تو یہ استحباب پر محمول ہے اور وجوب کی نفی استحباب کے منافی نہیں ہے لہٰذا مستحب ہے ہاں اگر اباحت کی مدت پر تاخیر کو مستلزم ہو تو مستحب نہ ہوگا، اباحت کی مدت کی انتہا چالیس روز ہے تو اس سے زیادہ تاخیر مباح نہ ہوگی اھ مختصرًا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۷: مرسلہ ڈاکٹر واعظ الحق سعد اللہ پوری ڈاکخانہ خسروپور ضلع پٹنہ بوساطت مولوی ضیاء الدین صاحب ۵ ربیع الآخر ۱۳۲۲ھ

قربانی ایام تشریق تک جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

قربانی یوم نحر تک یعنی دسویں سے بارھویں تک جائز ہے، آخر ایام تشریق تک کہ تیرھویں ہے جائز نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۸: مرسلہ مولوی حاجی الہ یار خاں صاحب تاجر کتب ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

رامپور میں عید اضحٰی شنبہ کے دن ہوئی اور بریلی میں ایک شنبہ کو، اب درصورت عدم اطلاع کے جن لوگوں نے سہ شنبہ کو قربانی کی، اور بعد میں اس کے مطلع ہوئے، ان لوگوں کی قربانی درست ہوئی یا نہیں؟ اب ان پر کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب العیدین داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۶۵

الجواب:

دوسرے شہر کی رؤیت مجرد حکایات واخبار سے ہر گز ثابت نہ ہوگی، مثلاً چند آدمی اگرچہ کیسے ہی عادل ثقہ ہوں یہاں آکر بیان کریں، وہاں فلاں دن رؤیت ہوئی یا عید کی گئی، یا حکم دیا گیا، یا ہمارے سامنے گواہیاں گزریں، یا منادی پھری، کچھ قابل التفات نہیں کہ امر شرعی کا ثبوت بروجہ شرعی چاہئے، خانگی طور کا یقین کوئی چیز نہیں، گو عوام تو عوام اس زمانے کے بہت ذی علم بھی یقین شرعی وعرفی کے فرق سے غافل ہیں،

فی الدر المختار وحاشیۃ ردالمحتار (لا لو شھدوا برؤیۃ غیرھم لانہ حکایۃ[1]) فانھم لم یشھدوا بالرؤیۃ ولا علی شھادۃ غیرھم وانما حکوا رؤیۃ غیرھم، کذا فی فتح القدیر، قلت وکذا لو شھدوا برؤیۃ غیرھم، وان قاضی تلك المصر امر الناس بصوم رمضان لانہ حکایۃ لفعل القاضی ایضا ولیس بحجۃ بخلاف قضائہ[2] الخ۔	در مختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے اگر لوگوں نے غیر کی رؤیت پر شہادت دی تو جائز نہیں کیونکہ یہ محض حکایت ہے کیونکہ انھوں نے اپنی رؤیت پر شہادت دی اور نہ غیر کی شہادت پر مبنی شہادت دی انھوں نے تو صرف غیر کی رؤیت کی حکایت کی ہے۔ یوں ہی فتح القدیر میں ہے۔ میں کہتا ہوں اگر وہ غیر کی رؤیت پر شہادت بھی دیں تب بھی یہی حکم ہے اور یونہی اگر وہ اس شہر کے قاضی کے اس حکم پر شہادت دیں کہ اس نے لوگوں کو رمضان کا روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے کیونکہ قاضی کے فعل کی حکایت ہے اور یہ حجت نہیں ہے، بخلاف جبکہ وہ قاضی کی قضاء پر شہادت دیں وہ حجت ہے الخ (ت)

پس اگر رامپور کی خبر اسی طرح یہاں آئی جب تو سہ شنبہ کی قربانی میں اصلا خلل نہیں،

لانھم بنوھا علی امر شرعی وھو اکمال العدۃ ثلثین عند الغمۃ ولم یثبت مایردہ فلا یخاطبون لابھا وقع عندھم۔	کیونکہ انھوں نے شرعی حکم کو مبنٰی قرار دیا وہ تیس کی گنتی پوری کرنا جب بادل ہوں اور اس شرعی حکم کو رد کرنے والی کوئی چیز ثابت نہیں جبکہ لوگ اپنے ہاں پائی جانی والی دلیل کے مخاطب ہیں۔ (ت)

اگرچہ انھوں نے خلاف احتیاط بیشک کیا کہ قطع نظر اس سے کہ افضل وفاضل یعنی دہم یازدہم چھوڑ کر سب میں گیا درجہ اختیار کیا، جب اگلے چاند کی تاریخ میں بھی احتمال تھا، اور بے رؤیت وشہادت صرف تیس

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۴

پورے کرنے پر بنائے کار ہوئی تھی تو شنبہ کی عید بھی ایک احتمال رکھتی تھی، ایسی حالت میں فی التاخیر اٰفات پر نظر کرکے سہ شنبہ تک بیٹھا رہنا نہ چاہئے تھا، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بحالت احتمال مستحب ہے بارھویں تک دیر نہ لگائے اور دیر ہوجائے تو مستحب ہے کہ اس قربانی سے کچھ اپنے یا اپنے اغنیاء کے صرف میں نہ لائے بلکہ بالکل راہ خدا میں اٹھائے۔ شرح نقایہ قہستانی میں ہے:

لوشك فی یوم الاضحی فاجب ان لا یوخر الی الیوم الثلث والافاحب ان یتصدق کله [1]۔	اگر قربانی کے دن میں شک ہو تو تیسرے دن تک مؤخر نہ کی جائے ورنہ تمام گوشت کو صدقہ کرنے مجھے پسند ہے۔(ت)

باایں ہمہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی قربانی قضاء ہوگئی، البتہ افضل یہ ہے کہ جس قدر گوشت وغیرہ اپنے یا اور اغنیاء کے صرف میں آگیا ہو اس کی قیمت لگا کر صدقہ کریں، اور نیز جانور مذبوح وزندہ میں بوجہ ذبح جو تفاوت قیمت ہوگیا وہ بھی خیرات کریں، مثلاً زندہ ایک روپیہ کو آیا تھا اور ذبح کیا ہوا بارہ آنے کو جاتا تو چار آنے اور تصدق کئے جائیں، عالمگیری میں ہے:

اذا شك فی یوم الاضحی فالمستحب ان لایؤخر الی الیوم الثالث فان اخر یستحب ان لا یاکل منه و یتصدق بالکل فیتصدق بفضل مابین المذبوح و غیر المذبوح لانه لو وقع فی غیر وقته لا یخرج عن العهدة الا بذلك کذا فی المحیط السرخسی [2]۔	اگر قربانی کے دن میں شک ہو تو مستحب یہ ہے کہ تیسرے روز تک مؤخر نہ کی جائے اور مؤخر ہوجائے تو پھر مستحب یہ ہے کہ تمام گوشت صدقہ کیا جائے اور خود کچھ نہ کھائے اور مذبوح اور غیر مذبوح میں قیمت کے فرق زائد کو صدقہ کرے کیونکہ اگر قربانی اپنے فروخت سے باہر ہو تو اس کے بغیر عہدہ برآہ نہیں ہوتا یوں محیط سرخسی میں ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

فان اکل تصدق بقیمة ما اکل [3] اھ ذکرہ فی الناذر، و افادالشامی ان النذر	اگر کھالیا تو جتنا کھایا اس کی قیمت کو صدقہ کرے اھ انھوں نے یہ نذر ماننے والے کو فرمایا اس پر علامہ شامی

[1] جامع الرموز کتاب الاضحیہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۵۷۔۳۵۶

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیۃ الباب لثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۵

[3] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

لیس بقید[1] بل کذلك الحکم فی کل ماوجب التصدق به، **قلت** واذا وجب ھذا فی واجب التصدق، ندب الیه فی مندوبه کالتصدق باللحم وبفضل ما بین المذبوح الی غیر المذبوح کما لایخفی لان المقصود الاحتیاط للخروج عن العھدۃ بالیقین، فکل ماکان علی العھدۃ لو تیقن القضاء لایکون مستحبا ھنا، لدفع المراء، ھذا ممالایضن به خفاء۔	نے یہ افادہ فرمایا کہ نذر کی قید نہیں بلکہ ہر چیز جس کا صدقہ واجب ہو اس کا یہی حکم ہے، **میں کہتا ہوں** جب واجب صدقہ کا یہ حکم تو نفلی صدقہ میں گوشت کو صدقہ کرنا اور مذبوح اور غیر مذبوح سے فرق میں زائد کو صدقہ نفل ہوگا جیسا کہ مخفی نہ ہے کیونکہ مقصد یقینی طور پر عہدہ برآمد ہونا ہے تو ذمہ دار کو اگر عہدہ برآ ہونے کا یقین ہوجائے تو یہ مستحب نہیں ہے تاکہ ریاکاری نہ بن پائے اس میں خفا کا گمان نہیں ہے۔ (ت)

ہاں اگر بطریق موجب شرح وہاں کی خبر ثالث ہو، مثلا دو گواہ عادل نے آکر خود اپنی رؤیت پر گواہی دی یا دار القضا میں قاضی شرعی نے باستجماع شرائط ان کے سامنے حکم دیا انھوں نے اس حکم پر شہادت ادا کی، یا وہاں کے دو عادل اہل رؤیت نے انھیں بعبارت معتبرہ شرع اپنی شہادت کا حامل کیا، انھوں نے شہادۃ علی الشہادۃ باستیعاب شرائط گزاری، یا وہاں کی خبر مستفیض و مشتہر ہو گئی، بایں معنی کہ رامپور سے متعدد گروہ آئے اور سب یک زبان یہی خبر لائے تو نہ یہ اصلی مخبر وحاکی دو تین شخص تھے ان کی زبانی نقل در نقل ہو کر شہر میں شہرت ہو گئی کہ یہ اصلا قابل اعتبار نہیں، وان اشتبه کثیر علی العوام ومن ضاھاھم (اگرچہ یہ بات بہت سے عوام اور ان جیسے لوگوں پر مخفی ہے۔ ت) ایسی حالتوں میں بیشک وہاں کی رؤیت بروجہ شرعی ثابت ہوجائے گی۔

فی فتح القدیر و ردالمحتار ماسمعناك ففی الدر المختار وحاشیته للعلامة الطحطاوی (یلزم) ثبوت الھلال سواء کان ہلال الصوم اوالفطر (اھل المشرق برؤیة اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیة اولئك بطریق موجب) کان یتحمل اثنان الشھادۃ اویشھد علی حکم القاضی، اویستفیض	فتح القدیر میں اور ردالمحتار میں بیان کردہ ہم نے آپ کو سنادیا ہے اور درمختار اور اس کے حاشیہ طحطاوی میں ہے کہ رمضان کا ہلال ہو یا فطر کا اس کا ثبوت مشرق والوں پر مغرب والوں کی رؤیت سے لازم ہوجاتا ہے جب مغرب والوں کی رؤیت مشرق والوں کے ہاں موجب طریقہ سے ثابت ہو مثلا دو گواہ بنیں، شہادت پر قاضی کی قضاء پر یا رؤیت

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیه داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۰

الخبر، بخلاف ماذا خبرا ان اھل بلدۃ کذا رأوہ لانہ حکایۃ اھ حلبی [1] الخ۔	کی خبر مستفیض ہوجائے بخلاف اس صورت کے کہ دو شخص یہ خبر دیں کہ فلاں شہر والوں نے چاند دیکھا ہے کیونکہ یہ محض حکایت ہے اھ حلبی الخ (ت)

علامہ مصطفٰی رحمتی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

معنی الاستفاضۃ ان تأتی من تلك البلدۃ جماعات متعددون کل منھم یخبر عن اہل تلك البلدۃ انھم صاموا عن رؤیۃ الخ نقلہ الشامی [2] وقواہ۔	خبر مستفیض کا معنی یہ ہے کہ وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور ہر جماعت یہ خبر دیں کہ وہاں کے لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے الخ اس کو علامہ شامی نے نقل کیا اور اسے قوی قرار دیا ہے۔ (ت)

اور علامہ شامی نے اگرچہ دربارہ اضحیہ مطلع کو معتبر ماننے کا استظہار فرمایا۔

حیث قال اختلاف المطالع انما لم یعتبر فی الصوم لتعلقه بمطلق الرؤیۃ، وھذا بخلاف الاضحیۃ فالظاھر انھا کاوقات الصلوات یلزم کل قوم العمل بما عندھم فیجزئ الاضحیۃ فی الیوم الثالث عشر عــہ وان کان علی رؤیا غیرھم ھو الرابع عشر [3]۔	جہاں انھوں نے کہا کہ روزہ میں مطالع کا اختلاف صرف اس لئے معتبر نہیں کہ روزے کا تعلق مطلق رؤیت سے ہے اور یہ قربانی کے کے معاملہ کے خلاف ہے تو ظاہر یہ ہے کہ قربانی کا معاملہ اوقاف نماز کی طرح ہے ہر علاقہ کی قوم پر وہی لازم ہے جو اس کے ہاں ثابت ہو۔ لہٰذا تیسرے دن قربانی جائز ہے اگرچہ وہ دن دوسروں کے ہاں چوتھا دن بنتا ہو۔ (ت)

مگر یہاں اس کی گنجائش نہ ملے گی کہ مسئلہ قربانی میں مطالع شمس سے کام نہیں، جو ایک ہی فرسخ یعنی تین میل پر

عــــہ: لایخفی ان الثالث والرابع عشر وقعا سھوا وانما مقصودہ رحمہ اللہ تعالٰی الثانی والثالث عشر ۱۲ منہ قدس سرہ۔	شامی میں تیرہ اور چودہ تاریخ کا ذکر سہواً ہوا، جبکہ مقصد بارھویں اور تیرھویں تاریخ کا بیان ہے ۱۲ منہ قدس سرہ (ت)

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹، حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصوم دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۴۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۴

[3] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۶

مختلف ہو جاتے ہیں:

کمانص علیه علماء الهیئة قلت بل الحق انها تختلف فی میل واحد بل اقل من ذٰلک، غیر ان التفاوت لقلته جدا لایستبین لنا الا فی نحو فرسخ۔	جیسا کہ اس پر علماء ہیئت نے تصریح کی ہے میں کہتا ہوں بلکہ حق یہ ہے کہ وہ ایک میل بلکہ اس سے کم میں مختلف ہو جاتے ہیں لیکن وہ اختلاف اتنا قلیل ہوتا ہے کہ ہمیں صرف فرسخ کی مسافت تک معلوم ہو سکتا ہے۔(ت)

بلکہ یہاں غرض مطالع قمر سے ہے کہ چوبیس فرسخ یعنی بہتر میل سے کم میں نہیں بدلتے، جن کے اس حساب سے کہ ایک میل کوس کے پانچ ثمن کا نام ہے،

کما تشهد به التقادیر الدائرة بن اهل اللسان اذا اقیست الی الامیال المنصوبة فلا عبرة بما تلهج به متعلم النصارٰی	جیسا کہ اہل لسان کے ہاں معروف اندازے اس پر شاہد ہے جبکہ گاڑے ہوئے میلوں کا حساب کیا جائے تو نصارٰی کے شاگردوں کے قول کا اعتبار نہیں۔(ت)

پینتالیس کوس ہوئے۔

فی ردالمحتار فی شرح المنهاج للرملی وقد نبه التاج التبریزی علی ان اختلاف المطالع لایمکن فی اقل من اربعة وعشرین فرسخا وافتی به الوالد والاوجه انها تحدیدیة کما افتی به ایضا اهفلیحفظ انتهی[1] **اقول:** والمنفی هو الامکان العادی وان زعمت الفلاسفة ما زعمت فان الله علی کل شیئ قدیر۔	ردالمحتار اور شرح منہاج امام رملی میں ہے۔اور تاج الدین تبریزی نے اس پر تنبیہ کی ہے کہ چوبیس فرسخ سے کم میں مطالع کا اختلاف ممکن نہیں ہے اور والد گرامی نے اس پر فتوی دیا ہے اور اس اندازہ کا تحدیدی ہونا مناسب ہے، جیسا کہ انھوں نے یہ بھی فتوی دیا ہے اھ محفوظ کرو انتهی، **میں کہتا ہوں** امکان عادی کی نفی کی گئی ہے اگرچہ فلاسفہ جو چاہے خیال کریں، تو بیشک اللہ تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے(ت)

اور بریلی سے رامپور کا فاصلہ براہ دائرہ طول کہ علم ہیئت میں اسی کا لحاظ ہے،اس

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۲

مقدار عہ کے نصف کو بھی نہیں پہنچتا اور اگر حساب عامہ ہی لیجئے تو بھی اس سے بہت کم ہے۔ بہر حال وہ تفاوت ہر گز نہیں جس کے باعث چاند کے مطلع بدلتے ہیں، لاجرم جب ثبوت شرعی پہنچے گا قطعاً ظاہر ہو جائے گا کہ سہ شنبہ کی قربانیاں ایام نحر گزر جانے کے بعد تیرھویں تاریخ واقع ہوئی اب وہ احکام تصدق جو صورت بالا میں بطور افضیلت واستحباب مذکور ہوئے تھے سب واجب ہو جائیں گے **کماظھر ممامر** (جیسا کہ گزشتہ سے ظاہر ہوا۔ت)

تحقیق ان مسائل کی فقیر کے رسالہ "**ازکی الاھل بابطال مااحدث الناس فی امر الھلال**" میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۹: از ایرایاں محلّہ سادات ضلع فتح پور مسئولہ حکیم سید نعمت اللہ صاحب ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امسال اخبار وغیرہ سے معلوم ہوا کہ بقر عید کو ۲۹ کا چاند ہوا مگر معقول سند نہ ملنے سے تیس کے حساب سے عیدالاضحٰی ہوئی، تو قربانی ۱۲ تاریخ کو ۳۰ کے حساب سے کرے یا احتیاطاً اختلاف کی وجہ سے ۱۱ تک کرلے ۱۲ کو نہ کرے۔

الجواب:

دربارہ رؤیت کا کچھ اعتبار نہیں۔ ہمیں حکم ہے کہ ۲۹ کا چاند اگر ثابت نہ ہو تو ۳۰ دن پورے کرلیں **فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین** (اگر بادل ہو جائے تم پر تو تیس کی گنتی پوری کرو۔ت) ۳۰ کے حساب سے بارھویں تک قربانی بے تکلف کریں، احتمالات کا شریعت میں کچھ اعتبار نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۰: از بنگالہ شہر اسلام آباد چاٹگام موضع ادھونگر مرسلہ مولوی عبدالجلیل صاحب ۷ ربیع الآخر ۱۳۲۱ھ

چہ فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت کہ درخانہ شخصے دہ کس موجود است، وقربانی برہریک ایشاں واجب است، پس شخصے مذکور گاوے خرید از طرف ہفت کس قربانی نمود واز جانب سہ کس ہیچ نکرد، ووقت قربانی فوت گردید،	علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک گھر میں دس حضرات موجود ہیں اور ان سب پر قربانی واجب ہو تو گھر والے شخص نے سات حضرات کی طرف سے گائے خریدی اور قربانی کردی، اور باقی تین حضرات کی قربانی نہ ہوئی اور

عہ: طول رامپور قید لو یعنی ۳۶/۱۱۴ طویل بریلی قید لط یعنی ۵۹/۱۱۴ فصل بقدر ہاکج یعنی ۲۳/۰ میل تقریباً ۲۵۔ ۱/۳ جن کے سولہ کوس سے بھی کم ہوئے ولہٰذا دونوں شہر کے نصف النہار میں تفاوت صرف بقدر ہاالب ہوتا ہے یعنی جب یہاں ۱۲ بجتے ہیں وہاں بارہ بجنے میں دیڑھ منٹ باقی ہوتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** منہ قدس سرہ العزیز

پس از بواقی ساقط شود یا بمقدار آں مر فقراء و مساکین راصدقہ کنند شرعا چہ حکم است۔ بینوا بسنۃ الکتاب توجروا من الملک الوھاب۔	قربانی کاوقت ختم ہوگیا تو کیا باقی حضرات کی قربانی ساقط ہوجائے گی یا وہ حضرات کی مالیت کو فقراء ومساکین پر صدقہ کریں، شرعا کیا حکم ہے؟ بتاؤ اور اجر اپنے عطا کرنے والے مالک سے پاؤ۔ (ت)

الجواب:

از شہ باقی ساقط نشود فان الاضحیۃ واجبۃ عینا لا کفایۃ، وچوں وقت گزشتہ است واجب است کہ ہر ایک ازیں سہ کساں قیمت گوسپندے کہ دراضحیہ کافی شود، بر فقرا صدقہ کند فی الدر لمختار ترکت التضحیۃ ومضت ایامھا تصدق غنی بقیمۃ شاۃ تجزئ فیھا [1] اھ ملتقطا۔ واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	باقی تین سے قربانی ساقط نہ ہوگی کیونکہ واجب عینی ہے واجب کفایہ نہیں ہے جب وقت گزر گیا توان کو چاہئے کہ وہ بکرے کی قیمت فقراء پر صدقہ کریں، درمختار میں ہے کہ قربانی چھوٹ گئی ہو تو وقت ہوجانے پر غنی شخص بکرے کی قیمت صدقہ کردے تو اس سے کفایت حاصل ہوجائے گی اھ ملتقطا واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۹۱: ۲ ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر زید کے پاس مکان سکونت کے علاوہ دو ایک اور ہوں تو اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

واجب ہے جبکہ وہ مکان تنہا یا اس کے اور مال سے کہ حاجت اصلیہ سے زائد ہو مل کر چھپن روپے کی قیمت کو پہنچیں، اگرچہ مکانوں کو کرایہ پر چلاتا ہو یا خالی پڑے ہوں یا سادی زمین ہو بلکہ مکان سکونت اتنا بڑا ہے کہ اس کا ایک اس کے جاڑے گرمی کی سکونت کے لئے کافی ہو اور دوسرا حصہ حاجت سے زائد ہو اور اس کی قیمت تنہا یا اسی قسم کے مال سے مل کر نصاب تک پہنچے جب بھی قربانی واجب ہے۔ اسی طرح صدقہ بھی۔

فی الھندیۃ عن الظھیریۃ ان کان لہ عقار ومستغلات ملك اختلف المشائخ	ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے کہ زمین اور آمدن والی ملکیت ہو تو متاخرین فقہاء رحمہم اللہ تعالٰی نے

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

المتاخرون رحمهم الله تعالٰی فالزعفرانی و الفقیه علی الرازی اعتبر قیمتها و ابو علی الدقاق وغیره اعتبرا الدخل۔ واختلفوا فیما بینهم ،قال ابو علی الدقاق ان کان یدخل له من ذٰلك قوت سنة فعلیه الاضحیة ومنهم من قال قوت شهر ،ومتی فضل من ذٰلك قدر مائتی درهم فصاعدا فعلیه الاضحیة[1] الخ ونحوه فی ردالمحتار ولم یذکر ترجیحا ورأیتنی کتبت علی هامشه مانصه،اقول:به جزم فی الخانیة من صدقة الفطر ولم یحك خلافا حیث قال وما زاد علی الدار الواحدة والد ستجات الثلثة من الثیاب یعتبر فی الغناء[2] اهـ ثم قال واذا کان له دار لا یسکنها ویؤاجرها اولا یؤاجرها یعتبر قیمتها فی الغناء وکذا اذا اسکنها و فضل عن سکناه شیئ،یعتبر فیه قیمة الفاضل فی النصاب ویتعلق بهذا النصاب احکام وجوب صدقة الفطر والاضحیة وحرمة وضع الزکاة فیه ووجوب نفقة الاقارب[3] اهـ

اختلاف کیا ہے۔تو زعفرانی اور فقیہ علی رازی نے ان کی قیمت کا اعتبار کیا اور ابو علی الدقاق وغیرہ نے ان کی آمدن کا اعتبار کیا ہے اور پھر آمدن کے اعتبار والوں کا آپس میں اختلاف ہوا،ابو علی الدقاق نے کہا اگر سال بھر کی آمدن حاصل ہو جائے تو قربانی واجب ہے اور ان میں سے بعض نے مہینے کا قول کیا ہے آمدن میں سے سال بھر میں دو سو درہم فاضل بچ جائیں یا اس سے زائد تو اس پر قربانی واجب ہے الخ اور ردالمحتار میں اسی کی مثل مذکور ہے اور انھوں نے ترجیح کو ذکر نہ کیا،مجھے یاد ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ میں یوں لکھا ہے۔عبارت یہ ہے،اقول(میں کہتا ہوں)خانیہ میں اس پر جزم فطرانہ کے متعلق کیا ہے اور انھوں نے اختلاف کو ذکر نہ کیا،جہاں انھوں نے فرمایا،جو ایک مکان اور تین جوڑے لباس سے زائد ہوں وہ غناء میں شمار ہوگا اھ،پھر فرمایا اگر اس کا مکان ہو جس میں رہائش پذیر نہیں اس کو کرایہ پر دیا ہو یا نہ دیا ہو تو اس کی قیمت کے اعتبار سے غناء میں شمار ہوگا،اور یوں اگر مکان میں رہائش پذیر ہو اور رہائش سے کچھ کمرے زائد ہوں تو زائد کی قیمت کو نصاب میں شمار کیا جائے گا اور اس نصاب سے صدقہ فطر اور قربانی زکوٰۃ لینے کی حرمت اقارب کا نفقہ کے احکام متعلق ہو جائیں گے اھ۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۲

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الصوم فصل فی صدقہ الفطر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۰۷

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الصوم فصل فی صدقہ الفطر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۰۷

وھکذا انقل الکلام عنھا برمزہ"خ"فی خزانۃ المفتین وکذٰلك ذکر فی البزازیۃ اقوال المتاخرین کالزاعفرانی والدقاق وغیرھما مقدما قول الزعفرانی ان العبرۃ بالقیمۃ ثم قال وعند الثانی رحمہ اللہ ھو موسر بالضیاع۔[1]اھ وفی الھندیۃ عن الخلاصہ عن الاجناس لو کان لہ دار فیھا بیتان شتوی وصیفی و فرش شتوی وصیفی،لم یکن بھا غنیا فان کان لہ فیھا ثلث بیوت و فیمۃ الثالث مائتا درھم فعلیہ الاضحیۃ[2] الخ،ومثلہ فی البزازیۃ[3] وقال قبلہ لو کان فی داراجارۃ فاشتری ارضا بنصاب وبنی فیھا منزلا یسکنہ لزمت[4] اھ،وبالجملۃ قد تظافرت الروایات علی الایجاب وھو الموافق لاطلاق المتون والشروح من قولھم کما فی الھدایۃ وغیرھا واجبۃ علی الحر المسلم،اذاکان مالکالمقدار النصاب فاضلا عن	اور خزانۃ المفتین میں خانیہ کی اس کلام کو اس کی رمز "خ" کے ساتھ ذکر کیا اور یوں ہی بزازیہ نے متاخرین کے اقوال کو ذکر کیا اور زعفرانی کے قول کو دوسروں پر مقدم کیا کہ قیمت کا اعتبار ہے اور پھر کہا کہ امام ثانی (امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی) کے نزدیک زمینوں کی وجہ سے غنی قرار پائے گا اھ،اور ہندیہ میں خلاصہ سے بحوالہ اجناس ذکر کیا کہ اگر مکان میں دو کمرے ہوں موسم سرما اور دوسرا موسم گرما کے لئے ہو اور سردی اور گرمی کے بستر ہوں تو اس سے غنی شمار نہ ہوگا،اور اگر مکان کے تین کمرے ہوں اور تیسرے کی قیمت دو سو درہم ہو تو اس پر قربانی لازم ہوگی الخ اور اس کی مثل بزازیہ میں مذکور ہے انھوں نے اس سے قبل ذکر کیا اگر کوئی کرایہ کے مکان میں ہو تو اس نے نصاب برابر قیمت سے زمین خرید کر مکان بنایا اور اس میں رہائش پذیر ہوا تو اس پر قربانی لازم ہے اھ،خلاصہ یہ کہ اس پر قربانی کو واجب کرنے والی روایات کثیرہ متفق ہیں اور یہی متون اور شروح کے اطلاق کے موافق ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ کا قول ہے کہ آزاد مسلمان جب اپنی رہائش لباس، ضروری سامان

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الاضحیہ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۸۷
[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۳
[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الھندیہ کتاب الاضحیہ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۸۷
[4] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الھندیہ کتاب الاضحیہ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۸۷

مسکنه وثیابه واثاثه وفرسه وسلاحه وعبیده [1] وهو المنقول من احد شیخی المذهب والخلاف انما جاء عن المتأخرین ثم هو الاحوط فعلیه فلیکن التعویل، **فان قلت** الیس قد احالو یسار الاضحیة علی یسار صدقة الفطر واحال فی التنویر یسار ها علی نصاب یحرم الصدقة، حیث قال صدقة الفطر تجب علی کل مسلم ذی نصاب فاضل عن حاجته الاصلیة وان لم ینم وبه تحرم الصدقه [2] اھ وقال فی الدر من مصارف الزکوٰة لایصرف الی غنی، یملك قدر نصاب فارغ من حاجته الاصلیة من ای مال کان [3] اھ وقال فی رد المحتار ذکر فی الفتاوی فیمن له حوانیت ودور للغلة، لکن غلتها لاتکفیه ولعیاله انه فقیر ویحل له اخذ الصدقة عن محمد وعند ابی یوسف لاحل کذا لوله کرم لاتکفیه غلته اھ،

سے زائد مقدار نصاب کا مالک گھوڑے، ہتھیار اور غلام وغیرہ سے زائد مقدار نصاب کا مالک ہو تو قربانی واجب ہے، اور وہی مذہب کے ایک شیخ سے بھی منقول ہے اور اختلاف متاخرین میں پیدا ہوا ہے، پھر یہ باعث احتیاط ہے تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے، **اگر تو اعتراض کرے** کہ فقہاء کرام نے قربانی کے معیار وجوب کو صدقہ فطر کے معیار وجوب کی طرف پھیرا ہے اور تنویر میں قربانی کو صدقہ واجبہ کی حرمت کے معیار پر لاگو کیا ہے جہاں انھوں نے کہا کہ صدقہ فطر ہر ایسے مسلمان پر واجب ہے جو اپنی اصل حاجت سے زائد نصاب والا ہو اگرچہ وہ نصاب نامی نہ ہو اور اسی نصاب سے صدقہ واجبہ لینا حرام ہو جاتا ہے اھ۔ اور درمختار میں مصارف زکوٰۃ کے باب میں کہا کہ زکوٰۃ غنی پر صرف نہ کی جائے غنی وہ ہے کہ اپنی اصلی حاجت سے فارغ قدر نصاب کا مالک ہو خواہ کوئی بھی مال ہو اھ اور ردالمحتار میں کہا کہ فتاوی میں مذکور ہے ایسے شخص کے متعلق جو دکانوں اور مکانوں کا مالک ہو جن کو کرایہ پر دیا ہو لیکن ان کا کرایہ اس کو اور اس کے عیال کو کفایت نہیں کرتا تو وہ فقیر ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اس کو زکوٰۃ حلال ہے اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک حلال نہیں ہے۔

---

[1] الهدایه کتاب الزکوٰة باب صدقة الفطر مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۱۸۸

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰة باب صدقة الفطر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۲۔۱۴۳

[3] درمختار کتاب الزکوٰة باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱

وفی التتارخانیة عن الصغری له داریسکنها لکن تزید علی حاجته بان لایسکن الکل یحل له اخذ الصدقة فی الصحیح، وفیها سئل محمد عمن له ارض یزرعها، او حانوت یستغلها، اور دار غلتها ثلثة الاف، ولا تکفی لنفقته ونفقة عیاله سنة یحل له اخذ الزکوٰة وان کانت قیمتها تبلغ الوفاء، وعلیه الفتوی و عندهما لایحل[1] اھ الکل ملخصات، **قلت نعم**، یفتٰی بهذا فی حرمة الصدقة، وبه جزم فی الخانیة وخزانة المفتین، قالا لو کان له حوانیت او دار غلة تساوی ثلثة الاف، وغلتها لا تکفی لقوته وقوة عیاله یجوز صرف الزکوٰة الیه وکذا لو کان له ضیعة تساوی ثلثة الأف ولا یخرج منها مایکفی له ولعیاله یجوز له اخذ الزکوٰة[2] اھ ثم لم یمنعها هذا علی جزمهما فی مسئلة الاضحیة	اور یونہی اگر انگور ہوں اور ان کی آمدن اسے کافی نہ ہو اھ، اور تتارخانیہ میں فتاوٰی صغرٰی سے منقول ہے کسی کا مکان رہائشی ہو لیکن حصہ حاجت سے زائد نہ ہو اور سب میں رہائش نہ ہو تو صحیح قول میں اس کو زکوٰۃ لینا حلال ہے اور اس میں ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ سے سوال کیا گیا کہ کسی کی زراعت والی زمین ہو یا دکانیں کرایہ پر دی ہو یا مکانات کرایہ والے ہوں اور ان کی آمدن تین ہزار ہوا اور وہ اس کو اور اس کے عیال کو سال بھر کے لئے کافی نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا حلال ہے اگر ان کی قیمت خرچہ کو پورا کرتی ہو، اور اسی پر فتوٰی ہے، اور شیخین کے نزدیک حلال نہیں ہے اھ، یہ تمام عبارتیں ملخص ہیں، جواب **میں کہتا ہوں** ہاں زکوٰۃ کے حرام ہونے کے لئے یہ فتوٰی ہے اور اسی پر خانیہ اور خزانۃ المفتین میں جزم کیا ہے ان دونوں نے کہا کہ اگر دکانیں اور مکان کرایہ پر دئے ہوں جن کی آمدن تین ہزار ہو اور یہ آمدن اس کو اور اس کے عیال کو کافی نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور یوں اگر زرعی زمین ہو جس کی قیمت تین ہزار ہو جبکہ اس سے حاصل ہونے والا غلہ اتنا نہیں کہ اس کو اور اس کے عیال کو کافی ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے اھ، پھر یہ زکوٰۃ لینے کا جواز ان دونوں حضرات کے جزم کے مطابق قربانی کے مسئلہ

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الزکوٰۃ فصل فیمن یوضع فیه الزکوٰۃ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۲۴، خزانة المفتین کتاب الزکوٰۃ باب المصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۷

بمارأیت ولا تلازم بین حل الصدقۃ و سقوط الواجبات المالیۃ، حتی صرح العلماء ان من لہ نصاب سائمۃ لا تساوی مائتی درھم تحل لہ الزکوٰۃ وتلزم الزکوٰۃ، فی ردالمحتار عن الشرنبلالیۃ عن الجوھرۃ عن الامام المرغینانی اذا کان لہ خمس من الابل قیمتھا اقل من مائتی درھم تحل لہ الزکوٰۃ وتجب علیہ[1] اھ وتمامہ تحریرہ فیہ ولا شك ان الزکوٰۃ اضیق وجوبا من صدقۃ الفطر والاضحیۃ فلا غروان وجبتا علی صاحب الضیاع والمستغلات لمبلکہ نصابا فاضلا، وحلت لہ الصدقۃ لعدم کفایۃ الغلۃ لہ و لعیالہ معایبقی خلاف مفھوم ما افادہ فی التنویر ولا حرج فیہ بعد ماجاءت من العلماء تلك النصوص بالتکثیر، واللہ تعالٰی اعلم۔	کے لئے مانع نہیں، جیسا کہ تم نے دیکھا، جبکہ زکوٰۃ کے حلال ہونے اور واجبات مالیہ کے ساقط ہونے میں تلازم نہیں ہے حتی کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ جس کے پاس سائمہ جانوروں کا نصاب موجود ہو اور ان جانوروں کی قیمت دو سو درہم کے مساوی نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا حلال ہے اس کے باوجود جانوروں کی زکوٰۃ اس پر واجب ہے، اور ردالمحتار میں شرنبلالی بحوالہ جواہر امام مرغینانی سے منقول ہے کہ اگر کسی کے پاس پانچ اونٹ ہوں جن کی قیمت دو سو درہم سے کم ہو اس کو زکوٰۃ حلال ہے باوجود یہ کہ اس پر اونٹوں کی زکوٰۃ واجب ہے اھ اور اس مکمل بحث وہاں موجود ہے اور اس میں شک نہیں کہ زکوٰۃ کا وجوب صدقہ فطر اور قربانی کے وجوب سے کڑا ہے تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ صدقہ فطر اور قربانی زمین وغیرہ کی آمدن والے پر واجب ہوں جبکہ وہ آمدن اصل حاجت سے زائد نصاب برابر اور ساتھ ہی اس کو زکوٰۃ لینا حلال بھی ہو کیونکہ زمین کی آمدن اس کو اور اس کے عیال کو کافی نہ ہو، ہاں تنویر کے مفاد مفہوم کا خلاف باقی رہا تو اس میں علماء کی کثیر نصوص آجانے کے بعد کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۲: مسئولہ مولوی ظفر الدین صاحب از بانکی پور پٹنہ ۲۳ صفر ۱۳۳۲ھ

ایک شخص برائے نام صاحب جائداد ہے۔ سو روپیہ سالانہ آمدن کی جائداد ہے۔ وہ شخص (ہہ۔للعہ) ماہوار کا نوکر بھی ہے۔ جو اس کی ضروریات دنیویہ کو کافی ہے۔ کسی سال میں کچھ نہیں بچتا

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵

اس کی بیوی کے پاس تقریبا (معہ ۷۰) روپیہ کا زیور ہے۔ ۵۰ کا طلائی باقی نقرئی، اب ایسی صورت میں یہ تو ظاہر ہے کہ زکوۃ میاں بی بی دو میں کسی پر واجب نہیں مگر صدقہ فطر و قربانی ان دونوں یا ایک پر واجب ہے یا نہیں؟ اور ہے تو کس پر؟

الجواب:

ستر روپیہ کا زیور اگر مملوک زن ہے اور اس پر قرض نہیں تو اس پر نہ صرف اضحیہ وصدقہ فطر بلکہ زکوۃ بھی فرض ہے کہ اگرچہ (صہ) کے سونے (عہ) کی چاندی میں کسی کی نصاب کامل نہیں، مگر سونے کو چاندی کرنے سے چاندی کی نصاب کامل مع زیادہ ہو جائے گی، ہاں شوہر پر صدقہ واضحیہ بھی نہیں، اگرچہ زیور مذکور بھی اسی کی ملک ہو کہ تمام کا قرض محیط ہے۔ مگر ان علماء کے نزدیک کہ ایجاب صدقہ واضحیہ میں قیمت جائداد کا اعتبار کرتے ہیں اور راجح و مفتی بہ اول ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے:

ان کان له عقار ومستقلات ملك اختلف المشائخ المتاخرون رحمهم الله فالزعفرانی والفقیه علی الرازی اعتبر اقیمتها، وابو علی الدقاق وغیره اعتبر الدخل، واختلفوا فیما بینهم، قال ابو علی الدقاق ان كان یدخل له من ذلك قوت سنة فعلیه الاضحية و منهم من قال قوت شهر و متی فضل من ذلك قدر مائتی درهم فصاعدا فعلیه الاضحية[1]۔	اگر کسی کی زمین اور آمدن والی ملکیت ہو متاخرین مشائخ کا اختلاف ہے تو زعفرانی اور فقیہ علی رازی نے قیمت کا اعتبار کیا ہے اور ابو علی الدقاق وغیرہ نے آمدن کا اعتبار کیا ہے اور ان کا آپس میں اختلاف ہوا اور ابو علی الدقاق نے کہا اگر اس کو ان اشیاء سے سال بھر کے خرچہ کی آمدن ہو تو اس پر قربانی واجب ہے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ ماہانہ خرچہ کی آمدن ہو اور جب سال بھر میں دو سو درہم یا زائد فاضل بچ جائے تو اس پر قربانی واجب ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

سئل محمد عمن له ارض یزرعها او حانوت یستغلها او دار غلتها ثلثة الاف ولاتكفی لنفقته ونفقة	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے سوال کیا گیا ایسے شخص کے متعلق کہ اس کی زرعی زمین یا دکان یا مکان کا کرایہ آمدن تین ہزار ہے اور اس کے اور

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۲

عیاله سنة یحل له اخذ الزکوٰة وان کانت قیمته تبلغ الوفاء وعلیه الفتوی وعندهما لایحل [1]۔	اس کے عیال کے سال بھر کے نفقہ کے لئے کافی نہیں اس کو زکوٰۃ حلال ہے اگرچہ ان کی قیمت کفایت کو پہنچی ہو، اور اسی پر فتوٰی ہے اور شیخین کے نزدیک حلال نہیں۔ (ت)

درمختار کے صدقہ فطر میں ہے:

تجب علی کل مسلم ذی نصاب فاضل عن حاجته الاصلیة وان لم ینم، وبهذا النصاب تحرم الصدقة، وتجب الاضحیة ونفقة المحارم علی الراجح [2] اھ **قلت** فالذی له ارض قیمتها الوف کما وصف لو کان تجب علیه الاضحیة لحرمت علیه الزکوٰة لکنها لم تحرم فالاضحیة لم تجب، واللّٰه تعالٰی اعلم۔	ہر مالک نصاب مسلمان پر کہ اس کی اصل حاجت سے زائد ہو اگرچہ یہ نصاب نامی نہ ہو تو راجح قول پر محارم کا نفقہ اور قربانی واجب ہے اور اس نصاب سے زکوٰۃ لینا حرام ہو جاتا ہے، **میں کہتا ہوں** جس کے پاس زمین ہے جس کی قیمت ہزاروں ہے جیسے بیان کیا گیا ہے اگر اس پر قربانی واجب ہے تو اس کو زکوٰۃ لینا حرام ہے لیکن زکوٰۃ حرام نہیں، لہٰذا قربانی واجب نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۳: از سرکار مارہرہ شریف مرسلہ حضور سیدنا سید مہدی حسن میاں صاحب سجادہ اقدس دامت برکاتہم ۷ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

اعلیحضرت محترم خادمانہ عرض ہے۔ فقیر رضوی کی عمر گیارہ سال کچھ ماہ کی ہے۔ زیور اس کے پاس غالباً ساٹھ روپے کا ہے۔ بالغ نہیں ہے۔ قربانی اس کے ذمہ واجب ہے یا نہیں؟ پیر برکات عمر سترہ سالہ خلف بھائی جان مرحوم بے ماں باپ کا ہے لیکن اس کی والدہ کا زیور وظروف مسی وپارچہائے پوشیدنی ہیں جو بعضب ایک شخص کے پاس ہیں جن کے ملنے کی کسی قسم کی امید اس کو کسی زمانہ میں نہیں وہ مالک ووارث ان چیزوں کا ضرور ہے مگر اس کے قبضہ سے قطعی باہر ہیں اور صحیح طور سے یہ بھی نہیں معلوم کہ ان چیزوں کا وجود ہے یا نہیں۔ اس کے ذمہ قربانی ہے یا نہیں؟

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰة باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵

[2] درمختار کتاب الزکوٰة باب صدقه الفطر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۲ و ۱۴۳

الجواب:

حضور والا آداب غلامانہ معروض، نابالغ اگرچہ کسی قدر مادار ہو نہ اس پر قربانی ہے نہ اس کی طرف سے اس کے باپ وغیرہ پر، حضرت صاحبزادہ صاحب اگر اس مال کے سوا اپنی حاجت اصلیہ کے علاوہ چھپن روپے کے مال کے مالک ہیں تو ان پر قربانی ہے ورنہ نہیں، وہ مال کہ نہ کبھی اس کے ملنے کی امید ہو نہ اس کا وجود ہی معلوم، مثل معدوم ہے۔اس کے سبب وجوب نہ ہوگا۔زیادہ حد ادب۔

مسئلہ ۱۹۴: ۲۲صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں۔سائل دریافت کرتا ہے کہ قربانی ولی کرے تو سب گھر والوں کی طرف سے ہو جائے گی کیونکہ سب اولاد شامل ہے مثلاً بیٹے اور بیٹوں کی اولاد، نواسے وغیرہ اور سب مال اسباب کا دادا جو کہ ولی ہے مالک ہے۔اور دوسروں کو اختیارات بالکل نہیں ہیں، اور ولی اپنے دل میں خیال کرکے قربانی یا دیگر صدقات یا زکوۃ یا میلاد شریف کرتا ہے اس صورت میں سب کی طرف سے قبول ہوگی یا ولی کی طرف سے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایک قربانی نہ سب کی طرف سے ہو سکتی ہے، نہ سوا مالک نصاب کے کسی اور پر واجب ہے۔اگر اس کی نابالغ اولاد میں کوئی خود صاحب نصاب ہو تو وہ اپنی قربان جدا کرے، یونہی زکوۃ جس جس پر واجب ہے یہ الگ الگ دیں، ایک کی زکوۃ سب کی طرف سے نہیں ہو سکتی، جو چیز واجب شرعی نہیں مثلاً صدقہ نفل ومیلاد مبارک وہ بھی ایک کے کرنے سے سب کی طرف سے نہ قرار پائے گا، ہاں کرنے والا ہر ایک کا اگرچہ فرض ہو اپنی اولاد اور گھر والوں جن کو چاہئے پہنچا سکتا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۵: ازمدرسہ منظر الاسلام مرسلہ مولوی احسان علی صاحب متعلّم مدرسہ مورخہ ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نصاب کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ ۵۲۔۱/۲(ساڑھے باون) تولے چاندی یا ۷۔۱/۲(ساڑھے سات) تولے سونا بمقدار اس کے روپیہ موجود ہوں جب قربانی واجب ہے یا کہ اتنے مقدار کی مالیت ہو چاہے اس کے پاس کاشت ہو یا چوپائے ہوں اگر ایسے شخص کے پاس ۶۰ روپیہ کی بھینس یا بیل ہے تو اس پر قربانی ہے یا نہیں کسی شخص کو ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی ہے لیکن بزمانہ قربانی ایک روپیہ بھی اس کے پاس موجود نہیں، وہ شخص قرض لے کر قربانی کرے گا یا کہ نہیں، علی ہذا القیاس کاشت فروخت کرکے قربانی کرے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

قربانی واجب ہونے کے لئے صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ ایام قربانی میں اپنی تمام اصل حاجتوں کے علاوہ ۵۶ روپیہ کے مال کا مالک ہو، چاہے وہ مال نقد ہو یا بیل بھینس یا کاشت، کاشتکار کے بل بیل اس کی حاجت اصلیہ میں داخل ہیں ان کا شمار نہ ہو، ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی والا آدمی قربانی کے دن ۵۶ روپیہ کا مالک نہ ہو، یہ صورت خلاف واقعہ ہے۔ اور اگر ایسا فرض کیا جائے کہ اس وقت وہ فقیر ہے تو ضرور اس پر قربانی نہ ہوگی، اور جس پر قربانی ہے اور اس وقت نقد اس کے پاس نہیں وہ چاہے قرض لے کر کرے یا اپنا کچھ مال بیچے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۶: ۱۳ ذوالحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بکری پارسال قربانی کے ارادہ سے لی گئی، اس نے گھر میں آکر دودھ دیا، اور لوگوں نے کہا، یہ بکری دودھ کی ہے، اس کی قربانی مت کرو، تو اس کے عوض ایک مینڈھا قربانی کردیا، اور بکری کو گاؤں بھیج دیا، وہاں جاکر وہ گابھن ہوگئی، پھر اس کو مکان پر بلالیا، یہاں آکر دو بکری بیائی، اور ان کا بھی یہی ارادہ کیا کہ جب یہ دونوں بکری سال بھر کی ہوجائیں گی ان کی بھی قربانی کردی جائے گی، اس کا دودھ بھی اپنے کام میں آیا، بعد کو بکری مع اس کے بچوں کے گاؤں بھیج دی گئی، پھر اب اس کو گاؤں سے منگوالیا قربانی کے لئے، تو اس کے آثار سے معلوم ہوا کہ گابھن ہے اس کی قربانی نہیں کی بلکہ اس کے عوض میں ایک مینڈھا قربانی کردیا گیا۔

پس اس صورت میں بکری کا دودھ کام آسکتا ہے یا نہیں؟ اور آیا اس بکری کو فروخت کرنا یا لینا جائز ہے اپنے لئے یہ بکری کا دودھ ڈھائی روپیہ میں پارسال خریدی گئی تھی اور پارسال جو مینڈھا اس کے عوض میں قربانی کیا گیا اس کی قیمت یاد نہیں۔ اور اب کے جو مینڈھا قربانی کیا گیا دو روپیہ چھ آنہ میں خریدا گیا تھا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

دودھ کے جانور یا گابھن کی قربانی اگرچہ صحیح ہے مگر ناپسند ہے۔ حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی، سائلہ جبکہ غنیہ مالکہ نصاب ہے تو بہ نیت قربانی بکری خریدنے سے خاص اسی کی قربانی اس پر لازم نہ ہوئی اسے بدل لینے کا اختیار تھا، دودھ دیتی دیکھ کر اس کے عوض مینڈھا کردیا، اس سال گابھن خیال کرکے بھی مینڈھا کیا کچھ حرج نہ ہوا، اس بکری کا پالنا، بیچنا، دودھ پینا سب روا ہے۔

وکراھۃ الانتفاع بلبن الاضحیۃ وصوفھا	قربانی سے قبل اس جانور کے دودھ اور اون سے انتفاع

قبل التضحیۃ انما کان لانہ التزام اقامۃ القربۃ بجمیع اجزائھا کما فی الدر[1] افاذا اقام القربۃ بغیر ھابقیت علی حکم ملکہ المطلق المتصرف علی ان منھم من اجازھما اعنی الانتفاع باللبن والصوف للغنی مطلقًا لوجوبھا فی الذمۃ فلا یتعین کما فی الدر[2] عن الزیلعی قال الشامی والجواب ان المشتراۃ للتضحیۃ متعینۃ للقربۃ الی ان یقام غیرھا مقامھا[3] اما کراھۃ الاستبدال فشیئ خارج عما نحن فیہ لان الکلام فی حلا الانتفاع بھا بیعا وحلبا بعد ما ابدلت بل ھی الکراھۃ فی غیرھا اذا وجدہا ذات در او حمل لورود الحدیث بالنھی عنھما، واللہ تعالٰی اعلم	اس لئے مکروہ ہے کیونکہ اس نے اس جانور کو جمیع اجزاء سمیت قربت کے لئے لازم بنایا ہے جیسا کہ در مختار میں ہے توجب اس نے قربت دوسرے جانور سے قائم کرلی تو اب یہ اس کی مطلق ملک والے تصرف میں ہوگیا، علاوہ ازیں بعض نے دودھ اور اون سے غنی کو انتفاع مطلقًا جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس کے ذمہ واجب ہے لہٰذا یہ جانور متعین نہ ہوا جیسا کہ در مختار میں زیلعی سے منقول ہے۔علامہ شامی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ خریداری قربانی کے لئے ہونے کی وجہ یہ جانور متعین رہے گا جب تک دوسرا اس کے قائم مقام نہ بنالے، لیکن دوسرے سے تبدیل کرنے کی کراہت علیحدہ معاملہ ہے وہ ہماری بحث سے خارج ہے کیونکہ یہاں اس جانور کو تبدیل کرنے کے بعد اس کی بیع اور دودھ سے انتفاع حلال ہونے میں بحث ہے بلکہ کراہت دودھ یا حمل پائے جانے کی وجہ ہے اس لئے بوجہ الغیر ہوسکتی ہے کیونکہ دودھ اور حمل والی کی نہی پر حدیث وارد ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۷تا۱۹۸: از شہر بریلی مسئولہ منشی شوکت علی صاحب رضوی محرر چونگی شب ۱۸ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) قربانی کس پر ہے اور واجب ہے یافرض؟

(۲) آج کل ہندوستان میں گائے کی قربانی بعض مسلمان مشرکوں کی خوشنودی کے لئے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں بکری کی قربانی کی جائے۔**بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) صاحب نصاب جو اپنے حوائج اصلیہ سے فارغ چھپن روپے کے مال کا مالک ہو اس پر قربانی

---

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[2] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

واجب ہے۔

(۲) مشرکوں کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی بند کرنا حرام حرام سخت حرام ہے۔اور جو بند کرے گا جہنم کے عذاب شدید کا مستحق ہوگا اور روز قیامت مشرکوں کے ساتھ ایک رسی میں باندھا جائے گا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۹: از موضع غنی پور ضلع منوا کھال ڈاکخانہ صفدر گنج مرسلہ مولوی عبدالعزیز ۲۶ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں مثلاً تین بھائی ہیں کہ تینوں ایک ساتھ رہتے ہیں، جبکہ قربانی کا وقت آیا تو تینوں آپس میں مل کر بڑا بھائی کو حکم کیا کہ تم ہمارے نام کی ایک بکری خرید کر قربانی کرو،اس میں دو تین روپیہ جو بھی خرچ ہوں اس کا دعوی ہم نہیں رکھتے ہیں اس حالت میں قربانی ہوگا یا نہیں۔ میرے یہاں بعض علماء فرماتے ہیں کہ قربانی بالکل جائز نہیں ہوگی، کیونکہ شریک دار کا حصہ معاف کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتا،اس فساد میں بہت سے لوگوں نے قربانی چھوڑ دیا، کیونکہ بعض تو ایسے ہیں کہ انھوں کے مال حصہ کرنے سے صاحب نصاب نہیں رہتے ہیں،ان علماؤں نے فرمایا ہیں کہ جنھوں کا مال حصہ کرنے سے صاحب نصاب نہیں رہتے ہیں،انھوں کو قربانی نا کرنا چاہئے،اگرچہ قربانی جائز ہے تو ان علماؤں کے حق میں کیا حکم ہے؟

الجواب المطول

مال شرکت میں جس کا حصہ بقدر نصاب نہ ہو نہ اس کے پاس اپنا اور کوئی خاص مال اتنا ہو کہ حصہ کے ساتھ مل کر نصاب کو پہنچ جائے،اس پر قربانی واجب نہیں، یعنی نہ کرے گا تو گنہ گار ہوگا نہ یہ کہ اس کو قربانی نہ چاہئے یہ محض غلط ہے بلکہ کرے گا تو ثواب پائے گا بلکہ بہ نیت قربانی جانور خریدے گا تو اس پر بھی خاص اس جانور کی قربانی واجب ہوجائے گی نہ کرے گا اور اس جانور کو دوسرے سے بدل نہیں سکتا کہ اس پر اسی جانور کی قربانی واجب ہوئی، درمختار میں ہے:

وفقیر ماشراها لها لو جوبها علیه بذٰلك حتی یمتنع علیه بیعها[1]۔	اور فقیر نے واجب نہ ہونے کے باوجود خریدی ہے اس لئے اس کو فروخت ممنوع ہے(ت)

ایک شریک اگر دوسرے شرکای کے اذن سے زر مشترک سے جانور خاص اپنی قربانی کے لئے خرید کر اپنی طرف سے قربانی کرے تو بلا شبہ جائز ہے۔اور قربانی صحیح ہوجائے گی،خواہ ان میں شرکت عقد ہو

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۲

یا شرکت ملک، بیان اس کا یہ کہ یہاں پانچ صورتیں ہیں:
[1]ایک شرکت ملک کی اور چار شرکت عقد کی، کہ [2]شرکت مفاوضہ ہو یا [3]شرکت عنان، مطلق ہے خرید وفروخت میں، جیسے یہ کہیں کہ جو کچھ ہم خریدیں وہ ہمارے آپس میں مشترک ہے۔ یا [4]شرکت جن خاص اجناس میں قرار پائی ہے یہ جانور کہ اسے قربانی کو خریدا ان اجناس سے ہے۔ [5]اخیر صورت یہ ہے کہ یہ شرکت خاص ہے، اور جانور اس کی جنس تجارت سے نہیں، اول و اخیر یعنی شرکت ملک و شکل اخیر میں تو ظاہر ہے کہ یہ جانور خاص اس خریدنے والے کی ملک ہوگا۔

لان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ کما فی الاشباہ [1] وغیرھا، بل قال فی الدر وغیرہ لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ [2]الخ قال الشامی لانہ اذا لم یکن وکیلا بالشراء وقع الملك لہ فلا اعتبار بالاجازۃ بعد ذلك لانھا انما تلحق الموقوف لا النافذ [3]۔	کیونکہ خریداری جب مشتری پر بطور نفاذ پائی نجائے تو نافذ ہو جائیگی، جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔ بلکہ در مختار وغیرہ میں کہا اگر غیر کے لئے خریدی تو خود اس پر نافذ ہوگی الخ، شامی میں فرمایا کیونکہ غیر کا وکیل خریداری میں یہ نہیں ہے تو اس کی ملکیت قرار پائی گی تو اس کے بعد کی اجازت معتبر نہ ہوگی کیونکہ بعد کی اجازت موقوف بیع کا لاحق ہو سکتی ہے نافذ کو نہیں لاحق ہو سکتی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

شریك العنان لہ ان یشتری مالیس من جنس تجارتھا ویقع الشراء لہ ویطالب بالثمن وکذا یقع الشراء لہ من جنس تجارتھما بعد ماصار المال عروضا [4] اھ قلت ولم اذکر	شرکت عنان میں شریک کو اختیار ہے کہ وہ مسلمہ تجارت کے غیر کو خریدے جبکہ خریداری شریک کی اپنی ہوگی اور بائع اس سے ثمن کا مطالبہ کرے گا اور یونہی جب ان کی مسلمہ تجارت کی جنس کو خریدے نقد مال کے سامان بن جانے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۲۳، فتاوی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیہ کتاب البیوع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۱۹، ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۰
[2] درمختار کتاب البیوع فصل الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳
[3] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۷
[4] ردالمحتار کتاب الشرکۃ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۱

هذا الاخیر لان الفرض انه اشتری بدراهم الشرکة۔	کے بعد اھ، میں کہتا ہوں، میں آخر صورت کو ذکر نہ کروں گا کیونکہ یہاں مشترکہ دراہم سے خریدنا مفروض ہے۔(ت)

غایت یہ کہ ثمن جو مال شرکت سے ادا کیا ہے اس میں حصہ دیگر شرکاء کا اسے تاوان دینا ہوگا جبکہ شرکاء نے قیمت خریداری ثمن میں اپنے اپنے حصہ اسے ہبہ کئے ہوں کہ شیئ قابل قسمت میں ہبہ صحیح نہیں یا قبل شراء اپنے حصوں سے ابراء کیا ہو کہ ابراء یعنی معافی دین سے ہوتی ہے یہاں ابھی دین نہیں، یا ابراء معلق کیا ہو، یعنی جب تو اپنے لئے شرکت کے مال سے خریدے تو ہم نے تجھے اپنے حصے معاف کئے کہ ابراء صالح تعلیق نہیں، عالمگیریہ میں ہے:

احدالمشرکین اذا قال لشریکه، وهبت لك حصتی من الربح قالو ان کان المال قائما لا تصح لکونها هبة المشاع فیما یقسم، وان کان الشریك استهلك المال صحت الهبة لکونها اسقاطا حینئذ کذا فی الظهیریة[1].	دونوں شریکوں میں سے ایک نے دوسرے کو کہا میں نے اپنے حصے کا نفع تجھے ہبہ کردیا تو فقہاء نے فرمایا اگر نقد مال موجود ہو تو یہ ہبہ درست نہ ہوگا کیونکہ قابل تقسیم چیز کا مشاعی حصہ ہے اور اگر شریک نے مال کو ہلاک کردیا ہو تو ہبہ صحیح ہوگا کیونکہ اس صورت میں ہبہ کا مطلب حصہ کو ساقط کرنا ہے۔ ظہیریہ میں یوں ہے۔(ت)

عینی پھر بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

انه ای الابراء تملیك من وجه حتی یرتد بالرد، وان کان فیه معنی الاسقاط فیکون معتبرا بالتملیکات فلا یجوز تعلیقه بالشرط[2]۔	کسی کو بری کرنا من وجہ تملیک ہے حتی کہ رد کردینے سے ابراء ہوجاتا ہے اگرچہ اس میں اسقاط کا معنی ہے۔ لہٰذا تملیکات میں معتبر ہوگا اس لئے شرط کے ساتھ اس کی تعلیق جائز نہیں۔(ت)

ایضاح الکرمانی پھر عزمیہ پھر شامیہ میں ہے:

قال ان دخلت الدار فقد ابرأتك	اگر کہا تو گھر میں داخل ہوجائے تو میں نے تجھے بری کیا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵

وقال لمدیونہ اوکفیلہ اذا ادیت الی کذا، اومتی ادیت، اوان ادیت الی خمس مائۃ فانت بری عن الباقی فھو باطل ولا ابراء [1]۔	اور اپنے مدیون یا کفیل کو کہا اگر تو مجھے اتنے یا جب ادا کرے، یا یوں کہا اگر تو مجھے پانسو ادا کرے تو باقی سے بری ہے۔ تو یہ باطل ہے کوئی برائت نہ ہوئی، (ت)

ہندیہ میں قنیہ سے ہے:

قال ائمۃ بلخ التحلیل یقع علی ماھو واجب فی الذمۃ لاعلی عین قائم [2]۔	بلخ کے ائمہ نے فرمایا جو ذمہ میں واجب ہو اس سے برائت ہوتی ہے نہ کہ عین موجود مال سے (ت)

مگر اس سے جانور میں شرکاء کی ملک نہیں ہوتی، خیریہ میں ہے:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المشتری للاب [3]۔	باپ کے مال کے ساتھ خریداری کرنے سے یہ لازم نہیں اتا کہ خرید کردہ چیز باپ کی ہو جائے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

مااشتراہ احدھما لنفسہ یکون لہ و یضمن حصۃ شرکائہ من ثمنہ اذا دفعہ من المال المشترک [4]۔	ان میں سے کسی نے چیز کو اپنے لئے خریدا تو اسی کی ہوگیہ اور وہ اپنے شرکاء کے حصے کا ضامن ہوگا اگر خریداری میں مشترکہ مال دیا ہو (ت)

اور تین صورتوں میں اگرچہ جانور سب شرکاء کی ملک مشترک ٹھہرے گا مگر جبکہ وہ سب اسے اذن دے چکے کہ خاص اپنی طرف سے قربانی کردے، اور یہ ناممکن ہے بے اس کے کہ جانور خاص اس کی ملک ٹھہرے، تو ان کا یہ اذن جانور میں سے اپنا اپنا حصہ اس کو ہبہ کرنا ہوگا، اور جانور قابل قسمت نہیں جو شیئ ناقابل قسمت ہو اس میں ہبہ مشاع صحیح ہے، تو تنہا یہی اس جانور کا ملک ہوگیا، اور قربانی اس کی بلاد غدغہ صحیح ہو گئی اور اب اس پر ثمن میں حصہ شرکاء کا بھی تاوان نہیں آسکتا، محیط پھر بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۲

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

[4] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۸

الشراء حال الشرکة لو من جنس تجارتهما فهو للشرکة،وان اشهد عند الشراء انه لنفسه لانه فی النصف بمنزلة الوکیل بشراء شیئ معین وان لم یکن من تجارتهما فهوله خاصة [1]۔	اگر جنس تجارت کو شرکت کے مال سے خریدا تو وہ شرکت کی ہوگی اگرچہ وہ خریداری کے وقت اپنی ذاتی ہونے پر بھی گواہ بنالے کیونکہ وہ معین چیز کی خریداری میں نصف کا وکیل ہے۔ ہاں اگر وہ چیز جنس تجارت میں سے نہ ہو تو اس کی ذاتی ہوگی۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

اذا اذن احد المتفاوضین لصاحبه ان یشتری جاریة فیطأها ففعل فهی له بغیر شیئ لان الجاریة دخلت فی الشرکة علی البتات جریا علی مقتضی الشرکة،اذهما لایملکان تغییره فاشبه حال عدم الاذن،غیر ان الاذن یتضمن هبة نصیبه منه لان الوطئ لا یحل الا بالمالک،ولاوجه الی اثباته بالبیع(ای انه هلك بالشراء)لما بینا انه یخالف مقتضی الشرکة فاثبتناه بالهبة الثابته فی ضمن الاذن [2] اھ مختصرا بزیادة مابین الهلالین للایضاح۔	جب شرکت مفاوضہ کے ایک شریک نے دوسرے کو لونڈی خرید کر وطی کی اجازت دے دی ہو اور اس نے ایسے کرلیا تو وہ لونڈی بلا عوض اس کی ہوجائے گی کیونکہ وہ لونڈی شرکت میں ہے۔شرکت کا مقتضی یہی ہے کیونکہ عقد شرکت کے بعد دونوں میں سے کوئی اس کو متغیر نہیں کرسکتا لہٰذا وہ وطی گویا کہ بلااذن متصور ہوئی مگر اجازت دینا اپنے حصے کو ہبہ کردینے کو متضمن ہے کیونکہ وطی مستقل ملکیت کے بغیر حلال نہیں ہوتی اور اس ملکیت کو بیع کی طرف منسوب کرنا یعنی یہ کہنا وطی کرنے والا خریدنے سے مالک ہوگیا درست نہیں کیونکہ یہ مقتضی شرکت کے منافی ہے تو ہم نے ملکیت کو اس ہبہ سے ثابت کیا ہے جو اذن کے ضمن میں پایا گیا اھ مختصراً۔اور وضاحت کے لئے ہلالین میں درج شدہ عبارت کا اضافہ کیا ہے۔(ت)

یہ لوگ جنھوں نے قربانی ناجائز ہونے کا فتوی دیا اور لوگوں سے قربانیاں چھڑادیں فقہ سے بے بہرہ معلوم ہوتے ہیں اور جو ایسا ہوا سے فتوی دینا حرام ہے۔نسأل الله العفو والعافیة وحسبنا الله ونعم الوکیل۔والله تعالٰی اعلم۔

---
[1] ردالمحتار کتاب الشرکة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۴۳۔۳۴۲

[2] الهدایہ کتاب الشرکة مطبع یوسفی لکھنؤانڈیا ۲/ ۶۱۶

الجواب المختصر

صورت مستفسرہ میں قربانی بلاشبہ جائز ہے۔اور بعض کا وہ شبہ محض بے اصل و باطل ہے۔اجازت اباحت ہے۔اور اباحت وہبہ میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔قربانی تو یوں جائز کرلی،مال مشترکہ سے شریکوں کا کھانا پہننا کہ زمانہ رسالت سے بلانکیر رائج ہے سب حرام ہوجائے گا کہ ہبہ مشاع ہوا اور ہبہ مشاع ہوا اور ہبہ مشاع ناجائز ہے حالانکہ رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ"[1]۔	اگر تم آپس میں ملالو تو تمھارے بھائی ہیں۔(ت)

اور فرماتا ہے:

"لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا"[2]	تمھیں حرج نہیں کہ تم اکھٹے کھاؤ یا متفرق۔(ت)

اس فتوٰی کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فتوٰی دینے والے لوگ فقہ نہیں جانتے نہ اس کام کے اہل ہیں،اور نااہل کو فتوٰی دینا حرام اور سخت کبیرہ ہے۔حدیث میں ہے:

من افتی بغیر لم لعنتہ ملئکۃ السماء والارض[3]۔	جو بغیر علم کے فتوٰی دے آسمان وزمین کے فرشتے اس پر لعنت کریں۔والعیاذ باللہ تعالٰی،واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۰: بمقام گھوسیا ضلع مرزاپور ڈاکخانہ اورائی مرسلہ جناب اکمل الدین صاحب مورخہ ۲۸ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس بارے میں کہ ہمارے موضع میں زمانہ قدیم سے تمام مسلمان حنفی المذہب ہوتے چلے آرہے ہیں مگر عرصہ چندروز ہوا کہ سات آدمیوں نے مذہب اہلحدیث کو اختیار کرلیا ہے اور ہمارے بزرگوں نے بڑی سعی کوشش سے قید کی مصیبت کو برداشت کرکے گورنمنٹ سے تین دن کی قربانی کا حکم جاری کرالیا تھا لیکن اس سال اسی فرقہ اہل حدیث سے ایک شخص نے کپتان کے روبرو

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۶۱

[3] کنز العمال بحوالہ بن عساکر عن علی حدیث ۲۹۰۱۸ موسستہ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۱۹۳،الفقیہ والمتفقہ باب ماجاء من الوعید لمن افتی بغیر علم حدیث ۱۰۴۳ دار ابن جوزی ریاض ۲/ ۳۲۷۸

دستخط کردئے کہ ہم لوگ ایک روز قربانی کریں گے لہٰذا ہم لوگوں کے خیال میں یہ بات آئی ہے کہ اسی سال میں دستخط کرنے کی وجہ سے دو روز کی قربانی منسوخ ہوگئی، آئندہ خدا جانے ایک دم سے منع ہوجائے تو کیا تعجب ہے اور یہ گروہ تقلید کے بالکل منکر ہیں لہٰذا دستخط کنندہ کے ذمہ عائدہ ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر عائد ہوتا ہے تو مع دلیل کے تحریر فرمائے اور ان لوگوں کو اپنے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے دیا جائے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ ثناء اللہ اپنی کتاب "اہل حدیث کا مذہب" کے صفحہ ۵۲ میں لکھا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ رکوع کے وقت چونکہ تطبیق کرگئے تھے دونوں ہاتھوں کو زانوں پر نہ رکھتے تھے، چنانچہ صحیح مسلم میں ان کا یہی مذہب ثابت ہے بلکہ اپنے شاگردوں کو تاکید مزید اسی عمل کی کیا کرتے۔ لہٰذا اس کی سند صحیح ہے یا لغو۔

الجواب:

غیر مقلدین گمراہ بدین ہیں، ان پر بوجہ کثیرہ کفر لازم ہے۔ جس کی تفصیل "الکوکبۃ الشہابیۃ" میں ہے کہ حسب تصریحات قرآن عظیم واحادیث وائمہ ستر وجہ سے لزم کفر بیان کیا ہے۔ ان کا مساجد میں کوئی حق نہیں۔ اور قربانی کے دو دن چھوڑ دینے کا ان سے کیا تعجب، وہ سارا دین ہی قربان کئے بیٹھے ہیں جس کی تفصیل **الکوکبۃ الشہابیہ وحسام الحرمین والاستمداد علی اجیال الارتداد وغیرہا** کتب میں شائع ہوچکی۔ خوشنودی ہنود کے لئے گاؤکشی بند کرنا یا اس کی توسیع میں جو اللہ و رسول نے دی، کمی قبول کرنا مسلمانوں کا کام نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" [1] **وقال اللہ تعالٰی** "وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝" [2] **واللہ تعالٰی اعلم۔**	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم ظلم کونیوالوں کی طرف میلان نہ کرو۔ تو تم کو آگ جہنم چھوئے، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی اور اس کا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زیادہ حق رکھتے ہیں کہ وہ ان کو راضی کریں اگر مومن ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۲۰۱: ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں شہر میں قبل نماز عید بعد طلوع شمس قربانی جائز ہے یا نہیں؟ اور اہل قریہ یا کہ شہر والے اپنی قربانی کو گاؤں بھیج دیں تو ان کو بعد صبح قبل نماز عید قربانی کرلیں تو جائز ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۲

الجواب:

شہر میں قربانی اگرچہ ساکن دہ کی طرف سے وہ روز واول پیش از نماز عید (اور اگر نماز عید کسی عذر سے نہ پڑھیں تو پیش از خروج وقت نماز عید) ناجائز و نامعتبر ہے۔اور بیرون شہر اگرچہ فنائے مصر غیر متصل بمصر ہو،اگرچہ قربانی ساکن شہر کی ہو،پیش نماز بعد طلوع فجر تاریخ دہم جائز ہے۔

فی الدرالمختار اول وقتها بعد الصلٰوة ان ذبح فی مصر ای بعد اسبق صلٰوة ولو قبل الخطبة،لکن بعدها احب وبعد مضی وقتها لو لم یصلو اعلیه العذر، ویجوز فی الغد وبعده قبل الصلٰوة لان الصلٰوة فی الغد تقع قضاء لااداء،زیلعی وغیره،وبعد طلوع فجر یوم النحر ان ذبح فی غیره والمعتبر مکان الاضحیة لامکان من علیه فحیلة مصری ارادان یخرجها لخارج المصر فیضحی بها اذا طلع الفجر اه[1]،فی رد المحتار لخارج المصرای الی مایباح فیه القصر، قهستانی[2] اه،وفیه"من باب صلٰوة المسافر "یشرط مفارقة ماکان من توابع موضع الاقامة کربض المصر،وهو ماحول المدینة من بیوت ومساکن فانه فی حکم المصر وکذا القری المتصلة بالربض فی الصحیح	درمختار میں ہے قربانی کا وقت نماز کے بعد ہے اگر شہر میں کرے یعنی نماز پڑھنے کے بعد اگرچہ خطبہ سے قبل ہو،لیکن خطبہ کے بعد مستحب ہے اور اگر عید کی نماز نہ پڑھیں تو نماز کا وقت گزر جانے کے بعد،اور دوسرے اور تیسرے اور تیسرے روز نماز سے قبل کیونکہ دسرے روز عید کی نماز قضاء ہوگی نہ کہ ادا،زیلعی وغیرہ،اور اگر گاؤں میں ذبح کرنی ہو تو عید کے روز صبح طلوع ہونے کے بعد،قربانی میں ذبح کرنے کی جگہ معتبر ہے قربانی کرنے والے کی جگہ معتبر نہیں،توشہری کے لئے جلدی قربانی کا حیلہ یہ ہے کہ وہ جانور کو شہر سے باہر لے جائے تو فجر طلوع ہونے کے بعد قربانی کرے اھ،رد المحتار میں ہے:شہر سے باہر اتنی دور لے جائے جہاں سے مسافر کے لئے قصر شروع ہوتی ہے۔قہستانی اور اس کے باب صلٰوۃ المسافر میں ہے کہ قصر جائز ہوگی بشرطیکہ وہ اپنے شہر کے توابع سے نکل جائے شہر کے توابع کی مثال ڈیرے وغیرہ اور وہ شہر کے ارد گرد کے مکانات ہیں،اور شہر سے متعلق رہائش گاہیں شہر کے حکم میں ہیں،اور یوں وہ دیہات جو شہر کے باڑوں سے متصل ہوں صحیح قول میں

[1] درمختار کتاب الاضحیه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیه دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۲

بخلاف البساطین ولو متصلہ بالبناء لانھا لیست من البلدۃ امداد،واما الفناء،وھو المکان المعد لمصالح البلد کرکض الدواب ودفن الموتٰی والقاء التراب فان اتصل بالمصر اعتبر مجاوزتہ وان انفصل بغلوۃ اومزرعۃ فلا [1] اھ،واللہ تعالٰی اعلم۔	شہر کے حکم میں ہیں بخلاف باغات کے اگرچہ وہ عمارت سے متصل ہوں کیونکہ آبادی میں شمار نہیں،امداد الفتاوٰی،لیکن فناء شہر وہ ہے جو شہری سہولیات کے لئیے بنائی گئی ہو جیسا کہ جانوروں کے باڑے اور مردے دفن کرنے اور کوڑا وغیرہ ڈالنے کی جگہ اور اگر شہر سے متصل ہوں تو ان سے گزر جانا معتبر ہوگا اور اگر شہر سے فاصلہ پر تیراندازی یا زراعت تک ہو تو وہاں سے گزر جانا ضروری نہیں اھ۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۲۰۲: از مخدم پور ڈاکخانہ ترہٹ ضلع گیا مرسلہ سید رضی الدین حسین صاحب غرہ جمادی الاٰخرہ ۱۳۱۷ھ

جناب مستطاب مخدومنا زاد مجدھم دیہات میں قربانی حسب دستور ہو یانہ ہو،کیونکہ مسئلے اس کے جمعہ کے مسئلے سے ملتے ہیں،زیادہ حد نیاز

الجواب:

قربانی میں شہر و دِہ بلکہ آبادی جنگل سب برابر ہیں،جن شرائط سے شہر والوں پر واجب ہوتی ہے انھیں شرائط سے گاؤں بلکہ جنگل کے رہنے والے پر بھی واجب ہے فقط مقیم ہونا چاہئے کہ شہر میں نہ ہو پھر مسافر سے بھی اس کا وجوب ساقط ہے نہ یہ کہ ممانعت ہو،اگر کرے گا فضل ہوگا ثواب پائے گا۔

فی الدرالمختار التضحیۃ علی حر مسلم مقیم بمصر او قریۃ اوبادیۃ عینی فلا تجب علی مسافر [2] اھ ملتقطًا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے آزاد شہر یا گاؤں یا بادیہ میں مقیم مسلمان پر واجب ہے،عینی،تو مسافر پر واجب نہیں ہے اھ ملتقطًا۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ المسافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۲۵

[2] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۱

ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ ۱۳۱۴ھ

(بھیڑ کی قربانی کے بارے میں راہنمائی کرنیوالا)

مسئلہ ۲۰۳: از کانپور مسجد رنگیاں مرسلہ مولوی احمد حسن صاحب مدرس اعلی مدرسہ فیض عام کانپور اواخر رمضان مبارک ۱۳۱۴ھ

علم الھدی سمی المصطفٰی باسمه الذی بشربه عیسٰی، بزیادۃ لفظ معناہ المرتضی دامت عنایتکم ازاحمد حسن عفی عنہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، وبعد ازیں آنکہ دریں وقت یک استفتاء از پنجاب آمدہ است، ونہایت غور طلب ست اکثر علمائے پنجاب دریں امر کہ شیدہ اند لکن بمنزل مقصود نرسیدہ اند، وجواب استفتاء یک شخصے کہ مایہ علم اتم دارد نوشہ لکن چونکہ جواب مخالف معمول ست قبول نمی کنند، اکنوں جواب را نقل کردہ بخدمت سامی ارسال ست۔ ہرچہ تحقیق جناب	**(خلاصہ)** ہدایت کے نشان، حضرت مسیح کی بشارت والے، نام میں رسول مقبول کے ہم نام، اور جناب مرتضٰی کے اسم مبارک کے ہم مادہ، مولا احمد رضا خاں صاحب زید مجدہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پنجاب سے ایک سوال آیا ہے جس کے جواب کے لئے بہت سے علماء سرگرداں ہیں لیکن منزل مقصود مفقود ہے۔ ایک پر مغز عالم نے ایک جواب تحریر کیا وہ معمول قدیم کے خلاف ہے اس لئے عوام اور علماء کوئی قبول نہیں کرتا، میں سوال وجواب دونوں ہی خدمت میں ارسال کررہاہوں، جواب اگر صحیح نہ ہو تو وجہ غلط

ست ارسال فرمایند اگر مخالف رائے جناب باشد امید کہ بوجہ احسن روشن کنند واگر موافق باشد نیز بزیادہ ادلہ ثبت فرمایند۔

ماقول العلماء المحمدیة الحنفیة علیه افضل الصلوٰة واکمل التحیات فی حیوان ذات صوف ولا الیة له عــــه، **ویقال فی اللغة الملتانیة لانثاه بھیڈو لذکرہ گھٹه، اتجوز به التضحیة ام لا، بینوا توجروا من الملك العلام۔**

الجواب: اقول: وبه نستعین انی رأیت کتب الحنفیة الموجودة عندی من شرح الوقایة وحاشیتها للچلپی والدر المختار وشرحه للشامی، ومفاتیح الجنان شرح شرعة الاسلام، والتعلیل المجد شرح مؤطا امام رحمه الله واشعة اللمعات ووجدت فیها انهم ینحصرون الاضحیة فی الشاة والبقر والابل اوالغنم والبقر والابل ویعمون الشاة بقوله ضاناکان اومعزا وکذٰلك الغنم ویفسرون الضان بما تکون له الیة و یدخلون الجاموس فی البقر ویقولون انه نوع منه فصارت انواع الاضحیة خمسة الضان والمعز والبقر و الجاموس والابل ذکوراکانت

بتائیں اور صحیح ہو تو تائید مزید سے مزین فرمائیں

سوال: علمائے اسلام بالخصوص اعلام احناف بھیڑ اور بھیڑے (نر ومادہ) کے بارے میں کیا فرق ہیں، ان کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: شرح وقایہ اور اس کے دو حاشیے از علامہ چلپی، در مختار اور شامی، مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام، تعلیق الممجد، اشعۃ اللمعات کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ قربانی کے جانوروں کی ابتدائی تین قسمیں ہیں:

(۱) شاۃ یا غنم (یہ دونوں لفظ بطور ترادف قربانی کے جانوروں کی ایک ہی قسم کے لئے بولے جاتے ہیں)۔

(۲) بقر (اس کی دو قسمیں کرتے ہیں گائے اور بھینس)۔

(۳) جمل (اس کی ایک قسم شمار کرتے ہیں)۔

شاۃ کو پھر دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں: ضان اور معز اور بقر کی بھی دو قسم کرتے ہیں: بقر وجاموس اس طرح اصل اور ذیلی قسموں کو ملا کر کل پانچ قسمیں ہوئیں:

(۱) جمل (اونٹ) (۲) بقر (گائے)

عــــه: سائل کی الجھن اصل یہ ہے کہ عرب میں دنبہ ہوتا ہے اور بکری بھیڑ جو ہمارے یہاں ہوتی ہے جس کی صرف دم دنبہ سے مختلف ہے یہ کس میں داخل ہے، دنبہ میں یا بکری میں یا کوئی تیسری قسم ہے۔ تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ عبدالمنان اعظمی۔

اوانا ثا فتلك عشرة كاملة، وحسبت ان الحيوان المذكور و المسئول عنه ليس داخلا فى الخمسة لانه لو كان داخله فيها لما فسروا الضان بان تكون له الية، بل عموه بما تكون له الية اولا حتى صارت انواع الشاة اوالغنم ثلثة والكل ستة، واذ ليس فليس فان قيل يدخلون الجاموس فى البقر فما السرفى عدم ادخال الحيوان المسئول عنه فى الضان مع انه يؤيد ادخاله فيه تفسير اہل اللغة لفظ الضان بميش، كما فى الغياث [1] وغيره، قلت لعله ان الجاموس اكمل من البقر فى اللحم والقيمة، والحيوان المسئول عنه ناقص عن الضان فى العضو اى الالية۔ فالحاق الاكمل بالكامل اولى من الحاق الناقص بالكامل، و اما تفسير اهل اللغة [2] فمعناه ان العرب	(۳) جو موس (بھینس) (۴) ضان (دنبہ) (۵) معز (بکری) اور مذکر ومؤنث دونوں کو شامل کردیا جائے تو کل دس قسمیں ہوتی ہیں: **پہلی دلیل:** سوال میں ذکر کی ہوئی ہندوستانی بھیڑ اپنی شکل و صورت کے لحاظ سے اگر شامل ہوسکتی ہے تو ضاں (دنبہ) میں اگر اس میں شمار نہ ہوئی تو پھر کسی قسم میں شمار ہونے کا سوال ہے یوں غلب ہے کہ ضان یعنی دنبہ کی تعریف میں یہ قید ہے کہ اس کے الیہ (چکی) ہوتی ہے اور بھیڑ کے چکی نہیں ہوتی ہے، اس لئے ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ بھیڑ قربانی کا جانور ہے ہی نہیں اس لئے اس کی قربان جائز نہیں، اس امر پر قرینہ یہ ہے کہ اگر بھیڑ کو قربانی کے جانور میں شریک کرنا مقصود ہوتا تو دنبہ کی تعریف میں چکی ہونے کی قید نہ لگاتے بلکہ ایسا لفظ بولتے جو بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام ہو، اور ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ مقصد اس نوع کی شریک کرنا ہی نہیں ہے۔ **دوسری دلیل:** ایک بات یہ ہے بھی ہے کہ ازروئے شرع غنم یا شاۃ کی دو ہی قسم بنائی گئی ہے۔ ضان اور معز اگر بھیڑ کو بھی قربانی کا جانور مان لیا جائے تو ایک کے اضافہ کے بعد غنم کی ۳ قسم ہوجائے گی اور سب کا مجموعہ پانچ کے بجائے چھ ہوجائے گا

[1] غیاث اللغات باب خادمعجمہ فصل ضاد معجمہ مع الف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۱۲

[2] غیاث اللغات فصل کاف فارسی مع واؤ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۱

کما یطلقون لفظ الضاٰن علی ماتکون له الیة کذٰلك الفرس یطلقون علیه لفظ میش فمؤداھما واحد کما یشعر به عبارة الغیاث، گوسفند بمعنی میش مقابل بز چنانکہ معزدر عربی مقابل ضان ست کما استفاد من القاموس و الصراح، وبعضے نوشتہ اند کہ اطلاق گوسفند بر میش و بز ہر دو آمدہ، از سراج، انتھی [1] عبارة الغیاث۔	جو تصریحات علماء کے بالکل خلاف ہے۔اس لئے ثابت یہی ہوا کہ یہ قربانی کا جانور ہی نہیں ہے۔ **ایک شبہ:** شکل وصورت، رنگ وروپ، فوائد اور تاثیر میں ہزار اختلاف ہوتے ہوئے بھینس کو بقر میں شامل مانا تو صرف دم کے اختلاف کی وجہ سے بھیڑ دنبہ میں کیوں شامل نہیں کی گئی، **جواب:** بھینس قیمت اور گوشت میں گائے سے عمدہ ہے۔اور بھیڑ دنبہ سے چکی میں ناقص ہے اس لئے یہ بات قرین قیاس ہے کہ اکمل اور عمدہ کو کامل کے ساتھ شمار کیا جائے، اور یہ بات غلط ہے کہ ناقص کو کامل کے ساتھ جوڑا جائے، اسی لئے بھینس کو گائے میں شمار کیا اور بھیڑ کو دنبہ میں نہیں۔

دوسرا شبہ: اہل لغت نے ضان کا ترجمہ فارسی کے لفظ میش سے کیا ہے جو بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام ہے پس اہل لغت کے اس محاورہ کے موافق اہل شرع کو بھی بھیڑ کو دنبہ میں شامل ماننا چاہئے۔

جواب: اہل لغت کی تشریح کے موافق لفظ میش بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام نہیں بلکہ میش صرف دنبہ کو کہتے ہیں۔

فارسی میں لفظ گوسفندی لفظ میش طرح لفظ بز کا مقابل ہے جیسا کہ عربی میں لفظ معز ضان کا مقابل ہے۔ قاموس وصراح دونوں سے یہی ثابت ہے۔

البتہ بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ فارسی کا لفظ گوسفند لفظ میش کا ہم معنٰی نہیں بلکہ میش وبز (دنبہ و بکری) دونوں کو عام ہے۔ (غیاث اللغات) [2]

پس ازیں عبارت صاف معلوم می شود کہ آں حیواں کہ عرب آن راضان گویند فرس آں رامیش گویند، وانچہ عرب آں معز گویند فرس آں رابُز گویند، لاان لفظ میش عام یطلق علی الضاٰن	اس عبارت سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اہل عرب کے نزدیک جو جانور ضان کہلاتا ہے اہل فارس اس کو میش کہتے ہیں (اور اہل اردو دنبہ کہتے ہیں اور اہل عرب جس کو معز کہتے ہیں اہل فارس اسی کو بز کہتے ہیں، نہ یہ کہ لفظ میش کے اطلاق میں بھیڑ داخل ہے۔

[1] غیاث اللغات فصل کاف فارسی مع واؤ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۴۳۱

[2] غیاث اللغات فصل کاف فارسی مع واؤ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۴۳۱

وعلی الحیوان المسئول عنه ولو سلم ان لفظ میش فی لغة الفرس بمعنی ذوات الصوف اعم من ان یکون لها الیة اولا لیشتمل الضاٴن والحیوان المسئول عنه فتفسیر اہل الغة لفظ الضاٴن بلفظ میش تفسیر بالاعم وھو جائز اذا کان المقصود ھو التیمیز عن بعض ماعداہ [1]۔وذکرہ الفاضل اللاھوری فی بحث خواص الاسم۔	**ایک اور جواب:** اور اگر بطور تنزل ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ اہل لغت کے نزدیک میش کااطلاق اون والے پر ہوتا ہے تب بھی ہم یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ اس سے ان کی مراد بھیڑ ہے۔اسکے بیان کے لئے ہم کو تھوڑی تفصیل میں جانا ہوگا۔ کسی چیز کی تعریف اس کے مساوی لفظ سے بھی کی جاتی ہے۔جیسے انسان کی تعریف لفظ ناطق سے کی جائے(کہ جن جن افراد پر انسان دلالت کرتا ہے ناطق بنی اس اس پر دلالت کرتا ہے)اور کبھی تعریف کے لئے معرف سے عام لفظ بھی استعمال کیاجاتا ہے جیسے السعدانة نبت(کہ سعدانہ ایک مخصوص گھاس کا نام ہے) جبکہ نبت ہر گاس کو کہا جاتاہے۔اول الذکر تعریف کامل ہے اور ثانی ناقص،الغرض تعریف دونوں ہی ہے۔

اگر معرّف کو بعض امور سے ممتاز کرنا ہے تو عام لفظ سے بھی تعریف جائز ہے [2] (فاضل لاہوری بحث خواص اسم)

وھھنا کذٰلك اوالمقصود من تفسیرہ به تمیزہ عن بعض ماعداہ کالمعز والبقر ،فانھما من ذوات الشعر ، و لو قیل ان غرضھم من تفسیر الضاٴن بلفظ میش ان الضاٴن ماکان من ذوات الصوف سواء کان له الیة اولا کما ان میش کذٰلك فبعد التسلیم لایصیر حجة علینا لان الحجة علینا تفسیر الفقھاء لاتفسیر اھل اللغة،ووجب علینا اتباع الفقھاء	تو یہاں بھی ضان کا ترجمہ لفظ میش سے کردیا جس کا مفہوم اون والا۔لیکن اس سے اہل لغت کی غرض ضان میں بھیڑ کو شامل کرنے کی نہیں تھی بلکہ دنبہ کو گائے، بھینس اور بکری سے ممتاز کرنا ہے کہ وہ اون والے جانور نہیں،اور دنبہ اون والا جانور ہے۔اور جب ضان کو بھیڑ سے بھی ممتاز کرنا ہوا تو اس کی تعریف چکی والے جانور سے کی۔ **جوب الجواب:** اگر ہماری بات کا یہ جواب دیا جائے کہ اہل لغت کے اطلاق کو یہاں تعریف مساوی سے پھیر کر تعریف عام قرار دینا ایک بے دلیل

[1] کلام لفاضل اللاھوری

[2] کلام لفاضل اللاھوری

لااهل اللغة وهم كثير امايخا لفون اهل اللغة عمدا كما قال الچلپی علی شرح الوقاية، فی باب الاضحية قوله الجذع شاة لها ستة اشهر ای فی مذهب الفقهاء، و انما قيدنا ه بهذا الان عند اهل اللغة الجذع من الشاة ماتمت لها سنة كذا فی النهاية [1] والعينی علی الكنز، فی باب الاضحية وجاز الجذع من الضاٴ لا غير۔ وهو ماتمت له ستة اشهر عند الفقهاء [2] وفی كتاب الزكاة والمعز كالضان ويؤخذ الثنی فی زكاتها لا الجذع وهو ماأتی عليه اكثر ها، وهذا اتفسير الفقهاء و عند اهل اللغة الجذع ماتمت له سنة، وطعن فی الثانية [3]۔	اور ادعائی بات ہے۔اس لئے قابل تقسیم نہیں ظاہر ہے کہ ان کامنشاء ضاں کاترجمہ پیش کرکے یہی ظاہر کرنا ہے کہ وہی جانور ہے جس کے اون ہوتا ہے چکی ہو یا نہ ہو،اس سے ان کو کوئی غرض نہیں تولغۃ بھیڑ دنبہ میں شامل ہوئی، **جواب:** چلئے اہل لغت کا مطلب وہی ہے جو آپ کہتے ہیں، لیکن ہمارے لئے حجت اہل لغت کی بات نہیں ہے اہل فقہ کی بات ہے جب وہ ضان کے معنی چکتی والا کہتے ہیں تو وہی مانا جائے گا،اور بھیڑ دنبہ میں شامل نہ ہوگی۔ رہ گئی یہ بات کہ اہل فقہ اور اہل لغت کے معانی میں اختلاف ہوتا ہے۔تواس کی نظیر قربانی کے جانور میں ہی لفظ جذع ہے کہ اہل فقہ چھ ماہ کے بچے کو کہتے ہیں،

اہل لغت ایک سالہ بچہ کو،اور مسئلہ کاحل اہل فقہ کے قول پر ہی دیا جاتاہے۔چلپی علی شرح الوقایہ، عینی علی الکنز)

واماتفيسر الضان ؎ بماكان من ذوات	**شبہ نمبر۳:** بعض فقہاء نے بھی توضان کی تعریف

ؑــــہ:عبدالمجيد هكذا اوالعبارة فی الاصل هكذا الضان ماكان من ذوات الصوف ولمعز من ذوات الشعر [4]۔ قهستانی ۱۲۔ عبدالمنان الاعظمی۔

مجیب نے یوں تعبیر کیا ہے حالانکہ اصل کتاب میں یوں ہے، ضان وہ ہے جو اون والا ہو اور معز جو بالوں والا ہو، قہستانی ۱۲ عبدالمنان الاعظمی

---

[1] ذخیرۃ العقبیٰ حاشیہ شرح الوقایہ کتاب الاضحیہ نولکشور کانپور ۴/ ۵۷۷

[2] رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق کتاب الاضحیہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۵

[3] رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ السوائم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۱

[4] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۳۰۶

الصوف والمعز بما کان ذوات الشعر ، کما فعل بعضهم فتفسیر کل واحد منهما تفسیر بالاعم ، کما یشعر به من لاالمساوی، وغرضهم من هذا التفسیر تمیز کل واحد من الاخر ، الاتری ان البقر والجاموس من ذوات الشعر، فلو کان تعریف بالمساوی بطل الطرد ، فهکذا تعریف الضأن۔	"ماله صوف" (جس کے اون ہو) سے کی ہے۔ جس کے معنی صاف یہی ہوئے کہ بھیڑ بھی اس میں شامل ہے۔ **جواب:** جی ہاں قہستانی نے یہ تعریف کی ہے۔ "الضان ماکان من ذوات الصوف والمعز ماکان ذوات الشعر" لیکن اس کا جواب ہم پہلے ہی دے چکے ہیں کہ یہ تعریف بالاعم ہے۔ بکری اور بیل سے دنبہ کو ممتاز کرنے کے لئے ہے۔ بھیڑ سے ممتاز کرنے کے لئے نہیں (جب اس کی ضرورت ہوئی تو یہ تعریف کیا "ماله الیة" جس کی چکتی ہو، تاکہ بھیڑ نکل جائے)

ہماری اس بات پر قرینہ یہ ہے کہ تعریف میں لفظ من استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں، تو تعریف کی عبارت کا ترجمہ یہ ہوا ضان اون والے جانوروں میں سے بعض ہے اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ بکری کی تعریف میں یہی کہا گیا ہے۔ "**ماکان ذوات الشعر**" جو بالوں والی ہو۔ تو اگر اس عبارت کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ بکری بال والے جانوروں میں سے بعض ہے تو بیل بھینس وغیرہ بھی بکری میں شامل ہو جائیں گے، پس اس مجبوری سے جب بکری والی تعریف کو بالاعم قرار دیا جائے تو ضان والی تعریف کو بھی تعریف بالاعم قرار دیں (کیونکہ دونوں جملے ساتھ ساتھ ہیں تو دونوں کا حکم یکساں ہونا چاہیے۔

الاٰن نکتب عبارات الکتب الموجودۃ فانظر فیها حق النظر حتی یتبین لك الحق والحق احق بان یتبع (م)وصح الجذع من الضأن(ش)الجذع شاۃ لها ستة اشهر ،والضأن بما تکون له الیة(م)والثنی فصاعدا من الثلثة(ش)ای من اشاۃ اعم من ان یکون ضأنا او معزا ،ومن البقر ،ومن	**حوالے:** اب ہم کتابوں سے حوالے پیش کرتے ہیں جس سے حق واضح اور روشن ہو جائے گا: (۱) ضان کا جذعہ قربانی میں جائز ہے یعنی شش ماہہ بچہ اور ضان چکتی والے جانور کو کہتے ہیں، ثنی اور اس سے بڑی عمر والے جانور تینوں اقسام کے جائز ہیں یعنی شاۃ میں دنبہ ہو یا [۲] بکری اور گائے میں [۳] گائے ہو یا [۴] بھینس اور اونٹ (شرح وقایہ من عینی) (۲) مصنف کے مذکورہ بالا قول میں ان جانوروں کی طرف اشارہ ہے جن کے علاوہ قربانی جائز نہیں

الابل[1]۔شرح وقایہ من عینی،قولہ وصح الجذع الی قولہ من الثلثۃ اشارۃ الی بیان الانواع التی لاتجوز الاضحیۃ الابھا،وتصریح بینھا التی لاتجوز فیما دونہ[2]،چلپی علی شرح الوقایۃ،من عینی،وصح الجذع ذوستۃ اشھر من الضأن ان کان بحیث لوخلط بالثنایا لایمکن التمییز من بُعد،وصح الثنی فصاعدا من الثلثۃ والثنی ھو ابن خمس من الابل و حولین من البقر والجاموس۔وحول من الشاۃ[3] اھدر مختار من عینی،قولہ من الضأن ہو مالہ الیۃ منح، قید بہ لانہ لا یجوز الجذع من المعز وغیرہ بلا خلاف،کما فی المبسوط قھستانی والجذع من البقرا بن سنۃ،ومن الابل ان اربع،بدائع،قولہ من الثلثۃ، ای الاتیۃ وھی الابل۔والبقر،بنوعیہ والشاۃ بنوعیہ رد المحتار[4] من عینی ومن سنن الاسلام التضحیۃ بالانعام التضحیۃ ذبح الاضحیۃ والانعام بالفتح جمع نعم بفتحین

اور ایسی عمروں کا بیان ہے جن کے علاوہ قربانی جائز نہیں، (حاشیہ شرح وقایہ چلپی من عینی)

(۳) ضان کا اتنا بڑا بچہ جو چھ ماہ کا ہو لیکن دور سے دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو (در مختار عینی)

ضان جس کے چکتی ہو،یہ چکتی کی قید اس لئے لگائی کہ بکری گائے اور اونٹ کے جذعہ کا استثناء مقصود تھا،بکری کا جذعہ چھ ماہ کا ہوتا ہے اور گائے کا سال بھر کا اور اونٹ کا چار سال کا، اور "من الثلاثۃ" کا لفظ جس کا ذکر آگے آرہا ہے یہ اونٹ اور بقر ان دونوں نوعوں کے ساتھ اور اسی طرح اپنی دونوں قسموں کے ساتھ، (ردالمحتار من عینی)

(۴) اور انعام کی قربانی مسنون ہے،انعام چوپایہ کو کہتے ہیں، اضحیہ کے معنی قربانی ہیں، مطلب یہ ہے کہ ضان کا چھ ماہہ بچہ، یا سات ماہہ بچہ کی قربانی مسنون ہے اور ایک سالہ بچہ کی بھی، لیکن اس کے لئے کوئی پابندی نہیں ہے۔ضان ہو کہ معز،اور اونٹ اور بقر کا ثنی بھی قربانی کے لئے جائز ہے۔ اونٹ کا ثنی پانچ سالہ اور بقر کا دوسالہ اور شاۃ کا ایک سالہ۔اور جذعہ کے لئے ضان کی قید اس لئے لگائی کہ بکری چھ ماہہ جائز نہیں،اور ضان چکتی والے جانور کو

[1] شرح الوقایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنو ۴/ ۹۳

[2] ذخیرۃ العقبٰی حاشیۃ شرح الوقایہ کتاب الاضحیۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۵۷۴

[3] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲و۲۳۳

[4] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

وھو ذوات القوائم الاربع یعنی ان من السنة التضحیة بالجذع من الضأن، وھو ماتم لہ ستة اشھر، وقیل سبعة اشھر، وبالثنی فصاعدا من شاة، اعم من ان یکون ضانا او معزا، ومن الابل والبقر مطلقًا، وھو ای الثنی ابن خمس من الابل۔ وحولین من البقرة وحول من الشاة والمعز۔ والجذع بفتحتی الجیم والدال، وقیدناہ بالضان و ھو مالہ الیة۔ لان الجذع من المعز لاتجوز بہ التضحیة و قولنا مطلقًا اشار الی انہ یجوز المذکور والانثی من جمیع ماذکر، وان الجاموس داخل فی البقر ھکذا ذکرہ فی الفروع [1] اھ، ویختار من الشاة الکبش ای الذکر من الغنم فان الانثی منہ اعنی النعجة وکذا المعز و ان جازہ لکن الکبش ھوا الاولی [2] انتھی ماردناہ مفاتیح الجنان شرح شرعة الاسلام من عینی، والکبش افضل من النعجة ھی الانثی من الضان قاموس [3] رد المحتار من عینی، قولہ الجذع من الضاف ھو ذوات الصوف من الغنم التی لہ الیة، کما فی منح الغفار وغیرہ التعلیق الممجد علی مؤطا امام محمد من عینی [4]۔ وعن	کہتے ہیں اوپر کی عبارت میں ایک جگہ مطلقًا کا لفظ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکر ہو کہ مؤنث، اور بھینس گائے میں داخل ہے۔ اور شاۃ میں افضل مادہ نہیں بلکہ نر ہے۔ دونوں نوعوں کا یہی حکم ہے۔ مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام) (۵) اور مصنف نے "جامع من الضان" کہا، اور ضان وہ اون والا جانور ہے جس کے چکتی ہو، ایسا ہی منح الغفار وغیرہ میں ہے۔ (تعلیق الممجد من عینی) (۶) اور نر مینڈھا مادہ سے افضل ہے اور یہ ضان کا مؤنث ہے۔ قاموس۔ (ردالمحتار) (۷) مسنہ ہی ذبح کرو۔ یہ نہ ملے تو ضان کا "جذعہ" اس حدیث کی شرح میں تفصیلات ہیں، ہم مذہب حنفی کے موافق بیان کرتے ہیں، قربانی کے جانور کی تین نوعیں ہیں، اونٹ، بقر، غنم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اور اصحابہ سے ان کے علاوہ قربانی ثابت نہیں، غنم کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ معزر کو فارسی

[1] مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام فصل فی سنن الاضحیۃ مکتبہ الاسلامیہ کوئٹہ ص ۲۱۸

[2] مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام فصل فی سنن الاضحیۃ مکتبہ الاسلامیہ کوئٹہ ص ۲۲۰

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۵

[4] التعلیق الممجد علی مؤطا لامام محمد مع المؤطا کتاب الضحایا ومایجز منھا نور محمد کارخانہ تجارت کتب خانہ کراچی ص ۲۸۰

جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تذبحوا الامسنة بضم میم وکسر سین ونون مشددة، فرمودہ ذبح نہ کنید مگر مسنہ، الاان یعسر علیکم فتذبح جذعة من الضأن، مگر آنکہ دشوار شود بہم سانیدن مسنہ برشما، پس ذبح کنید جذعہ راازمیش جذع بفتح جیم وذال رواہ مسلم شرح ایں حدیث تفصیلے دارد آنرا موافق مذہب حنفی بیان کنیم، ودر شرح موافق مذاہب اربعہ ذکر کردہ شدہ است بدانکہ اضحیہ جائز نیست، مگر ازاہل وبقر وغنم، وروایت کردہ نشدہ است ازاں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونہ از اصحاب وے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین جزاصناف ثلثہ ازذبائح وغنم ووصنف معزکہ آنرا بُز گویند، وضان کہ آنرا میش خوانند، وجاموس بسین مہملہ کہ معرب گاؤمیش ست نوع ازبقرت وجائز است، ازجمیع اں اقسام ثنی انتہی مااردناہ اشعۃ[1] اللمعات علی المشکوٰۃ۔

میں بز کہتے ہیں، اور ضاں کو میش اور جاموس گاؤ میش کا معرب ہے یہ گائے کی ہی ایک قسم ہے۔ اور ان سب کا ثنی جائز ہے۔ (اشعۃ اللمعات)

فان قبل قلت فیما سبق الحجة علینا تفسیر الفقهاء لا تفسیر اهل اللغة، ورأیت الآن ترجمة الشیخ لفظ الضأن بمیش وهو من اعاظم مقلدی الحنفیة وانت نقلته ایضاً للسند، فلم لاتقول بجواز اضحیة الحیوان المسئول عنه بعد، قلت لاتفرح بترجمة الشیخ مثلاً کما فرح العامة بها،

سوال: آپ نے اس سے قبل کہا کہ ضان کا ترجمہ میش (بھیڑ) اہل لغت کرتے ہیں، اور اہل فقہ یہ ترجمہ کرتے ہیں تو ہم بھی تسلیم کرلیتے کہ ضان بھیڑ کو شامل ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ صاحب اشعۃ اللمعات توائمہ وحدیث میں سے ہیں، اور انھوں نے بھی وہ اہل لغت والاترجمہ کیا ہے توآپ کو کیاعذر ہے۔

جواب: شیخ محقق کے اس ترجمہ سے جاہلوں کی طرح خوش

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب الاضحیہ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

وجوزوا التضحية بالحيوان المسئول عنه فضلو او اضلو نعوذ بالله منها،فان لفظ میش لغة الفرس لالغتنا،فاما حقيقة فيما له الية ومجاز فی الحيوان المسئول عنه،لكونه من ذوات الصوف مثل مال اليه۔اوبالعكس واما مشترك بينهما،فعند تفسير الضان به كما فسره الشيخ به لا يجوز ان يراد به معالا نه يلزم الجمع بين الحقيقة والمجاز،ولو بين معينی مشترك فی اطلاق واحد،وبطلانهما لايخفى على الكل،مع انه حنيئذ يصير للغنم لواشاة اصناف ثلثة،المعز وماله الية ومالا الية له ويخالف قول الشيخ فيما بعد وغنم دوصف است [1] وقال الشامی والشاة بنوعية [2]۔وهكذا وان اريد به عموم المجازی ای ماكان من ذوات الصوف فلا يلزم الجمع بالمعنين الا ان التخالف بينه وبين قول الشيخ وغيره المذكورين باق وهو ظاہر،وكاف فی عدم ارادتهم، فاما ان يراد به الحيوان المسئول عنه فقط حقيقة كان اومجازا،فيخرج ماله الية من باب التضحية۔و

ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ شیخ کے اس لفظ میش سے دنبہ اور بھیڑ دونوں ہی مراد ہوں گے، یا ان میں سے کوئی ایک اور دونوں ہی مراد ہوں گے تو بطور حقیقت مجاز، یا اشتراک یا عموم مجاز، تو حقیقت و مجاز، یا اشتراک کے طور پر دونوں معانی کا ایک ساتھ مراد لینا اصول لسان کے اعتبار سے ناجائز ہے۔اور بطور عموم مجاز دونوں ایک ساتھ مراد لینے پر یہ خرابی لازم آتی ہے کہ قربانی کے کل چھ قسم کے جانور ہوتے ہیں، حالانکہ ہم ثابت کرآئے ہیں کہ پانچ ہی ہیں،اور ایک ہی مراد لیں،اور وہ بھیڑ ہو تو دنبہ چھوٹ جاتا ہے جو بالاتفاق قربانی کا جانور ہے۔

مزید سوال: آپ کی یہ ساری تقریر ضان کے معنی دنبہ مراد لینے پر بھی جاری ہوتی ہے، تو یہ مراد لینا بھی ممنوع ہوا۔

جواب: جب فقہاء نے چکتی والا کہہ کر اسی جانور کو متعین کردیا تو اب ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ وہ معنی مجازی ہیں یا حقیقی یا بطور اشتراک۔

پس ان نصوص فقہیہ کی روشنی میں ہمارا فیصلہ تو یہی ہے کہ بھیڑ کی قربانی ناجائز ہے۔اگر دوسری کسی کتاب میں اس کے جواز کا حکم ہو بھی تو احتیاط اس سے بچنے میں ہی ہے کہ عدم جواز کے یہ دلائل

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلٰوۃ باب الاضحیۃ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

يصير النوع الخامس،من الانواع الخمسة بها الحيوان المسئول عنه،لامأله الية و هو خلاف الاجماع اويراد به مأله الية فقط حقيقة كان او مجاز فيحرم الحيوان المسئول عنه من البين كما هو حقه وهو المطلوب۔واجراء هذا التفصيل بعينه فى لفظ الضان ان كما وقع فى الحديث والمتون بان يقال لفظ الضان لفظة لغة العرب لالغتنا فاما حقيقة فيما له الية و مجاز فى الحيوان المسئول عنه الى قولنا وهو المطلوب،فقيل تفسيره بما تكون له الية يمكن ويحصل الفائدة منه،وهى الاستقرار على المطلوب واما بعد تفسيره بماله الية كما فعل الفحول من العلماء،فلا فائدة فيه لانه يعلم من هذا التفسيران مراد الفقهاء بالضان ماله اليه سواء كان معنى حقيقيا او مجازيا فما مطلبنا فى الاجراء وتطويل المسافة فطننت بل علمت من هذه النقول ان التضحية بالحيوان المسئول عنه لا تجوز۔وقد سمعت تحقيقة بما لا مزيد عليه اُنفا فاقول ما انا عليه،وعليه التعويل هو عدم جواز التضحية به،فان اصبت فمن الله تعالٰى،وان اخطأت فمعنى ومن الشيطان وان وجد فى الكتب الاخر المعتمدة عليها	قاہرہ ہم نے ظاہر کردئے۔ اور یہ کہنا کہ بزرگوں سے ایسا ہوتا آیا ہے، یا میش کے معنی بھیڑ ہیں یہ تار عنکبوت سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے یہ فتوی صحیح ہو تو اللہ تعالٰی کی طرف سے،اور غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے،واللہ تعالٰی اعلم۔ (نظام الدین مدرس اسلامیہ احمد پور شرقیہ)

الغیر الموجودة عندی جوازھا،فح ترك التضحیة به اولی لان مقتضی الاحتیاط ح ھو عدم الجواز علی ما علم من اصول الفقه،ھذا بالنواجذ ولا یلتقف الی قول المخالفین القائلین بالجواز فان اقوی دلائلھم "وجدنا علیه اسلافنا" وتعلم حاله وما سوی ھذا الدلیل من تفسیر الضان بلفظ میش وما کان من ذوات الصوف،فاوھن من بیت العنکبوت کما مر،ھذا ماظھر لی ولعل عندی غیری احسن من ھذا۔ المجیب نظام الدین مدرس مدرسة الاسلامیه احمد پور شرقیه۔	

الجواب:

الحمدللہ الذی خصنا بالاکرام وعمنا بالانعام خلق لنا الانعام،للتقرب والاطعام،وکثیر من الحاج، ثمانیه ازواج من الضان اثنین،و من المعز اثنین،آ الصوف حظر،ام الشعر حجر،آ بالاذناب امر،ام علی الالا یاقصر،ومن الابل اثنین،ومن البقر اثنین،آ با لبخت جد،ام فی العراب حصر،آ الجاموس رد،ام طائف البقر،آ بطول وقصر وصغر وکبر فی عضو او شعر،للنوع غیر،اوبالحصر ضرر،نبؤنی بعلم ان کان لکم خبر،والصلاۃ والسلام علی السید الاعز واله وصبحه کل کریم معز۔عدد	اس خدا کی تعریف جس نے ہم کو اکرام کے ساتھ خاص فرمایا اور انعام کے کو ہم پر عام فرمایا،اور حاجیوں کے لئے اور ہمارے لئے چار پائے بنائے کہ کھائیں بھی اور قربانی بھی کریں۔ یہ آٹھ جوڑے ہیں،ضان کے دو اور معز کے دو[2]،تو کیا اُون والے ممنوع ہیں یا بال والے،یا دم والوں پر روک ہے یا چکتی والوں پر،اور اونٹ کے دو اور گائے کے بھی دو،تو کیا بختی اونٹوں پر انحصار ہے یا اعراب پر،اور بھینس مردود ہے یا گائے کی مختلف اصناف لانبی (لمبی) اور ناٹی،یا کسی عضو یا بال کی چھوٹائی بڑائی،نوع کو بدلنے والی اور حصر کو قائم کرنیوالی ہے تمھیں علم ہو تو مجھے بتاؤ،اور صلاۃ وسلام ہو

اصواف الضأن واشعار المعز۔و بعد فلا شك ان هذا لحيوان من بهيمة الانعام ،ومن الاغنام ومما تجوز التضحية به باجماع اهل الاسلام مسئلة واضحة جليلة النبيان غنية عن البيان،لا تتناطح فيها عنزان وتد توارث التضحى به المسلمون،وعلماؤهم متظافرون،طبقة فطبقة وجيلا بعد جيل من دون نكير منكر ،ولا مراء عقيل فمن نسبهم جميعا الى الضلال والاضلال فقد عتا وعصى،وشق العصا،يولى ماتولى،ولسوف يرى، وقد كان الاعراض عن مثل هذا امثل واحرى،فان الامر اذا انتهىٰ الى انكار الواضحات كان السبيل ترك التحاور،فانها هى المقاطيع للحجج الشامخات،والبراهين الغر،فمن يمارى فيها فيما ذا يوقن،وبای حديث بعدها يؤمن ولكن وجوب اخماد الباطل وارشاد الغافل۔والرفق بضعفاء المسلمين كيلا يقعوا فى ضلال مبين، و تحسين الظن بالمسلم العاقل،فانه ربما عثر،فاذا ذكر تذكر،واذا بصر ابصر،وانما العاقل من اقر وما اصر فاذاعلم الخبر هجر الهجرى وانكرا لمنكر، و ربك غفارلمن استغفر،كل ذلك يدعون ان نأتى فى الباب بعدة تنبيهات

تمام معززین کے سردار پر،ان کی آل پر،اصحاب پر جو کریم اور معزز ہیں، بھیڑوں کی اون اور بکریوں کے بال برابر۔حمد و صلاۃ کے بعد بلا شبہ بھیڑ بکریوں اور انعام میں شمار ہوتی ہے۔ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے اور اس کی قربانی جائز ہے۔ یہ مسئلہ خود واضح اور بیان سے بے نیاز ہے۔اس کی قربانی مسلمانوں میں شروع ہی سے متوارث ہے علماء کے تمام گروہ اور مختلف جماعتوں نے اس میں کبھی کوئی اختلاف اور جدال نہیں کیا، تو بلاامتیاز سبھی کو گمراہ او گمراہ گر کہنا سرکشی اور جرم ہے۔اور امر محبوب سے روگردانی، جس کا انجام آئندہ معلوم ہوگا۔اس مسئلہ پر خامہ فرسائی سے چشم پوشی ہی بہتر تھی کیونکہ یقینیات جہاں دلائل کے پر جلتے ہیں، جو ایسی باتوں کا انکار کرے پھر کس بات کااقرار کرے گا اور کس پر ایمان لائے گا، لیکن باطل کو بجھانا اور غافل کو بتانا، کمزور اہل اسلام کو گمراہی سے روکنا، اور یہ خوش گمانی بھی کہ پھسلنے والا سنبھالے سنبھل بھی جاتاہے۔راہ دکھاؤ تو کوئی کوئی دیکھ بھی لیتاہے۔اور واقعی عقلمند وہ ہے جو ہر بات پر خواہ مخواہ اصرار نہ کرے، اور حقیقت آشکار ہو تو یاوہ گوئی اور انکار چھوڑ دے تو پروردگار غفور و رحیم ہے۔ان سب باتوں نے ہمیں چند تنبیہات پر مجبور کیا، سبحان اللہ چمکتے سورج پر کیا حجاب میں تمھیں ہدایت کرتاہوں کہ بیکار امیدوں یا ملال کے چکر، یا طیش

تقرر الصواب وتميط الحجاب ويا سبحٰن الله هل من حجاب، على وجه شمس تجلت من سحاب هذا واياك ثم اياك ان يلهيك الا مل، اويطغيك الملل، او يستخفك الطيش، فيأخذك العجل۔ قبل ان تجمع الكلمات الاخر بالاول فاني اريد، ان استدرجك من الرفيع الى الرقيع، ومن ذى سم الى اشم حتى اوقفك على شمس تتضا ء لا دونها الظلم، فعسٰى ان يعتريك وهم وباتيك مايزيح، اوتمسى فى حلم اوستصبح فيما يريح، على انى قد علمت ان السبيل وعر الى ايضاح الجليات، وانما الجادة المسلوكة اظهار الخبيات، لكنى اتنزل لك الى وهدة وقعت، ولا اُلو ان ارفعك الى الحق ما استطعت **فاقول:** وتوفيق بالقريب المجيد، عليه توكلت واليه اُنيب،

کے فوران میں پھنس کر پوری بات دیکھے سنے بغیر جلد بازی نہ کر بیٹھنا، میں تمھیں ادنٰی سے اعلٰی تک آہستہ آہستہ لے کر چل کر سورج کے پاس کھڑا کردوں گا جہاں تاریکیاں کافور ہیں، کیونکہ جہاں وہم پیدا ہوتا ہے اس کا ازالہ بھی ہوتا ہے اور رات کے بھیانک خواب سے صبح کو چھٹکارا بھی مل جاتا ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ توضیح تر پوشیدہ امور کی ہوتی ہے۔ اور بدیہات کی تفہیم مشکل ہے۔ میں نے حق کی طرف رہنمائی میں کوتاہی نہیں کی ہے۔

الاول: قال ربنا عزمن قائل "اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ"، الى قوله عزوجل "ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ﴿۳۳﴾"[1]، وقال سبحنه وتعالٰى "وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ"[2]۔ فقد اذا دجل جلاله ان الانعام كلها محل المنسک، وانها التى يتقرب بنحرها وذبحا الى ربنا وربها دون سائر البهائم والحيوانات، قال

تنبیہ اول: اس بات کے بیان میں کہ صرف انعام ہی قربانی کے جانور ہیں: اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے: تمھارے لئے حلال کئے گئے انعام سوا ان کے جن کی ممانعت تم پر پڑھی جاتی ہے تو دور ہوں بتوں کی گندگی سے اور بچو جھوٹی بات سے ایک اللہ کے ہو کر، پھر اس کا ساجھی کسی کو نہ کرو، اور جو اللہ کا شریک کرے کہ وہ گویا گرا آسمان سے کہ پرندے اسے اچک لے جاتے ہیں، یا ہوا اسے کسی دوسری

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۰تا۳۳

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۴

الامام محی السنۃ البغوی، فی معالمۃ التنزیل "لیذکروا اسم اللہ علی مارزقھم من بھیمۃ الانعام" عند نحرھا وذبحھا، وسماھا بھیمۃ الانعام، لانھا لا تتکلم، وقال بھیمۃ الانعام لانھا لا تتکلم وقال بھیمۃ الانعام قید بالنعم لان من البھائم مالیس من الانعام، کالخیل والبغال والحمیر، لایجوز ذبحھا فی القرابین [1] اھ ولا اری مرتابا یرتاب فی ان حیواننا ھذا من بھیمۃ الانعام، بانہ اھلی ذات قوائم اربع و ظلف، قال فی المصباح المنیر لغۃ الفقہ، الانعام ذات الخف، والظلف، وھی الابل، والبقر، والغنم [2] اھ فان کنت فی ریب من ھذا فانبئنا ماذا تراہ امن الوحوش ام من السباع، ام من الطیور، ام من الھوام، ام ذوات الحوافر، ام نوع اٰخر مقطوع الدابر، مابہ علم ولا عنہ مخبر۔	جگہ چھینکتی ہے بات یہ ہے اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے، تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔ تمھارے لئے انعام میں فائدے ہیں ایک مقررہ میعاد تک، پھر ان کا پہنچنا ہے اس آزاد گھر تک اور ہر امت کے لئے ہم نے ایک قربانی مقرر فرمائی کہ اللہ کا نام لیں اس کے دئے ہوئے بے زبان چوپایوں پر، تو تمھارا معبود ایک معبود ہے تو اسی کے حضور گردن رکھو۔ (سورۂ حج۔ پ ۱۷) ان آیات کا مفاد یہ ہے کہ جانوروں میں صرف انعام ہی قربانی اور ہدایا کے لئے مخصوص ہیں، حضرت امام بغوی نے اس مضمون پر تفسیر معالم میں دوسری آیت کے تحت تصریح فرمائی، یعنی ان جانوروں کے ذبح اور نحر کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہو ان جانوروں کو انعام کہنے کی وجہ ان کا نہ بولنا ہے۔ انعام کی قید اس لئے لگائی کہ کچھ بہائم ایسے ہیں کہ قربانیوں میں ذبح نہیں کئے جاتے، جیسے گھوڑا، خچر، گدھا ____ اتنا ثابت ہوجانے کے بعد اس کی ضرورت تو نہ تھی کہ ہم بھیڑ کا انعام ہونا بھی ثابت کریں، اور یہ کہ اہلی ہے وحشی نہیں ہے دو کُھر والا چوپایہ ہے، مگر ہم شہادتیں فراہم کررہے ہیں:

اَنعام کُھردار جانور اور خف والے، یہ اہل، بقر، غنم ہیں (مصباح المنیر)
اگراس کے بعد بھی شبہ ہو تو بتاؤ کیا وحشی ہے یا درندہ ہے، کہ پرندہ ہے یا حشرات الارض میں سے ہے، سُم والوں ہے یا کوئی ایسی قسم جس کی نسل ختم ہوگئی ہے۔

[1] معالم التنزیل لی ھامش الخازن تحت آیۃ ۲۲/ ۳۴ مصطفی البابی مصر ۵/ ۱۸
[2] المصباح المنیر النون مع العین مصطفی البابی مصر ۱/ ۸۴۔۱۸۳

الثانی[۲]: قال جل ذکرہ "وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا"[1] ۔ قال الشاہ عبدالقادر الدہلوی رحمہ اللہ تعالٰی فی ترجمۃ الکریمۃ پیدا کئے مواشی میں لدے والے اور دبے[2] وقال فی فوائدہا لدنے والے اونٹ اور بیل، اور دبے بکری اور بھیڑ[3]۔	**تنبیہ دوم**: اس بات کے ثبوت میں کہ بکری انعام میں سے ہے: ارشاد الٰہی ہے "من الانعام حمولۃ وفرشا۔ شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ فرمایا: "پیدا کئے مواشی میں لدنے والے اور دبے" اور فوائد میں فرمایا: "لدنے والے اونٹ اور بیل، اور دبنے والے بھیڑ اور بکری"۔
الثالث[۳]: اجمع المسلمون واعترف الرجل، ان الغنم من الاضاحی، وقد علم من یفرق بین البھم والبھم، ان ھذا من الغنم قال اللہ عزوجل "وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ"[4] ۔ قال الفاضل رفیع الدین الدھلوی فی ترجمۃ اور گائے سے اور بھیڑ بکری سے حرام کیں ہم نے اوپر ان کے چربیاں ان کی[5]۔	**تنبیہ سوم**: بھیڑ کے قربانی کے جانور ہونے پر اجماع ہے: مفتی سابق نے اعتراض کیا، اور تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ غنم قربانی کے جانوروں میں سے ہے۔ اور چوپایوں کے درمیان فرق جاننے والے یہ خوب جانتے ہیں کہ بھیڑ غنم میں شامل ہے قرآن عظیم کی آیت "وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ" کا ترجمہ فاضل رفیع الدین دہلوی فرماتے ہیں: "اور گائے سے اور بھیڑ بکری سے حرام کیں ہم نے اوپر ان کے چربیاں ان کی"۔
الرابع[۴]: انما المرجع فی امثال الامور الی علماء اللسان و کما علم کل من یعلم اللسن الثلث ان الحیوان الذی یسمی بالھندیۃ بکری وذکرہ بکرا،	**ایضاً تنبیہ چہارم**: اس بات کا فیصلہ کہ بھیڑ غنم میں داخل ہے یا نہیں۔ وہی حضرات علماء کر سکتے ہیں جن کو تینوں زبانوں میں مہارت ہو تو ان زبانوں کا عالم یہ خوب جانتا ہے کہ جس جانور کو ہندی میں بکری اور

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۲

[2] موضح القرآن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۲ مطبع مصطفائی انڈیا ص۱۴۶

[3] موضح القرآن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۲ مطبع مصطفائی انڈیا ص۱۴۶

[4] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۶

[5] ترجمۃ القرآن الرفیع الدین تحت آیۃ ۶/ ۱۴۶ ممتاز کمپنی لاہور ص ۶۳۔ ۱۶۲

هوالذی یسمی بالفارسیة بُز،وفی الاطلاق الاعم گوسپند،وبالعربیة معزا،وفی الاعم غنما وشاة، و ذکرہ تیسا وماعزا،وانثاة عنزا۔وما عزة، کذٰلك علموا ان الحیوان الذی یسمی بالهندیة بهیڑ،وذکرہ مینڈھا،وعند قوم وانثاہ بهیڑ ولقوم بهیڑی هو الذی یسمی بالفارسیة میش،وبالاطلاقین الاخص و الاعم گوسفند،وذکرہ المناطح قوچ،وبالعربیة ضانا، وبالاطلاقین شاة،وغنما،وذکرہ کبشا وضانا، وانثاہ نعجة وضائنة.قال الله عزوجل

"ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ؕ "[1]

قال فی موضح القراٰن پیدا کئے آٹھ نر ومادہ بھیڑ میں سے دو،اور بکری میں سے دو[2]،وفی ترجمة الرفیعة آٹھ جوڑے بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو[3]۔وقال الشاہ ولی الله الدهلوی فی ترجمتها آفرید ہشت قسم راز گوسفند دو قسم واز بُز دو قسم[4]۔وقال الفاضل یوسف چلپی فی ذخیرة العقبٰی حاشیة شرح الوقایة،

اس کے نر کو بکرا کہتے ہیں،فارسی میں اسی کو بُز اور عام بول چال میں گوسپند اور عربی میں معز،اور عام بول چال میں غنم وشاۃ کہتے ہیں اس کے مذکر کو "تیس"اور ماعز کہتے ہیں اور مؤنث کو عنز اور ماعزہ کہتے ہیں۔اسی طرح یہ بھی معروف بات ہے کہ ہندی میں جس جانور کو بھیڑ جس کا مذکر مینڈھا اور بعض کی زبان میں بھیڑا کہتے ہیں،اسی کی مؤنث کو بعض لوگ بھیڑ اور بعض بھیڑی کہتے ہیں،اسی کو فارسی میں میش اور عام بوچال میں گوسفند اس کا مذکر مناطح قوچ کہلاتا ہے یہی عربی میں ضان اور دونوں اطلاقوں میں شاۃ و غنم کہلاتا ہے اس کا مذکر ضان و کبش اور مؤنث کو نعجہ کہا جاتا ہے۔

"ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ؕ "پیدا کئے آٹھ نر ومادہ بھیڑے اور بکری سے دو(از موضح القرآن) آٹھ جوڑے بھیڑوں میں سے اور دو بکری میں سے دو، (شاہ رفیع الدین)آفرید ہشت قسم از گوسفند دو قسم،واز بز دو قسم(شاہ ولی اللہ)۔

ضان،ضائن کی جمع،ماعز کے خلاف۔اور یہ غنم کی ہی دو نوعیں ہیں،پہلے کو فارسی میں میش اور ثانی کو بُز

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۳

[2] موضح القرآن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ مطبع مصطفائی انڈیا ص۱۴۶

[3] ترجمۃ القرآن الرفیع الدین تحت آیۃ۶/ ۱۴۳ ممتاز کمپنی لاہور ص ۱۶۲

[4] ترجمۃ القرآن(فارسی)لولی اللہ الدہلوی تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ مطبع ہاشمی دہلی ص۱۴۸۔۱۴۹

ضانا جمع ضائن خلاف الماعز،وھما نوعان من جنس الغنم،یقال للاول بالفارسی میش وللثانی بُز،والشاة اسم جنس یشملھا کالغنم ویقال لھا بالفارسی گوسفند، کذا فی الصحاح،والاسماء [1] اھ باختصار،وقد ترجم فی النفائس بھیڑ ا بالفاسیة بمیش نر،وبالعربیة بکبش وضان [2] وقال فی تحفة المؤمنین بھیڑ بھندی غنم است [3]، ثم قال غنم ضان ست [4] ثم قال ضان بفارسی میش نامند [5]۔ بھیڑا فارسی میں میش نر اور عربی میں ضان ہے (نفائس) وفی المنتخب الرشیدی ضان میش ضائن میش نر [6] وفی الصراح ضائن میش نر،خلاف ماعز، والجمع ضان،خلاف معز اھ [7]۔ فان کان فی مریة بعد فلیقم ولیَعُدُ فلیذھب بقطیع منه الی العرب، والفرس، و لیدر فیھا بلادا وقری وجبالا ومفاوز، ولیسأل کل اھل ناد من حاضر، وباد، ورجل، وامرأة

کہتے ہیں اور غنم کے ہی ہم معنٰی لفظ شاۃ ہے جس کا اطاق دونوں نوعوں پر ہوتا ہے اور اس معنی میں فارسی لفظ گوسفند بولا جاتا ہے اسماء اور صحاح میں ایسا ہی ہے(مختصرا)(ذخیرہ عقبٰی چلپی)

بھیڑ ہندی میں غنم ہے۔اور غنم ضان ہے اور ضاں فارسی میں میش ہے(تحفۃ المومنین)

ضان میش،ضان نر۔(منتخب رشیدی)

ضائن میش نر،خلاف ماعز۔اور اس کی جمع ضان خلاف معز(صراح)۔

ان سب شہادتوں میں ضان اور میش ایک ہی چیز قرار دی گئی ہے اور اسی کو ہندی بھیڑ بتایا گیا ہے اگر اس کے بعد بھی شبہہ ہو کہ یہ دونوں ایک نوع نہیں ہیں،تو بھیڑ کا ایک گلہ لے کر عرب اور فارس کے شہروں اور دیہاتوں میں پھر کر جنگلوں اور پہاڑوں،آبادیوں اور ویرانوں میں گھوم گھوم کر ہر ایک

---

[1] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الاموال نولکشور کانپور ۱/ ۱۲۷

[2] النفائس

[3] تحفۃ المومنین مع مخزن بن الادویۃ الباء مع الھاء نولکشور کانپور ص۱۶۹

[4] تحفۃ المومنین مع مخزن بن الادویۃ الغین مع المیم نولکشور کانپور ص۴۲۵

[5] تحفۃ المومنین مع مخزن بن الادویۃ الصاد مع الالف نولکشور کانپور ص۳۹۷

[6] منتخب اللغات مع غیاث اللغات باب الضاد مع النون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۸۲

[7] الصراح فی الغۃ الصحاح باب النون فصل الضاد نولکشور لکھنؤ ص۲۱۸

وحر وامة، وعالم وجاہل، وسائر و قافل فان اخبرہ العرب جمیعا ان ھذا ضان، غنم، شاۃ، کبش، نعجۃ، وقالت الفرس ایں ست میش، وگوسپند، نرومادہ، فلیصدق بالحق، وان اعربت العرب ان ھذا عصفور، اوکلب عقور اوفیل ماسور، و تفرست الفرس، فقالت خرگور، اوچرغ پرزور اوچغد شبکور، فھو معذور۔

الخامس[۵]: ارأیت ان انکر منکر، ان ھذا المھیب الثقیل، ذا الخرطوم الطویل، الذی یقال لہ بالھندیا تھی و گج، لیس ھو الذی یقال لہ بالعربیۃ فیل، وبالفارسیۃ پیل، فھل عندك علیہ من حجۃ ودلیل، الاالرجوع الی اھل اللسن، وابانۃ ان اطباقھم علی امثال ذٰلك من باب التواتر المورث للیقین، کما ان من جحد وضع بمبئی اوکلکتہ، مثلا لھذا البلد المعلوم، فلا دواء لہ الا الانباء بان الناس مطبقون علی ان ھذا البلد بھذا مسمی وبہ موسوم فان عاند وعاد وعاود اللداد، فمالہ من طب الا الا فتصاد۔

السادس[۶]: من الظن زعم الحاق الجوامیس بالبقر، وانما عرفت الاضحیۃ علی خلاف القیاس لکونھاتقربا بارقۃ دم،

شہری و دیہاتی، عالم وجاہل سے سوال کرو، تو سارے عرب یہ کہیں یہ ضان ہے غنم ہے۔ شاۃ ہے کبش ہے، نعجہ ہے۔ اور فارسی کہیں یہ میش ہے گوسپند ہے۔ تو حق بات تسلیم کرو، اور اگر عرب اس کو گوریا، کٹکھنا کتا یا ہاتھی یا اہل فارس اس کو گورخر یا چیتا یا الو کہیں تو تم معذور ہوگے۔

تنبیہ پنجم تائید مزید: لمبی اور دراز سونڈ والے ہاتھی کو کوئی فیل نہ مانے تو اس کے علاوہ کیا سبیل ہے کہ اہل عرب سے یہ کہلا دیا جائے کہ ہمارے یہاں سب لوگ اسے فیل ہی کہتے ہیں، جیسے اگر کوئی بمبئی کا انکار کرے، تو اس کی سبیل بھی یہی ہے کہ اسے بمبئی شہر دکھا کر لوگوں سے کہلا دیا جائے کہ سب لوگ اسی کو بمبئی کہتے ہیں:

تنبیہ ششم: بھینس کو گائے کے ساتھ لاحق نہیں کیا گیا: یہ کہنا بھینس کو گائے کے ساتھ ازروئے قیاس لاحق کیا گیا غلط ہے کیونکہ یہ مسئلہ

وازھاق روح فکیف یسوغ الالحاق فیھا، ولو ماغ لکانت المھا والوعول والظبا احق انہ تلحق بالبقر و المعز۔ قال العلامۃ الاتقانی فی غایۃ البیان، التضحیۃ امر مستفاد بالشرع بخلاف القیاس، لان کون اراقۃ الدم قربۃ غیر معقول المعنی فاقتصر علی مورد الشرع، ولھذا لم تجز التضحیۃ بشیئ من الوحش اھ[1] وقال العینی فی رمز الحقائق انھا عرفت بالنص علی خلاف القیاس فیقتصر علیھا[2] اھ۔ وقال العلامۃ الطوری فی تمکلۃ البحر الرائق جوازھا عرف بالشرع فی البقر الاھل دون الوحشی والقیاس ممتنع[3]. اھ ومثل ذٰلك فی کثیر من الکتب و انما الشان انھم علموا انھا من نوع البقر فتناولھما النص تناولا اولیا من دون حاجۃ الی الحاق، بھذا علل کما نص علیہ فی الھدایۃ والخانیۃ والدر وشرح النقایۃ للبرجندی، وفی الجامع الرموز عن جامع المضمرات ومجمع الانھر عن المحیط، وفتح اللہ المعین عن التبیین و البحر الرائق عن الوالوالجیۃ، والھندیۃ عن البدائع۔

قیاسی ہے ہی نہیں، اگر قیاس پر مدار ہوتا تو سفید نیل گائے کو گائے کے ساتھ، اور پہاڑی بکری اور ہرن کو بکری کے ساتھ لاحق کرنا بدرجہ اولٰی بہتر ہوتا لیکن ایسا جائز نہیں۔
علامہ اتقانی نے غایۃ البیان میں فرمایا: "قربانی کا مسئلہ بالکلیہ غیر قیاسی ہے کیونکہ خون بہانا کار ثواب ہو، یہ بات غیر معقول ہے۔ اس لئے جن جانوروں کو شرع نے جائز قرار دے دیا ان کے علاوہ مثلاً وحشی جانوروں کی قربانی شرعاً جائز نہیں" علامہ عینی نے رمز الحقائق میں تحریر فرمایا: "قربانی حکم الٰہی سے خلاف قیاس ثابت ہوتی ہے، تو اسی پر اقتصار کیا جائے گا"۔ علامہ طوری تکملہ بحرالرائق شرح کنز الدقائق میں تصریح فرماتے ہیں: "قربانی کا جواز شرح مطہر میں انھیں جانوروں میں ثابت ہے جو اہلی ہوں وحشی میں نہیں، اور یہاں قیاس کو باریابی کی اجازت نہیں"
تو حقیقت حال یہ نہیں ہوئی کہ اکمل کو کامل کے ساتھ لاحق کیا گیا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علماء کے نزدیک بھینس کا گائے کی ہی نوع میں ہونا ثابت ہوا تو انھوں نے کہا کہ قرآن کا لفظ بقر

[1] غایۃ البیان
[2] رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق کتاب الاضحیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۵
[3] تکملہ من البحر الرائق کتاب الاضحیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۱۷۷

وردالمحتار عنها وعن المُغرَب وان اقترحت جليت لك نقولها،فانی لم اثر فی هذه الرسالة شيئاالا من الکتب التی منحنی بی فهی عندی فی ملکی ویدی، حتی انهم اخذوا علی لفظة توهم التغایر بینهما کقول الکنز،الجاموس کالبقر کما فی التبیین [1]، و البحر [2] والنهر والشرنبلالیة،ومجمع الانهر وابی السعود وغیرها مع انه ان انما هو کقوله ایضا البخت کالعراب بید ان اول المسئلة کان هناك بلفظ الابل فلم یوهم التشبیه وههنا بلفظ البقرفاوهم،ثم لما ذا استکثر من هذاالفصل وانت الناقل عن رد المحتار قوله البقر بنوعیه [3] اه،وعن مفاتیح الجنان ان الجاموس داخل فی البقر [4] اهـ وعن الاشعة جاموس	بھینس کو شامل ہے اس لئے مسئلہ ہذاکے الحاق والے قاعدہ کے سہارے کی بالکل ضرورت نہیں، یہ امور ہدایہ، خانیہ، رمز الحقائق، تکملہ طوری، مستخلص الحقائق، شرح ملامسکین، طحطاوی علی الدر، شرح نقایہ برجندی، جامع الرموز، جامع المضمرات، مجمع الانہر عن المحیط، فتح اللہ المعین عن التبیین، بحر الرائق۔ والوالجیہ، ہندیہ، عن البدائع، ردالمحتار عن البدائع و عن مغرب منصوص ہیں، ضرورت پر ساری کتابیں پیش کی جاسکتی ہیں، **الحمدللہ** ساری کتابیں میری ذاتی ہیں، ہاں ان حضرات نے ایک لفظ ایسا ضرور کہا ہے جس سے یہ شبہ ہوگا کہ گائے اور بھینس میں تغایر ہے اور وہ کنز، تبیین، بحر، نہر، شرنبلالیہ، مجمع النہر ابی سعود وغیرہ میں ذکر کیا ہوا لفظ "**الجاموس کالبقر**" ہے لیکن اس سے دھوکا کھانا غلط ہے، کیونکہ یہ ایسے ہی ہے جیسے علماء اونٹ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں "**البخت کالاعراب**" بیان مسئلہ میں اونٹ مقسم کی طرح پیش کیا گیا ہے۔اس کے باوجود جب بخت واعراب دو نوع نہ ہوئے تو صرف کاف تشبیہ کی وجہ سے بقر وجاموس دو نوع کیسے ہوں گے، اور خاص کر مجیب صاحب کو

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیة المطبعة الکبرٰی الامیریة بولاق مصر ۶/ ۷

[2] تکملہ من البحر الرائق کتاب الاضحیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۱۷۷

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴

[4] مفاتیح الجنان شرح شرعة الاسلام فصل فی سنن الاضحیة مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۲۱۸

نوع از بقر ست[1] فمالی اراك نقل العبارات وتنبؤ عنها كان لم تسمعها، كلا بل تسمع وتفهم ثم تحيل، اما سمعناك نقول انهم يدخلون الجاموس فی البقر، ويقولون انه نوع منه، ثم عدت تعد الانواع خمسة، وتعجل النوع يقابل جنسه، وبالجملة قد تبيين بطلان تخميس الانواع، وعد الجاموس نوعا براسه۔ثم لايخفی علی كل ذی حجی مالم يكن اغلظ طبعا من الجواميس، مابين البقروالجاموس من البون البين صورة ومعنی، يبائن الوضع الوضع، و الطبع الطبع، واللحم اللحم، واللبن اللبن، والطعم الطعم، والحمل الحمل، والمزاج المزاج، والاثار الاثار، والافعال الافعال، والخواص الخواص، حتی حكم القياس انها نوعان متباينان، وان الجواميس لا تجوز التضحية بها، وانما الاجزأ حكم الاستحسان قال فی الخلاصة ثم الاتقانی فی شرح الهداية و الحلبی فی تكملة لسان الحكام الجاموس يجوز فی الضحايا

تو یہ شبہہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ انھوں نے خود ہی ردالمحتار کی عبارت "البقر بنوعيه" اور مفاتیح الجنان کا حوالہ "ان الجاموس داخل فی البقر" (بھینس گائے میں شامل ہے)۔اور اشعۃ اللمعات سے "جاموس نوع از بقر" (بھینس گائے کی ایک قسم ہے) نقل کیا ہے حیرت ہوتی ہے کہ اس کے باوجود کس طرح مجیب نے قربانی کے جانور کی پانچ قسمیں کیں، اور بھینس کو الگ ایک نوع قرار دیا پس واضح ہوا کہ پانچ نوع قرار دینا غلط، اور بھیڑ کو چھٹی قرار دے کر اس سے انکار کرنا غلط در غلط ہے۔

ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ گائے اور بھینس میں صورۃ اور معنا بناوٹ، طبیعت، گوشت اور دودھ، مزے اور اعمال وآثار میں تباین ظاہری ہے جس کے پیش نظر عقل کا فیصلہ یہی ہے کہ ان دونوں میں تباین نوعی ہے۔اور بھینس کی قربانی نہ ہونا چاہئے مگر جائز ہے، تو یہ ایک خلاف قیاس حکم ہے۔
خلاصہ اتقانی، حلبی میں: "بھینس کی قربانی استحسانا جائز ہے" فاضل عبدالحیٔ لکھنوی کی شرح مختصر وقایہ میں

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلٰوۃ باب الاضحیہ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

والهدایا استحسانا [1] اھ،وفی شرح مختصر الوقایة للفاضل عبدالعلی الجاموس کالبقرة لانه نوع منها،فی الروضة ھذاالاستحسان و القیاس انه لایجوز [2] اھ وتغایر ہما فی العرف ظاہر ،ولذا لو حلف لایاکل لحم البقر لم یحنث باکل لحم الجاموس،کما فی زکوٰۃ الھدایة،ولا بعکسه،کما فی ایمان الخانیة،وما اذا یعنی مجرد الوفاق فی عدد الاعضاء مع الخلاف فی جمع مامر ،فان ذٰلك حاصل فی الخیل والعیر ایضامع انهمانوعان متباینان قطعا عرفا وشرعا،بل لك ان تقول لا وفاق فی العدد ایضا،فان لبقر جلدا متدلیا من مبدأ حلقه الی منحره،ولیس ذٰلك للجاموس،والشعر یعم بدن البقر ولیس علی جمع الجاموس الا شذر مزر ،فاذا استحسنوا مع کل ذٰلك ان الجوامیس لیست الا من نوع البقر ،کانت ضئین الھند احق بان تعد من نوع اضؤن العرب،فانھما الاخلف بینھما فی شیئ	ہے"بھینس گائے کی طرح ہے یہ اسی کی ایک نوع ہے"روضہ میں ہے: "اس کی قربانی استحسانا جائز ہے قیاس میں تو جائز نہ ہونا چاہئے۔"عرف کے اعتبار سے گائے اور بھینس کا تغایر ظاہر ہے،اسی لئے اگر کوئی قسم کھائے کہ گائے کا گوشت نہیں کھائے گا،تو بھینس کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا،یہ مسئلہ ہدایہ کتاب الزکوۃ میں ہے،اور خانیہ میں ہے بھینس کی قسم کھائی تو گائے کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا،اور اگر خالی اعضاء کی تعداد میں موافقت کی وجہ سے گائے اور بھینس کے ایک نوع ہونے کا خیال کیا جائے اور تو گھوڑے گدھے میں اس سے زیادہ یکسانیت ہے حالانکہ وہ دونوں عرفا اور شرعا ہر لحاظ سے دو متبائن نوعیں ہیں،اور تم چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ گائے اور بھینس میں اعضاء کی تعداد میں بھی موافقت نہیں ہے کیونکہ گائے کی گردن میں فاضل کھال لٹکتی ہے جو بھینس میں نہیں ہوتی،اور گائے کے سم پر گھنا بال پورے بدن پر اگا رہتا ہے اور بھینس کے جنس پر چند قلیل بال ہوتے ہیں پس جب ان سارے اختلافات کے باوجود استحسان میں گائے اور بھینس کے ایک جنس ہوئے تو دنبہ اور بھیڑ کے ایک جنس ہونے میں کیا شبہہ ہو سکتا ہے

[1] خلاصۃالفتاوی الفصل الرابع مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۱۴

[2] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الاضحیہ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۵

مما وصفنا حتی لو ان ضائنین منھما متشابھی اللون،والجثۃ نظر ھما ناظر من قدام لم یکد یمیز بینھما کضائنین کذٰلک من ارض واحدۃ.نعم الالیۃ من احدھما عریضۃ قصیرۃ ومن الاخری ضئیلۃ طویلۃ ومثل ھذا الخلف بل اکثر منہ کثیرا مایوجد فی افراد نوع واحد باختلاف الاراضی واختلاف المادۃ وغیرہ ذٰلک۔	کیونکہ ان میں تو مذکورہ بالا اوصاف میں سے کسی میں اختلاف نہیں،اگر ایک رنگ کے دنبہ اور بھیڑ کو آگے سے دیکھئے تو فیصلہ مشکل ہوگا کہ کون بھیڑ ہے اور کون دنبہ،ہاں صرف یہ بات ہے کہ دنبہ کی دم چوڑی اور چھوٹی ہوتی ہے اور بھیڑ کی دم لمبی اور بالدار ہوتی ہے۔لیکن یہ کوئی بات نہیں اس سے بڑے بڑے اختلافات ایک نوع کے افراد میں اختلاف آب وہوا کی وجہ سے پائے جاتے ہیں،اور ان کا لحاظ کرکے کوئی اختلاف نوع کا حکم نہیں لگاتا۔
الاتری الی غلظ شفاہ الحبش،وصغر عیون الترك فطس انوف الصین، ولبعض من اتراك الوحوش علی عصعصہ لحمۃ زائدۃ قدر شبر یشبہ الذنب والھنۃ النأتیۃ بین الشفرین لاتوجد خلقۃ فی نساء المغرب،وربما یکون لانسان ستۃ اصابع وذکر الفقہاء ما اذا کان للمرء،یدان فی ید،او رجلان فی رجل اوکفان فی کف،ھل یجب غسلھا فی الوضوء،کما فی البحر،والنھر،والدر،والھندیۃ وغیرھا،ولقد رأیت لبعض البلاد جمالا جمیلۃ المنظر،لطاف الجسم، صغار الحجم،	**امثلہ** (۱):آدمیوں میں حبشیوں کا ہونٹ نہایت موٹا ہوتا ہے،(۲)ترکیوں کی آنکھیں چھوٹی ہوتی ہے(۳) چینیوں کی ناک چپیٹی ہوتی ہے(۴)اور بعض وحشی ترکیوں کی دم کی ہڈی پر دم ہی کی طرح ایک بالشت تک لمبا گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے(۵)عام عورتوں کی شرمگاہ میں جو پارہ گوشت اُبھرا ہوا ہوتا ہے مراکشی عورتوں میں خلقۃً نہیں ہوتا(۶)ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ آدمی کے کبھی چھ انگلی ہوجاتی ہے،چنانچہ فقہاء کا جزیہ ہے اگر کسی آدمی کے دو دو ہاتھ ہوں یا دو دو پاؤں یا ایک ہاتھ میں دو ہتھیلیاں تو کیا وضو میں دونوں کا دھونا واجب ہے۔یہ مسئلہ بحر،نہر،درر اور ہندیہ میں مصرح ہے۔ (۷) میں نے بعض شہروں میں اونٹ دیکھے ہلکے پھلکے،لمبے بال والے،جن کے پُشت پر دو کوہانیں تھیں جن کے بیچ میں ایک

طوال الوبر، لکل منھا علی ظھرہ سنامان رفیعان، بینھما مجلس الراکب یکونان له کعودی الرحل، وقد قال العلامة القزوینی فی عجائب الموجودات، ثم الامام الدمیری فی حیوة الحیوان انه یجلب من الھند نوع من الضأن علی صدرہ الیة، وعلی کتفه الیتان، وعلی فخذیه الیتان، وعلی ذنبه الیة وربما تکبر الیة الضأن حتی تمعنه من المشی، زاد القزوینی فیتخذ لالیتھا عجلة توضع علیھا وتشد الی صدرھا، فیمشی الضان وتجر العجلة والالیة علیھا[1] اھ، فھذہ اختلافات فی الاعضاء باصل الوجود و العدم، فضلا عن الصغر، والکبر، والطول والقصر، فھل یجوز لعاقل ان یحکم لذلك باختلاف النوع، وان احد من صنفی الابل ذات کومین و ذات کوم، مثلا لیس من نوع الابل، لاتجوز التضحیة به، ولا تجب الزکوٰۃ فی سائمته۔

آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی، (۸) امام قزوینی نے عجائب المخلوقات اور دمیری نے حیوۃ الحیوان میں تحریر کیا، ہندوستان کے بعض دنبے آتے ہیں جن کے سینے پر چکتی ہوتی ہے اور دونوں مونڈھوں پر دو چکتی اور رانوں پر دو چکتی اور دم پر ایک چکتی ہوتی ہے جو اتنی بڑی ہوتی ہے کہ لکڑی کی چھوٹی گاڑی پر وہ چکتی رکھ دی جاتی ہے اور گاڑی دنبہ کے سینہ سے باندھ دی جاتی ہے جسے وہ کھینچتا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا سارے اختلافات جو اعضاء کی کمی بیشی میں واقع ہونے، چہ جائیکہ ان کے بڑے اور چھوٹے ہونے کا اختلاف، تو کیا کوئی عاقل اس کی وجہ سے جانوروں کی نوع میں اختلاف ہونے کی بات کرے گا اور کہے گا کہ یہ دو کوہان والے اونت، اونٹ ہی نہیں، نہ ان کی قربانی ہوسکتی ہے نہ یہ سائمہ جانوروں میں شمار ہوں گے نہ ان پر زکوۃ ہوگی۔

السابع: اطبق اھل التفسیر والحدیث والفقه و اللغة من العرب والعجم، ان الغنم نوعان، ضأن و معز،

تنبیہ ہفتم توضیح مزید: عربی و عجمی اہل تفسیر و حدیث، اہل فقہ ولغت اس بات پر متفق ہیں کہ بکری کی دو قسمیں ہیں: ضان اور معز، جس کی

[1] حیاۃ الحیوان باب الضاد المعجمة (الضأن) مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۳۴، عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات الضان مصطفی البابی مصر ص ۲۴۹

میش وبُز .وان الضأن ومیش خلاف المعز وبُز ،و المعز وبُز خلاف الضأن ومیش،قال العلامة الخفاجی فی عنایة القاضی وکفایة الراضی حاشیته علی تفسیر البیضاوی الضائن خلاف الماعز ،وجمعه ضأن اھ[1] ، وقال فی مجمع بحار الانوار ضوائن ذات صوف عجاف ھو جمع ضائنة، وھی الشاة من الغنم خلاف المعز[2] اھ وقال فی المرقات الضأن خلاف المعز من الغنم[3]اھ، وقال العلامة مسکین فی شرح الکنز .الغنم اسم یطلق علی الذکر و الانثی من الضأن والمعز والضأن خلاف المعز[4] اھ،وقال فی القاموس المعز ھو خلاف الضأن من الغنم[5]اھ،وفیه الضائن خلاف الماعز من الغنم ،جمع ضأن اضئن ضأنك اعزلها من المعز[6]اھ، وفی مختار الصحاح للعلامة الرازی الضائن ضد الماعز و الجمع الضأن والمعز[7]اھـ	تعبیر فارسی میں میش اور بز سے کی جاتی ہے اور دونوں میں ایسا اختلاف ہے کہ جو معز ہے ضان نہیں اور جو ضان ہے معز نہیں، حوالے: ○ ضائن ماعز کے خلاف،اور اس کی جمع ضان ہے(علامہ خفاجی حاشیہ بیضاوی) ○ ضوائن اون والی ضائنہ کی جمع، یہ بکری کی ایک قسم خلاف ماعز ہے۔(مجمع بحارالانوار) ○ ضائن معز کے خلاف غنم میں سے۔(مرقات) ○ غنم اسم جنس ہے۔یہ ضان ومعز مذکر ومؤنث دونوں پر بولا جاتاہے،اور ضان اور معز میں اختلاف ہے۔(شرح کنز علامہ مسکین) ○ معز ضان کے خلاف ہے۔غنم کی ہی ایک قسم ہے (قاموس) ○ ضائن، بکریوں میں معز کے خلاف،اور جمع ضائن، محاورہ ہے: اپنے ضانوں کو ماعز سے الگ کرو۔(قاموس) ○ ضائن ماعز کا ضد ہے۔اور جمع ضان اور معز ہے(مختار الصحاح رازی)

---

[1] عنایة القاضی حاشیة علی البیضاوی تحت آیۃ ۶/۸۰ دار صادر بیروت ۵/ ۳۵۹

[2] مجمع بحار الانوار باب الضاد مع الهمزة ضائن مکتبة دار الایمان المدینة المنورہ ۳/ ۳۸۳

[3] مرقات المفاتیح کتاب الصلٰوۃ باب فی الاضحیة الفصل الاول المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۳/ ۵۶۱

[4] شرح الکنز لمنلا مسکین مع فتح المعین کتاب الاضحیه ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۸۱

[5] القاموس المحیط باب الزاء فصل المیم (العز) مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۹

[6] القاموس المحیط باب النون فصل الضاد (الضائن) مصطفی البابی مصر ۴/ ۲۴۴

[7] مختار الصحاح تحت لفظ ضائن مؤسسة علوم القرآن بیروت ص ۳۷۶

وفیه المعز من الغنم ضد الضان [1] اھ، وتقدمت اٰنفا عبارات ذخیرۃ العقبٰی والصراح و انت المحتج بقول الغیاث گوسفند بمعنی میش مقابل بُز چنانکہ معز در عربی مقابل ضان ست [2] الخ، وحشیت علیه بقولك ازیں عبارت صاف معلوم می شود کہ آں حیوان کہ عرب آں راضان گویند فرس آں رامیش گویند، وانچہ عرب آں معز گویند فرس بُز گویند، ونقلت عن الشیخ المحقق قدس سرہ غنم دوصنف ست معز کہ آں رابُز گویند وضان کہ آں رامیش خوانند [3] وایدته بقول الشامی الشاۃ بنوعیه [4] اھ، فکان اجماعا علی ان ماکان من الغنم خارجا عن الضان، ومیش فهو داخل فی المعز وبُزوماکان منها خارجا عن المعز وبز فهو داخل فی الضان ومیش، وقدبینا ان حیوانا ھذا من الغنم، وان ستربك فیه فلن یستر بین احد ممن له قسط من العقل انه من بهیمة الانعام، ثم لعلك تزھو بنفسك ان تدعی کونه ابلا اوبقرا فاما

معز بکریوں میں ضان کا ضد ہے۔ (مختار الصحاح رازی)

ذخیرہ عقبٰی اور صراح کی عبارتیں اوپر گزریں۔

o گوسفند معنی میں میش کے جو بز کا مقابل ہے جیسا کہ معز عربی میں ضان کا مقابل ہے۔ (غیاث اللغات بحوالہ مجیب)

o جس حیوان کو عرب ضان کہتے ہیں فارسی میں میش کہتے ہیں (تقریر مجیب)

o غنم کی دو قسم ہے۔ معز کہ اس کو بز کہتے ہیں، اور ضان کہ اس کو میش کہتے ہیں (شیخ محقق، بحوالہ مجیب)

o بکری اپنی دونوں نوعوں کے ساتھ (شامی بحوالہ مجیب)۔

تو ایک طرح اجماع ہوگیا کہ غنم صرف دونوں میں منحصر ہے، جو غنم معز نہیں وہ ضان ہے۔ اور جو ضان نہیں وہ معز ہے۔ تو لامحالہ بھیڑ کو بھی ضان یا معز کسی میں داخل ماننا پڑے گا، اور اگر کچھ شبہ ہو تو اتنا تو قطعی ہے کہ یہ بہیمۃ الانعام میں داخل ہے۔ اور بہ اتفاق علماء انعام کی صرف چار قسمیں ہیں۔ اس امر کی تصریح امام بغوی نے معالم میں اور

---

[1] مختار الصحاح تحت لفظ (المعز) مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ص ۶۲۷

[2] غیاث اللغات فصل کاف فارسی مع واؤ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۱

[3] اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب الاضحیۃ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

[4] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

ان یکون من المعز او من الضان، اذا الانعام منحصرة فی الاربع بتصریح العلماء کافة کما نص الامام البغوی فی المعالم، والامام الرازی فی المفاتیح والعلامة الرومی فی ارشاد العقل والمولی القاری فی المسلك المتقسط، و الفاضل طاہر فی مجمع البحار وغیرھم فی غیرھا لکن الاول باطل اذا المعز ذات شعر، وھذا باعترافك ذات صوف والمعز بُز وبکری و ھذا لیس بھا عند احد من الصبیان فضلا عن علماء اللسان فتعین ان یکو ن من الضان فانظر الی حججك کیف کرت علیك بالحجاج، فان الضان ومیش لوکان مختصة عند العرب والعجم بماله الیة وھذا لا الیة له بزعمك توجب ان یکون خارجا منھا، فوجب ان یکون داخلا فی المعز وبُز، وقد قفیت علی نفسك انه لیس منھا، فبطل انحصار الغنم فی نوعین، وقد کنت بھجت به نقلا واستنادا، و تعویلا واعتمادا ثم بطلانه یقتضی ببطلان دعوٰك فان مدار التضحیة علی النعمیة دون خصوص الالیة والضانیة۔

رازی نے مفاتیح میں رومی نے ارشاد میں ملا علی قاری نے ملسک المتقسط میں اور فاضل طاہر نے مجمع البحار میں کی ہے۔ اور ان کے علاوہ نے دوسری کتابوں میں کی ہے۔ اور آپ اس کو گائے یا اونٹ میں شامل کرنے کی جرات کر ہی نہیں سکتے۔ لامحالہ یہ ضان میں ہی شامل ہوگا، معز یا بکری تو ہوگا نہیں کہ اس کے اون ہوتا ہے اور معز کے اون نہیں ہوتا، کیونکہ آپ کا یہ خود کا اعتراف ہے کہ یہ اون والی ہے، تو دیکھئے آپ ہی کی دلیل نے آپ کا کیسا رد کیا اور صاف ظاہر ہوگیا کہ چکتی مابہ الامتیاز نہیں، ورنہ بھیڑ کو معز میں داخل کرنا ہوگا، اور آپ اس کو دونوں ہی سے خارج کرنے پر تلے ہوئے تھے، اور اسی سے آپ کے دعوی کا رد بھی ہوگیا کہ یہ قربانی کا جانور نہیں۔

الثامن[۸]: کل ماشقق، ورقق، وظن ان قد دقق من کون میش حقیقة فی کذا ومجازا فی کذا او مشترکا بینھا الخ انما ھو علی زعم

تنبیہ ہشتم حقیقت و مجاز والی تدقیق کا جواب: اس پر مجیب کی اس قسم کی ساری تدقیقات کہ میش ذوات الیہ میں حقیقت ہوگا یا مجاز یا مشترک، سب کا مبنٰی یہ تھا کہ چکتی کو میش کی حقیقت

ان ماله الیه مغایر بالنوع لما لیست له الیة بالمعنی الذی توهم فظن ادخالها جمیعا یؤدی الی التثلیث و لم یدر انه هو الواقع فیه لما بینا ان هذا الحیوان من الانعام قطعا و اذ لیس من البدن فمن الغنم فلو کان نوعا مغایر الذوات الالیات لوجب التثلیث۔ **التاسع**[9]: احسنت اذ ایقنت ان التفسیر بالاعم انما یجوز حیث یقصد التمییز عن بعض الاغیار ولکن دعواك ان ههنا کذالك فمفسروا الضأن بمیش انما قصدوا المیز عن البعض، کلمة انت قائلها لا برهان لك علیها بل الحجة ناطقة بخلافها حیث کان المحل لبیان حکم لا یعد والضان کجواز الجزع کما فی عبارة الشیخ المحقق رحمه الله تعالٰی فی اشعة اللمعات[1] وغیرها۔ **العاشر**[10]: انما الخطاب بلغة العرب، فمالم یثبت النقل فالاحتجاج باللغة تام قطعا ولا یدفع بالاحتمال بناء علی ان اهل الشرع قد یصطلحون علی معنی اٰخر، بذٰلك استدل الامام المحقق علی الاطلاق محمد بن الھمام	میں بنیادی دخل ہے۔اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہ بنیاد ہی غلط ہے، تو یہ تدقیقات بھی بے حقیقت ہوگئیں، اور انھیں پر مبنی یہ حکم بھی کہ غنم کی دو ہی قسم نہ رہیں گی، بھیڑ کے بعد اس کی تین قسم بنیں گی۔ **تنبیہ نہم ذات الصوف تعریف بالاعم نہیں**: یہ بات بلاشبہ صحیح ہے کہ کبھی کبھی تعریف و تفسیر لفظ اعم سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ مجیب نے دعوی کیا ہے۔ لیکن یہ بات کہ لفظ ضان کی تفسیر میں میش کا ذکر بھی یونہی ہے۔بے حقیقت بات ہے۔ بلکہ شہادات اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ تفسیر ایک ایسے حکم کے بیان کے سلسلہ میں ہے جو اضان کے ساتھ خاص ہے جیسے صاحب اشعۃ اللمعات کا یہ کہنا کہ ضان کا چھ ماہہ بچہ بھی جائز ہے۔ **تنبیہ دہم درباره لغت فقہاء واوہاء**: نیز یہ بات بھی صحیح نہیں کہ اعتبار فقہاء کی لغت کا ہے نہ کہ ادیبوں کی لغت کا، جب خطاب زبان عرب میں ہے۔تو جب تک منقول ہونے کا ثبوت نہ ہو ضروری ہے کہ لغوی معنی ہی مراد ہوں اس کی تائید ابن ہمام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلٰوۃ باب الاضحیۃ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

علی تحریم البنت من الزنا، قال فی الفتح لانها بنته لغة والخطاب انما ھو باللغة العربیة مالم یثبت نقل[1] وتبعه علیه البحر فی البحر، والشامی فی ردالمحتار وغیرھما من العلماء الکبائر، وھذا الذلم یظھر من الوفاق، فکیف وقد ثبتت مواطاتھم علیه کما مر و یاتی بتوفیق الله تعالٰی۔ **الحادی عشر**: تظافرت کلمات علماء التفسیر و الحدیث والفقة، واللغة وغیرھا علی المیز بین الضان والمعز بالصوف والشعر، قال الامام محی السنة البغوی فی معالم التنزیل الضأن النعاج وھی ذوات الصوف من الغنم، والمعز ذوات الشعر من الغنم[2] اھ مختصرا، وقال الامام الرازی فی تفسیر الکبیر الضان ذوات الصوف من الغنم، والمعز ذوات الشعر من الغنم[3] اھ ملخصا وفی المصباح المنیر وحیوۃ الحیوان وغیرھما الضان ذوات الصوف من الغنم[4] اھ، و	فرمان سے ہوتی ہے کہ "لغۃً زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی کو بنت ہی کہا جاتا ہے اس لئے قرآن کے فرمان وبناتکم میں یہ بھی داخل ہوگی، اور زانی کا نکاح ایسی لڑکی سے حرام ہوگا"۔ (امام ابن ہمام، بحر، شامی) **تنبیہ یازدہم تفسیر بالاعم کی حقیقت**: یہ امر بھی قابل غور ہے کہ علماء تفسیر وحدیث اور فقہ ولغت کی بڑی تعداد نے ضان اور معز کی تفریق میں صوف اور بال کا لفظ استعمال فرمایا ہے تو تفسیر بالاعم وغیرہ کی تاویل ان کے کلام میں نہیں کرنی چاہیے بلکہ ان قلیل التعداد علماء کے کلام میں جو ایک لفظ خاص "ذات الیۃ" (چکتی والی) سے تعبیر کرتے ہیں، حوالے: ○ بغوی معالم التنزیل "ضان ونعجہ، نر ومادہ اون والی بکری کو کہتے ہیں اور بال والی کو معز"۔ ○ امام رازی تفسیر کبیر: "اون والی بکری ضان ہے اور بال والی معز"۔ ○ مصباح المنیر وحیٰوۃ الحیوان "بکری کی اون

[1] فتح القدیر کتاب النکاح فصل فی بیان المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۱۸

[2] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۲

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۱۳/ ۲۱۶

[4] المصباح المنیر الضاد مع الاواو الضان مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲

فی شرح النقایة،ثم الطحطاوی،و ردالمحتار الضأن ماکان من ذوات صوف والمعز من ذوات الشعر [1]۔وبه فرق بینهما فی البحر الرائق وغنیة ذوی الاحکام، وفتح الله المعین جمیعا عن معراج الدرایة،والیه یشیر حدیث الامام احمد،وابن ماجة، والحاکم، و قال صحیح الاسناد عن زید بن ارقم رضی الله تعالٰی عنه قال قال اصحاب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یارسول الله ماهذا الاضاحی،قال سنة ابیکم ابراهیم علیه الصلٰوة والسلام،قالوا فما فیها یارسول الله،قال بکل شعرة حسنة،قالوا فالصوف یا رسول الله قال بکل شعرة من الصوف حسنة [2]،	والی قسم ضان کہلاتی ہے"۔ طحطاوی شرح نقایہ ردالمحتار: "ضان اون والی اور معز بال والی"۔
	○ بحر الرائق،غنیہ ذوی الاحکام فتح الله المعین عن معراج الدرایة(ایضا)
	○ حدیث امام احمد ابن حنبل: ابن ماجہ کا ارشارہ یہی ہے: "زید بن ارقم کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا: تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت۔ پوچھا: ہم کو کیا ملے گا؟ فرمایا: اس کے ہر بال کے برابر نیکی۔ لوگوں نے عرض کیا:- اون کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا اس کے بھی ہر بال کے برابر نیکی ملے گی"۔
قال فی المرقات لما کان الشعر،کنایة عن المعز، کنواعن الضأن بالصوف [3]الخ،والیه مال النصوص التسعة المذکورة فی التنبیه السابع،عن العنایة و الجمع،والمرقاة،وشرح الکنز،وذخیرة العقبٰی و القاموس والصراح،ومختار الصحاح،	○ مرقات میں ہے: "حدیث شریف میں بال سے اشارہ بکری کی طرف تھا۔ تو لوگوں نے صوف کہہ کر ضان کے بارے میں پوچھ لیا" ساتویں تنبیہ میں عنایہ، مجمع، مرقات، شرح کنز، ذخیرہ عقبٰی، قاموس، صراح، مختار الصحاح،

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۳۰۶، ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۹

[2] مسنداحمد بن حنبل حدیث زید بن ارقم رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۳۶۸، سنن ابن ماجہ ابواب الاضاحی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۳

[3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلٰوۃ باب فی الاضحیۃ المکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۷۸

وغیاثك الذی استغثت به من تفسیر الضان بما یخالف المعز وبالعکس اذلو کان الفصل بینهما بشیئ اخص من الصوف لم یکن کل مالیس بضان معز اولا بالعکس بقاء مادة تفارق الصوف من ذٰلك الاخص خارجا منهما جمیعا عدم الضاینة لعدم الاخص وعدم المعزیة لوجود الصوف.فهذه احد واعشرون نصوصا،سبعة اضعاف ما جئت به کلها قاضیة بهذه التفسیر،ولعل ماترکناه اکثر مما سردنا وقد اعترف الرجل وان لم یعرف فسیقضی العیان ان هذا الحیوان من ذوات الصوف فهو من خصوص الضان فضلا عن عموم الغنم اوالانعام و التعریف بالاعم وان جاز عند الاوائل فلیس بجید بالاجماع۔قال المولی المحقق السید الشریف قدس سره الشریف فی شرح المواقف،اعلم ان اشتراط المساواة فی الصدق مماذهب الیه المتاخرون،واما المتقدمون فقالوا الرسم منه تام یمیز عن کل مایغایر منه وناقص یمیز عن بعض،وصرحوا بان المساواة شرط لجودة الرسم کیلا یتناول مالیس من المرسوم ولا یخلو عما هو منه [1] اھ مختصرا،وقال العلامة حسن چلپی فی حاشیة التلویح لاخلاف فی اشتراط المساوات الجودة التعریف [2]۔اھ

غیاث اللغات کی عبارتوں کا مفاد بھی یہی ہے۔کیونکہ ضان اور معز کے علاوہ کوئی اور نوع ہوتی جس کی وجہ امتیاز چکتی ہو تو ضان اور معز میں جنس غنم کا انحصار باطل ہوا جاتا ہے۔
یہ ۲۱ نصوص ہیں اور جو مذکور نہ ہوئے اس سے بہت زیادہ ہیں،سب اس بات کا فیصلہ کررہے ہیں کہ ضان اور معز میں فرق اون سے ہے چکتی سے نہیں،اس طرح مجیب نے لاعلمی میں ہی سہی،یہ اعتراف کرلیا کہ بھیڑ ضائن میں شامل ہے آگے علی الاعلان اعتراف کرنا پڑے گا،عام سے تفسیر ماننے میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ متقدمین نے اسے صرف مباح مانا ہے۔ایسی تعریف عمدہ نہیں ہے۔

میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواقف میں فرمایا:"متاخرین نے تعریف میں مساوات کی شرط لگائی اور متقدمین نے کہا کہ جو تمام مشارکات سے تمیز دے دے وہ رسم تام ہے۔اور جو بعض سے ممتاز کرے رسم ناقص ہے۔اور تعریف تبھی عمدہ ہے کہ مساوی سے ہو کہ امتیاز کامل حاصل ہو"اور حسن چلپی نے بھی حاشیہ تلویح میں فرمایا:تعریف کی عمدگی کے لئے مساوات شرط ضروری ہے"

---

[1] شرح المواقف المرصدا السادس المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۵،۴

[2] حاشیه التلویح مع التوضیح والتویح المطبعة الخیریة مصر ۱/ ٦٧

فحمل کلامهم علی مالیس بجید لیس بجید۔

الثانی عشر ۳: لوفرضنا التساوی فی الجودة فلا یرتاب من له عقل ورزق سلیقة ما فی فهم الکلام، ان الظاهر المتبادر من التعریف انما هو التساوی ولا یجوز العدول عن الظاهر الا بدلیل، الا تری ان العلامة المحقق سعد الدین التفتازانی رحمه الله تعالٰی صرح فی حاشیة الکشاف کما نقله حسن چلپی فی حواشی التلویح، ان قول الفائق الحمد هو المدح صریح فی الترادف [1] اھ مع انه لو القائل فی التلویح ان کتب اللغة مشحونة بتفسیر الالفاظ بماهوا عم من مفهوما تهما [2] الخ، فلم یمنعه تصریحه هذا عن جعله تفسیر الفائق الحمد بالمدح صریحا فی الترادف، وهل هو الا؛ لان الظاهر هو التساوی مالم یدل علی خلافه دلیل، وبه یجاب عن بحث چلپی، و هکذا قال المولی السید الشریف (رحمة الله تعالٰی) فی شرح الکشساف، قوله الحمد والمدح

تو یہ علماء جس بات کو غیر عمدہ بتادیں، ان کے کلام کو اسی پر حمل کرنا کوئی عمدہ بات نہیں ہے۔

تنبیہ دوازدہم تشریح مزید: ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ عام اور مساوی دونوں کے ساتھ تعریف ہم پلہ ہی ہے۔ پھر بھی سخن فہم خوب جانتے ہیں کہ لفظ تعریف سے ذہن کی سبقت تساوی کی طرف ہی ہوتی ہے اور بغیر کسی قرینہ کے متبادر کو چھوڑ کر اعم مراد لینا خلاف نقل وعقل ہے۔

امام تفتازانی نے حاشیہ توضیح میں تصریح فرمائی کہ کتب لغت میں عام کے ساتھ تفسیر عام ہے۔"

اس کے باوجود "فائق" کے قول "الحمد ھو المدح" کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

"اس کا مطلب یہ ہے کہ حمد اورت مدح دو مرادف لفظ ہیں۔" (شرح حاشیہ کشاف بحوالہ چلپی)

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہوا کہ احتمال اعم ہونے کے باوجود انھوں نے ظاہر متبادر و مساوی پر کلام "فائق" کو محمول کیا۔

ٹھیک اسی طرح میر سید شریف نے بھی یہ اقرار کرتے ہوئے کہ تعریف اعم بھی جائز ہے۔ شرح کشاف میں "المدح والحمد"

---

[1] حاشیة التلویح مع التوضیح والتلویح بحواله شرح الکشاف المطعة الخیریة مصر ۱/ ۶۷

[2] حاشیة التلویح مع التوضیح والتلویح بحواله شرح الکشاف المطعة الخیریة مصر ۱/ ۶۷و۶۸

اخوان [1] ای هما مترادفان ویدل علی ذٰلك انه قال فی الفائق والحمد هو المدح والوصف بالجمیل الخ فقد استدل بتفسیر اللغة علی الترادف مع انه مصوب لجواز التفسیر بالاعم کما سیأتی وبالجملة فجواز شیئ شیئ وجواز الحمل علیه شیئ اٰخر،فقد یجوز شیئ فی نفسه ولا یحوز حمل الکلام علیه لکونه خلاف الظاهر فلا عدول عنه الابدلیل زاهر۔	اخوان فرمایا،اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کا محتمل اور جائز ہونا اور بات ہے۔اور اس کا محمول اور مراد ہونا اور بات ہے۔پس ثابت ہوا کہ متبادر سے پھرنے اور محتمل پر کلام حمل کرنے کے لئے واضح قرینہ ضروری ہے۔
الثالث عشر ۱۳: الحق عندی ان التفسییر بالاعم انما یجوز ان جاز حیث وضح المفاد وقامت القرینة علی المراد،والا فلا قطعا لعرق التغلیط،لما فیه ح من التلبیس والتخلیط،وطریقة اهل اللغة معروفة انهم اذا نکروا عرفوا واذا عرفوا نکروا فاذا قیل اُحد جبل وسعدانة نبت،لو یفهم منه الا انه جبل معین ونبت مخصوص،ولئن قال ان اُحدا الجبل وسعدانة النبت لکان مخطئا قطعا،وان کان لم یرتکب الا تفسیرا بالاعم کیف وانه افهم ان احدا یرادف الجبل والسعدانة النبت وهذا ان کان خفیا علی غبی،فلیس یخفی علی ذکی و اذا کان هذا فی اللغة،فما ظنك بالشرعیات	**تنبیہ سیز دہم توضیح مزید:** اور جو سچ پوچھو تو ہمارے نزدیک اعم سے تفسیر اسی وقت جائز ہے جبکہ اس سے مراد خاص ہو۔مثلا اہل لغت کا یہ دستور ہے کہ نکرہ بول کو معرفہ اور معرفہ بول کو نکرہ مراد لیتے ہیں۔اب انھوں نے کہا "اُحُدٌ جبل" و "سَعْدَ اَنَةٌ نبت" تو اس کا ترجمہ ہوا "احد ایک خاص پہاڑ ہے، اور "سعد انہ ایک خاص گھاس ہے" تو یہاں تعریف احد میں ایک عام لفظ جبل بول کر بھی مراد خاص پہاڑ ہو،اور محاورہ نکرہ بول کر معرفۃ مراد لیا ہو،اس موقع پر کوئی جبل کے بجائے الجبل بولے تو خلاف محاورہ اور غلط ہوگا،حالانکہ اس بیچارے نے معرفہ کی تعریف میں لفظ معرفہ ہی استعمال کیا ہے، لیکن اس عبارت سے کوئی یہ نہ سمجھے گا

[1] حاشیه علی الکشاف للجرجانی مع الکشاف سورۃ الفاتحۃ الکتاب انتشارات آفتاب تہران ایران ۱/ ۴۶

حیث المحل لبیان الاحکام الالهیة الخاصة بالشیئ، فان التفیسر بالاعم ثم من ابین الاباطیل من دون اقامة قرینة وایتاء دلیل، الاتری ان من علیه کفارة صوم اذ سأل ماتحریر رقبة،فزعم زاعم انه رفع قید عن شیئ حی،فقد اخطأ وجعل سائله عرضة للخطأ فانه ان قنع بقوله فسیظن انه یجزئ عنه اطلاق انسان،اوطلاق نسوان،اوتسبیب حیوان و لذا تری العلماء المحققین من الفقهاء والمحدثین لم یزالوا یواخذون بترك القیود وبانثلام فی عکس،اوانخرام فی طرد یاخذون علی الحدود،ولقد احسن واجاد المولی المحقق محمد بن عبدالله الغزی فی منح الغفار کما اثر عنه فی ردالمحتار اذ یقول فی بیان شناعة الاطلاق فی محل التقیید، ما نصه	کہ اُحد اور الجبل میں ترادف ہے۔تو سر اس میں یہی ہے کہ تعبیر اول میں محاورہ عام سے مراد خاص ہے اور ثانی میں خاص سے مراد عام ہے۔اور محاورے کا یہ فرق ہر صاحب فہم پر واضح ہے۔تو جب لغت کا یہ حال ہے کہ بولیں عام اور مراد لیں خاص،تو شریعت غرا جس میں خاص شیئ کے احکام مخصوصہ کا بیان ہوتا ہے۔عام بول کر عام ہی کس طرح مراد لیں گے؟ یہاں بغیر قرینہ کے تفسیر بالاعم غلط اور باطل ہو گی، دلیل تنویری: روزہ کا کفارہ قرآن مجید میں ایک گردن آزاد کرنا آیا ہے۔اگر اب کوئی شخص لفظ تحریر رقبۃ کے معنی عام (زندہ کی قید دور کرنا) مراد لے تو غلط ہوگا کیونکہ ترجمہ کی بنیاد پر بندھے آدمی کو کھولنا، عورت کو طلاق دینا،اور جانور کو چھوڑ دینا، سبھی مراد ہو سکتے ہیں،تو لازم آئے گا کہ یہ سب چیزیں روزہ کا کفارہ بنیں۔یہیں سے علمائے محققین فقہاء و محدثین کے اس طرز عمل کی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہ عام طور سے تعریفات میں قیود احترازی اور جمعیت و منعیت کا لحاظ کیوں کرتے حالانکہ وہ عام طور سے تعریفات میں قیود احترازی اور جمعیت و منعیت کا لحاظ کیوں نہیں کرتے،حالانکہ جو کچھ بیان کرتے ہیں اس کی مراد ایک جامع مانع محدود ہی ہوتا ہے ___ علامہ غزی تمر تاشی سے "شامی" نے نقل کیا کہ: حضرت علامہ نے الفاظ عامہ کو محل تقیید میں بھی عام مراد لینے والوں کے خلاف فرمایا:

فیظن من یقف علی مسائلہ الاطلاق، فیجری الحکم علی اطلاقہ وھو مقید، فیرتکب الخطأ فی کثیر من الاحکام فی الافتاء والقضاء [1] اھ مثلا فی مانحن فیہ ان کان تفسیر الضان بذات الصوف، وبخلاف المعز و بمیش کل ذٰلک تفیسر بالاعم، فمن وقف علی کلماتھم المتظافرۃ المتکاثرۃ المتوافرۃ فی ذٰلک، فربما یجترح فی تضحیۃ بذات صوف لیست من الضان فیأثم بترک الواجب والاصرار علیہ سنین متطاولۃ کما ھو حال عامۃ المسلمین بالدیار الھندیۃ عالمھم وجاھلھم عند ھذا الرجل قد حکم علیھم بالضلال والاضلال فما اضلھم ان ضلوا الا الی ھذہ التفاسیر بالاعم، وان کان رجل علق ابانۃ عرسہ بالتضحیۃ، فضحی بھذا یحکم الواقف علی کلماتھم بوقوع البینونۃ، وھی لم تبن، فیحرم الحلال او بعدمھا ففعل ذٰلک یحکم بعدم الوقوع، وھی قد بانت فیحلل الحرام الی غیر ذٰلک الشنائع العظام، ما ھجمت تلک الامن تلقاء ذٰلک التفسیر بالعام، فکیف یسوغ ان یحمل کلامھم علی مثل ھذا

"جو مقام تقیید میں لفظ کے اطلاق کا سہارا لے کر احکام عامہ جاری کرے گا وہ بیشمار احکام کے فیصلہ میں قضاء اور افتاء غلطی کرے گا۔" مثلاً ہم مسئلہ دائرہ میں ہی لے لیں، ضان کہ جنتی تفسیریں ہیں، جیسے اون والی، جو معز نہ ہو، اور میش یہ سب تعریفیں کے الفاظ بالاعم ہیں، اب کوئی اون والی تعریف کے الفاظ پر غور کرکے بھیڑ ذبح کردے، تو اس نے بقول مجیب غلط نہیں کیا، الابرھان واین البرھان ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین۔ مگر آپ پڑھ آئے ہیں کہ انھوں نے ایسے تمام لوگوں کو جاہل اور جاہل گر بنایا، یا مثلاً کسی نے اپنی عورت کے طلاق کو قربانی کرنے پر معلق کیا، اور بھیڑ کی قربانی کردی، تو ایک ایسا شخص جو کلمات علماء کے مفہوم و مراد کو سمجھتا ہے۔ بھیڑ کی قربانی کو قربانی قرار دے کر طلاق بائن واقع مانے گا، جبکہ مجیب صاحب عام کو عام رکھتے ہوئے بھی اس کو قربانی کے جانور سے نکال کر طلاق نہ واقع ہونے کا فتوٰی دیں گے، اب ان دونوں باتوں میں حقیقت امر سے قطع نظر جس کو پہلے صاحب حرام کہہ رہے ہیں، دوسرے صاحب حلال ہونے کا فتوٰی دے رہے ہیں، تو یہ سارے قبائح اسی تفسیر بالاعم کا شاخسانہ ہیں، تو یہ معلوم ہوا کہ یہ قول ہی غلط ہے

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد فصل فی کیفیۃ القسمۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۳۵

الا ببرھان و این البرھان ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین۔ **الرابع عشر**[1]: مسألة التحدید ان کانت تؤخذ من جھة التقلید، کما یدل علیه الاستناد بالاھوری، فاجلة ائمة الدین وجھابذة النقاد المحققین مثل الامام فخر الدین الرازی فی شرح الاشارات، والامام صدر الشریعة فی التنقیح، والعلامة القاضی عضد الدین فی المواقف، والقاضی النحریر ناصر الدین البیضاوی فی طوالع الانوار، والعلامة سعد الدین التفتازانی فی التھذیب، والفاضل قطب الدین الرازی فی شرح الشمسیة، و المحقق شمس الدین محمد بن حمزة الفناری فی فصول البدائع فی اصول الشرائع وغیرھم من الاکابر المصرحین بان المعرف لا بدله من التساوی، فلا یجوز التعریف بالاعم، ولا بالاخص، احق بالاتباع وان شئت نقلت لك نصوصھم، ولا یخفی علیك ان المسألة شھیرة دائرة، وفی کتب الکلام والاصول والمیزان سائرة، فالاستاذ الی اللاھوری کیفما کان من ابعاد النجعة لاسیما وکتابه فی النحو، ولیست المسألة من مسائل ذا النحو۔	**تنبیہ چہاردہم حد کے تقلیدی ہونے کی بحث:** تعریف کا مسئلہ اجتہادی نہیں تقلیدی ہے۔ مطلب یہ کہ عام سے اگر تعریف جائز ہے تو بزور قیاس اس کور دور نہیں کرسکتے جیسا کہ مجیب نے اس مسئلہ میں فاضل لاہوری کی سند پکڑی ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ مسئلہ تقلیدی ہے لیکن یہ بھی تو دیکھنا ہوگا کہ تقلیدی کن لوگوں کی کی جائے' اور جن کی تقلید کرتا ہے وہ کیا کہتے ہیں۔ تو امام رازی شرح اشارات میں صدرا لشریعہ تنقیح میں، قاضی عضدالدین مواقف میں، قاضی بیضاوی طوالع الانوار میں، تفتازانی تہذیب میں، قطب رازی شرح شمسیہ میں امام فناری اصول بدائع میں، وغیرہ اکابر علمائے اعلام تصریح فرماتے ہیں کہ تعریف کے لئے تساوی ضروری ہے۔ نہ تو معرف عام تعریف میں چلے نہ خاص، تو ان علماء کی بات مانی جائے گی کہ فاضل لاہوری کی، جبکہ ان کی کتاب فخن نحو کی کتاب ہے، اور یہ مسئلہ علم نحو کا نہیں۔

والخامس عشر[15]: الاوائل ان جوزوا التعریف بالاعم وھو الاقرب حیث لابُعد، کما قدمت فقد جوزوا التعریف بالاخص ایضا، والدلیل الدلیل فان عندھم لیس من شریطۃ التفسیر الا التمییز عن بعض ما یغایر، وھو حاصل فی الکل بل قد یمکن ان یحصل بالمباین فالقصر قصور، بل لك ان تقول ان من قبل الاعم فھو الاخص اقبل، لانہ یمیز المعرف عن کل ماعداہ، کما ھو ظاھر وقد نص علیہ الحسن چلپی فی حواشی المواقف وغیرہ فی غیرھا، قال المحقق الشریف فی شرحھا اما المتقدمون فقد جوزوا الرسم بالاعم و الاخص، وایدبان المعرف لا بد ان یفید التمیز عن بعض الاغیار، واما عن جمیعھا فلیس شرطا لہ، فالمساواۃ شرط للمعرف التام دون غیرہ، حدا کان او رسما[1] اھ وکذلك ایدہ ایضا فی حواشیہ علی شرح المطالع کما نقلہ چلپی فیھا، وقال قدس سرہ فی حواشیہ علی شرح الشمسیۃ الصواب ان المعتبر فی المعرف تمییزہ عن بعض ماعداہ، اما عن الکل فلا فالاعم والاخص یصلحان للتعریف[2] اھ.	تنبیہ پانزدہم متقدمین کا مسلک: مقدمین نے جس طرح اعم سے تعریف جائز رکھی (اور اس میں کوئی بعد بھی نہیں، جیسا کہ ہم نے بھی بیان کیا) انھوں نے اخص سے بھی تعریف کو جائز رکھا اور مبائن سے بھی امتیاز ہوجائے تو اس سے بھی تعریف جائز ہوگی، کیونکہ ان کے یہاں جمیع ماعدا سے امتیاز ضروری نہیں، بعض مشترکات سے بھی تمیز حاصل ہوجائے تو تعریف جائز ہے۔ پس لفظ عام کی ہی کوئی خصوصیت نہیں رہی اخص بلکہ مبائن سے بھی تعریف جائز ہوئی۔ بلکہ اخص تو جمیع ماعدا سے ممتاز بھی کردیتا ہے۔ البتہ کچھ فرد کو اپنے سے بھی خارج کردیتا ہے۔ **شہادتیں**: ٥ متقدمین نے اعم اور اخص دونوں سے تعریف جائز رکھی۔ دلیل یہ دی کہ تمامشترکات سے تمیز دینا مقصود نہیں، بعض اغیار سے تمیز مقصود ہوتی ہے۔ البتہ معرف تام کے لئے مساوی ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بات حد و رسم کے لئے عام ہے۔ (حاشیہ شرح مواقف میر سید شریف وشرح مطالع حسن چلپی) ٥ معرف میں بعض ماعدا سے امتیاز مطلوب ہوتا ہے تمام ماعدا سے نہیں، توخاص اور عام دونوں تعریف کی صلاحیت رکھتے ہیں (شرح شمسیہ میر سید شریف)

[1] شرح المواقف المرصد السادس المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۶،۵

[2] لوامع الاسرار حاشیۃ علی شرح مطالع الانوار

وکذلك صححه المولی العلامة بحرالعلوم قدس سره فی شرح السلم .فقال المتقدمون قالو ان کان الغرض الامتیاز عن کل ماعداه،فلا یجوز الاالمساوی والاخص،ان لم یکن الاعم ذاتیا له۔وان کان الغرض الامتیاز عن بعض الاغیار، فیجوز بالاعم والاخص والمساوی،واما المباین فان کان یورث الامتیاز فلا حجر فی التعریف به لکنه نادر جدا،ووجه حقیة هذا المذهب ظاهر .فان الحاجة الی جمیع الاقسام المذکورة ثابتة،فاسقاط البعض عن درجة الاعتبار غیر لائق [1] اه الکل مختصر واذا جاز الامران،فمن این لك ان اطباق المترجمین قاطبة، علی التفسیر بمیش،وتفسیر اکابر العلماء من الفقهاء والمفسرین والمحدثین،واللغویین بذات الصوف، اوبخلاف المعز،وهوالخارج من جادة الجودة، دون تفسیر البعض لصاحبة الالیة،وما یدریك لعل الثلثة الاول هی التفسیر بالمساوی،وهذا تفیسیر بالاخص و لم تکن بیدیك علقة شبهة تدعوك الی ما ادعیت الا الاغترار بهذا الفظ فحسب،وقد شرد عنك وبردلنا ما قدمناونذکر بعد ولله الحمد من قبل ومن بعد۔

متقدمین کہا کہ کل ماعدا سے امتیاز مطلوب ہو تو مساوی یا اخص کے سواجبکہ عام اس کا ذاتی نہ ہو، کسی سے بھی تعریف جائز نہیں،اور اگر غرض بعض ماعدا سے امتیاز ہو تو اعم واخص اور مساوی سبھی سے جائز ہے۔اور مبائن سے امتیاز ہوسکے،تو اس سے بھی تعریف جائز ہے لیکن ایک نادر الوجود بات ہے اور اس مذہب کی حقانیت ظاہر ہے کیونکہ وقت وقت سے ضرورت سارے ہی اقسام کی پڑی ہے۔تو بعض کو ترجیح دینا اور بعض کو ترک کرنا غلط ہے(شرح سلم بحر العلوم)

توثابت ہوا کہ عام کی کوئی تخصیص نہیں خاص وعام دونوں ہی سے تعریف ہوسکتی ہے پس آپ کو یہ حق کب پہنچتا ہے کہ علمائے محققین مفسرین و محدثین کی ان تینوں تعریفوں کی (میش،اون دار،خلاف ماعز) توآپ ساقط الاعتبار گردانیں اور بعض حضرات نے "صاحب الیہ" تفسیر کردی تو وہ قابل اعتبار ہوگئی،کیا ایسا ممکن نہیں کہ وہ تینوں تعریفیں مساوی کے ساتھ ہوں،اور چکتی والی تعریف تعریف بالاخص ہو، ہمارے اس نظرئے کے خلاف خوش اعتماد کے سوا اور کوئی دلیل نہیں،تو مسئلہ بالکلیہ ہمارے موافق ہوگیا۔

---

[1] شرح السلم لبحر العلوم فصل المعرف الشیئ الخ مطبع مجتبائی دہلی ص۱۱۸

السادس عشر[۱۶]: استشهادك بمن التبيعضية ان تمشيئ، ففى عبارة شرح النقاية دون سائر عبارات التى نقلنا بعضها، ثم لاحجة لك فيها ايضا فان ما فى قوله ما كان من ذوات الصوف[1] للاستغراق والفردية تاتى بالبعضية فمن فى محلها قطعا من دون دلالة على عموم الحد، والمعنى ان الضان اسم كل فد من ذوات الصوف، كان تقول على ما اشتهر باقتفاء، اٰثار الفلاسفة المبطلة ان الانسان اسم كل من كان من اهل النطق، افيفهم منهم ان الناطق يعم الانسان وغيره وانظر الى عبارة نفسك حيث نزلت عن ادعاء التفسير بالاعم و اتيت على تعبير المساوات بين الضان و ذات الصوف على قول مخالفک، فقلت لو قبل ان غرضهم من تفسير الضان بميش ان الضان ما كان من ذوات الصوف سواء كان له الية اولا، كما ان ميش كذٰلك الخ فاين ذهب عنك ههنا من التبعيضية۔	**تنبیہ شانزدہم تعریف میں من تبیعضیہ کی تحقیق**: صرف شرح نقایہ کی عبارت میں لفظ من آیا ہے، **ماکان من ذوات الصوف** (جو اون دار میں سے ہو) اس کو بعض کے معنی میں لے کر یہ سہارا پکڑنا کہ یہاں مراد تمام صوف والے نہیں بلکہ بعض صوف والے ہیں (یعنی دنبہ) غلط ہے، کیونکہ اس سے قبل **ما کان** ہے۔ جو استغراق کے لے ہے، تو یہاں **مِنْ** جو تبعیض کے لئے آتی ہے کلی کے افراد پر فرد افرد ادلالت کے لئے ہے۔ اور معنٰی یہ ہے کہ ضان نام ہے اون والے جانور میں سے ہر ہر فرد کا، تو من کی تبعیض بھی سلامت رہی اور ماکا استغراق بھی۔ یہ ایسے ہی ہے کہ فلاسفہ نے انسان کی اوندھی سیدھی جو تعریف کی ہے: **الانسان حیوانٌ ناطقٌ**۔ اس کی تعبیر کوئی یوں کرے: **الانسان اسم لکل ماکان من اھل النطق** (انسان ہر اس کا نام ہے جو نطق والوں میں سے ہو) تو کیا اس مثال میں کوئی یہ گمان کر سکتا ہے کہ ناطق انسان سے اعم ہے۔

مجیب اگر خود اپنی عبارت پر غور کرے تو اپنے اس غلط استشہاد سے رجوع کرے کیونکہ جب اس پر یہ اعتراض ہوا کہ علماء نے فارسی میں ضان کو میش کہا، اور یہی چیز اردو میں بھیڑ کہی جاتی ہے لہٰذا بھیڑ ضائن میں داخل ہوئی، تو اس نے کہا اس تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ "**ماکان من ذوات الصوف**

---

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۳۰۶

میش سواء کان له الیة او لا" (جو اون والی ہے میش ہے۔اس کے چکتی ہو یا نہ ہو)
دیکھئے یہاں بھی من تبعیضہ ہے، لیکن مجیب نے اس چکتی دار اور غیر چکتی دار دونوں میں عام مانا، یہاں منْ تبعیضہ کا سہارا لے کر صوف دار کو ضان سے عام نہیں مانا۔
پس معلوم ہوا کہ ان تعفریفوں میں مِنْ کا سہارا لینا بھی غلط ہے۔

السابع عشر: استنادك بعموم حد المعز لایغنی عنك شیئا فان عموم قرین لایدل علی عموم صاحبه،وقد نص العلماء علی ان الاستدلال بالقران فی الذکر من افسدالدلائل،وایضا لیس اسلوب الکلام فیه کمثله فی الضان لعدم ما الافرادیة هنا وکان هذه هی نکتة التغییر ان کان القهستانی لایخص الشعر بالمعز،علی انا رأینا العلماء یخصون، قال العلامة علی القاری فی المرقاة تحت حدیث زید المذکور رضی الله تعالٰی عنه ان الشعر مختص بالمعز، کما ان الوبر مختص بالابل،قال تعالٰی "وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِیْنٍ ۝۸۰" ولکن قد یتوسع بالشعر فیعم [1] اھ،وسیأتیك من کلام المفسرین مایمیل الیه میلا ظاهرا،مع ان الکلام ههنا فی الغنم فغیره خارج عن المقسم،فلم یکن فی شیئ	**تنبیہ ہفدہم قرآن فی اللفظ کی بحث**: (علماء نے ضان کی تعریف میں **ماکان من ذوات الصوف** کہا (جس کے اون ہو) اور معز کی تعریف میں **ماکان ذوات الشعر** (جو بال والا ہو) کہا: اس سے ان لوگوں کی تائید ہوتی تھی جو بھیڑ کو ضان میں داخل مانتے ہیں کہ علماء نے ضانیت کا مدار اون پر رکھا چکتی پر نہیں)۔ اس کا جواب مجیب نے یہ دیا تھا کہ یہ توجب ہو جب ہم یہ تسلم کرلیں کہ "**مَالَه صُوْف**" کالفظ ضان کے مساوی ہے۔حالانکہ یہ لفظ یہاں بھی ضان سے اعم ہے۔دلیل یہ ہے کہ اسی کے ساتھ **ماله شعر** کہہ کے بکری کی تعریف کی گئی ہے۔تو اگر اس تعریف میں بھی مدار بال پر رکھا جائے تو گائے اور بھینس بھی جو بالدار ہیں، بکری بھی شامل ہو جاتے ہیں،اس لئے حقیقت یہی ہے کہ اس مقام پر علماء نے ضان اور معز دوونوں ہی کی تعریفیں لفظ عام سے فرمائی ہیں۔ مجیب کی یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ اس جواب کا مدار اس قاعدے پر ہے کہ "جو دو۲ جملے لفظ میں

[1] مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلوٰۃ باب فی الاضحیہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۷۸

من التعریف بالاعم۔	ساتھ ساتھ ہوں ان دونوں کا حکم بھی ایک ہی ہوتا ہے" جبھی تو مجیب یہ کہہ رہا ہے کہ معز کی تعریف "مَالَہ شَعْر "میں شعر عام ہے۔ تو "مالہ صوف" میں صوف عام ہونا چاہئے، حالانکہ یہ استدلال ہی سرے سے فاسد اور غلط ہے۔

(الف) علماء اسلام کا فیصلہ ہے کہ "**قران فی اللفظ قراٰن فی الحکم** "لفظ میں ساتھ ہونا محکم میں ساتھ ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔اس لئے یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ "**مَالَہ شَعْر** "عام ہو تو "**مَالَہ صَوْف**" بھی عام ہو۔

(ب) شاید اسی لئے قہستانی نے ضان کی تعریف میں "**مَاکَانَ مِنْ ذَوَاتِ الصُّوْفِ**" لفظ ماکان کے ساتھ، اور معز کی تعریف میں صرف "**من ذوات الصوف**" لفظ ماکان کے بغیر کہا، یعنی یہ اسلوب بدلنا اسی لئے ہوا کہ ایک جگہ عام اور ایک جگہ مساوی مراد ہو۔

(ج) معز کی تعریف میں لفظ شعر، معز کے مساوی ہے۔ یہ خیال غلط ہے کہ عام ہے۔ ملا علی قاری وغیرہ علماء کے نزدیک بکری کے بال کو ہی شرع کہا جاتا ہے، اس لئے بھینس اور گائے کے شمول کا کوئی سوال نہیں۔

" بیشک بال بکری کے ساتھ خاص ہے، جیسا وبر اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالٰی نے قرآن عظیم میں "**مِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا** [1]"فرمایا کہ صوف ضان کے لئے، وبر اونٹ کے لئے، اور شعر بکری کے لئے، البتہ محاورہ میں مجازا دوسرے بال کے لئے بھی شعر کا اطلاق ہو جاتا ہے"۔ (ملا علی قاری مرقات زید حدیث زید)

(د) گائے، بیل اور بھینس سے اعتراض بیکار ہے کہ وہ یہاں مقسم میں شامل ہی نہیں، کلام تو غنم میں ہے کہ غنم کی دو قسمیں ہیں مالہ صوف ومالہ شعر، تو لفظ مساوی مان کر بھی حصہ کامل ہو گیا۔

الثامن عشر[۱۸]: کلا بل لا مساغ ھٰھنا لادعاء العموم، فان العلماء صرحوا ان الصوف مختص بالضان، قال العلامۃ کمال الدین الدمیری	**تنبیہ ہیزدہم لفظ ضان اور صوف کی تحقیق**: ضان کی تعریف مَالَہ صَوْفٌ میں لفظ صوف ضان سے اعم ہو ہی نہیں سکتا اور یہ کہنے کی گنجائش ہی نہیں کہ تعریف بالاعم ہے۔

[1] مرقات المفاتیح کتاب الصلٰوۃ باب الاضحیۃ الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۷۸

فی حیوۃ الحیوان لیس الصوف الاللضأن [1] اھ وقال الامام الرازی فی مفاتیح الغیب تحت الاٰیۃ المتلوۃ اٰنفا قال المفسرون واھل اللغۃ الاصواف للضأن، والاوبار للابل۔والاشعار للمعز [2] اھ۔ وقال القاضی فی انوار التنزیل الصوف للضائنۃ، و الوبر للابل والشعر للمعز [3] اھ قال العلامۃ المفتی ابو السعود فی ارشاد العقل الضمائر للانعام علی وجہ التنویع ای وجعل لکم من اصواف الضأن والاوبار الابل،واشعار المعز اثاثا [4] الخ وقال محی السنۃ فی المعالم یعنی اصواف الضأن،واوبار الابل،واشعار المعز [5] اھ۔فلو وجد الصوف لشیئ من الانعام سوی الضأن،والکنایۃ الالھیۃ انما ھی للانعام ،ما ساغ لھم الحکم علی کلام اللہ عزوجل بخصوص العنایۃ مع عموم الکنایۃ،وقد اسمعناك کلام المرقاۃ مفرقا	کیونکہ علماء نے تصریح کی ہے کہ صوف ضان کے بال ہی کو کہتے ہیں، o صوف صرف ضان کے بال کو کہتے ہیں(حیوۃ الحیوان دمیری) o اہل تفسیر ولغت فرماتے ہیں کہ صوف ضان کا بال،وبر اونٹ کا بال اور شعر معز کے بال کے لئے خاص ہے۔(مفاتیح الغیب للرازی) o صوف ضائنہ کے لئے،اور دبر اونٹ کے لئے اور شعر معز کے لئے (قاضی بیضاوی) o ضمائر الانعام کے لئے ہیں،اور اس کے ہر نوع پر تقسیم بھی ہے یعنی تمھارے لئے ضان کے صوف اونٹ کے وَبر اور معز کے بال بنائے،(ارشاد العقل المفتی ابوالسعود) o یعنی ضان کے صوف،اونٹ کے وبر اور معز کے بال (تفسیر خازن) کلام الٰہی میں ان تینوں ضمیروں کا مرجع جو تینوں بالوں کے ساتھ ہیں لفظ انعام ہے تو اگر فی نفسہ انعام میں سے کسی اور جانور کا بال بھی صوف کہلاتا،تو مفسرین کو ہر گز یہ جرات نہ ہوتی

[1] حیوۃ الحیوان باب الغین المعجمۃ تحت الغنم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲۳

[2] مفاتیح الغیب(التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۱۶/ ۸۰ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۲۰/ ۹۲

[3] انوار التنزیل(تفیسر البیضاوی) تحت آیۃ ۱۶/ ۸۰ مصطفی البابی مصر نصف اول ص ۲۷۷

[4] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) تحت آیۃ ۱۶/ ۸۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۳

[5] معالم التنزیل علی ہامش(تفسیر الخازن) تحت آیۃ ۱۶/ ۸۰ مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۰۷

فی موضعین،فاجمعة فانه یدلك بفحواه علی ان الصوف مختص بالضأن،وہو المستفاد من تفاسیر اللغة،وبالجملة من عرب لسان العرب لم یعرب عنه ان الصوف لیس الا للضأن،فاما ان یعم افرادہ کما ھوا لواقع فمساو او لا فاخص وعلی کل فلا تکون ذات الصوف الامن الضأن،وقد اعترفت ان حیوا ننا ھذا من ذوات الصوف فوجب ان یکون من الضأن وفیه المطلوب باتم شان۔

کہ اللہ تعالٰی نے کس عام فرمایا،یہ خاص کریں صاحب مرقات کے متفرق کلام جو ہم نے دو۲ جگہ لکھا،ملاؤں تو ان کا فرمان بھی یہی ہے کہ صوف صرف ضان کے لئے ہے پس ایسی صورت میں صوف کو اگر دونوں (بھیڑ اور دنبہ) کے لئے عام مانا جائے تو مساوی کے ساتھ تعریف ہوئی ورنہ اخص کے ساتھ اعم کے ساتھ تعریف کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔
توثابت ہوا کہ ضان صوف والا ہے۔اور ہمارا یہ جانور بھی صوف والا ہے۔لہٰذا اب بات واضح طور پر ثابت ہو گئی کہ بھیڑ بھی ضان ہی ہے،

التاسع عشر[۱۹]:کان من قولی فیما سلف مایدریك لعل الثلثة الاول ھی التفسیر بالمساوی ھذا بالاخص والاٰن اقول قابضا للعنان بعد ما ارخیت مالی ترجیت وقد قضیت،اما تفطنت بما فی السابع والحادی عشر القیت،ان لو قصرت الضانیة علی شیئ اخص من الصوف بطل حصر الغنم فی نوعین فوجب ان یکون التفسیر بالمساوی،والتعریف بذات الالیة التعریف بالاخص علی ما توھمت من معناھاو النظر حقیقة لم تبع مرماھا۔

تنبیہ نوزدہم تعریف بالاعم اور تعریف بالاخص: میں نے پہلے کہا تھا،ہوسکتاہے کہ ضان کی پہلی تعریف لفظ مساوی سے ہو اور "الیة" چکتی والی تعریف اخص کے ساتھ ہو،اب میں قطعیت کے ساتھ اسی بات کو دہراتاہوں کیونکہ میں بتاچکا ہوں کہ اعم مانتے ہیں "غنم" کا حصر اس کی دو نوعوں میں ختم ہو جائے گا،اور بھیڑ تیسری قسم ہو جائے گی۔

العشرون[۲۰]:ھل لك اجالة نظر فی کلمات الائمة الکرام، فانھم یتکلمون

تنبیہ بستم ائمہ وعلماء کے فتاوے: یہ لطیفہ بھی قابل ملاحظہ ہے دنبہ جس کے چکتی ہوتی ہے اگر کسی کے خلقۃ

فیما اذا خلقت شاۃ بلا الیۃ ہل تجوز التضحیۃ بہا، فمذہب امامنا الاعظم والھمام الاقدم سراج الامۃ کاشف الغمۃ امام الائمۃ ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنھم ان نعم، وھو الاصح عند الائمۃ الشافعیۃ رحمھم اللہ تعالٰی وقال محمد رحمہ اللہ تعالٰی لاتجوز التضحیۃ بشاۃ کذا وانا اسمعك اولا کلمات العلماء قال الامام الاجل فقیہ النفس فخر الدین الاوز جندی فی الخانیۃ، الشاۃ اذا لم یکن لھا اذاولا ذنب خلقۃ تجوز، قال محمد رحمہ اللہ تعالٰی لا یکون ھذا ولو کان لایجوز، وذکر فی الاصل عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ یجوز[1] اھ ثم قال وان کان لھا الیۃ صغیرۃ مثل الذنب خلقۃ جاز اما علی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی فظاھر لان عندہ لو لم یکن لھا اذن ولا الیۃ اصلا جاز، فصغیرۃ الاذنین اولی، واما علی قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی صغیرۃ الاذنین جائزۃ، وان لم تکن لھا الیۃ والااذن خلقۃ لاتجوز[2] اھ وفی الاجناس ثم الخلاصۃ ثم الھندیۃ وعن

چکتی ہو ہی نہیں، اس کی قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟ امام اعظم ہمام اقدم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ایسے دنبہ کی قربانی جائز ہے" امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: "یہی صحیح ہے" امام محمد بن حسن فرماتے ہیں: "ایسے کی قربانی صحیح نہیں ہے"۔

بکری کا کان اور دم پیدائشی طور پر غائب ہو تو قربانی جائز ہے یا نہیں؟

امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں۔:۔ "ناجائز ہے۔"

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے-: "جائز ہے۔" (فقیہ النفس امام قاضی خان)

اگر دنبہ کی چکتی دم ہی کی طرح خلقۃ چھوٹی ہو؟ "امام اعظم جب بے کان اور دم کی جائز قرار دیتے ہیں تو چھوٹے کان میں کیا رکھا ہے۔ یہ بھی جائز ہوگی"

"امام محمد کے یہاں صرف صغیر الاذن کی جائز ہے، خلقی کان چکتی نہ ہو تو جائز نہیں" (قاضی خاں الامام فقیہ النفس)

"اجناس میں ہے کہ اگر دنبہ کی چکتی کان کی طرح چھوٹی ہو قربانی جائز ہے۔ اور اگر مطلقًا ہو ہی نہیں تو امام کے یہاں ناجائز ہے" (اجناس، خلاصہ، عالمگیری، اخیریین میں میں نے خود دیکھا عبارت

---

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاضحیۃ فصل فی العیوب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۸

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاضحیۃ فصل فی العیوب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۹

الاخیرین، نقلت واللفظ للوسطی، فی الاجناس ان کانت للشاۃ الیۃ صغیرۃ خلقت شبه الاذن تجوز، وان لم تکن لھا الیۃ خلقت کذٰلك قال محمد رحمه الله تعالٰی لا تجوز [1] اھ وفی وجیز الامام الکردری التی لا الیۃ صغیرۃ تشبه الذنب تجوز، وان لم تکن لھا الیۃ خلقۃ فکذٰلك وقال محمد رحمه الله تعالٰی لا تجوز [2] اھ، وفی خزانۃ المفتین لاتجوز السکار وھی التی لااذن لھا خلقۃ، کما لاذنب لھا خلقۃ اولا الیۃ لھا خلقۃ [3] اھ فی الانوار للامام یوسف الاردبیلی الشافعی تجزئ، التی خلقت بلاضرع اوالیۃ اوقرن [4] اھ وفی حیوۃ الحیوان للکمال الدمیری الشافعی تجزئ الشاۃ التی خلقت بلا ضرع او بلا الیۃ علی الاصح [5] اھ فظھر باتفاق القولین ان الالیۃ لیست من ارکان حقیقۃ الضأن بحیث ان لو عدمت لم تکن ضأنا، اما علی قول الامام الاعظم فظاھر فانه یجیز التضحیۃ لھا وان لم تکن لھا الیۃ خلقۃ اصلا، واما علی قول محمد	خلاصہ کی ہے) "وہ دنبہ کی اس کی چکنی چھوٹی دم کے مشابہ ہو یا ہو ہی نہیں اس کی قربانی جائز ہے، امام محمد کے یہاں ناجائز ہے۔" (وجیز امام کردری) "سکار جس کے خلقۃً کان نہ ہو اس کی قربانی جائز نہیں، ایسے ہی جس کی دم یا چکتی نہ ہو" (خزانۃ المفتین) "جس کے خلقۃً تھن یا چکتی نہ ہو اس کی قبانی جائز ہے" (امام ابویوسف اردبیلی شافعی) "جو پیدائشی طور پر بے تھن اور چکتی کا جانور ہو صحیح یہی ہے کہ اس کی قربانی جائز ہے" (حیوۃ الحیوان دمیری) ان دونوں فتوؤں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چکتی ضان کی حقیقت کا جز نہیں کہ یہ نہ ہو تو جانور ضائن کے بجائے کچھ اور ہوجائے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر تو یہ امر بالکل واضح ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر بھی، کیونکہ بے چکتی شاۃ کی بات کررہا ہے اگر چکتی حقیقت کی جز ہو تو انکی عبارت "لاالیۃ له" کے معنی یہ ہوجائیں گے اگر بکری بکری ہی نہ ہو تو اس کی قربانی ناجائز ہے: اور ایسی ردی عبارت

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاضحیۃ الفصل الخامس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۲۱، فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۷

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ کتاب الاضحیہ الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۹۳

[3] خزانۃ المفتین کتاب الاضحیۃ قلمی نسخہ ۲/ ۲۰۷

[4] الانوار الاعمال الابرار

[5] حیاۃ الحیوان باب الشین المعجمہ (الشاۃ) مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۲

رحمۃ اللہ تعالٰی فلا نہ یتکلم علی شاۃ لاالیۃ لھا،فلو کانت الالیۃ رکن حقیقتھا لکان معنی قولہ ان لو لم تکن الشاۃ شاہ لم تجز الا ضحیۃ بھا،وھذا قول غسل رذل اشبہ شیئ بالھزل لایجوز صدورہ عن عاقل فضلا عن امام مجتھد کامل۔فانظر الاٰن الی دندنتك این مدت عنك فی غایۃ امر قفار بل اجتثت من فوق الارض مالھا من قرار والحمد اللہ علی توالی اٰلائہ کقطر المطر وامواج البحار۔	تو کوئی عام عربی بھی نہیں بول سکتا،چہ جائیکہ امام للغۃ والفقہ امام محرر المذھب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ۔
الحادی والعشرون[۲۱]:یاھذا اصنع واتبع ان اطعتنی ذھبت بك الی حیث یلمع الحق من دون حجاب و یزیل عنك کل تحیر واضطراب،حقیقۃ الامر ان الاطراف فی الحیوان تجری مجری الاوصاف کما نصوا علیہ قاطبۃ ولذا لایقابلھا شیئ من الثمن،حتی انہ اذا اشتری جاریۃ فاعورت فی ید البائع قبل التسلیم لاینتقص شیئ من الثمن،وکذٰلك اذا اشتری جاریۃ فاعورت فی ید المشتری، ثم اراد ان یبیعھا مرابحۃ کان لہ ذٰلك من دون حاجۃ الی البیان کما فی الھدایۃ وشروحھا،کفتح القدیر و غایۃ البیان وغیرھما وان سالت سردت لك نصوصھا واوصاف الشیئ	**تنبیہ بست ویکم حیوان کے اعضاء کا حکم:** میری مانو تو میں تم کو نور حق کے سامنے کھڑا کروں گا،جہاں کوئی حجاب نہ ہوگا،اور ہر قسم کے خطرات دور ہوجائیں گے۔ واقعہ ہے کہ جانوروں کے اعضاء وجوارح اوصاف کے مرتبہ میں ہوتے ہیں جس کے مقابلہ میں دام کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔اس پر سارے فقہاء کا اتفاق ہے۔ "کسی نے ایک باندی خریدی،ابھی بائع کے ہی پاس تھی کہ بھینگی ہوگئی،دام میں سے کچھ کم نہ ہوگا،یونہی کسی نے باندی خریدی،وہ مشتری کے قبضہ میں اگر بھینگی ہوگئی اور مشتری کسی دوسرے کے ہاتھ اس کو منافع پر(مرابحۃً) بیچنا چاہتا ہے تو اسے بتانے کی ضرورت نہیں

لا تدخل فی سنخ قوامه، وقد افادوا کما علمت انها کالاعراض المفارقة لا انتفاء للحقیقة بانتفائها، فانعدام الالیة رأسا لایخرج الضأن عن الضانیة، کما لو خلق انسان بلاید لا یخرج عن الانسانیة، وانما مدار التعریف ههنا ان ہذا الوصف لایوجد الا فی ہذہ الحقیقة ینتقل الیها الذہن منه بهذہ الوجه لا انها لا توجد الابه، فمعنی قول القائل الضأن ماهو الیة النوع الذی تتحقق فیه الا لیة الا انه لایکون ضانا مالم تکن له الیة، اتقن هذا فقد جلیت لك جلیة الحال بغیر مریة۔

کہ یہ میرے یہاں آکر عیبی ہو گئی ہے۔" میں اس موضوع پر کثیر نصوص پیش کر سکتاہوں کہ اطراف حیوان کا حکم اوصاف کاہے۔اور اوصاف کسی شے کی حقیقت میں داخل نہیں ہوتے جیسا کہ علماء نے بیان فرمایا ہے۔اور آپ بھی جانتے ہوں گے یہ ان اعراض مفارقہ کی طرح ہیں جن کے انتفاء سے حقیقت منتفی نہیں ہوتی، تو ضان بھی چکتی نہ ہونے کی صورت میں ضان سے نہیں نکل سکتا، جیسے وہ آدمی آدمی ہی رہتا ہے جس کے پیدائشی ہاتھ نہ ہو،اس وصف کے ساتھ تعریف کرنے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ وصف اس حقیقت میں پایا جاتاہے تو اس وصف سے ذہن صرف اس حقیقت کی طرف منتقل ہو جاتاہے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ حقیقت اس وصف کے بغیر پائی نہیں جاتی

تو "ماتکون له الیة" کا مطلب یہ ہوا کہ ضان جانور کی وہ قسم ہے کہ اس میں چکتی ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کہ بے چکتی کا ضان ہوگا ہی نہیں۔

الثانی والعشرون[22]: هذا ما سایرناك فیه، وانت تزعم ان الالیة هی الضخمة الکبیرة العریضة السمینة المحتویة علی لحم کثیر وشحم غزیر، المعروفة فی لسان الهند بچکتی، وهو زعم باطل لادلیل علیه، و انما الالیة طرف الشاة لا یشترط فیها کبر ولا صغر و لا طول ولا قصر، قال فی مجمع البحار نقلا عن نهایة ابن الاثیر

تنبیہ بست ودوم چکتی کی بحث: اب تھوڑی دیر چکتی پر بحث ہو جائے، آپ سوچتے ہوں گے کہ "الیة" (چکتی) جبھی ہو گی جب اس پر خوب گوشت، چربی، اور وہ خوب چوڑی ہو، جس کو ہندی میں چکتی کہتے ہیں، تو یہ ایک زعم باطل اور بلا دلیل ہے۔"الیه" بکری کی دم کو کہتے ہیں، اس میں چھوٹے اور بڑے، لانبے اور ناٹے ہونے کی شرط نہیں، حوالے ملاحظہ ہوں، "الیات" الیة کی جمع، بکری کی دم کو کہتے

الیات جمع الیۃ وھی طرف الشاۃ[1] اھ وفسرھا فی القاموس بمارکب العجز من شحم ولحم[2] اھ وقد شرحنا عن ذا لعضو لھذا الحیوان الذی نتحاورفیہ فوجدناہ یحتوی علی لحم وشحم فتم معنی الالیۃ۔ وقد مناہ کلمات العلماء الکرام ان الالیۃ ان کانت صغیرۃ تشبہ الذنب جازت الاضحیۃ وھذہ الایا الشاۃ التی توجد فی بلادنا، فجزئیتھا منصوص علیھا فی الکتب المذہبۃ،وظھر انھا یصدق علیھا مالھا الیۃ،وان ابیت الا اللجاج فابرز لنا ماعندك فی الحجاج وأَبِنْ ماحد الیۃ ورسمھا،وعلی ای حد یجب ان یکون حجمھا بحیث لو صغرت عنہ لم تکن الیۃ وبین الالیۃ التی تشبہ الذنب خلقۃ،وکیف تکون ھذہ فی ہیأتھا،وکمك تکون فی بسطتھا واثبت کل ذٰلك بکلام ائمۃ الشان،لا بھوی النفس وھفوات اللسان،فان لم تفعل و لن تفعل فاقتف الحق حیث ظھر،فان من لم یر الشمس وھی بازغۃ،فعلیہ التسلیم لاھل النظر۔

ہیں۔ (مجمع نقلا عن ابن اثیر)

"ریڑھ کی آخری ہڈی پر جو چربی، یا چربی اور گوشت درنوں چڑھ جاتی ہے اسی کو الیہ کہتے ہیں (قاموس) اور بھیڑ کا بھی یہی حال ہے کہ اس کی دم پر بھی گوشت چربی الود ہوتا ہے تو اس کو الیہ کون نہ کہے گا علماء کے حوالہ سے ہم لکھ آئے ہیں کہ معمولی چکتی والے کی قربانی جائز ہے۔ تو کیا یہی مسئلہ بھیڑ کا جزئیہ نہ تھا تو بیشک اس بھیڑ پر بھی لہا الیۃ کی تعریف صادق ہے۔ اور اگر اس پر بھی تسلی نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ چکتی کی لمبان چوڑان کیا ہوگی کہ اس سے کم کو چکتی کے بجائے دم کہا جائے،اور زرا اس چکتی کا بھی خیال رہے۔ جس کو فقہاء نے دم کی طرح چھوٹا کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں ائمہ اعلام کے کلام سے ثابت کرنی ہوگی زبانی جمع خرچ کی سند نہیں۔

الثالث والعشرون[۲۳]: تقرر مما تحرر ان الفقھاء فسروا الضان بثلثۃ تفاسیر

تنبیہ بست وسوم تعریفوں میں عدم تضاد: گزشتہ تحریروں سے یہ واضح ہوچکا ہے کہ علماء نے ضان

---

[1] مجمع بحارالانوار باب الھمزۃ مع للام تحت(الی) مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۹۷

[2] القاموس المحیط باب الواؤ والیاء فصل الھمزہ مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۰۲

ذات الصوف وذات الالیة، وخلاف المعز من الغنم، وترجموه بمیش، والقینا علیك ان عند بیان الاحکام لایجوز التعریف وکذا الترجمة الا بالمساوی، لما فی غیره من المساوی، فثبت ان الا ربعة بل الخمسة خامسها بھیڑ، کلها متساویة فیما بینها ومساویة لمحدودها وان کل ذات صوف، ذات الیه، وبالعکس وانما مطمح النظر کما وصفنا الشان النوعی لا الفعلیة الفردیة کما هو المرسوم فی کثیر من الرسوم، کالتحرك الارادی والمشی، والضحک، و الکتابة، فی الحیوان والانسان، کما لایخفی علی ذوی الشان فظهر ان الذی بضئین بلا دنا الیة جزما، وان کان شابه الذنب حجما وانه المنصوص علیه صورة و حکما وان لاخلاف بین التفاسیر، وان لیس هنا باعم ولا اخص التفاسیر وان لیس هنا باعم ولا اخص تفسیر وان الکل متحد مآلا، وان لاتثلیث فی الانواع بمالا الیه، ومالا۔ وانما کان کل ذلك شقشقة هدرت عن واهمة بدرت هکذا ینبغی التحقیق والله ولی التوفیق۔

الرابع والعشرون[۲۴]: به تبین ان صغر الالیة ودقتها بحیث تشبه الذنب کما فی اضؤنا هذه لیس من النقص فی شیئ

کی تین تفسیریں کی ہیں۔ اون والا چکتی و، معز کے علاوہ، اور فارسی والوں نے اس کا ترجمہ میش کیا اور ہم یہ ثابت کر آئے کہ احکام مخصوصہ کے بیان کے وقت ترجمہ ہو یا تعریف، مساوی کے علاوہ نہیں ہو سکتی، تو پتہ چلا کہ مذکورہ بالا چاروں لفظ بلکہ ہندی کا بھیڑ مل کر پانچوں لفظ آپس میں مساوی ہیں، ان کا محدود و مفہوم شے واحد ہے۔ تو جو اون والی ہے وہی چکتی والی ہے۔ اور جو چکتی والا ہے وہی اون والا ہے۔ اور جو چکتی والا ہے کیونکہ ایسے مواقع پر تعریف کا مقصد وصف نوعی بیان کرنا ہوتا ہے، افراد کے وصف فعلی کا ذکر نہیں ہوتا کہ یہ تو عام طور پر رسم میں ملحوظ ہوتا ہے۔ جیسے انسان اور حیوان کی تعریف میں تحرک ارادی یا مشی یا ضحک اور کتابت وغیرہ اوصاف ــــ تو ہماری تقریر سے ثابت ہو گیا کہ بھیڑ کی دم جو ہمارے بلاد میں ہوتی ہے وہ چکتی ہی ہے۔ اور فقہ حنفیّہ میں اس کی صورت اور حکم دونوں کا جزئیہ موجود ہے۔

اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان بظاہر مختلف تعریفوں میں کوئی تضاد نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہاں تعریف نہ تو اعم کے ساتھ خاص ہے نہ اخص کے ساتھ، بلکہ سب مساوی ہیں، اور یہ کہ غنم میں چکتی اور بے چکتی کی بنیاد پر ایک تیسیری قسم نہیں پیدا ہوتی، یہ سب دماغی خدشات اور وہمی خیالات ہیں۔

تنبیہ بست وچہارم ناقص کامل کی نفی: یہ بھی واضح ہوا کہ بھیڑ کی دم میں کوئی کمی نہیں کہ کہا جائے وہ ناقص ہے اور چکتی کامل ہے۔ لہٰذا دنبہ کے ساتھ

ولذا جازت التضحیۃ معه کما نصوا علیه فزعم ان ھذا ناقص فلا یلحق بالکامل قول ناقص خالف نصوص الائمۃ الاکامل۔	لاحق نہیں ہوسکتی۔
الخامس والعشرون[۲۵]: لئن تنزلنا عن کل ھذا و سلمنا ان الاالیۃ لھا فخ تاتی الخلافیۃ بین الامام الاعظم، والامام الثالث رضی اللہ تعالٰی عنھما، و یجب بحکم الجواز بناء ان الفتوٰی علی قول الامام رضی اللہ تعالٰی عنه علی الاطلاق، ای مالم یتفق ائمۃ الفتیا علی الفتوی بقول صاحبه اواحدھما کما نص علیه فی الفتح والبحر والخیریۃ [1] وردالمحتار [2] وغیرھا من معتمدات الاسفار، وقد سردنا نصوصھا فی کتاب النکاح من فتاوٰنا ھذا اذا لم یرجع قول الامام فکیف اذا رجع قول الامام فکیف اذا رجح وقد رجح ھھنا قوله رضی اللہ تعالٰی عنه من نصوا علی انه لایعدل عن تصحیحه لانه فقیه النفس اتدری من ھو ھو الامام قاضی خاں کما قاله العلامۃ قاسم فی تصحیح القدوری، ونقله السید الحموی فی غمز العیون [3] وسید الشامی فی حاشیۃ الدر۔	**تنبیہ بست وپنجم امام اعظم کے فتوٰی کی بنیاد پر فیصلہ:** اور اگر ہم سب چھوڑ چھاکر یہی مان لیں کہ بھیڑ بے چکتی کا ہے تب بھی یہ انعام میں داخل ہے۔ تو قربانی کا جانور ہے اور اسی جانور کی قربانی جائز ہونے نہ ہونے میں امام اعظم اور امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی کا اختلاف ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ ائمہ جب تک کسی مسئلہ میں امام اعظم کے خلاف کسی اور امام کے قول پر متفق نہ ہوں، فتوٰی امام کے قول پر ہے۔ یہ مسئلہ فتح، بحر، نہر، خیریہ، شامی وغیرہ معتمد اسفار میں منصوص ہے، میں نے ان سب کو اپنے فتاوٰی کی جلد کتاب النکاح میں تفصیل سے نقل کیا ہے۔ یہ حکم تو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے اس قول کا ہے جس کی ائمہ ترجیح میں سے کسی نے ترجیح نہ دی ہو، اور اس قول کی تو امام فقیہ النفس قاضی خاں نے ترجیح فرمائی ہے کہ اپنے اصول کے موافق اسی کو مقدم کیا، یہ مسئلہ بھی امام شامی اور امام طحاوی نے منصوص فرمایا۔

[1] بحر الرائق کتاب القضاء فصل المفتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹، فتاوٰی خیریہ کتاب الشھادات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۳، ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۲

[2] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۳

[3] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۴/ ۵۵

فان کنت عارفا بھذہ المسالك مدرکا لتلك المدارك فقد عرفت تصحیحه ھنالك وان لم تعرف فاسمع منی فانی لك زعیم بذٰلك الم ترہ قد قدم قول الامام وھو رحمة اللہ تعالٰی کما صرح به فی صدر فتاواہ لانقدم الا الاظھر الاشھر .قال السیدان الفاضلان الطحطاوی والشامی فی حواشی الدر ،ان مایقدمه قاضیخاں یکون ھو المعتمد[1] وانی قد احملت لك ھھنا القول،ظنا بك ان لك اشتغالا بالعلم فتکون قد وقفت علی ھذہ المطالب الدائرۃ السائرۃ الظاھرۃ الزاھرۃ فان خفی علیك شیئ منھا فراجعنی و لاتیأس من التفھیم فقد قلت لك انی لك باظھار کل ذٰلك زعیم .فثبت بحمداللہ تعالٰی ان لو فض عدم الالیة،لھذا الحیوان لکان جواز التضحیة به ھو المذہب وقول امامنا الاعظم الاوحد وھو الماخوذ الصحیح المعتمد،والحمد له الاحدا الصمد علینا ما اسبغ من نعم لاتعد۔	پس ایسی صورت میں بھیڑ کی قربانی کے جواز کا فتوٰی دئے بغیر چارہ نہیں۔
تذییل الکتب السبعة التی اسندت الیھا لیس فی ثلثة منھا اعنی ذخیرۃ العقبٰی والدر المختار واشعة اللمعات اثر من التفسیرا الضأن بماله الیة بل فی الاول والثالث مایرد علیك کما سمعت باذنیك واما عبارۃ	**تذئیل:** آپ کے ساتھ مستند کتابوں میں سے تین (ذخیرہ عقبٰی،در مختار،اشعۃ اللمعات) میں تو ضائن کی تفسیر میں "بماله الیة" کا کہیں پتہ نہیں،بلکہ ذخیرہ عقبٰی اور اشعۃ اللمعات میں تو آپ کے مدعا کے خلاف ہے جیسا کہ مذکور ہوا لیکن صاحب تعلیق مجد

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۵

تعلیق المجد لبعض ابناء الزمان فقد کانت تستاھل ان ترد الی الحق، وتحمل علی ماعطاہ کلام العلماء بجعل الوصف لزیادۃ الکشف دون الاحتراز بید انی احطت علما بان الرجل ینکر کون ضئین الھند من الضئین اعتراہ الوھم کما اعتراك انھا لا الیۃ لھا، وما یدرینی لعلك انما قلدتہ فیہ لکنہ وقف دونك ولم یتجاوز قدر تجاوزك بانکار التضحیۃ بھا اصلا، وانما زعم انھا لاتجوز التضحیۃ بجذع منھا[1]، حیث قال فی فتیاہ بکری اور بھیڑ اور ایسے ہی گائے اور اونٹ چھ مہینہ کا نہیں درست ہے۔ فقط دنبہ مہینے کا درست ہے۔ فالظاھر ان مرادہ ھوا التقیید زعما منہ بان الصوف اعم من الالیۃ، لکن لیس کلام المنح الذی عزا الیہ بھذا الاسلوب، وانما عبارتھا کما نقل بنفسہ ثمہ، والسیدان الفاضلان الطحطاوی و الشامی فی حواشی الدر ان الضأن ماتکون لھا الیۃ[2] اھ فلیس فیھا ذکر الصوف، ثم التقیید بالالیۃ وبالیتک	نے تو انھوں نے حق کی تلاش میں تساہل برتا، اور کلام علماء میں ذکر وصف کو زیادتی کشف کے بجائے قید احترازی سمجھا اور بھیڑ کو ضان میں شامل نہ ماننے میں وہ بھی اسی طرح وہم میں گرفتار ہوئے جیسے آپ نے "الیہ" کے لفظ سے دھوکا کھایا، غلب ہے کہ آپ نے اس معاملہ میں انھیں کی تقلید کی ہو، مگر ان سے آگے بڑھ گئے، کیونکہ وہ تو صرف یہ کہہ رہ گئے کہ چونکہ یہ ضان نہیں اس لئے اس کے ششماہہ بچے کی قربانی جائز نہیں، اور آپ نے سرے سے اس کو قربانی کے جانور سے ہی خارج کردیا۔ یہ بات فاضل لکھنوکے فتوٰی سے ظاہر ہے وہ کہتے ہیں بکری اور بھیڑ، ایسے ہی گائے اور اونٹ کا چھ ماہہ درست نہیں ہے۔ فقط دنبہ چھ ماہہ درست ہے۔ اس سے اندازہ یہ ہوتاہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ "منح الخالق" کی عبارت میں (جس کاحوالہ انھوں نے دیا ہے) ضان کے بیان میں صوف کا ذکر ہے جس کو "مالہ الیۃ" سے مقید کیا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ الیہ کی قید احترازی ہے حالانکہ خود ان کی عبارت اور امام طحاوی اور شامی کی روایت میں صوف کا ذکر نہیں ہے صرف مالہ الیۃ

[1] مجموعہ فتاوٰی بعدالحی کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ ۲/ ۲۷۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الاضحیۃ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۱۶۴، ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

اذا قلدته اتمت تقلیده فلم تعدالی ما عددت من المحال، ولم تنسب المسلمین الی الضلال والاضلال، وقد کان سألنی بعض تلامذه هذا العاصرا عنی صاحب التعلیق الممجد من بنارس فی اول هذه السنة عن فتیاه المذکورة فاجبت باحرف تکفی و تشفی وبینت ان الجذع من هذه یجزی ویکفی، و ما ذکرنا ههنا بتوفیق اللّٰه تعالٰی، فهو حافل کافل بدفع کلاالوهمین، بل الرد الاشد علی من یجز التضحیة بها لابجذعها فانه اذ قد جاز التضحیة فقد کانت من الانعام ولا انعام الا الانواع الاربعة واذ لیست من ابل وبقر ومعز۔وجب ان تکون من الضان فوجب اجزاء الجزع منها اذا کان بحیث لو خلط بالثنایالم یتمیز من بعد وللّٰه الحمد تعالٰی من قبل ومن بعد، وصلی اللّٰه تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا محمد واله اجمعین کان الفراغ عن هذه العجالة المسماة ہادی الاضحیة بالشاة الهندیة ۱۳۱۴ھ۔	ہے۔توآپ کو بھی ان کی تقلید کرنی تھی تو اتنی ہی بات میں کرتے نہ کہ آگے بڑھ کر ایک محال بات کا دعوٰی کر دیا، اور سب مسلمانوں کو گمراہ اور گمراہ گر کا خطاب دیا۔ مجھ سے لکھنوی صاحب کے ایک شاگرد نے ان کا یہ فتوٰی ذکر کرکے صورت حال دریافت کی تھی، میں نے چند جملوں میں اس کا خلاصہ لکھ دیا تھا، اور مسئلہ حق واضح کر دیا تھا، یہ کلام تو اللہ تعالٰی کی توفیق سے حافل اور کافل ہے۔ان دونوں وہموں کو دفع کرنے والا۔بلکہ اس کا تو رد شدید ہے جو ان کی قربانی جائز کرتا ہے۔اور ان کے بچے کی نہیں۔ بلا شبہ بھیڑ کا چھ ماہہ بچہ جو دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو اس کی قربانی جائز ہے وصلی اللّٰه تعالٰی علی خیر خلقه محمد وعلی اله وصحبه اجمعین اس رسالہ هادی الاضحیة بالشاة الهندیة سے ۱۳۱۴ھ میں فراغت حاصل ہوئی۔

مسئلہ ۲۰۴: از بنارس محلّہ کنڈی گڈٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

ماقولکم ایھا العلماء (اے علماء کرام! آپ کا کیا ارشاد ہے۔ت) اس مسئلہ میں کہ قربانی بھیڑ ششماہہ کی درست ہے یا نہیں؟ اکثر حدیثوں میں جو لفظ جزعۃ من الضان آیا ہے اس سے ششماہی بھیڑ مراد ہے یا دنبہ یا دونوں؟ عبارت نہایہ شرح ہدایہ مندرجہ ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی ششماہی بھیڑ کی جائز نہیں، اسی پر مولانا استاذنا مولوی عبدالحیٔ صاحب نے عمل فرمایا ہے۔ چنانچہ یہ مسئلہ مولوی صاحب مرحوم کے مجموعہ فتاوٰی کی جلد اول ص ۱۹۱ میں موجود ہے۔ عبارت شرح ہدایہ:

ویجزئ من ذٰلك كل الثنی فصاعدا الا الضان فان الجذع منه یجزئ والتقیید بالضان لان الجذع من الابل والبقر والغنم لا یجزئ منها الا الثنی[1]۔ **بینوا بالكتاب توجروا یوم الحساب۔**	ان تمام جانوروں میں کامل سال یا اس سے زائد عمر والا جائز ہے ماسوائے بھیڑ کے کہ اس کا جذع یعنی کامل چھ ماہ والا جائز ہے، اور ضان یعنی بھیڑ کی قید اس لئے کہ اونٹ گائے اور بکری میں صرف کامل سال والا ہی جائز ہے۔ کتاب سے بیان کیجئے یوم حساب اجر حاصل کیجئے۔ (ت)

الجواب:

شاہی بھیڑ کی قربانی بلاشبہ جائز ہے جبکہ یکساں ہمجنسوں میں دور سے متمیز نہ ہوسکے۔

فی الدر المختار صح الجذع ذوستة اشهر من الضان ان كان بحیث لو خلط بالثنایا لا یمكن التمیز من بعد[2]۔	درمختار میں ہے بھیڑ میں چھ ماہ کا جذع جو سال والے جانوروں میں خلط ہو تو امتیاز نہ ہوسکے تو وہ جائز ہے۔ (ت)

یہی شرط دنبہ میں ہے، اور دنبہ بھیڑ کی ایک ہی نوع ہیں اور دونوں کا ایک ہی حکم، اس قدر میں تو کسی کو کلام ہو ہی نہیں سکتا کہ جواز ششماہہ کا حکم احادیث صحیحہ وکتب فقہیہ میں بلفظ ضان وارد ہے۔ اب مدار صرف ادراک معنی ضان پر رہا، اگر یہ لفظ اس بھیڑ کو بھی شامل تو قطعاً یہ بھی اس حکم میں داخل والا لا، مگر بالیقین معلوم کہ ضان وہی چیز ہے جسے فارسی میں میش، اردو میں بھیڑ، اور اسی کی ایک صنف کو دنبہ کہتے ہیں،

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۷۹

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲ و ۲۳۳

عرب دونوں معز ضان کے سوانہیں جانتے، نہ یہاں تیسری نوع ہے

(۱) قال اللہ تعالٰی "**ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ؕ**"[1] مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی مرحوم موضح القرآن میں اس آیہ کریمہ کا ترجمہ فرماتے ہیں: پیدا کئے آٹھ نر ومادہ بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو[2]۔ دیکھوں ضان کا ترجمہ بھیڑ کیا، اسی طرح مولانا رفیع الدین نے ترجمہ کیا، یونہی نفائس میں اس کا عکس یعنی بھیڑا کو میش نر وضان سے مترجم کیا۔ تحفۃ المومنین میں کہا: بھیڑ بہندی غنم ست[3]۔ پھر لکھا: غنم ضان ست[4]۔

(۲) سب جانتے ہیں کہ بھیڑ کا ترجمہ میش ہے۔ اور اہل لغت نے یہی ترجمہ ضان کیا، منتخب رشیدی میں ہے: ضان میش، ضائن میش نر[5]۔ صراح میں ہے: ضائن میش نر خلاف ماعز۔ **والجمع ضأن خلاف معز**[6]۔ تحفہ ومخزن میں ہے: ضان بفارسی میش نامند[7]۔

(۳) علمائے لغت وتفسیر حدیث وفقہ ضأن کی تعریف اون والی غنم فرماتے ہیں اور معز کی تفسیر بالوں والی، مصباح المنیر واحیوۃ الحیوان وغیرہما میں ہے:

الضأن ذوات الصوف من الغنم[8]۔	بکری کی اون والی جنس کا نام ضان ہے۔ (ت)

تفسیر کبیر میں ہے:

لضأن ذوات الصوف من الغنم والمعز	بکری کی اون والی جنس ضان ہے اور بالوں والی

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۳

[2] موضح القرآن ۶/ ۱۴۳ مطبع مصطفائی انڈیا ص ۱۴۲

[3] تحفۃ المومنین مع مخزن الادویۃ الباء مع الھاء نولکشور کانپور ص ۱۶۹

[4] تحفۃ المومنین مع مخزن الادویۃ الغین مع المیم نولکشور کانپور ص ۴۲۵

[5] منتخب اللغات مع غیاث اللغات باب الضاد مع النون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۸۲

[6] الصراح فی لغۃ الصحاح باب النون فصل الضاد نولکشور لکھنؤ ص ۵۱۸

[7] تحفۃ المومنین مع مخزن الادویۃ الضاد مع الالف نولکشور کانپور ص ۳۹۷

[8] المصباح المنیر الضاد مع الواؤ (الضأن) مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲

ذوات الشعر من الغنم [1]۔	جنس معز ہے۔(ت)

معالم التنزیل میں ہے:

الضأن والنعاج ھی ذوات الصوف من الغنم والمعز والمعزی ذوات الشعر من الغنم [2]۔	بکری کی اون والی جنس ضان اور نعاج ہے اور بالوں والی معز اور معزی ہے(ت)

جامع الرموز پھر ردالمحتار میں ہے:

الضأن ماکان من ذوات الصوف والمعز من ذوات الشعر [3]۔	ضان وہ ہوتی ہے جو اون والی ہو اور معز بالوں والی۔(ت)

اب یہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بھیڑ کے بدن پر اون ہوتی ہے یا بال۔

(۴) علامہ دمیری نے حیوۃ الحیوان الکبری میں صاف حصر فرمادیا کہ اون صرف ضان کے لئے ہوتی ہے، لفظ غنم میں فرماتے ہیں:

صوف الضأن من شعر المعز واعز قیمۃ ولیس الصوف الاللضأن [4]۔	بھیڑ کی اون بکری کے بالوں سے افضل اور قیمت میں گراں ہے اور اون صرف ضان کی ہے۔(ت)

اب بھیڑ کو ضان سے خارج ماننے والے پر لازم ہوگا کہ بھیڑ کی اون سے انکار، اور ان کی پشت پر بکری کے سے بال آشکارا کرے۔ وانی لہ ذٰلک۔

(۵) زبان عرب وخود قرآن شاہد ہے کہ نوع غنم میں صرف دو صنفیں ہیں: ایک وہ جسے عربی میں معز نر کو تیس، مادہ کو عنز، فارسی میں بز کہتے ہیں، دوسری جسے عربی میں ضان نر کو کبش مادہ کو، نعجہ فارسی میں گوسپند ومیش کہتے ہیں، رب العزت جل وعلا نے آیہ مذکورہ میں آٹھ ہی جوڑے بتائے، ضان، معز، ابل۔ بقر ہر ایک سے دو، مادہ ونر، اہل زبان نے معز کو خلاف ضان، ضان کو خلاف معز سے تفسیر کیا، معلوم ہوا کہ ان کے لئے ثابت نہیں، قاموس میں ہے:

المعز خلاف الضأن من الغنم [5]۔	بکری کی جنس میں معز الگ ہے ضان سے۔(ت)

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۱۳/ ۲۱۶

[2] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۲

[3] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۳۰۶، ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۹

[4] حیاۃ الحیوان باب الغین المعجمہ (الغنم) مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲۲

[5] القاموس المحیط فصل المیم باب الزای "المعز" مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۹

اسی میں ہے:

الضائن خلاف الماعز من الغنم "ج". ضائن، اضأن ضأنك اعزلها من المعز[1]۔	مینڈھا غنم میں بکرے کے خلاف ہے۔ ضائن کی جمع اضائن ہے تیری بھیڑی اسے علیحدہ کرلے بکری سے (ت)

مختار رازی میں ہے:

الضائن ضد الماعز، والجمع الضائن والمعز[2]۔	ضائن (مینڈھا) بکرے کی ضد ہے اس کی جمع ضان اور معز ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

المعز من لاغنم ضد الضان[3]۔	معز غنم سے ہے ضان کی ضد ہے۔ت)

مجمع بحار الانوار میں ہے:

فی ح شقیق مثل قراء ھذا الزمان کمثل غنم ضوائن ذات عـــہ صوف عجاف، ھو جمع ضائنۃ۔ وھی الشاۃ من الغنم، خلاف المعز[4]۔	ح میں بیان کیا، اس زمانہ کے قراء کی مثل میں شقیق جیسے ضوائن باریک کھال پر اون والی جس کی جمع ضوائن ہے۔ یہ بکری ہے جو معز سے مختلف ہے۔(ت)

کوئی ادنٰی فہم والا بھی نہیں کہہ سکتا کہ بھیڑ معز میں داخل ہے کیا بھیڑ کو فارسی میں بز کہتے ہیں، کیا مینڈھے کو عربی میں تیس، مادہ کو عنز بولتے ہیں، جنا صاف ترجمہ بکرا بکری ہے لاجرم بھیڑ ضان ہی ہے اور ضان ہی میں داخل ہے، اور حکم ضان اسی کا حکم ہے۔ اسے قطعاً شامل شیخ محقق قدس سرہٗ

عـــہ: احترازا عما اذا جزصوفها فاستبان عجفها و المقصود ان باطنهم علی خلاف ظاهرهم ۱۲ منه قدس سرہ۔	یہ اجتناب ہے اس بھیڑ جس کی اون کاٹ دی جائے تو چمڑی برہنہ ہوجائے اور مقصد یہ ہے کہ ان کا ظاہر اون باطن چمڑی ایک دوسرے سے مختلف ہیں ۱۲منہ قدس سرہ، (ت)

---

[1] القاموس المحیط فصل الضاد باب النون (الضائن) مصطفی البابی مصر ۴ /۲۴۴

[2] مختار اصحاح تحت لفظ ضائن موسسۃ علوم القرآن بیروت ص۳۷۶

[3] مختار اصحاح تحت لفظ معز موسسۃ علوم القرآن بیروت ص۶۲۷

[4] مجمع بحارا لانوار باب الضاد مع الھمزہ تحت الفظ ضائن مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورہ ۳ /۳۸۲

اشعۃ المعات میں فرماتے ہیں:

بدانکہ اضحیہ جائز نیست مگر از ابل وبقر وغنم وغنم دو صنف است، معزکہ آنرا بز گویند، وضائن کہ آنرا میش خوانند، ودر جمع ایں اقسام ثنی شرط ست، مگر از ضان کہ جذعہ ہم درست ست، ودرست نیست از معز[1]۔	جان لینا چاہئے کہ قربانی صرف اونٹ، گائے اور بکری کی جائز ہے۔ بکری دو قسم ہے۔ ایک معز کی جس کو بز بکری کہتے، اور دوسری ضائن جس کو میشہ کہتے ہیں، ان تمام اقسام میں کامل سال شرط ہے۔ مگر ضان کہ اس کا جذعہ بھی جائز ہے اور بکری (معز) میں یہ جائز نہیں ہے۔ (ت)

کیا اس ارشاد سے بھی زیادہ کوئی تصریح صریح درکار ہے۔ اور بفرض باطل اگر بھیڑ کو ضان میں داخل نہ مانئے اور اس کا اہل وبقر ومعز اونٹ گائے بکری سے نہ ہونا بدیہی، تو حاصل یہ رہے گا کہ وہ بہیمۃ الانعام کی چاروں قسم سے خارج ہے، اور بالاجماع قربانی تو صرف انھیں چار قسم پر محدود، تو بھیڑ اگر ضان نہیں، تو واجب کہ سرے سے اس کی قربانی بھی باطل ہو اگرچہ کتنی ہی عمر کی ہو، نہ یہ کہ قربانی جائز ہونے کو تو وہ ضان میں داخل اور ششماہہ جائز نہ ہونے کو ضان سے خارج، یہ جہل صریح وتعسف قبیح ہے غرض حکم واضح ہے۔ اور مسئلہ روشن، اور اس کا خلاف نہ بین، نہ مبین، بلکہ باطل بین، عبارت نہایہ منقولہ استفاء مذکورہ فتاوٰی کو اگر بعد ادراک معنی ضان لحاظ کیجئے تو صراحۃً ہمارا ہی مطلب اس سے ثابت اور تحقیق معنی ضان کی نظر سے دیکھئے تو راسا بے علاقہ وساکت، ہاں مجیب لکھنوی کو وجہ اشتباہ عبارت منح الغفار واقع ہوئی کہ **الضان ماتکون لہ الیۃ**[2] (ضان وہ جس کی چکّی ہوتی ہے۔ ت) وہم گزرا کہ الیہ خاص چوڑی چکی چکتی کو کہتے ہیں جس میں بکثرت چربی ہو، لہٰذا ضان بالتخصیص صنف دنبہ کا نام خیال کیا حالانکہ غنم میں الیہ مطلقاً دم گوسپند کا نام ہے۔ کبر وصغر وطول وقصر وغیرہا کچھ اس میں شرط نہیں، نہایہ ابن اثیر ومجمع بحار الانوار میں ہے:

الیات جمع الیۃ وھی طرف الشاۃ[3]۔	الیہ کی جمع الیات ہے اور وہ بھیڑ کی دم ہوتی ہے۔ (ت)

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلٰوۃ باب الاضحیہ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

[2] ردالمحتار بحوالہ منح الغفار کتاب الاضحیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴، حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار بحوالہ المنح الغفار دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۶۴

[3] مجمع بحار الانوار باب الھمزۃ مع اللام (الئی) مکتبہ دار المدینۃ المنورۃ ۱/ ۹۷

صراح میں ہے: **اَلْیَہ بالفتح ذنب**[1]۔ برہان میں ہے: **ذنب بضم بمعنی دُم**[2]۔ لاجرم فتاوٰی امام اجل قاضی خان وردالمحتار وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ اگرالیہ خلقۃً صغیر ومشابہ دم ہو روا ہے۔ خانیہ میں ہے:

ان کان لھا الیہ صغیرۃ مثل الذنب خلقۃ جاز[3]۔	اگراس کی چکّی چھوٹی دم کی مانند پیدائشی ہو تو جائز ہے۔(ت)

یہ بعینہٖ ہمارے بلاد کی بھیڑوں کی صورت ہے ہم نے ان بھیڑوں کی دم کو تشریح کرکے دیکھا وہ ضرور گوشت اور چربی پر مشتمل ہوتی ہے بخلاف دم بز بس یہی فرق الیہ وذنب میں ہے۔ طول وقصر، عظم وصغر، وکثرت وقلت لحم وشحم کو ہرگز اس میں نہ لغۃ دخل ہے۔ نہ فقہا، **وھذا مما لا یخفی علی جاھل فضلا عن فاضل** (یہ کسی جاہل پر مخفی نہیں چہ جائیکہ کسی فاضل پر مخفی ہو۔ت) بات یہ ہے کہ جانوروں بلکہ آدمیوں کے بھی اعضاء صورت وہیئت بلکہ نفس وجود وعدم میں اختلاف ممالک سے مختلف ہوتے ہیں اس سے نہ وہ دو نوعیں ہوجائیں گے، نہ ان کے احکام مختلف فقیر نے بعض بلاد کے اونٹ دیکھے چھوٹے چھوٹے نہایت خوشنما بدن پر بڑے بڑے بال مشابہ بہ یال، پشت پر دو کوہان بلند ومرتفع، بیچ میں نشست کی جگہ خالی کہ سوار کو آگے پیچھے دو تکیوں کا کام دیتے، چینیوں کی ناکیں کس قدر پست وپہن، تاتاریوں کی آنکھیں چھوٹی، زنگیوں کے لب فروہشتہ وسطبر ہوتے ہیں ہنہ ناتیہ بین الاسکتین کہ خفاض کیا جاتا ہے۔ زنان مغربیہ میں خلقۃً نہیں ہوتا، بعض اتراک وحوش کے عصعص پر لحمہ زائد بقدر ایک بالشت مثل ذُنب ہوتا ہے۔ امام کمال الدین دمیری وعلامہ زکریا بن محمد بن محمود انصاری قزوینی نے ایک قسم کی بھیڑ ذکر کی جس کے چھ الیہ ہوتے ہیں، ایک سینہ پر، دو شانوں پر، ایک پیچھے دو رانوں پر، یہی اختلاف ممالک دم گوسپند میں ہے، ان دیار میں پتلی لمبی ہوتی ہے۔ جس میں اسی کے لائق گوشت اور چربی، عرب میں اکثر چوڑی چھوٹی قدرے زیادہ گوشت اور چربی مشتمل، اور بعض خوب پہن ودراز بکثرت لحیم شحیم، یہ کابل وغیرہ میں کثیر الوجود ہے۔ اور بعض کی چکتی تو اتنی بڑی ہوتی ہے کہ اسے چلنے سے معذور کردیتی ہے۔ ایک گاڑی بنا کر اسے جوتتے اور دم گاڑی پر رکھ دیتے ہیں جسے وہ کھینچتی چلتی ہے۔ کیا ان اختلافات سے یہ انواع مختلف ہوجائیں گی، اور ان کے احکام جدا، ایسا کوئی عاقل

---

[1] الصراح فی لغۃ الصحاح باب الواو والیاء (فصل الف) نولکشور لکھنؤ ص ۵۳۹

[2] البرہان

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاضحیہ فصل فی العیوب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۹

خیال نہیں کر سکتا، عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات میں ہے:

یجلب من الهند نوع من الضأن علی صدرہ الیة وعلی کتفه الیتان وعلی فخذیه الیتان، وعلی ذنبه الیة، وربما تکبر الیة الضأن حتی تمنعه من المشی فیتخذ لالیتها عجلة توضع علیها، وتشد الی صدرها فتمشی الضأن وتجری العجلة بالالیة علیها[1]۔	ہندوستان سے ایک قسم کی بھیڑ لائی جاتی ہے اس کی چھاتی پر چکی، اس کے کندھوں پر دو چکیاں اور اس کی دونوں رانوں پر دو چکیاں اور اس کی دم پر ایک چکی ہوتی ہے۔اور کبھی یہ چکی اتنی بڑی ہوتی ہے کہ اس کا بوجھ اس کے چلنے سے مانع ہوتا ہے تو اس کی چکی کے نیچے ریڑھی بنائی جاتی ہے جس کو اس کی چھاتی سے باندھ دیتے ہیں تو وہ ریڑھی چکی کو اٹھائے پھرتی ہے۔(ت)

اسی طرح حیاۃ الحیوان میں ہے: الی قوله تمنعه من المشی[2] (چکتی اس کے چلنے سے مانع ہے۔تک)۔

جسے اس قدر کافی نہ ہو ہمارا رسالہ عربیہ **ھادی الاضحیہ بالشاۃ الھندیۃ** ۱۳۱۴ھ ملاحظہ کرے کہ بتوفیق علام تحقیق مرام بمالا مزید علیہ ہے۔**وﷲ الحمد۔واﷲ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۴: از ضلع آرہ ڈاکخانہ وقصبہ دائی ساگر مسئولہ محمد یوسف

خصی سال سے کم عمر والے کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

چھ مہینے تک کا ایسا فربہ مینڈھا کہ سال بھر والوں کے ساتھ ہو تو دور سے تمیز نہ ہو اس کی قربانی جائز ہے اگرچہ خصی نہ ہو، اور بکرا سال بھیر سے کم کا جائز نہیں اگرچہ خصی ہو، **واﷲ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۵تا۲۰۶: از ریاست جے پور سوائی تکیہ آدم شاہ گھاٹ دروازہ مرسلہ مولانا عبدالرحمٰن اعظمی مئوی صاحب مورخہ ۲ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکرا بکری اگر سال بھر سے کسی قدر کم کا ہو مثلاً گیارہ مہینہ یا کم وبیش کا، تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں، اگر جائز نہیں تو اس جانور کو جس پر نیت قربانی کی ہوچکی ہے اور پورے سال بھر کا نہیں ہے۔ تو کیا کرنا چاہئے۔اور اگر جائز ہے یک سال سے

---

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجوداست تحت لفظ ضأن مصطفی البابی مصر ص۲۴۹

[2] حیاۃ الحیوان باب الضاد المعجمة تحت لفظ الضائن مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۳۴

کم مدت کا، تو اس کتاب کا درج کردیا جائے تاکہ یہاں دیکھ کر اطمینان حاصل کیا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

بکرا بکری ایک سال سے کم کا قربانی میں ہر گز جائز نہیں، نہ اس پر قربانی کی نیت صحیح وہ اس کی ملک ہے جو چاہے کرے، قربانی کے لئے دوسرا جانور لے ہاں اگر یہ نیت کی ہو کہ آئندہ سال اس کی قربانی کروں گا تو اسے قربانی ہی کے لئے رکھے، اس کا بدلنا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے:

صح ابن خمس من الابل۔ وحولین من البقر و الجاموس وحول من الشاۃ والمعز [1]۔	پانچ سال کا اونٹ، دو سال کی گائے اور بھینس، اور ایک سال کی بکری اور بھیڑ، کی قربانی صحیح ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البدائع تقدیر ھذہ الاسنان بما ذکر لمنع النقصان ولا الزیادۃ فلو ضحی بسن اقل لا یجوز و باکبر یجوز وھو افضل [2]۔	بدائع میں ہے کہ ان عمروں کا بیان جو مذکور ہا کمی کو روکنے کے لئے ہے زیادتی کو مانع نہیں، تو عمر میں اگر قلیل سی کمی ہو تو جائز ہوگا اور بڑا ہو تو جائز ہے جبکہ بڑا افضل ہے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لو اشتری بقرۃ یریدان یضحی بھا عن نفسہ ثم اشرك فیھا ستۃ معہ جاز استحسانا وفی القیاس لا یجوز لانہ اعدھا للقربۃ فیمنع عن بیعھا تمولا، وجہ الاستحسان دفع الحرج والاحسن ان یفعل ذٰلك قبل الشراء، لیکون ابعد عن صورۃ الرجوع فی القربۃ وعن ابی حنیفۃ انہ یکرہ الاشتراك بعد	اگر اپنے لئے گائے خریدی تاکہ قربانی دے پھر بعد میں چھ اور شریک کر لئے تو استحسانا جائز ہے جبکہ قیاس کے لحاظ سے جائز نہیں کیونکہ اسے اس نے قربت کے طورت پر خریدا تو مال کے حصول کے لیے فروخت کرنا منع ہے اور استحسانا جواز کی وجہ یہ ہے کہ حرج نہ پیدا ہو اور بہتر یہ ہے کہ خریدنے سے قبل حصہ دار بنائے تاکہ قربت کے معاملہ میں رجوع کی صورت پیدا نہ ہو، جبکہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی سے خرید لینے کے بعد

---

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۳

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰۵

الشراء لما بینا[1] (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم۔	شریک بنانا مکروہ ہے۔(ملخصا) (ت)

مسئلہ ۲۰۷: مرسلہ عبداللہ خان از شہر انبالہ محلّہ وکیل پور یکم صفر ۱۳۳۵ھ

جناب مولانا صاحب! بعد سلام علیکم کے واضح ہو کہ بقرعید کی قربانی میں بکرا خصی جائز ہے یا نہیں، اور جو کہ قربانی کرے اس کو روزہ رکھنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب:

خصی کی قربانی افضل ہے اور اس میں ثواب زیادہ ہے۔ اور عید کے دن کا روزہ حرام ہے۔ ہاں پہلی سے نویں تک کے روزے بہت افضل ہیں اس پر قربانی ہو یا نہ ہو، اور سب نفلی روزوں میں بہتر روزہ عرفہ کے دن کا ہے۔ ہاں قربانی والے کو یہ مستحب ہے کہ عید کے دن قربانی سے پہلے کچھ نہ کھائے قربانی ہی کے گوشت میں سے پہلے کھائے، مگر یہ روزہ نہیں، نہ اس میں روزہ کی نیت جائز، کہ اس دن اور اس کے تین دن روزہ حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۸: مرسلہ قاضی سید واجد علی صاحب مقام جاود ضلع ندسور ریاست گوالیار ن پیچ دروازہ ۱۷ صفر ۱۳۳۵ھ

ایک بچہ بکری کا ہے اور وہ کتی کے دودھ سے پرورش پایا، اس کی قربانی کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب سال بھر کا ہوجائے اس کی قربانی جائز ہے۔ **والمسئلۃ فی الخانیہ[2] وغیرہا** (یہ مسئلہ خانیہ وغیرہا میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۲۰۹: از بنگالہ میمن سنگھ قصبہ کھولا مرسلہ میاں جاں سرکار ۲۶ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، **ما قولکم رحمکم اللہ تعالٰی** (اللہ آپ پر رحم کرے آپ کیا فرمان ہے) کہ ہندہ نے بکری پالی تھی، اس نے ایک بچہ جنا، بعدہ وہ بکری بقضائے الٰہی مرگئی اس بچہ کی ہندہ مذکورہ نے اپنے پستان کے دودھ سے پرورش کیا، پھر خصی کردیا، اب وہ بچہ بڑا ہوگیا، ہندہ اس کو قربانی کرنا چاہتی ہے۔ اگر قربانی رے تو ہندہ مذکورہ اور اس کے خاوند کو

---

[1] الہدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۴۴۳

[2] فتاوٰی قاضی خاں الصید والذبائح نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۵۲

اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا

الجواب: بلاشبہ جائز ہے جس کے جواز میں اصلاً گنجائش کلام نہیں، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لو ان جدیا غذی بلبن الخنزیر لا باس باکله، لان لحمه لایتغیر وما غذی به یصیر مستهلکا لایبقی له اثر [1]۔	اگر بھیڑ کے بچے نے خنزیر کے دودھ سے غذا پائی تو اسکے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس سے اس کا گوشت متغیر نہیں ہوتا اور جو غذا اس نے کھائی وہ ختم ہوگئی اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا(ت)

فتاوٰی کبرٰی وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

الجدی اذا کان یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما فلا باس، لانه بمنزلة الجلالة، والجلالة اذا حبست ایاما فعلفت لاباس بها فکذا هذا [2]۔	بھیڑ کے بچے نے اگر گدھی کے دوھ یا خنزیر کے دودھ سے پرورش پائی اور پھر چند روز چارہ دکھایا تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ گندگی کھانیوالے جانور کی طرح ہے کہ جب اس کو چند روز قید رکھا تو انے چارہ کھایا تو اس میں کوئی حرج نہیں تو یہ بھی ایسے ہے۔(ت)

اور شوہر کے حق میں اگر ضاعت کا خیال ہو تو محض جہل، اول تو عمر رضاعت کے بعد رضاعت نہیں، اور شوہر اتنی ہی عمر کا بچہ ہو بھی تو شیر زن مستہلک ہوگیا، گوشت کھانا دودھ پینا نہیں، درمختار میں ہے:

لایحرم المخلوط بطعام وکذا لو جبّنه، لان اسم الرضاع لایقع علیه بحر. اهملخصا [3]۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	طعام میں دودھ مخلوط ہو جانے سے حرمت پیدا نہیں ہوتی اور یونہی اگر دودھ سے پنیر بنالیا تو حرج نہیں کیونکہ دودھ پلانے کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا، بحر اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الصید والذبائح نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۲

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفتاوٰی الکبرٰی کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

[3] درمختار کتاب النکاح باب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۳

مسئلہ ۲۱۰تا ۲۱۲: مسئولہ سید منیر الدین پیشکار محلّہ کلال ٹولہ گیا ۱۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً کسی نامعلوم شخص کا بیل یا گائے زید کے جانوروں میں شامل ہوگیا، اور زید نے اس کو پکڑ کر اپنے قبض وتصرف میں رکھا، اور ایام قربانی میں چونکہ وہ دو برس سے کم کا تھا اس لئے اس کو اپنی لڑکی کی گائے سے بلا علم لڑکی کے بدل کر اس لڑکی کی گائے کو قربانی دیا اور غیر سے ذبح کرایا اور اس غیر کو گائے کے کل قصہ مذکور سے واقفیت نہیں۔

(۱) ایسی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ **(۲)** ذبح کرنے والا گنہ گار ہوگا یا نہیں؟

(۳) تین سال کی گائے جس کے سینگ ہنوز نمودار نہ ہوئے ہوں اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) جانور کو تصرف میں رکھنا حرام تھا، اسے بیٹی کی گائے سے بدلنا حرام تھا، اس گائے کی قربانی حرام تھی۔

(۲) ذابح پر اس کا ذبح کرنا حرام تھا، دونوں سخت گنہگار ہوئے، پھر اگر بیٹی نے اپنے گائے کی قیمت نادانی میں اپنے باپ سے لے لی، تو اس کے باپ کی قربانی ادا ہو گئی ورنہ نہیں، درمختار میں ہے:

یصح لو ضحی شاۃ الغصب ان ضمنہ قیمتھا حیۃ [1] **ای قیمتھا لو کانت حیۃ واللہ تعالٰی اعلم۔**	اگر مغصوبہ بکری قربان کردی اور اس پر ضمان زندہ بکری والا دے دیا تو قربانی صحیح ہوگی **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

(۳) جب دو سال کامل کی ہوگئی قربانی کے قابل ہوگئی اگرچہ سینگ نہ نکلیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۳: مسئولہ عبداللہ عرف دین محمد صاحب ساکن شہر کہنہ بریلی محلّہ روہیلی ٹولہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں نے ایک اہل ہنود سے گائے مبلغ (پینتالیس مہ للعہ) روپیہ میں خرید کی تھی، اس ہنود نے خرید کرتے وقت دریافت کیا تھا کہ تم کس واسطے اس گائے کو لیتے ہو، میں نے اس شخص سے کہا کہ پالنے کو لیتا ہوں اور اصل میں واسطے قربانی کے لی تھی، تو ایک مسلمان نے اس شخص سے کہا انھوں نے قربانی کے واسطے لی ہے۔ اور میں ریلوے کے بڑے بابوں کی

---

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

ماتحتی میں کام کرتاہوں، وہ بھی اہل ہنود ہیں، اس نے بابوں سے آکر کہاکہ وہ میری گائے واپس کرادی جائے، انھوں نے میرے مکان پر آدمی روانہ کیاکہ اس کو مبلغ پانچ روپیہ نفع لے کر واپس کردوں میں نے نہیں واپس کی، میں کام پر اپنے گیاتو بابو نے کہاکہ وہ گائے واپس کردو، میں نے اس سے انکار کیا، توانھوں نے ایک پولیس کے داروغہ سے بہت بڑا زور ڈال کر کہا، اور یہ بھی کہاکہ اگر نہیں دوگے تو ہم تم کو نوکری سے برخاست کردینگے، تو میں بسبب نوکری جانے کے پانچ روپیہ نفع لے کر گائے واپس کردی، اور مبلغ چالیس للعہ روپیہ کی فوراًاور گائے قربانی کے واسطے لایا، اب اس میں سے دس روپیہ بچے اس کا کیا کیا جائے، اور لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم نے پانچ روپیہ لے کر گائے دی، اور میں نے مجبوراً دی، اور مجھ کو یہ بھی اندیشہ تھاکہ میری ملازمت جاتی تھی، اور مجھ کو یہ بھی اندیشہ تھاکہ میں مال گودام ریلوے میں کام کرتاہوں شاید کچھ الزام نہ لگادیں، یہ وجہ تھی فقط۔ **بینواتوجروا**

الجواب :

اگر وہ شخص صاحب نصاب ہے اور اگر یہ بیان واقعی ہے تو اس پر کچھ الزام نہیں اور جو پانچ روپیہ نفع کے لئے ان کا تصدق کردینا چاہئے اور یہ گائے جو پانچ کم کرکے خریدی اس کمی کا کوئی معاوضہ اس پر نہیں۔ **واﷲ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۴تا۲۱۵: از کرتوئی ضلع بدایوں مسئولہ برادرم عزیزم مولوی محمد رضاخاں صاحب سلمہ ۶ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ

(۱) بحضور قبلہ وکعبہ دارین مدظلہم العالی بجاہ النبی الرؤف الرحیم صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم۔ سلامت سنت اسلام کے بعد عرض ہے کہ قربانی کی غرض سے دوگائیں خریدنے کو چماروں کو روپیہ دے کر بھیجا، وہ دوگائیں خرید لائے جو گراں قیمت ثابت ہوئیں، اس پر اور دو گائیں منگوائیں، وہ بھی بسبب گرانی قیمت کے، اور یہ کہ ان مؤخر گائیوں ہی سے ایک پر گابھن کا خیال ہے۔ جس نے فروخت کی وہ جولاہے کہتاہے کہ گابھن ہوگئی ہے مگر ابھی کہل تھن ہے۔ جس کو اور لوگ بھی گابھن کہہ سکیں، صرف دو جانیں کاخیال قربانی کا تھا آیا ان گائیوں کافروخت کرناجائز ہوگا یانہیں؟ ان کے عوض میں اپنی گائیں دے سکتاہوں یا نہیں۔ ایک گائے پارسال قربانی کے واسطے منگوائی تھی (ان چاروں کو وقت آنے کے قربانی کے واسطے نامزد نہیں کیا، پارسال والی کو نامزد کردیا تھا) روانگی کے وقت لنگڑی ہوگئی بریلی جانے کے قابل نہ رہی اب اچھی ہے دومہینہ بعد اندازاً پیا چلے گی، اس کی نسبت کیاحکم ہے؟ آیا وہ میرامال ہے یاقربانی کا؟

(۲) قرآن مجید بائیں ہاتھ میں باوضو لے کر تلاوت جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

(۱) جان برادراز جان بہتر مولوی محمد رضا کاں سلمہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

جو گائے قربانی کے لئے تھی اور وہ لنگڑی ہو گئی اس اور اس کے عوض دوسری کردی، اب وہ گائے تمھارا مال ہے جو چاہو کرو، جب روپیہ دے کر گائیں خریدنے کو بھیجا اس سے اگر یہ نیت تھی کہ دیکھنے کے لئے خریدتے ہیں جس کی قربانی مناسب جانیں گے کریں گے، ورنہ اور لیں گے تو وہ گائیں قربانی کے لئے مخصوص نہ ہوئیں اور ان کے بدلے اپنے پاس سے یا اور خرید کر قربانی کرو اور اگر مخصوص قربانی کے لئے خریدیں، اور آپ اس وجہ سے کہ یہ زائد قیمت کی ہیں، انھیں نہ کرنا چاہو، اور ان کے بدلے اپنے پاس سے یا کوئی اور لے کر ان سے کم قیمت کی قربانی کرو تو قربانی ہو جائے گی اور وہ پہلی گائیں بیچو یا رکھو اختیار ہے۔ مگر ایسا کرنا جائز نہ ہوا کہ جب ان پر مخصوص قربانی کی نیت ہوئی تھی، تو ان کو اگر بدلتے تو ان سے بہتر سے بدلتے نہ کہ کمتر سے، جبکہ کمتر سے بدلا تو جتنی زیادتی رہی، اتنے دام تصدق کرنے کا حکم ہے۔ مثلاً دس روپیہ کی گائے کی قربانی کو خریدی تھی پھر اس کے بدلے سات روپیہ کی قربانی کردی تو تین روپیہ تصدق کئے جائیں، یہ تو سال گزشتہ کا علاج ہے اور ہر سال کہ ابھی قربانی نہیں ہوئی وہی پہلی گائیں اگر قربانی کے لئے خریدی تھیں خواہ نخواہی قربانی کی جائیں اور ان سے کم قیمت کی ہر گز نہ بدلی جائیں کہ قصداً خلاف کرکے جرمانہ دینا جسارت ہے بلکہ خلاف حکم کیا ہی نہ چاہئے، قربانی میں بالخصوص ارشاد ہوا کہ دل کی خوشی سے کرو کہ وہ صراط پر تمھاری سواریاں ہیں پہلو کو گراں سمجھ کر جو دوسری خریدیں اور ان میں سے ایک گابھن ہے یا نہیں۔ بہر حال ان کا تم کو اختیار ہے کہ سرکاری مطالبہ پہلی گائیوں سے متعلق ہو چکا اسی شرط پر کہ آدمی ارادہ سے بھیجے ہوں کہ جو جانور یہ لائیں قربانی کریں گے، نہ اس ارادہ سے کہ دیکھ مناسب سمجھیں گے کرینگے۔

(۲) قرآن مجید باوضو ہاتھ میں لے کر تلاوت کر سکتا ہے۔ جبکہ اس کے لئے کوئی وجہ ہو مثلاً داہنا ہاتھ خالی نہیں یا تھک گیا، **والسلام۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۶: مرسلہ امام علی صاحب از بمبئی ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو گائیں خریدی گئیں، شرکت میں قیمت جدا جدا نہ کی گئی چودہ حصے کئے گئے، قربانی کے بعد دونوں کا گوشت یکجائی ملا کر برابر حصوں میں تقسیم کر دیا گیا، ایک گائے کم قیمت یعنی صہ للعہ کی اور دو دوسری صہ صہ کی۔ ان چودہ حصوں میں ہر شخص کا برابر حصہ قیمت و گوشت میں کیا گیا، یہ صورت جواز کی ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

دونوں مشتریوں کی رضا سے اس میں کچھ حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۷تا۲۲۱: از موضع سرنیا ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب مورخہ ۱۵ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

(۱) ایک شخص نے قصاب سے گائے منگائی اس نیت سے خرید کر کہ وہ آجائیگی تو جو شریک حصہ ہوں گے شریک سمجھ لوں گا۔

(۲) اسی جگہ دیکھا کہ فقراء کے گوشت میں آنت، اوجھڑی بالکل ڈال کر تقسیم کرتے ہیں، دو حصوں میں نہیں۔

(۳) ایک جگہ دیکھا ہے کہ سر اور پیر سقے اور حجام کو، اور ایک پارچہ قصاب کو۔

(۴) بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ قربانی یا عقیقہ یا نیاز میں کھانا بھنگی کو دیتے ہیں۔

(۵) قربانی گائے میں نصف ایک شخص ہو اور نصف میں دو شریک یا تین، درست یا نہیں؟ اور نصف میں چار ہو جائیں یہ کیونکر ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) یہ بیجا کرتے ہیں۔ مستحب یہ کہ تہائی حصہ گوشت کا فقیروں کو ملے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) سقے، حجام، قصاب کا قربانی میں کوئی حصہ نہیں، دینے کا اختیار ہے۔ مگر قصاب کی اگر یہ اجرت قرار پائی تو حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) بہت برا کرتے ہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۵) نصف میں تین تک شریک ہو سکتے ہیں، اور نصف گائے ایک کی ہو، اور دوسرے میں چار شریک ہوں تو ان پانچوں یعنی کسی کی قربانی ادا نہ ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۲: از بلگرام شریف ضلع ہردوئی محلّہ میدان پور مرسلہ حضرت سید ابراہیم میاں صاحب ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو یا چار سات آدمیوں نے ایک گائے قربانی کے واسطے خرید کی منجملہ ان کے ایک شخص نے قیمت نہ وقت خرید کے ادا کی نہ بعد، اور وہ شریک رہا، پس اس صورت میں کس کی یا اس کی قربانی میں حرج یا غیر جائز تو قربانی نہیں ہوا، جواب اس کا بحوالہ عبارت مرحمت فرمایا جائے کہ ضرورت ہے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب: بیع نفس ایجاب وقبول سے تمام ہو مبیع ملک مشتری میں داخل اور ثمن ذمہ پر لازم ہوتی ہے ادائے ثمن حصول ملک کے لئے شرط نہیں اگر نہ دے گا تو بائع کا مدیون رہے گا مبیع میں ملک تام ہے۔

فی التنویر اذ وجدا(ای الایجاب والقبول)لزم البیع [1]۔	تنویر میں ہے۔جب ایجاب وقبول پایا جائے بیع لازم ہو جاتی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

وصح بثمن حال ومؤجل الی معلوم [2]۔	نقد اور ادھار مقرر مدت ہو تو بیع جائز ہے۔(ت)

پس جب شرکائے مشترین مالک گاؤ تھے اور انھوں نے بہ نیت اضحیہ قربانی کی، سب کی قربانی ادا ہو گئی، ثمن کا مطالبہ اس شریک پر رہا اگر وہ نیت قربانی سے دست بردار ہو کر اصلا ذبح نہ چاہتا یا خالی گوشت وغیرہ امور غیر قربت کی نیت سے ذبح چاہتا اور ایسی حالت میں بقیہ شرکاء بہ نیت قربانی ذبح کر لیتے تو کسی کی قربانی ادا نہ ہوتی کہ ان میں ایک شریک کی نیت تقرب نہیں۔

فی التنویر ان کان شریك الستة نصرانیا او مرید اللحم لم یجز عن واحد [3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر الابصار میں ہے اگر قربانی کرنیوالے کے ساتھ باقی چھ میں کوئی نصرانی یا گوشت کے ارادے سے شریک ہو تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۲۲۳: مرسلہ صاحب علی طالب علم از جاورہ ۱۴صفر المظفر ۱۳۳۵ھ

ایک گائے کو چھ شخصوں نے قربانی کی، ایک کے دو حصے نفلی اور پانچ شخصوں کے واجبی، تو کیا دو حصہ والا شخص بعد ذبح گائے، قبل تقسیم گوشت کے ایک حصہ میں دوسرے شخص کو شریک کر سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

قربانی اراقہ دم کا نام ہے اور اب اراقہ دم ہو گئی تو دوسرے کی طرف اس کا انتقال ناممکن ہے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳

ہاں اس کا ثواب یا گوشت جسے چاہے دے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۲۴: از شہر بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ عزیز احمد فرید پوری ۲۵ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی عید الاضحٰی کے پوست کی قیمت گوشت کی طرح تین حصوں میں پر تقسیم کی جائے یا تمام وکمال قیمت خیرات کردی جائے، اور کھال کا اپنے صرف میں لانا صاحب قربانی کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اور کھال قربانی کی قیمت سید کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ در صورت عدم جواز کوئی شرعی حیلہ تحریر فرمایئے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

کھال اپنے تصرف میں صرف کرنا لاسکتا ہے جس میں کھال باقی رہے۔ مثل مشک، ڈول یا کتاب کی جلد بناسکتا ہے، کھال اگر اپنے خرچ میں لانے کی نیت سے داموں کو بیچی تو وہ دام تمام خیرات کرے، یعنی فقیر محتاج مصرف زکوۃ کو دے، سید کو نہیں دے سکتا، اور اگر سید کو دینے کی نیت سے بیچی تو وہ دام سید کو دے، تین حصوں کا حکم گوشت میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۲۵: از موضع ڈوالہ ویرم تحصیل ضلع امرتسر مرسلہ میاں شمس الدین صاحب حنفی قادری ۷ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

مولوی غلام قادر صاحب بھیروی نے مسئلہ قربانی اور کتاب اسلام میں لکھا ہے کہ اگر غنی قبل از ایام عید قربانی خریدے وہ واجب بالنذر ہوجائے گا وہ سب گوشت فقراء کو صدقہ کرے آپ نہ کھائے، ایسے ہی فقیر جس پر قربانی واجب نہیں، لیکن اس نے کتاب کا حوالہ نہ دیا، اس لئے بعض جہلاء احناف کو تردد ہے۔ براہ مہربانی حوالہ کتب سے ارشاد ہو، اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ کس قرینہ میں قربانی قبل از عید بعد طلوع آفتاب عندالحنفیہ جائز ہے۔ یا باوجود قریہ جامع ہونے کے بھی بعد طلوع قربانی درست ہے کیونکہ کتب فقہ میں لفظ دیہ یعنی گاؤں واقع ہے اور بعض کتب میں لکھا ہے کہ جس گاؤں میں چند کس حر بالغ آزاد ہو جمعہ واجب ہے۔ جب جمعہ واجب ہوا تو عید بھی وہاں درست ہوگی، پھر بعد عید قربانی ہوگی یا بعد طلوع قبل از عید؟ جواب بواپسی ڈاک مرحمت ہو۔ والسلام۔

الجواب:

فقیر اگر بہ نیت خریدے اس پر خاص اس جانور کی قربانی واجب ہوجاتی ہے۔ اگر جانور اس کی مالک میں تھا اور قربانی کی نیت کرلی یا خریدا، مگر خریدتے وقت نیت قربانی نہ تھی، تو اس پر وجوب نہ ہوگا، غنی پر ایک اضحیہ خود واجب ہے۔ اور اگر اور نذر بصیغہ نذر کرے گا تو وہ بھی واجب ہوگا۔ اس

عبارت میں بھی یہی ہے کہ واجب بالنذر ہوجائے گا یعنی نذر کئے سے واجب ہوگا نہ کہ غنی پر مجرد خریداری سے، درمختار میں ہے:

تصدق بها ناذر وفقير شراها لو جوبها عليه بذٰلك (ملخصا)[1]۔	نذر والا اور فقیر جس نے قربانی کی نیت سے خریدا تھا، یہ صدقہ کرینگے کیونکہ نذر اور خریدنے کی بنا پر ان پر واجب ہوگیا تھا (ملخصًا)۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فلو كانت فی مبلكه فتوٰی ان يضحٰی بها،او اشتراها، ولم ينوالاضحية وقت الشراء ثم نوی بعد ذٰلك لايجب، لان النية لم تقارن الشراء فلا تعتبر، بدائع[2]۔	اگر بکری اپنی ملک میں تھی تو نیت کرلی کہ اس کی قربانی کرے گا یا خریدتے وقت قربانی کی نیت نہ کی ہو پھر بعد میں قربانی کی نیت کی تو اس سے اس پر قربانی واجب نہ ہوگی کیونکہ خریدتے وقت ساتھ نیت نہ کی لہٰذا بعد کی نیت معتبر نہ ہوگی، بدائع (ت)

درمختار میں ہے:

لوماتت فعلى الغنی غيرها الا الفقير، ولو ضلت او سرقت فشری اخرٰی فظهرت فعلى الغنی احدهما و على الفقير كلاهما شمنی[3]۔	اگر مرجائے تو غنی پر دوسری واجب ہے فقیر پر نہیں، اور اگر گم ہوجائے یا چوری ہوجائے تو دوسری خریدی اور پہلی مل گئی تو غنی پر ایک ہی لازم ہوگی جبکہ فقیر پر دونوں کی قربانی واجب ہوگی شمنی (ت)

جو شہر نہ ہو اس میں نہ نماز جمعہ ہے نہ نماز عید، سو دوسو کی آبادی کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ اس میں متعدد محلے ہوں، دائم بازار ہوں، وہ پرگنہ ہو کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں، اس میں فصل مقدمات پر کوئی حاکم مقرر ہو وہ شہر ہے جہاں ایسا نہیں صبح سے قربانی جائز ہے **هو الصحيح الذی على المحققون كما فی الغنية** (وہی صحیح ہے جس پر محقق حضرات ہیں، جیسا کہ غنیہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰۴

[3] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۳

مسئلہ ۲۲۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سات شخصوں نے ایک راس گائے واسطے قربانی خرید کی، وہ گائے فرار ہو گئی، اس کو ہر چند تلاش کیا سب کانجی ہاؤس اور اس شخص کے مکان پر اور اس کے نواح میں بھی جہاں سے اس کو خریدا تھا، آج وہ گائے بفضلہٖ تعالٰی ہاتھ آگئی، اب اس گائے کے واسطے کیا حکم ہے اور کس طرح سے ہم کو ثواب قربانی کا حاصل ہوگا؟

الجواب:

ساتوں شخص اس گائے کو زندہ خیرات کردیں کسی فقیر کو دے ڈالیں، بیان سائل سے معلوم ہوا کہ ان میں پانچ شخص صاحب نصاب تھے۔ ان پانچوں پر واجب تھا کہ اگر وہ گائے گم ہوگئی تھی اور گائے یا بکریاں لے کر بارھویں تاریخ قربانی کرلیتے، اب کہ بارھویں گزرادی اور قربانی نہ کی، یہ پانچوں گنہگار ہوئے، ان پر توبہ استغفار واجب ہے۔ اور گائے کی نسبت ساتوں پر واجب ہے کہ زندہ خیرات کردیں، ردالمحتار میں ہے:

ذکر فی البدائع ان الصحیح ان الشاۃ المشتراۃ للاضحیۃ اذا لم یضح بھا۔ حتی مضی الوقت یتصدق الموسر بعینھا حیۃ کالفقیر بلاخلاف بین اصحابنا فان محمدا قال وھذا قول ابی حنیفہ وابی یوسف و قولنا اھ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	بدائع میں ذکر کیا کہ صحیح یہ ہے کہ جو قربانی کے لئے خرید شدہ بکری کی قربانی نہ کرسکا اور وقت گزر گیا تو غنی شخص اس زندہ کو ہی صدقہ کرے جیسا کہ فقیر کے لئے یہ حکم بلاخلاف ہمارے اصحاب میں ہے کیونکہ امام محمد نے فرمایا: یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابویوسف اور ہمارا قول ہے رحمہم اللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۷: ۱۰ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید پردیس میں ہے اس کی جانب سے اس کا کوئی عزیز قربانی کردے توفرض زید پر سے اتر جائے گا یا اجازت کی ضرورت ہے؟

الجواب:

قربانی وصدقہ فطر عبادت ہے اور عبادت میں نیت شرط ہے تو بلااجازت ناممکن ہے۔ ہاں اجازت کے لئے صراحۃً ہونا ضروری نہیں دلالت کافی ہے۔ مثلاً زید اس کے عیال میں ہے اس کا کھانا پہننا سب اس کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۴

پاس سے ہونا ہے۔ یا یہ اس کا وکیل مطلق ہے۔ اس کے کاروبار کیا کرتا ہے۔ ان صورتوں میں ادا ہوجائی گی۔ درمختار میں ہے:

لاعن زوجته وولده الکبیر العاقل ولوادی عنهما بلااذن اجزا استحسانا للاذن عادة ای لو فی عیاله ولا فلا قسهتانی[1] عن المحیط، فلیحفظ، قلت ومسئلة القائم بامورہ بامرہ اظهر وازہر لوجود الاذن ولو فی ضمن العام۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بیوی اور عاقل بالغ بیٹے کی طرف سے اس پر واجب نہیں، اور اگر ان دونوں کی طرف سے اجازت کے بغیر ادا کردے تو استحسانا جائز ہے عادتا اجازت کی بناء پر یعنی جب عاقل بالغ بیٹا اس کی عیال میں شامل ہو ورنہ اجازت کے بغیر نہیں یہ قہستانی نے محیط سے نقل کیا ہے۔ تو اس کو محفوظ کرلو۔ میں کہتا ہوں اگر وہ بیٹا والد کے کام میں مشغول ہو والد کے حکم سے تو پھر یہ مسئلہ زیادہ ظاہر اور بہتر ہے کیونکہ اذن پایا گیا کہ اگرچہ عام کے ضمن میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آدمی پر اولاد صغار کی طرف سے قربانی مثل صدقہ فطر واجب ہے۔ اپنے مال سے کرے یا ہر شخص اپنی علیحدہ کرے، اور جس قدر چاہے اس قدر کرے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اولاد صغار کی طرف سے قربانی اپنے مال سے کرنا واجب نہیں، ہاں مستحب ہے۔ اور قربانی جس پر واجب ہے اس پر ایک ہی واجب ہے زیادہ نفل ہے۔ چاہے ہزار جانور قربانی کرے گا ثواب ہے۔ نہ کرے گا کچھ مواخذہ نہیں۔

فی الدر المختار تجب التضحیة عن نفسه لاعن طفله علی الظاهر بخلاف الفطرة، شاة او سبع بدنه[2] اھ ملتقطا، وفی الخانیة فی ظاہر الروایة یستحب	درمختار میں ہے قربانی خود اپنے طرف سے واجب ہے۔ نابالغ اولاد کی طرف سے اس پر واجب نہیں بخلاف فطرانہ کے۔ قربانی کے لئے بکری یا اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ واجب ہے۔ اھ ملتقطا، اور خانیہ میں ہے کہ ظاہر روایۃ یہ کہ نابالغ کی طرف

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب صدقہ الفطر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۳

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۱

ولایجب بخلاف صدقۃ الفطر۔والفتوٰی علی ظاہر الروایۃ[1] اھملخصاً۔واللہ تعالٰی اعلم۔	سے مستحت ہے واجب نہیں بخلاف صدقہ، فطرکے،اور فتوٰی ظاہر روایۃ پر ہے اھ ملخصا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۲۹: از دیور نیاں ضلع بریلی مسئولہ رحیم بخش بروز شنبہ ۱۳۳۴ھ

جناب مولوی صاحب قبلہ ! بعض ادائے آداب کے عرض ہے دیگر احوال یہ ہے ایک شخص نے ایک راس بکری عیدالاضحیٰ کو قربانی کی اور اس کی کلیجی ٹول اور خاسہ میں باندھ کر قبر کہنہ میں دفن کیا اور راس مذکور کا گوشت سب تقسیم کردیا،اپنے لئے قطعی نہیں رکھا،محلّہ والوں نے سبب دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ مجھ کو اپنے فعل کا اختیار ہے۔ تحریر فرمائے کہ یہ قربانی جائز یا کیا قصہ ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کوئی ٹوٹکا کیا ہے۔ تحریر فرمائے کہ کیا وجہ ہے؟

الجواب:

کلیجی دفن کرنا مال ضائع کرنا ہے اور اضاعت مال ناجائز۔اگر اس نے بہ نیت قربانی جانور مولا تعالٰی کے لئے ذبح کیا تو قربانی ہوگئی اور بعد کو اس کا یہ فعل منافی قربانی نہیں اور اگر سرے سے اس کا ذبح ہی کسی ٹوٹکے یا عمل کے لئے تھا نہ بہ نیت ادائے واجب، تو قربانی نہ ہوئی۔وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۰: از موضع بھدور ضلع پٹنہ مرسلہ مولوی عبدالحکیم صاحب ڈاکخانہ سرمرہ بروز چہار شنبہ ۴ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

ورثۃ الانبیاء کیا حکم دیتے ہیں اس مسئلہ میں کہ منجانب میت جو قربانی دی جائے اس گوشت کو کس طرح تقسیم کیا جائے،اس کا رواج ہے کہ ایک حصہ خویش واقرباء اور ایک وقف علی المساکین اور تیسرا حصہ وقف کیا جاتا ہے۔مع دلیل جواب ارشاد ہو۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس کے بھی یہی حکم ہیں جو اپنی قربانی کے کہ کھانے، کھلانے، تصدق،سب کا اختیار ہے اور مستحب تین حصے ہیں،ایک اپنا،ایک اقارب،ایک مساکین کا،ہاں مگر میت کی طرف سے بحکم میت کرے۔تو وہ سب تصدق کی جائے۔ردالمحتار میں ہے:

من ضحی عن المیت یصنع کما یصنع فی اضحیۃ	اگر میت کی طرف سے قربانی کی تو صدقہ اور کھانے میں

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاضحیۃ فصل فی صفۃ الاضحیۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۳۴۷

نفسہ من التصدق والاکل والاجر للمیت و الملک للذابح قال الصدر والمختار انہ ان بامر المیت لا یاکل منہا والا یاکل "بزازیۃ"[1]۔	اپنی ذاتی قربانی والا معاملہ کیا جائے اور اجر وثواب میت کے لئے ہوگا اور ملکیت ذبح کرنے والے کی ہوگی، فرمایا صدر نے اور مختار یہ ہے کہ اگر میت کی وصیت پر قربانی اس کے لئے کی تو خود نہ کھائے ورنہ کھائے۔ بزازیہ۔(ت)

اور فقیر کا معمول ہے کہ قربانی ہر سال اپنے حضرت والد ماجد خاتم المحققین قدس سرہ العزیز کی طرف سے کرتا ہے اور اس کا گوشت پوست سب تصدق کر دیتا ہے اور ایک قربانی حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے کرتا ہے اور اس کا گوشت پوست سب نذر حضرات سادات کرام کرتا ہے۔ **تقبل اللہ تعالٰی منی ومن المسلمین** (آمین)، (اللہ تعالٰی میری طرف اور سب مسلمانوں کی طرف سے قبول فرمائے، آمین۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۱: از قصبہ حافظ گنج ضلع بریلی مرسلہ رحیم بخش منہار ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

گوشت قربانی کا جو بقر عید میں اہل اسلام میں ہوتا ہے وہ اہل ہنود کو دیا جائے یا نہیں؟ اس مسئلہ کی ہم کو ضرورت ہے۔ جواب سے مطلع فرمائے گا۔

الجواب:

قربانی اگر فقیر نے کی ہو اس کا گوشت کسی کافر کو دینا جائز نہیں، اگر دے گا تو اتنے گوشت کا تاوان دینا لازم ہوگا اور اگر غنی نے کی تو ذبح کرنے سے اس کا واجب ادا ہوگیا، گوشت کا اسے اختیار ہے مگر مستحب یہ ہے کہ اگر اس کے تین حصے کرلے، ایک حصہ اپنے لئے، ایک عزیزوں خویشوں کے لئے، ایک تصدق کے لئے، یہاں کے کفار کو دینا ان تینوں مدوں سے خارج ہے۔ لہٰذا انھیں دینا خلاف مستحب ہے۔ اور اپنے مسلمان بھائی کو چھوڑ کر دینا حماقت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۲: از چتور گڑھ محلہ چھیپیاں مسئولہ جمیع مسلماناں گنہ گار ۱۵ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا عقیقہ کا گوشت کافر کو دینا جائز ہے یا ناجائز؟ اسی طرح قربانی کے رودہ اور آنت کا کافر کو دینا کیسا؟ اور اگر کسی نے نہ جاننے کی حالت میں گوشت یا رودہ وغیرہ دلایا تو اس کی قربانی ادا ہوئی یا نہیں؟

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰۷

الجواب:

آنت کھانے کی چیز نہیں، پھینک دینے کی چیز ہے۔ وہ اگر کافر لے جائے یا کافر کو دی جائے تو حرج نہیں۔

"اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَ الْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ" [1]	خبیث چیزیں خبیث لوگوں کے لئے اور خبیث لوگ خبیث چیزوں کے لئے۔ (ت)

یہاں کے کافروں کو گوشت دینا جائز نہیں وہ خاص مسلمانوں کا حق ہے۔

"وَ الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَ الطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ" [2]	طیب چیزیں طیب لوگوں کے لئے اور طیب لوگ طیب چیزوں کے لئے۔ (ت)

پھر بھی اگر کوئی اپنی جہالت سے دے گا قربانی میں کوئی حرج نہ کرے گا۔ **وھو تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۳: مسئولہ اکبر یار خاں باشندہ سوداگری محلّہ بریلی سوداگر چشمہ بروز جمعہ ۱۱ ذوالقعدہ ۱۳۳۲ھ

ایک شخص نے ایک قربانی میں تین عہ آدمیوں کے نام جو مر گئے ہیں، کیا، وہ فرماتے ہیں قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

قربانی اللہ عزوجل کے لئے کی، اور اس کا ثواب جتنے مسلمانوں کو پہنچانا چاہا اگرچہ عام امت مرحومہ کو تو قربانی درست ہوگی، اور ثواب سب کو پہنچے گا، اور اگر ان تینوں نے اپنی طرف سے قربانی کی وصیتیں کی تھیں، تو ہر ایک کے مال سے جدا قربانی لازم ہے۔ ایک قربانی دو کی طرف سے نہیں ہو سکتی اگر کی جائے تو کسی کی طرف سے نہ ہوگی محض گوشت ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴: از سیتاپور ڈاکخانہ خیر آباد مدرسہ نیازیہ مرسلہ شکور اللہ صاحب ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے نیت قربانی کی اور عمرو نے عقیقہ کی نیت، جانور واحد معین میں کرکے جانور حلال کیا اور دونوں نے آپس میں برابر گوشت تقسیم کرلیا، عمرو کا عقیقہ اور زید کی قربانی صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

گائے یا اونٹ میں دو سے سات تک شریک ہو سکتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ کسی طرح باہم

عہ: اصل میں بیاض تھی اندازہ سے درست کیا۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۶

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۶

حصہ کریں جبکہ ایک حصہ سے کم نہ ہو جائز ہے۔ہاں اگر ایک نے سوا چھ حصے لئے دوسرے نے پون، تو وہ جانور نرا گوشت ہوگیا، قربانی وعقیقہ کچھ نہ ہوا، نہ اس پون والے کا نہ سوا چھ والے کا، کہ ایک حصہ سے کم میں تقرب نہیں ہو سکتا، اور جب اس کے ایک جز میں نہ ہوا تو کسی جز میں نہ ہوا اللہ عزوجل ہر شریک سے غنی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ بعض اس کے لئے اور بعض غیر کے لئے جس کا ایک ذرہ غیر کے لئے ہو وہ کل غیر کے لئے ہے۔ یہاں جبکہ دو شخصوں میں گائے نصفا نصف ہے تو ہر ایک کے ساڑھے تین حصے ہوئے۔ایک حصہ ٹوٹا مگر اور سالم حصے موجود ہیں، اور قربانی عقیقہ دونوں اللہ ہی کے لئے ہیں لہٰذا دونوں صحیح ہوگئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۵: ۹ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکرے دو طرح خصی کئے جاتے ہیں۔ایک یہ کہ رگیں کوٹ دی جائیں، اس میں کوئی عضو کم نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ آلت تراش کو پھینک دی جاتی ہے۔اس صورت میں ایک عضو کم ہوگیا، آیا ایسے خصی کو بھی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ بوجہ مذکورہ ممانعت کرتے ہیں **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے کہ اس کی کمی سے اس جانور میں عیب نہیں آتا بلکہ وصف بڑھ جاتا ہے کہ خصی گائے کو گوشت بہ نسبت فحل کے زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ **فی الھندیۃ عن الخلاصۃ یجوز المجبوب العاجز عن الجماع**[1] (ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہے کہ ذکر کٹا جو جفتی کے قابل نہ رہا وہ قربانی میں جائز ہے الخ۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۶: ۹ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گائے کا کان چرا ہوا ہے جیسے گاؤں کے لوگ بچپن میں کان چیر دیتے ہیں کہ طول یا عرض میں شق ہو جاتا ہے مگر وہ ٹکرا کان کا ہی لگا دیتا ہے جدا نہیں ہوتا اور اس کے سینگ جو گھوم کر چہرے پر آئے۔اور ایک سینگ آنکھ تک آیا جس سے آنکھ کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا اس کی نوک تراش دی گئی۔ایسی گائے کی قربانی شرعا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بلاشبہہ جائز ہے۔ مگر مستحب یہ ہے کہ کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں بالکل سلامت ہوں۔

فی العالمگیریۃ تجزی الشرقاء وہی	عالمگیری میں ہے قربانی شرقاء جائز ہے یہ وہ ہے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۹۷

مشقوقه الاذن طولا، ولامقابلة ان يقطع من مقدم اذنها شيئ ولا يبان بل يترك معلقا والمدابرة ان يفعل ذلك بمؤخر الاذن من الشاة، ومأروى ان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم نهى ان يضحى بالشرقاء والمقابلة والمدابرة والخرقاء فالنهى فى الشرقاء والمقابلة والمدابرة محمول على الندب وفى الخرقاء على الكثير على اختلاف الاقاويل فى حد الكثير كذا فى البدائع[1]۔	جس کے کان لمبائی میں چرے ہوئے ہوں اور مقابلہ جائز ہے یہ وہ جائز ہے جس کے کام کا اگلا کچھ حصہ کٹا ہو لیکن جدا نہ ہو بلکہ لٹکا ہوا ہو، او رمدابرہ جائز ہے یہ وہ ہے جس کے کا پچھلا حصہ اس طرح کٹا ہو، یہ صفات بکری کی ہیں، اور جو مروی ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے شرقاء، مقابلہ، مدابرہ اور خرقاء کی قربانی سے منع فرمایا ہے۔ تو شرقاء مقابلہ اور مدابرہ میں یہ نہی تنزیہہ پر محمول ہے جبکہ کثیر کی حد میں اقوال کا اختلاف ہے بدائع میں یوں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

يضحى بالجماء هى التى لاقرن له خلقة وكذا العظماء التى ذهب بعض قرنها بالكسر اوغير فان بلغ الكسر الى المخ لم يجز قهستانى، وفى البدائع ان بلغ الكسر المشاش لايجزئ والمشاش رؤس العظام مثل الركبتين والمرفقين اھ[2] والله تعالٰى اعلم۔	جماء کی قربانی جائز ہے یہ وہ ہے جس کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہو اور یوں عظماء بھی جائز ہے یہ وہ ہے جس کے سینگ کا کچھ حصہ ٹوٹا ہوا ہو اور غیر میں اگر سینگ مخ سمیت ٹوٹا ہو تو ناجائز ہے۔ قہستانی اور بدائع میں ہے کہ اگر سینگ کا ٹوٹنا مشاش تک ہو جائے تو ناجائز ہے۔ اور مشاش یہ ہڈی کا سرا ہے جیسے گھٹنے اور کہنیاں ہیں اھ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۳۷: ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ

ایک راس عقیقے کے لئے خریدی اس کا سینگ ٹوٹ گیا، اب دوبارہ پھر نکل آیا۔ یہ راس قابل قربانی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۸

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۵

الجواب: سینگ ٹوٹنا اس وقت قربانی سے مانع ہوتا ہے کہ جبکہ سر کے اندر جڑ تک ٹوٹے اگر اوپر کا حصہ ٹوٹ جائے تو مانع نہیں۔

فی ردالمحتار یضحی بالجماء وھی التی لا قرن لھا خلقۃ وکذا العظماء التی ذھب بعض قرنھا بالکسر اوغیرہ۔ فان بلغ الکسر الی المخ لم یجز قھستانی، و فی البدائع ان بلغ الکسر المشاش لایجزئی والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین [1] اھ۔	ردالمحتار میں ہے جماء کی قربانی جائز ہے یہ وہ ہے کہ جس کے سینگ پیدائشی نہ ہو اور یوں عظماء بھی، یہ وہ ہے کہ جس کے سینگ کا کچھ حصہ ٹوٹا ہوا اور منح تک ٹوٹ چکا ہو تو ناجائز ہے۔ قہستانی، اور بدائع میں ہے اگر یہ ٹوٹ مشاش تک ہو تو ناجائز ہے اور مشاش ہڈی کے سرے کو کہتے ہیں جیسے گھٹنے اور کہنیاں اھ (ت)

اور اگر ایسا ہی ٹوٹا تھا کہ مانع ہوتا، مگر اب زخم بھر گیا، عیب جاتا رہا تو حرج نہیں لان المانع قد زال وھذا ظاھر (کیونکہ مانع جاتا رہا، اور یہ ظاہر ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۸: مسئولہ مولوی خلیل الرحمٰن متعلّم مدرسہ منظر الاسلام اہلسنت وجماعت بریلی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا جانور کس قدر صحیح ہونا چاہئے اور کس قدر سینگ جانور کا کٹا ہوا ہو تو قربانی ہو سکتی ہے۔ اور جڑ سے ٹوٹ گیا ہو تو کیا حکم ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں سب اعضاء سلامت ہونا ضروری ہے۔ سینگ ٹوٹا ہونا مضائقہ نہیں رکھتا مگر جہاں سے اُگا ہے اگر وہاں تک ٹوٹا تو ناجائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قول (ویضحی بالجماء) ھی التی لاقرن لھا خلقۃ وکذا العظماء التی ذھب بعض قرنھا بالکسر اوغیرہ فان بلغ الکسر	اس کا قول کہ "جماء کی قربانی جائز ہے۔ یہ وہ ہے جس کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں اور یوں عضماء بھی جس کے سینگ کا ٹوٹنا وغیرہ کچھ حصہ میں ہو، اور یہ ٹوٹ مخ سمیت ہو تو ناجائز ہے۔ قہستانی اور بدائع میں ہے اگر ٹوٹنا مشاش

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰۵

الی المخ لم یجز قھستانی وفی البدائع ان بلغ الکسر المشاش لایجزی والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین [1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	تک ہو تو ناجائز ہے۔ مشاش ہڈی کے سرے کو کہتے ہیں جیسے گھٹنے اور کہنیاں اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۹: از چونیاں ضلع لاہور ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

انجمن مذکور کے اشتہار مذکور میں ہے جس جانور کے پیدائشی کان دم نہ ہوں وہ جائز ہے ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک، اور ناجائز ہے امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک، مگر چونکہ وہ روایت اصول ہے اس واسطے امام صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے فتوٰی کے اوپر فتوٰی دیتے ہیں کہ جس جانور کے پیدائشی کان دم نہ ہو وہ جائز ہے۔

اب حضرت مولانا صاحب جواب خود تحریر فرمائیں کہ ایسا مذکورہ بالا جانور واقعی قربانی میں جائز ہے یا ناجائز؟ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ اکثر فتاووں میں ایسے جانور کا ناجائز لکھا ہے۔ حضرت صاحب انجمن کے اشتہار شائع شدہ میں یہ دونوں مسئلے اسی طرح لکھے ہیں، آیا یہ دونوں مسئلے درست لکھے ہیں یا کہ نہیں؟ مفصل طور پر تحریر فرمائیں بحوالہ کتب معتبرہ۔

الجواب:

جس جانور کی اصل پیدائش میں کان اور دم نہ ہو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس کی قربانی جائز ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک ناجائز، اور معتمد قول امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ، خانیہ میں ہے:

الشاۃ اذالم یکن لھا اذن ولا ذنب خلقۃ یجوز۔ وقال محمد رحمہ اللہ تعالٰی لا یکون ھٰذا ولو کان لایجوز، وذکر فی الاصل عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ یجوز [2]۔	بکری کو اگر پیدائشی طور پر کان اور دم نہ ہو تو جائز ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ایسا جانور نہیں ہوتا اگر ہو تو قربانی جائز نہیں ہے۔ اور مبسوط (اصل) میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ یہ جائز ہے۔ (ت)

اسی طرح اجناس وخلاصہ وبزازیہ میں ہے۔ غالبا یہ ہے جس پر اشتہار میں اعتماد کیا، اور

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰۵

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاضحیۃ فصل فی العیوب نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۴۸

واقع میں وہ قابل اعتماد نہ تھا۔

اوّلاً: متون وشروح نے عدم جواز پر جزم کیا اور قول خلاف کا نام نہ لیا، ۱مختصر امام کرخی پھر غایۃ البیان علامہ اتقانی میں ہے:

قال ہشام وسألت ابایوسف عن السکاء التی لاقرن لہا قال تجزئ فان لم یکن لہا اذن لا تجزئی وہو قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی[1]۔	ہشام نے کہا میں نے امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے سکاء کے متعلق سوال کیا اور یہ وہ ہے جس کے پیدائشی طور پر سینگ نہ ہوں، تو انھوں نے فرمایا جائز ہے اور اگر کان نہ ہوں تو نا جائز ہے یہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے۔(ت)

۲ہدایہ میں ہے:

السکاء وھی التی لا اذن لہا خلقۃ لا تجوز لان مقطوع اکثر الاذن اذا کان لایجوز فعدیم الاذن اولٰی[2]۔	سکاء وہ ہے جس کے پیدائشی طور پر کان نہ ہوں، جائز نہیں، کیونکہ جب کان کا اکثر حصہ کٹا ہو تو ناجائز ہے۔تو بالکل کان نہ ہوں تو بطریق اولٰی ناجائز ہوگا۔(ت)

۳عنایۃ و ۴غایۃ البیان ونتائج ۵الافکار وغیرہا میں اس پر تقریر کی، ۶منسک متوسط میں ہے:

لایجوز الذی لا اذن لہ خلقہ اولہ اذن واحدۃ[3]۔	جس کے پیدائشی کان نہ ہوں یا صرف ایک کان ہو تو ناجائز ہے۔(ت)

۷مسلک متقسط میں اس پر تقریر کی، ۸تنویر الابصار میں و ۹در مختار میں ہے:

والا السکاء التی لا اذن لہا خلقۃ[4]۔	اور سکاء جس کے پیدائشی کان نہ ہوں ناجائز ہے(ت)

۱۰طحطاوی و ۱۱شامی میں اس پر تقریر کی، ۱۲بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

---

[1] غایۃ البیان

[2] الہدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۶

[3] المسلک المتقسط فی المنسلک المتوسط باب الہدایہ دار الکتب العربی بیروت ص ۳۱۴

[4] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳

لاتجوز مقطوعة احد الاذنين بكمالها، والتى لها اذن واحدة خلقة[1]۔	ایک کان کامل کٹا ہوا اور جس کا پیدائشی ایک ہی کان ہو ناجائز ہے۔(ت)

۱۳تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے:

السكاء وہى التى لااذن لها خلقة لاتجوز[2]۔	سکاء وہ ہے جس کا پیدائشی کان نہ ہو۔ ناجائز ہے۔(ت)

۱۴مناسک امام کرمانی پھر ۱۵شلبی علی الزیلعی میں ہے:

لان فات عنه عضو كامل[3]۔	کیونکہ اس کا کامل معدوم ہے۔(ت)

۱۶شرح طحطاوی امام اسیجابی پھر ۱۷خزانۃ المفتین میں ہے:

لايجوز السكاء وهى التى لااذن لها خلقة الاوالية لها خلقة[4]۔	سکاء وہ جس کا پیدائش کان یا چکّی نہ ہو وہ جائز نہیں ہے۔(ت)

۱۸اتقانی علی الہدایہ میں ہے:

قال محمد رحمة الله تعالٰى فى الاصل بلغنا عن رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم انه قال استشرفوا العين والاذن، وروى فى السنن عن على كرم الله وجهه عن رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم ان تستشرف العين والاذن وقد اعتبر رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم بقاء الاذن فمنع فواتها من جواز الاضحية[5]۔	امام محمد نے فرمایا اصل میں، کہ ہمیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت پہنچی کہ آپ نے فرمایا کہ آنکھ اور کان کو بغور دیکھو، اور سنن میں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے روایت فرمایا کہ ہم آنکھ اور کان کو بغور دیکھیں، تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کان کی بقاء کا اعتبار فرمایا تو معدوم ہو ناجواز قربانی کے لئے مانع ہوگا۔(ت)

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الاضحیۃ فصل واما شرائط اقامت الواجب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۷۵

[2] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۶

[3] حاشیہ الشلبی علی تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/۶

[4] خزانہ المفتین کتاب الاضحیۃ قلمی نسخہ ۲/ ۲۰۷

[5] غایۃ البیان

۱۹فتح اللہ المعین میں ہے:

لایضحی بالسکاء وھی التی لااذن لھا خلقۃ بخلاف صغیرۃ الاذن[1]۔	سکاء جس کے پیدائشی کان نہ ہو اس کی قربانی نہ کی جائے بخلاف چھوٹے کان کے۔ (ت)

۲۰مجمع الانہر میں ہے:

ولاالسکاء وھی التی لا اذن لھا خلقۃ[2]۔	اور سکاء جس کے پیدائشی کان نہ ہوں جائز نہیں۔ (ت)

۲۱سراجیہ میں ہے:

لاتجزی التی لم یخلق لھا اذن[3]۔	جس کے کان پیدا نہ ہوں جائز نہیں، (ت)

ثانیًا: یہی قضیہ حدیث ہے: **کما علمت من غایۃ البیان** (جیسا کہ تم نے غایۃ البیان سے معلوم کرلیا ہے۔ت)

ثالثًا: اس کی وجہ اظہر واز ہر ہے۔ **کما علمت من الھدایۃ ومناسك الکرمانی** (جیسا کہ تم نے ہدایہ اور مناسک کرمانی سے معلوم کرلیا ہے۔ت) ایراث نقص میں عدم طاری واصلی میں تفرقہ کی کوئی وجہ ظاہر نہیں۔

رابعًا: یہی اکثر کتب میں ہے **والعمل بما علیہ الاکثر** (عمل اس پر ہوگا جس پر اکثریت ہو۔ت)

خامسًا: یہی احوط ہے تو بوجوہ اسی کو ترجیح، اور اسی پر اعتماد و عمل و فتوٰی واجب۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۰: ۹ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گائے کی دم تہائی کے قریب کٹی ہوئی ہے اور ایک کان چرا ہوا ہے مگر حصہ اس کا جدا نہ ہوا کان ہی میں لگا ہے۔ تو اس صورت میں اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] فتح المعین کتاب الاضحیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۸۰

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۵۲۰

[3] فتاوٰی سراجیہ کتاب الاضاحی نولکشور لکھنؤ ص۸۹

الجواب:

جائز ہے۔

فی التنویر یضحی بالجماء لامقطوع اکثرالاذن او الذنب[1]۔فی الدرالمختار للاکثر حکم الکل بقاء و ذھابا۔فیکفی بقاء الاکثر علیه الفتوی[2]۔فی الھندیة تجزئی الشرقاء وہی مشقوقة الاذن طولا، والمقابلة ان یقطع من مقدم اذنھا شیئ،ولا یبان بل یترك معلقا والمدابرة ان یفعل ذٰلك بمؤخر الاذن، والنھی محمول علی الندب کذا فی البدائع[3] اھ مختصرا۔واللّٰه تعالٰی اعلم۔	تنویر الابصار میں ہے جماء جس کا پیدائشی سینگ نہ ہو کی قربانی کی جائے نہ کہ اس کی جس کا کان یا دم اکثر کٹی ہو، درمختار میں ہے اکثر کا حکم کل والا ہوتا ہے بقاء اور ضیاع میں تو اکثر حصہ کی بقاء کافی ہے۔اور اسی پر فتوی ہے۔ہندیہ میں ہے شرقاء جائز ہے یہ وہ ہے جس کا کان لمبائی میں کٹا ہو۔او مقابلہ جائز یہ وہ ہے جس کا کان آگے سے کٹا ہو،اور جدا نہ ہوا ہو بلکہ لٹکتا ہو، اور مدابرہ جائز ہے، یہ وہ ہے جس کان پیچھے سے ایسے کٹا ہو اور ان سے نہی تنزیہہ پر محمول ہو۔بدائع میں یوں ہے اھ مختصرًا۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۴۱: قصبہ کوسی کلاں ضلع متھرا، محلّہ مسجد منڈی حافظ محمد رمضان پیش امام بروز یک شنبہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

قربانی کی کھال سید کو یا والدین کو دینا درست ہے یا نہیں۔کتاب مالابدمنہ کے اندر صدقہ نفل سید کو جائز لکھا ہے[4]۔اب یہ امر قابل تحقیق ہے کہ کھال قربانی صدقہ واجب ہے یا نفل ہے۔سید کو قربانی کی کھال دے یا نہیں؟ اکثر لوگ قربانی کی کھال دے دیا کرتے ہیں، درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

قربانی کی کھال سادات کرام کو دینا جائز ہے۔اپنے ماں باپ اولاد کو بھی دے سکتا ہے شوہر زوجہ کو زوجہ شوہر کو دے سکتی ہے۔ وہ بہ نیت تصدق ہو تو صدقہ نافلہ ورنہ ہدیہ، سقا کو دینے میں

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاضحیة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاضحیة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۳

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیة الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۹۸

[4] مالابدمنه (فارسی) کتاب الزکوٰة مطبع علوی لکھنؤ ص ۵۹

بھی حرج نہیں۔ وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۲: مرسلہ حاجی الہ یار خان صاحب تاجر کتب ۲۱ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

قربانی کی کھال کو بہ نیت تصدق فروخت کرنا یا اس کی قیمت سے بوریا وغیرہ خرید کر مسجد میں رکھا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

جائز ہے کہ تصدق کے لئے بیچا یا مسجد کے صرف میں لانا دونوں قربت ہیں، اور یہاں وہی مقصود، لاعین التصدق ولا تصدق العین (نہ کہ عین التصدق اور عین چیز کا تصدق۔ت) عالمگیری میں ہے:

لایبیعه بالدراہم لینفق الدراہم علی نفسه و عیاله، ولوباعھا بالدراہم لیتصدق بھاجاز، لانه قربة کالتصدق کذا فی التبیین [1] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اپنے یا اپنی عیال پر خرچ کرنے کے لئے قربانی کی کھال کو دراہم سے فروخت نہ کرے اور اگر دراہم کا صدقہ کرنا ہو تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح عبادت ہے تبیین الحقائق میں یوں ہے اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

ایضاح الجواب اصل یہ کہ اضحیہ مثل دم قران وتمتع وذبح تطوع دم شکر ہے ان میں قربت مقصودہ صرف اراقہ دم لوجہ اللہ سے حاصل ہو جاتی ہے۔ ولہٰذا ان کے لحم وغیرہ کا تصدق واجب نہ ہوا، اور خود کھانے کی بھی اجازت عطا فرمائی۔

قال تعالٰی "فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ" [2]، وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کلوا واطعموا و ادخروا، اخرجه احمد والشیخان [3] ان سلمة بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا قربانی سے خود کھاؤ اور قناعت والے اور محتاج کو کھلاؤ، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ، کھلاؤ اور ذخیرہ کرو، اس کو احمد اور شیخین نے سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

اور کھال کی کوئی چیز مثل مشکیزہ وغربال وپوستین توتشہ دان وفرش وتکیہ دجلہ کتاب وغیرہا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۱

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶

[3] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب مایوکل من لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۵

بناکر اپنے تصرف میں لانا بھی روا۔

کمانص علیہ فی عامة کتب المذہب وعن ام المومنین عائشة رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت قالوا یارسول اللہ ان الناس یتخذون الاسقیة من ضحایاھم ویحملون فیھا الودك فقال وماذاك قالوا نھیت ان توکل لحوم الاضاحی بعد ثلث قال نھیتکم من اجل الدافعة فکلو اوادخروا وتصدقوا۔اخرجه احمد والبخاری و مسلم[1]۔	جیسا کہ اس پر عامہ کتب مذہب میں تصریح کی ہے اور حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! لوگ قربانی کے چمڑے سے مشکیزے بناتے ہیں اور مشکیزوں میں چربی بھرلیتے ہیں توحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا ہوا انھوں نے عرض کی آپ نے تین دن کے بعد قربانی کی گوشت کھانے سے منع فرمادیا ہے۔ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا میں نے تمھیں ضرور تمندوں کی آمد کی وجہ سے منع کیا تھا تواب کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو،اس کی تخریج امام احمد، بخاری،اور مسلم نے کی ہے۔(ت)

اسی طرح مذہب صحیح میں جلد ولحم کی تبدیل بھی ایسی اشیاء سے جائز ٹھہری جو اپنی بقائے عین کے ساتھ استعمال میں آئے، جیسے برتن،کتابیں،کپڑے،ہدایہ وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

اللفظ للھدایة یعمل منه اٰلة تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال و نحوھا لان الانتفاع به غیر محرم ولاباس بان یشتری به ماینتفع به فی البیت بعینه مع بقائه استحسانا،وذٰلك مثل ماذکرنا،لان للبدل حکم المبدل واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح[2] اھ ملخصا۔	ہدایہ کے الفاظ میں ہے کہ اس کی کھال سے کے استعمال والے آلات بنائے جائیں مثلا بچھونا، تھیلا، غربال(چھلنی) جیسی چیزیں، کیونکہ کھالوں سے انتفاع حرام نہیں ہے۔اور ان سے گھر میں استعمال کے لئے چیز خریدنا جو بعینہٖ باقی رہے تو استحساناً اس میں کوئی حرج نہیں اس کی مثال ہماری ذکر کردہ چیزیں ہیں، کیونکہ بدل کا حکم مبدل والا ہے۔اور گوشت حکم میں بمنزلہ کھال کے ہے صحیح مذہب میں اھ ملخصا۔(ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب ماکان من النھی عن اکل الحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۸

[2] الھدایہ کتاب الاضحیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

یوہیں اغنیاء کو گوشت یا کھال یا اس کو کوئی چیز بنا کر یا اسی قسم کی اشیاء ان کے عوض خرید کر ہدیہ دینا بھی جائز ہوا۔

لانہ لما جاز التصرف بنفسہ، فجواز الھدیۃ من باب اولٰی کما استدل فی الھدایۃ لجواز طعام الغنی بقولہ متی جاز اکلہ وھو غنی جاز ان یوکل غنیا[1]۔	کیونکہ جب خود اپنا تصرف جائز ہے تو ہدیہ کا جواز بطریق اولٰی ہوگا جیسا کہ ہدایہ میں غنی کو کھلانے کے جواز پر استدلال فرماتے ہوئے فرمایا جب خود غنی ہونے کے باوجود کھانا جائز ہے تو کسی غنی کو کھلانا بھی جائز ہے۔(ت)

ولہٰذا فقیر کو دینے میں تملیک شرط نہ ہوئی، بلکہ اباحت بھی روا ٹھہری یعنی دے نہ ڈالے بلکہ دستر خوان پر بٹھا کر کھلادے، شرح نقایہ علامہ للبرجندی میں ہے:

ویوکل ای یطعم من شاء منھا علی طریق الاباحۃ سواء کان فقیرا اوغنیا، ویھب من یشاء علی سبیل التملیک فقیرا او غنیا[2]۔	قربانی کے گوشت میں سے جس کو چاہے دے اباحت کے طور پر، اور ہبہ کے طور پر تملیک کرے فقیر کو خواہ غنی کو۔(ت)

شرح لباب میں ہے:

کل دم وجب شکرا، فلصاحبہ ان یاکل منہ ماشاء ویوکل الاغنیاء ولو بالاباحۃ والفقراء تملیکا او اباحۃ ولایجب التصدق بہ، لابکلہ، ولا ببعضۃ[3] اھ ملخصا۔	ہر قربانی جو بطور شکر واجب ہو تو مالک کو اختیار ہے جتنا چاہے کھائے، اغنیاء کو کھلائے اباحت کے طور پر خواہ تملیک کے طور پر فقیر کو خواہ غنی کو، یا بعض گوشت کا صدقہ واجب نہیں ہے۔ اھ ملخصا۔(ت)

اور یہ معنی خود آیت وحدیث سے مستفاد کہ اطعموا[4] فرمایا نہ کہ اعطوا البتہ یہ ناجائز ہے کہ اپنے یا

---

[1] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[2] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الاضحیۃ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۹

[3] المسلک المتقسط فی النسلک المتوسط مع ارشاد الساری باب الھدایا فصل فیما لایجوز من الھدایا دارالکتاب بیروت ص ۳۱۲

[4] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب مایوکل من لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۵

اپنے اہل وعیال اور اغنیاکے صرف میں لانے کو گوشت یا کھال یا کسی جز کو بعوض ایسی اشیاء کے فروخت کرے جو استعمال میں خرچ ہوجائیں اور باقی نہ رہیں جس طرح روپیہ پیسہ یا کھانے پینے کی چیزیں یا تیل پھلیل وغیرہ کہ ان کے عوض اپنی نیت سے بیچنا تمول ہے۔اور نیت اغنیا مثل اپنی نیت کے ہے۔اور یہ جانور جس سے اقامت قربت ہوئی،اس قابل نہ رہا کہ اس کے کسی جز سے تمول کیا جائے۔ہدایہ میں ہے:

لایشتری به مالا ینتفع به الابا ستھلا که کالخل ولا بازیر اعتبار ابالبیع بالدراہم والمعنٰی فیه انه تصرف علی قصد التمول[1]۔	قربانی کی کھال سے ایسی چیز نہ خریدے جس کو ہلاک کرکے نفع اٹھائے جیسے سرکہ یا پیچ جس طرح کہ دراہم سے نفع بطریقہ ہلاک ہوتا ہے تو یہ بھی منع ہے۔منع کی وجہ مال حاصل کرنے کی غرض سے تصرف کرنا ہے۔(ت)

علامہ عینی بنایہ میں فرماتے ہیں:

والمعنٰی فی عدم الشتراہ مالاینتفع به الابعد استھلا که انه تصرف علی قصد القول،وھو قد خرج عنه جھته التمول[2]۔	ایسی چیز خریدنے کی ممانعت میں وجہ یہ ہے کہ ہلاک کرکے نفع کی صورت میں مال حاصل کرنے کی غرض سے تصرف کرنا ہے حلانکہ قربانی تو مال سے خارج کرنا مقصود بنائے۔(ت)

بخلاف اس کے کہ اس قسم کی اشیاء سے صرف خیر میں صرف کرنے کو مبادلہ کرے کہ اس میں معنی ممنوع یعنی تمول متحقق نہیں،تو اس نیت سے استبدال بھی جائز۔ولہذا تبیین میں فرماتے ہیں:

لوباعھم بالدراہم لیتصدق بھا جاز لانه قربة کالتصدق[3]۔	اگر دراہم سے اس لئے فروخت کیا تاکہ دراہم کو صدقہ کرے تو جائز ہے کیونکہ یہ بھی صدقہ کی طرح قربت ہے۔(ت)

خلاصہ یہ کہ بعد قربانی اس کے اجزاء میں ہر قسم کا تصرف غنی کو حلال ہے۔مگر وہ جس میں معنی تمول پائے جائیں،اسی لئے مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں تصریح کی کہ **المعنی انه لایتصرف علی قصد التمول**[4] اھ

---

[1] الھدایہ کتاب الاضحیة مطبع مجتبائی دہلی ۴/ ۴۴۸

[2] البنایة فی شرح الھدایہ کتاب الاضحیة المکتبة الامدادیہ مکہ المکرمہ ۴/ ۱۹۰

[3] تبیین الحقائق کتاب الاضحیة المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۹

[4] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۱

(مقصد یہ ہے کہ مال کے حصول کی غرض سے تصرف نہ کرے۔ت)
اس تحقیق و تنقیح سے واضح ہوا کہ علماء جو ایک شق تصدق کی لکھتے ہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ تصدق عین ضروری ہے یعنی خاص اسی چیز کو بغیر بدلے خیرات کرے بلکہ مطلقاً ہر شیئ کے عوض بیچ کر خیرات کرنی جائز ہے خواہ روپے پیسے ہوں یا اشیائے خوردنی یا اعیان باقیہ، نہ عین تصدق ضرور ہے۔ جس کے حقیقی معنی فقیر کو مالک کرنا۔

کما فی الزکاۃ من فتح القدیر حقیقۃ الصدقۃ تملیك الفقیر[1]۔	جیسا کہ فتح القدیر کے زکوۃ کے باب میں ہے کہ صدقہ کی حقیقت فقیر کو مالک بنانا ہے۔(ت)

بلکہ مطلقاً ہر مصرف خیر میں صرف کرنا جائز ہے اگرچہ اس میں کسی کی تملیک نہ ہو، جیسے کفن موتٰی و نفقہ مسجد وغیر ذٰلک، و لہٰذا اباحت روا ٹھہری، اور علامہ زیلعی کی عبارت مذکور نے صاف واضح کردیا کہ قربت چاہئے خاص تصدق کی کوئی خصوصیت نہیں، اور خود ظاہر ہے کہ جب بے صورت تمول اپنے اور اغنیا کے صرف میں لانا روا ہوا۔ اور جانور کا قربت کے لئے ہونا اس کا مانع نہ ٹھہرا تو مصارف خیر جس میں اصلا بوئے تمول نہیں اور خود امور قربت ہیں، بدرجہ اولٰی جائز ہوں گے۔
اب حکم مسئلہ بحمد اللہ روشن ہولیا، بہ نیت تصدق داموں سے بیچنا عبارت فتاوٰی ہندیہ سے گزرا اور مسجد کی چٹائی وغیرہ میں صرف کرنا بھی قربت ہے۔ نہ اپنا تمول جو ممنوع ٹھہرا، پس دونوں صورت مسئولہ سائل کا حکم جواز ہے۔ یہ **بحمد اللہ تعالٰی** وہ تحقیق ہے جس سے اس فصل کی تمام جزئیات کا حکم نکل سکتا ہے۔

فاتقن ھذا العلك لاتجدہ بھذا الایضاح والتحریر فی غیر ھذا التحریر، ولا علیك من خفائہ علی بعض عــہ ابناء الزمان المدعین العلم العزیز، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	اس کو مضبوط کرو ہوسکتا ہے اس وضاحت اور صفائی سے تمھیں کسی اور تحریر میں نہ ملے اور موجودہ زمانے کے مدعین علم پر اس کے مخفی ہونے پر تمھیں تعجب نہ ہو، **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم**۔(ت)

عــہ: مولوی رشید احمد گنگوہی۔

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ باب من یجوز دفع الصدقۃ الیہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۸

مسئلہ ۲۴۳: از بنارس محلّہ کنڈی ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چرم قربانی واسطے تعمیر مسجد واشیاء متعلقہ مسجد مثل بوریا، بدھنا، فرش، شامیانہ وغیرہ یا برائے درستگی قبرستان کے دینا جائز ہے یانہیں؟ درصورت عدم جواز کے اگر کوئی شخص مصرف مذکور میں صرف کرے۔ یاسراپایہ وغیرہ ہندو کافر کو دے، تو اس کی قربانی درست ہوگی یانہیں؟

الجواب:

قربانی اراقہ دم لوجہ اللہ سے ہوجاتی ہے **کما نص علیہ العلماء قاطبۃ** (جیسا کہ علماء نے اس پر نص فرمائی ہے۔ت) اس کے بعد کھانے، دینے، دلانے سے اس میں کچھ فرق نہیں آتا اگرچہ کسی کو دے، اور چرم کے باب میں ابھی بیان ہوا کہ ہر قربت روا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۴: از موضع کٹرہ ڈاکخانہ اوبرہ ضلع گیا مرسلہ مولوی عبدالکریم رضا صاحب غرہ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت پوست قربانی مرمت مسجد اور بوریاں وغیرہ مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور غسل خانہ، پاخانہ واردین مسجد کے لئے اس قیمت سے بنوانا جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اصل یہ ہے کہ اراقہ دم سے اقامت واجب کے بعد اجزائے اضحیہ سے صرف تمول ممنوع ہے خاص تصدق ضروری نہیں بلکہ جمیع انواع خیر کہ مثل تصدق قربت ہیں، سب جائز ہے۔ اور بلا بیع خود اپنے تصرف میں لانا دیگر احباب اغنیاء کو ہدیہ دینا بھی جائز۔

کما طفحت بنقول ذٰلک کتب المذہب المعتمدہ ولنا فی خصوص ذٰلک رسالہ حافلۃ سمیناھا "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ"۔	جیسا کہ تم نے مذہب کی کتب معتمدہ سے فائدہ پایا، اور خاص اس مسئلہ میں ہمارا جامع رسالہ ہے ہم نے اس کا نام "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" رکھا ہے۔ (ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کلوا وادخروا وائتجروا [1]۔	کھاؤ اور اٹھار کھو، اور وہ کام کرو جس سے ثواب

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

رواہ ابوداؤد عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	حاصل ہو (اس کو ابوداؤد نے حضرت نبشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق [1]۔	اگر دراہم کے بدلے فروخت کیا تاکہ دراہم کو صدقہ کرے، تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔(ت)

لباب میں ہے: **لایجب التصدقہ بہ** [2] (سب گوشت صدقہ کرنا واجب نہیں ہے۔ت) شرح میں ہے: **لابکلہ ولا ببعضہ** [3] (نہ سب کا صدقہ کرنا نہ بعض کا واجب ہے۔ت)

بالجملہ مدار قربت وعدم قبول ہے۔ اور شک نہیں کہ مسجد کی مرمت، اس میں بوریا وغیرہ آلات کا رکھنا، غسل خانہ بنانا سب افعال قربت ہیں، تو ان میں اس کا صرف ضرور جائز، اسی طرح واردین مسجد کے لئے پاخانہ بنوانا اگر فنائے مسجد سے جدا اور زمین وقف میں خلاف مشروط تصرف سے برکراں ہو باعث اجر ہے۔ **کمالایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۵: ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھالیں تعمیر دیوار مسجد کے لئے دے دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کھالیں بیچ کر دام کرلئے ہوں تو یہ دام صرف مسجد میں دے دینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر کھالیں صرف مسجد کے لئے پہلے سے دے دی جائیں یا ان کا داموں کے عوض بیچنا اپنے صرف میں لانے کے لئے نہ ہو بلکہ امور قربت وثواب کی غرض سے ہوں تو ان داموں کا مسجد کے صرف کے لئے دے دینا، یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، اور اگر کھالیں اپنے صرف میں لانے کے لئے داموں کو بیچ ڈالیں تو یہ دام مسجد میں صرف نہیں ہوسکتے بلکہ مساکین کو دے دئے جائیں، جس مسکین کو دے وہ اپنی طرف سے مسجد میں لگادے

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

[2] المسلك المتقسط المنسك المتوسط مع ارشاد الساری باب الھدایا دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۱۲

[3] المسلك المتقسط المنسك المتوسط مع ارشاد الساری باب الھدایا دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۱۲

تو مضائقہ نہیں۔

وذٰلك لان الطریق فی الجلود اما الادخار واما الائتجار، فاذا اعطاہا المسجد، اوباعہا لامور القرب، واعطی الثمن فیہ، فقد اتی بما ینبغی، اما اذا باعہا للتمول، فقد خالف فما حصل خبیث، وسبیلہ التصدق، وانما التصدق تملیك للفقیر اما اذا ملك فقیر، فاعطی المسجد فلا حرج، فان الصدقۃ قد بلغت محلہا واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ اس لئے کہ قربانی کی کھالوں میں طریق ذخیرہ کرنا یا اجر وثواب حاصل کرنا ہے تو جب مسجد کو دیں یا ان کو فروخت کرکے تقرب والے امور کے لئے یا ان کی قیمت ان امور میں خرچ کرنے کے لیے تو اس نے مناسب محل پورا کردیا لیکن اگر مال حاصل کرنے کی غرض سے فروخت کیا تو خلاف ورزی کی لہٰذا جو مال بنایا خبیث ہوا اس کا راستہ یہی ہے۔کہ اس کو صدقہ کرے جبکہ صدقہ فقیر کو مالک بنانا ہے تو فقیر کو مالک بنایا تو اس نے مسجد کو دے دیا تو کوئی حرج نہیں کیونکہ صدقہ اپنے محل پہنچ چکا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۴۶: مرسلہ جناب حکیم سراج الحق صاحب شہر الہ آباد دروازہ جناب حضرت شاہ محمد اجمل صاحب ۵ ذی الحجہ یک شنبہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا چمڑا فروخت کرکے مسجد کی جانماز اور مسجد کی مرمت کرنا، اور مسجد میں لگانا، عام اس کے مسجد کی دیوار ہو یا مسجد کا پائخانہ، غسل خانہ وغیرہ ہو، جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

قربانی کی کھال ہر اس کام میں صرف کرسکتے ہیں جو قربت وکار خیر و باعث ثواب ہو، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قربانی کی نسبت فرماتے ہیں:

کلوا وادخروا وائتجروا [1]۔رواہ ابوداؤد عن نبیشہ الهذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کھاؤ اور اٹھار کھو اور وہ کام کرو جس سے ثواب ہو (اسے ابوداؤد نے نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

لو باعھا بالدراہم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق[1]۔	اگر صدقہ کرنے کی غرض سے دراہم کے بدلے فروخت ہو توجائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔(ت)

مگر فنائے مسجد میں پائخانہ بنانا قربت نہیں بلکہ ممنوع ہے کہ مسجد کو بوئے بد سے بچانا واجب ہے۔اور اس کی فنا کا ادب بھی اسی کی مانند ہے یہاں تک کہ علماء نے فنائے مسجد میں بعد مسجدیت جدید دکان بنانے کی ممانعت فرمائی کہ باعث بیحرمتی، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

قیم المسجد لایجوز لہ ان یبنی حوانیت فی حد المسجد اوفی فنائہ لان المسجد اذا جعل حانوتا و مسکنا تسقط حرمتہ وہذا لایجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمہ حکم المسجد۔کذا فی محیط السرخسی[2]۔	مسجد کے منتظم کو جائز نہیں کہ مسجد کی حدود میں دکانیں بنائے، کیونکہ مسجد یا فنائے مسجد کو دکانیں بنایا تو مسجد کی حرمت ساقط ہو گی اور یہ جائز نہیں ہے۔جبکہ فنائے مسجد بھی مسجد کے تابع ہے تو اس کا حکم بھی مسجد والا ہوگا، محیط سرخسی میں یوں ہے۔(ت)

ہاں اگر حدود وفنائے مسجد سے دور کوئی پائخانہ مسافروں اور بے گھر نمازیوں کے متعلق مسجد ہے تو اس کی تعمیر یا مرمت ضروری بھی نیت صالحہ سے ضرور قربت و موجب اجر ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۷: مولانا مولوی بشیر احمد صاحب علی گڑھی بالائے قلعہ مدرس اول مدرسہ منظر الاسلام یوم یک شنبہ ۱۹ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کھال قربانی بیچ کر مسجد بنانا درست ہے یا نہیں؟اور کوئی عمارت مثل مسافرخانہ، نشست کی چوپال جس میں مسافر یا اپنے ہم قوم مقیم ہو سکیں **بینوا توجروا**

الجواب:

مسجد یا لوجہ اللہ مسافر خانہ وغیرہ آرام مسلمانان کی عمارت بنانا جس میں اجر ہو اور حصول اجر ہی کی نیت ہو، بالجملہ ہر اس کام میں جو شرعاً قربت ہو، قربانی کی کھال صرف کرنا ہر گز ممنوع نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اضحیہ کی نسبت جیسا **تصدقوا** فرمایا صدقہ کرو، یونہی **وائتجروا**[3] بھی

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۶ /۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۴۶۲

[3] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

ارشاد فرمایا وہ کام کرو جس میں ثواب ہو، رواہ ابوداؤد عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے ابوداؤد نے نبشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت) امام زیلعی شرح کنز میں فرماتے ہیں:

لو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق[1]۔	اگر ان کو دراہم کے بدلے فروخت کیا تاکہ دراہم کو صدقہ کرے تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔(ت)

معلوم ہوا کہ عین تصدق لازم نہیں، بلکہ قربت ہونا درکار ہے۔ تصدق بھی اسی لئے مطلوب ہوا کہ قربت ہے۔ تو جو قربت ہو سب کی وسعت ہے۔ ہاں بہ نیت تمول اپنے صرف میں لانے کو اس کے دام کرنا جائز نہیں۔ حدیث:

من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ۔ رواہ الحاکم[2] والبیہقی عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	جس نے قربانی کی کھال فروخت کی تو اس کی قربانی نہ ہوئی، اس کو حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

کا یہی محمل ہے۔ اور حدیث صحیحین میں مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اپنے شتران قربانی حج کی نسبت حکم فرمانا کہ ان کا گوشت پوست صدقہ کردیں[3]۔ جواز تصدق کی دلیل ہے نہ کہ تعین تصدق کی، ورنہ اکل وادخار بھی ممنوع ہوجائے حالانکہ بالاجماع جائز و منصوص ہے۔ وہ واقعہ حال ہے۔ اور وقائع حال کے لئے عموم نہیں، اسی حدیث میں ان کی نکیلیں اور جھولیں تصدق کردینے کا بھی حکم ہے تو یہ جواد کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بخشش تھی نہ کہ عام تشریع، ہاں جس نے تمول کے لئے بیچی وہ ان داموں کو تصدق ہی کرے کہ اول ان کا حصول بروجہ خبیث ہے۔ اور جو مال یوں حاصل ہو اس کی سبیل تصدق ہے۔ عبارت ہدایہ کا یہی مطلب ہے۔ خود ہدایہ میں فرمایا:

المعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول[4]۔	وجہ یہ ہے کہ اس نے مال بنانے کی غرض سے تصرف کیا۔(ت)

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

[2] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر دارالفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

[3] صحیح البخاری کتاب المناسک باب یتصدق بجلود الھدی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[4] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

اس مسئلہ کی تحقیق تام مع ازاحت اوہام فقیر کے رسالہ "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۴۸: از جیت پور کاٹھیاوار مرسلہ مولوی نور محمد عرف باوامیاں بن قاضی محمد ہاشم امام مسجد حاجی جیت پور ۳ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

بخدمت اقدس علی جناب فیضمآب اعلم اہلسنت وجماعت مجدد مائتہ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ اعلیحضرت مولانا مولوی مفتی حاجی شاہ محمد احمد رضاخاں صاحب ادام اللہ برکاتکم ومد فیوضاتکم علینا آمین۔

از جانب احقر العباد نور محمد بن قاضی محمد ہاشم کے بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کے گزارش یہ ہے کہ قربانی کے چمڑوں کو یہاں کے مسلمان اپنے اپنے محلّہ کی مسجد میں للہ خیرات دیتے ہیں۔ اور متولیان مسجد ان کو بیچ کر قیمت جمع رکھتے ہیں اور حسب ضرورت امام کا پگار اس رقم میں سے دیتے ہیں۔

پس یہ قربانی کے چمڑوں کا مسجد میں خیرات دینا اور اس پیسوں کا امام کو دینا یا دوسرے ضروری خرچ مسجد ڈول رسی وغیرہ میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

قربانی کے چمڑوں کو للہ مسجد دے دینا کہ انھیں یا ان کی قیمت کو متولی یا منتظمان مسجد مسجد کے کاموں مثلاً ڈول۔ رسی، چراغ، بتی، فرش، مرمت، تنخواہ مؤذن، تنخواہ امام وغیرہا میں صرف کریں، بلاشبہ جائز و باعث اجر وکار ثواب ہے۔ تبیین الحقائق میں ہے، **جاز لانہ قربۃ کالتصدق**[1] (جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت) اسی طرح ہدایہ وکافی وعالمگیری وغیرہ میں ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **کلوا وادخروا وائتجروا**[2] (کھاؤ اور اٹھا رکھو اور وہ کام کرو جس سے ثواب ہو۔ت) امام اگرچہ غنی ہو اس کی تنخواہ دینے کو متولی یا منتظم ان چمڑوں کو بیچ سکتے ہیں، یا پہلے سے انھوں نے مصارف مسجد کے لئے دام رکھے ہیں، تو ان میں سے تنخواہ دے سکتے ہیں۔

فان الجلد قد وصل موضع التقرب وعطاء وظیفۃ امام المسجد ایضا قربۃ۔	کیونکہ کھال تقرب کے مقام کو پہنچ گئی، امام مسجد کو وظیفہ دینا بھی قربت ہے اگرچہ غنی کو لینا قربت نہیں۔

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۹/۶

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

وان لم یکن اخذہا قربۃ للغنی بل مباحا علی المفتی بہ فلم یکن فی معنی البیع بالدراہم لھدیۃ غنی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بلکہ مفتی بہ قول پر مباح ہے۔ تو غنی کو ہدیہ دینے کی غرض سے فروخت کے معنی میں نہ ہوئی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۹ و ۲۵۰: مسئولہ حافظ محمد ایاز صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ پٹھان ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چرم قربانی امام یا مؤذن مسجد کو دینا یا اس کی قیمت فروخت کرکے دینا جائز ہے یا نہیں۔ اگر پیش امام تنخواہ پاتے ہیں تو کیا حکم ہے۔ اور جن کی تنخواہ بھی مقرر نہیں صرف عید کو کچھ بطور ہدیہ چندہ کرکے دے دیا، عیدالاضحٰی کو قربانی کے چرم وغیرہ دے دئے یا محلّہ میں نکاح خوانی لیں، اسی پر ان کی گزراوقات ہو۔ تو ایسوں کے واسطے چرم قربانی یا اس کی قیمت دینا کیسا ہے اور کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔** کانجی ہاؤس کے نیلام کی راس عدالت سے کسی شخص کے قرضہ کی بابت کے نیلام کی راس قربانی کے واسطے علیحدہ علیحدہ کیا حکم رکھتی ہے؟

الجواب

(۱) امام ومؤذن غیر تنخواہ دار کو بطور اعانت چرم قربانی یا اس کی قیمت دینے میں حرج نہیں، اور تنخواہ دار کو بھی جبکہ تنخواہ میں نہ دیں، یعنی زید نے امام کو نوکر رکھا اور اس کی تنخواہ اس کے ذمہ ہے۔ یہ قربانی کی کھال بیچ کر اسے ادا کرے تو اپنا روپیہ بچاتا اور اپنا مطالبہ اس سے ادا کرتا ہے۔ اور یہ تمول ہے اور قربانی سے تمول جائز نہیں۔ ہاں اگر اہل محلّہ نے امام ومؤذن کو مسجد کا نوکر رکھا جس کی تنخواہ ذمہ مسجد ہے تو چرم قربانی یا اس کی قیمت مسجد میں دے کر اس سے تنخواہ ادا کرسکتے ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) کانجی ہاؤس کے نیلام کی راس خریدنا جائز نہیں، نہ اس کی قربانی ہوسکے کہ وہ فضولی کی بیع ہے۔ یعنی غیر مالک کی بے اجازت مالک، اور ایسی بیع اجازت مالک پر موقوف رہتی ہے۔ اور بیع موقوف قبل اجازت مفید ملک نہیں ہوتی۔ اور ملک غیر کی قربانی نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح کچہری میں نیلام جبکہ قیمت اس مطالبہ سے زائد نہ دی گئی ہو، جس میں وہ نیلام ہوا، وہ نیلام بھی بے رضائے مالک ہے۔ ہاں مثلاً اگر سو روپے کا مطالبہ تھا اور ایک سو ایک کو نیلام ہوا، سو روپے ڈگری دار کو دئے گئے اور باقی روپیہ اصل مالک کو، اور وہ اس نے لے لیا، تو یہ اس بیع کی اجازت ہوگئی، اب خریدار اس شیئ کا مالک ہوجائے گا۔ اور اس کی قربانی صحیح ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۱ تا ۲۵۴: از موضع سٹیلہ ڈاکخانہ موانہ کلاں ضلع میرٹھ مرسلہ مجید اللہ خاں ۲۹ صفر ۱۳۳۴ھ

حامدًا ومصلیًا، کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مسائل ہذا میں:

(۱) کھال قربانی کی اگر ہم لوگ بلارعایت کسی استحقاق خدا کے واسطے خیال کرکے اگر اپنے امام مسجد کو دیں تو جائز ہوگا یا نہیں؟
(۲) آج ہمارا امام غریب ہے کل کو خدا کے فضل سے صاحب نصاب ہوگیا تو کھال قربانی اس صورت میں بھی دینا جائز ہوگا یا نہیں؟
(۳) سید صاحب کو کھال قربانی اور مد زکوۃ سے مسلوک ہونا جائز ہوگا یا نہیں؟
(۴) صاحب قربانی اپنی قربانی کی کھال کو اپنے صرف میں لاسکتا ہے تو کس کس خرچ میں؟ ڈول، مصلّٰی، مشک وغیرہ کے علاوہ تاڑی سائی وغیرہ بھی بنواسکتا ہے یا نہیں؟

فیض اللہ خاں، حبیب خاں، جھدو خاں، کالے خاں پسر جنگ باز خان

الجواب:

واجب اضحیہ اراقۃ دم سے ادا ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد لحم وجلد اس کی ملک ہیں، اس میں ہر تصرف مالکانہ کرسکتا ہے صرف تمول ممنوع ہے۔ تو کھال بعینہٖ، خواہ اس کا ڈول، مشک، کتاب کی جلد وغیرہ بنوا کر اپنے صرف میں لاسکتا ہے۔ سید کو بھی دے سکتا ہے ہر غنی کو دے سکتا ہے تو امام نے کیا قصور کیا ہے۔ عام ازیں کہ صاحب نصاب ہو یا نہو، ہاں اس داموں سے بیچنا اس غرض سے کہ اپنے دام اپنے یا کسی غنی کے صرف میں لائے جائیں، جائز نہیں، وہ غنی ہو یا غیر، یونہی اگر امام اس کا نوکر ہے اور اس کی تنخواہ کے بدلے کھال دی تو ناجائز ہے کہ یہ تمول ہوا یعنی کھال دے کر مال بچانا، اور اگر کھال اس لئے بیچی کہ اس کے دام تصدق کرے تو امام غیر صاحب نصاب کو دے سکتا۔

وکل ذٰلك مفصل فی فتاوٰنا وفی رسالتنا الصافیة الموفیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة۔	یہ تمام ہمارے فتاوٰی اور ہمارے رسالہ۔ "الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة" میں مفصل بیان ہوچکا ہے۔ (ت)

بنی ہاشم کو زکوۃ دینا جائز نہیں، نہ انھیں لینا جائز۔ نہ ان کے دیئے ادا ہو، یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ اور یہی صحیح ہے **کما بیناہ فی رسالتنا "الزھر الباسم فی حرمة الزکوٰة علی بنی ھاشم"** (جیسا کہ ہم نے اس کو اپنے رسالہ **"الزھر البالھم فی حرمة الزکوٰة علی بنی ھاشم"** میں بیان کیا ہے۔ ت) امامت کے معاوضۃ میں بھی چرم قربانی دینا ایک صورت میں جائز ہے۔ وہ یہ کہ متولیان مسجد یا اہل محلّہ نے اسی طرح اسے مقرر کیا کہ تم امامت کرو قربانی کی کھالوں سے تمھاری خدمت کی جائے گی، یہ صورت بھی صورت تمول نہیں، چرم قربانی جس طرح مذکور ہوا اپنے مصرف میں مطلقاً لاسکتا ہے۔ رنگوانے کی شرط محض رنگ آمیزی حماقت

ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۵: مرسلہ سید محمد حسن علی قاضی، مہدیوا علاقہ اندور محلّہ جمال پورہ بروز یک شنبہ تاریخ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھال کیسے شخص کو دینا درست ہے اور جائز ہے اور گر قربانی کی کھال صاحب نصاب کو دے دیں تو قربانی اس کی جائز ہوئی یا نہیں؟ اگر قربانی کی کھال صاحب نصاب کو کہ "وہ پیش امام بھی مسجد کا ہے۔ دے دی، تو قربانی انس کی درست اور جائز ہوئی یا نہیں؟ اور اگر قربانی کی کھال مسجد کے پیش امام کا حق سمجھ کر اس کو دے دی جائے، یا وہ پیش امام ان کھالوں کو اپنا حق سمجھ کر بزور لے تو ان کھالوں کا اس شخص کو دینا درست اور جائز ہے یا نہیں؟ اور قربانی ان لوگوں کی درست ہے اور جائز یا نہیں؟ اگر قربانی کی کھالیں کسی مسجد کی تعمیر کے کام میں لائیں یا ان کو فروخت کرکے مسجد کے جانماز بنوالیں، یا مسجد کے اور کام میں لائیں، مثلاً مسجد کا سقاد ابنوالیں، یا مسجد میں اس کی قیمت کا پانی ڈلوائیں تاکہ سب نمازی وضو کریں، یا مسجد میں آفتابے بنوائے جائیں تاکہ نمازی وضو کریں، ان سب صورتوں میں قربانی درست اور جائز ہوئی یا نہیں؟ بحوالہ حدیث وآیات کتب معتبرہ تحریر فرمائیں اجر ملے گا دن قیامت کے نزدیک اللہ جل شانہ، کے۔

الجواب:

قربانی راقہ دم لوجہ اللہ کا نام ہے۔ واجب اس قدر سے ادا ہوجاتا ہے۔ پھر اس کے گوشت پوست کے لئے تین صورتیں ارشاد ہوئیں ہیں، بعینہٖ اپنے صرف میں لایا جائے، یا وقت حاجت کے لئے ذخیرہ رکھا جائے، یا اس سے ثواب کا کام کیا جائے۔

کلوا وادخروا وائتجروا [1]۔	کھاؤ اور اٹھار کھو اور ہر وہ کام کرو جس سے ثواب ہو۔ (ت)

ثواب میں وہ مسجد کے سب کام داخل ہیں جو سوال میں مذکور ہوئے اجزائے اضحیہ سے صرف تمول ممنوع ہے کہ اس کے دام کرکے اپنے کام میں لائے جائیں۔

من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ [2]۔	جس نے اپنی قربانی کی کھال فروخت کی اس کی قربانی نہ ہوئی۔ (ت)

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس ۲ /۳۳

[2] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر دار الفکر بیروت ۲ /۳۹۰

کھال کی جس طرح جانماز یاکتابوں کی جلدیں یا مشکیزہ اپنے لئے بنواسکتا ہے یونہی کسی غنی کو بھی ہدیہ دے سکتا ہے اگرچہ وہ غنی امام ہو، جبکہ اس کی تنخواہ میں نہ دی جائے، اور اگر تنخواہ میں دے توامام اگراس کانوکر ہے جس کی تنخواہ اسے اپنے مال سے دینی ہوتی ہے تو دینا ناجائز۔کہ یہ وہی تمول ہوا جو ممنوع ہے۔اور اگر وہ مسجد کانوکر ہے جس کی تنخواہ مسجد دیتی ہے تو جائز نہیں کہ یہ مسجد میں دے دے، اور مسجد کی طرف سے امام کی تنخواہ میں دی جائے۔قربانی کی کھالوں میں امام کا کوئی حق نہیں اور اسے جبراً لینا حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ" [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنے مالوں کو آپس میں باطل طریقہ سے نہ کھاؤ، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۵۶: از کیلا کھیڑا ڈاکخانہ بازپور ضلع نینی تال مرسلہ عبدالمجید صاحب ۱۱ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ

اس علاقہ میں یہ رسم ہے کہ بقرعید کی قربانی کی کھال مسجد کے پیش امام کو دیتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

قربانی کی کھال امام مسجد کو دینا جائز ہے اگر وہ فقیر ہو، اور بطور صدقہ دیں، یا غنی ہو اور بطور ہدیہ دیں، لیکن اگر اس کی اُجرت اور تنخواہ میں دیں تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر وہ اپنا نوکر ہے تو اس کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں۔اور اگر وہ مسجد کا نوکر ہے اور کھال مہتمم مسجد کو مسجد کے لئے دے دی اس نے مسجد کی طرف امام کی تنخواہ میں دے دی تو اس میں کچھ حرج نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۷: محمد عبدالحافظ صاحب، میمن سنگھی مدرس مدرسہ یا کدسر پوست لکھیا ضلوع میمن سنکھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی جلد سے مسجد بنانا اور مسجد کے چونا لگا اور مرمت کرنا اور چٹائی وفرش خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ بدلائل کتب صافیہ وعبارات صحیحہ سے بیان فرمایا جائے۔فقط

الجواب:

جائز ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کلو اوادخروا وائتجروا [2]۔رواہ ابوداؤد عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ	کھاؤ اور اٹھار کھو اور ثواب کے کاموں میں خرچ کرو (اسے ابوداؤد نے نبشہ ہذلی رضی اللہ

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

تعالٰی عنہ۔	تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

تبیین الحقائق وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

لو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق[1]۔	اگر دراہم کے بدلے فروخت کیا تاکہ دراہم کا صدقہ کرے تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔(ت)

ثابت ہوا کہ خاص تصدق ضرور نہیں بلکہ ہر وقت۔ہاں اس سے اپنا تمول ممنوع ہے کہ اپنے خرچ کے لئے روپوں یا کسی ایسی چیز سے بدلے جو خرچ ہو جاتی ہے۔بنایہ شرح ہدایہ للامام العینی میں ہے:

المعنٰی فی عدم الشتراہ مالاینتفع بہ الا بعد استھلاکہ انہ تصرف علی قصد التمول وھو قد خرج عن جھۃ التمول[2]۔	کھال کے بدلے ایسی چیز نہ خریدنا جس کو ہلاک کرنے کے بعد انتفاع حاصل کی ممانعت کا مطلب ما حاصل کرنے کی غرض سے تصرف مراد ہے جبکہ اس صورت میں تمول کی جہت خارج ہوگیا۔(ت)

ظاہر ہے کہ مسجد میں صرف کرنا تمول سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا بلکہ تصرف عـــہ باطل ہے۔کوئی ذی شعور ایسا نہیں کہہ سکتا نہ کوئی ذی علم۔اُن مدعیوں پر فرض ہے کہ اولاً شرح مطہر سے اس کا ثبوت دیں کہ جس مسجد کی مرمت پرست قربانی سے ہوئی ہو اس میں نماز ناجائز ہے۔جب وہ ثبوت دینے کا ارادہ کریں گے ان پر کھل جائے گا کہ ان کی دونوں باتیں محض بے اصل تھیں وباطل تھیں ان پر توبہ فرض ہے کہ شرع مطہر پر افتراء بہت سخت چیز ہے۔اللہ تعالٰی ہمارے بھائیوں کو توفیق خیر دے آمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۸تا۲۶۴: از رنگون مگول اسٹریٹ یونانی ڈسپنسری(یونانی شفاخانہ مرسلہ حکیم محمد ابراہیم راندیری ۲۷جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

اس بستی میں دستور ہے کہ قربانی کی کھالیں مسجد کے پیش امام کو دے دیتے ہیں اگر نہ دی جائے تو جھگڑا بھی ہوتا ہے اور پیش امام صاحب بھی یوں فرماتے ہیں کہ قربانی کی کھالوں کا میں حقدار ہوں،ضرور مجھے دی جائیں،اور اہل جماعت یوں کہتے ہیں کہ پیش امام صاحب کو قربانی کی کھالیں تبرعاً دینا جائز ہیں نہ کہ جبراً۔

عـــہ: فی الاصل ھکذا لعلہ من قلم الناسخ والصحیح بلکہ اس کو تمول کہنا تصرف باطل ہے۔۱۲عبدالمنان الاعظمی۔

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

[2] البنایۃ فی شرح الھدایہ کتاب الاضحیۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکہ المکرمہ ۴/ ۱۹۰

جب تبرعًا دینا جائز ہے تو کچھ حصہ قیمت چرم باقی کا امام صاحب کو دینگے، اور کچھ حصہ دیگر مساکین کو دیا جائے تو زیادہ افضل ہے۔ پس اختلاف طرفین کی جانب سے ایک مولوی صاحب منصف قرار دیئے، منصف مولوی صاحب نے یوں حکم دیا کہ قربانی کی کھال سب کی سب مسجد کے پیش امام صاحب کو دے دو اور کسی دیگر مساکین کو نہ دو، اس واسطے کہ وہ لوگ تمھاری حیات وممات کے حقدار نہیں، اور پیش امام صاحب پر جبراً لینے سے بھی گناہ نہیں اور گناہ واقع ہو تو میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ حشر کے دن اس گناہ کی جزاسزا میں نے لی، تم لوگ بے خوف قربانی کے سب چمڑے پیش امام صاحب کو دے دو۔

حاضرین محفل میں سے کسی صاحب نے ان مولوی صاحب سے یہ عرض کیا کہ میں نے ایک گائے کی قربانی کی، اور دو مسکینوں نے ایک ساتھ چمڑا مانگا، ان کو دیا جائے گا یا نہیں؟

مولوی صاحب نے جواب دیا کہ ایک چمڑے کی قیمت یا چمڑہ دو مسکینوں کو دینا مکروہ ومنع ہے۔ اس نے پھر کہا دوسرا مسکین بھی تو سائل ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ دوسرے سائل کا سوال اس کی دُبر میں جانے دو۔

اب سوال یہ ہے کہ:

(۱) اس طرح جبراً قربانی کی کھال پیش امام کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر جبراً لے لیا تو اس پیش امام کے حق میں حکم شرعی کیا ہے؟

(۳) اور اسی طرح جو شخص جبراً لینے والے کی مدد کرے، اس مددگار کے حق میں کیا حکم ہے؟

(۴) اگر کوئی شخص اس خیال سے کہ امام صاحب کو تنخواہ ملتی ہے۔ قربانی کی کھال نہ دے تو اس شخص پر امام صاحب کو حاضرین مجلس کے ساتھ غضب خدا پڑنے کی بدعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) اس منصف مولوی صاحب کے حق میں جس نے حشر کے دن مواخذہ خداوندی کی ضمانت لے لی ہے۔ کیا حکم ہے، نیز منصف مولوی صاحب ایک مسجد کے پیش امام ہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۶) جو شخص حق کو باطل کردے اس کے حق میں حکم شرعی کیا ہے؟

(۷) ایک کھال کئی مسکینوں کو صدقہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اس شخص نے جھوٹ کہا کہ قربانی کی کھالیں اس کا حق ہے۔ شریعت مطہرہ نے کھالوں میں اتنے اختیار دئے ہیں، وہ صورت کرے کہ بعینہٖ ان کو باقی رکھ کر استعمال میں لائی جائیں، مثلاً مشک یا

ڈول یاکتابوں کی جلدیں بنوالے، یا کسی ایسی ہی چیز سے جو باقی رکھی جاتی ہے بدل لے۔ مثلاً ان کے بدلے برتن یا کتاب خرید لے۔ یا بعینہٖ کھال اپنے عزیزوں، قریبوں خواہ کسی غنی کو دے دے، یا مسجد یا مدرسہ دینی میں دے دی جائے، یا اسے تقریب الی اللہ کے لئے بیچ کر اس کے دام فقراء مساکین طلبہ وغیرہم مصارف خیر کو دئے جائیں، خواہ ایک کو سو کو، یہ جو اس شخص نے کہا کہ ایک چمڑے کی قیمت یا ایک چمڑا دو کو دینا منع ہے۔ محض جھوٹ کہا، اور شریعت مطہرہ پر افترا کیا، اور اس کا یہ کہنا کہ پیش امام کو جبراً لینے سے بھی گناہ نہیں، شریعت پر اس کا دوسرا افتراء اور ظلم کو جائز کرنا ہے۔ اور اس پر وہ سخت جرأت کہ اس پر جو سزا ہو وہ اپنے ذمہ لی، عذاب الٰہی کو ہلکا سمجھنا اور معاذاللہ کلمہ کفر ہے۔ اس کی امامت جائز نہیں، اور پیش امام اگر کھالیں لینے پر جبر کرے اس سے باز نہ رہے تو یہ بھی فاسق معلن ہے۔ اور اس کا امام بنانا گناہ اور اس جبراً لینے میں جو اس کی مدد کرے وہ سخت شدید گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ حدیث میں ہے:

من مشی مع ظالم لیعینه وهو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام[1]۔	جو دانستہ ظالم کی مدد کو چلا وہ اسلام سے نکل گیا۔ (ت)

اور جو شخص امام کو کھال نہیں دیتے خواہ وہ تنخواہ پاتا ہو یا نہ پاتا ہو، اس میں ان پر کوئی شرعی الزام نہیں کہ امام کو دینا شرع نے واجب نہ کیا تھا، نہ کھال امام کا حق تھی کہ اس کی حق تلفی ہوتی، اس پر جو امام نے اس مسلمان کو وہ سخت بدعادی کہ "وہ خدا ہی مستحق غضب ہوا، العیاذ باللہ تعالٰی کہ اس نے مسلمان کو ناحق ایذادی، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلماً فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اذی الله[2]۔ والعیاذ بالله تعالٰی۔ والله تعالٰی اعلم۔	جس نے بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو ایذادی اس نے مجھے ایذادی اور جس نے مجھے ایذادی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۵تا۲۶۹: از سنبھل محلّہ رحمٰن سرائے مرسلہ احمد خاں صاحب ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کے جانور کی کھال دام صاحب قربانی اپنے مصرف میں لائے یا نہیں؟ اور قربانی کا گوشت کس طرح تقسیم کرے؟ اور قربانی کے چمڑے کو بحق پیش امام دے یا نہیں؟ اور مسجد میں صرف کرے یا مدرسہ علم القرآن وحدیث میں؟ اور سری قربانی کی حجام اپنا حق سمجھ کرلے تو دے یا نہیں؟

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/ ۲۲۷

[2] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبہ المعارف ریاض ۴/ ۳۷۳

اور ۴مسجد میں صرف کرے یامدرسہ علم القرآن وحدیث میں؟اور ۵سِری قربانی کی حجام اپناحق سمجھ کرلے تو دے یانہیں؟

الجواب:

۱قربانی کی کھال کے دام صاحب قربانی اپنے صرف میں نہیں لاسکتا۔حدیث میں ہے:

من باع جلد اضحیته فلا اضحیة له [1]۔	جواپنی قربانی کی کھال بیچے اس کی قربانی نہ ہوئی۔

۲مستحب یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کرے۔ایک حصہ اپنا،ایک احباب کاایک مساکین کا، ۳پیش امام کااس میں کوئی حق نہیں،دو تواختیار ہے۔لیکن اگر وہ اس کانوکر ہے تو تنخواہ میں نہیں دے سکتا، ۴مسجد اور مدرسہ دینیہ دونوں میں صرف کرنا جائز۔ ۵حجام کااس میں کوئی حق نہیں،دینے کااختیار ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷۰: از موضع میونڈی بزرگ ضلع بریلی مسئولہ سید امیر عالم حسین صاحب ۲۶شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قیمت جلود قربانی مسجد میں لگانا درست ہے یانہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ فرش وچھت میں لگانا درست نہیں،یعنی جس جگہ سجدہ کیاجائے وہ جگہ قیمت جلود قربانی سے نہ بنائی جائے کہ وہ قیمت صدقہ ہے اس جگہ سجدہ کرنا حرام ہے۔ہاں اس قیمت سے حدود دیوار مسجد یاغسلخانہ وغیرہ بنایاجائے تو درست ہے۔اور بعض کہتے ہیں کہ کنواں وغیرہ بنوادیاجائے،توکچھ حرج نہیں خواہ مسجد میں ہو یااور کہیں،اور بعض کہتے ہیں کہ کنواں بھی نہ بنایا جائے،کہ وہ قیمت صدقات سے ہے کہ اس کے پانی سے وضو جائز نہ ہوگا،اور نہ اس کاپانی پینے کے قابل ہوگا،توجناب قبلہ سے امیدوار ہیں کہ اس کاثبوت غلامان کو کیوں نہ دیاجائے کہ قیمت جلود قربانی کس کام میں صرف کی جائے آیامسجد یاکنویں وغیرہ میں لگانا درست ہے یانہیں؟

الجواب:

اگر قربانی کی کھال مسجد میں دے دی تو متولی کو اختیار ہے کہ اسے مسجد کے جس صرف میں چاہے صرف کرے،اور اگر مسجد میں دینے کی نیت سے خود اس کے دام کئے تو وہ دام بھی مسجد کے ہر کام میں صرف ہوسکتے ہیں،ہاں اگر اپنے خرچ لانے کی بہ نیت سے کھال بیچے تو یہ حرام دام خبیث ہیں،مسجد میں نہ دے،نہ مسجد کے کسی کام میں صرف ہوں،بلکہ فقیر مسلمان پر صدقہ کئے جائیں،**وتحقق المسئلة فی رسالتنا "الصافیة الموحیة لحکم جلود والاضحیة"** (اس مسئلہ کی تحقیق ہمارے رسالہ **"الصافیة الموحیة لحکم جلود والاضحیة"**

[1] المستدرک کتاب التفسیر دارالفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۱: از جزمیرہ ضلع فرید پور ڈاک خانہ خاص مرسلہ مولوی مفیض الدین صاحب قاضی ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

ماقولکم ونفع المسلمین بعلو مکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں کہ تعمیر مسجد از چرم جائز ست یانہ و تصدق بچرم اضحیہ از قبیل تطوعات ست یا از واجبات، ودر ادائے صدقہ واجبہ تملیک مشروط ست، ھکذا در ادائے صدقہ نافلہ تملیک، مشروط است یانہ؟	آپ کا کیا ارشاد ہے اور اللہ تعالٰی آپ کے علوم سے مسلمانوں کو نفع دے، اس مسئلہ میں کہ قربانی کے چرم سے مسجد کی تعمیر جائز ہے یا نہیں؟ قربانی کے چرم کا صدقہ واجب ہے یا نفل؟ اور صدقہ واجبہ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے کیا نفلی صدقہ کی ادائیگی میں بھی تملیک شرط ہے یا نہیں؟ (ت)

الجواب:

صدقہ باطلاق عام درگرد تملیک نیست کما نطقت بہ الاحادیث الکثیرۃ وحققناہ فی فتاوٰنا منھا قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما اطعمت زوجتك فھو لك صدقۃ، وما اطعمت ولدك فھو لك صدقۃ۔ وما اطعمت خادمك فھو لك صدقۃ [1]۔ بلکہ کفارہ صوم وظہار ویمین خود واجب ست، وشک نیست کہ از قسم صدقہ است، ولہذا غنی را روا نیست، معہذا تملیک لازم نکردہ اند۔ اباحت دارد کما نصوا علیہ قاطبۃ۔ برچرم اضحیہ راسا ہیچ وظیفہ از شرع معین نیست، روا ست کہ باستعمال خود دارد، یا بغنی ہدیہ کند پس او بمعنی	مطلق صدقہ تملیک کا پابند نہیں ہے جیسا کہ کثیر احادیث اس پر ناطق ہیں اور اس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں کی ہے ایک حدیث یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: جو تو نے اپنی بیوی کو کھلایا صدقہ ہے اور جو تو نے اپنی اولاد کو کھلایا وہ تیرا صدقہ ہے اور جو تو نے اپنے خادم کو کھلایا ہے وہ تیرا صدقہ ہے۔ بلکہ کفارہ صوم، ظہار اور قسم، واجب ہے اور شک نہں کہ از قسم صدقہ ہے اسی لئے غنی کو کھانا جائز نہیں اس کے باوجود تملیک لازمی نہیں ہے بطور اباحت دینا جائز ہے جیسا کہ تمام فقہاء نے اس پر نص فرمائی ہے۔ چرم قربانی پر تو کوئی شرعی حکم معین نہیں ہے خود استعمال کرنا جائز ہے یا کسی غنی کو ہدیہ کردے تو شرعی مطالبہ کے

[1] کنز العمال حدیث ۱۶۳۲۱ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۴۱۵

مطالبہ شرعیہ اصلا صدقہ نیست نہ واجبہ، نہ نافلہ، نہ عامہ، نہ خاصہ، پس شرط تملیک فقیر زیادت ست بر شرع است آری اگر بفقیر بخشید صدقہ خاصہ نافلہ شود وایں معنی موجب آں نبود کہ جزیں کار آں جا ہیچ روا نیست نہ بینی کہ زرے کہ بہ بنائے مسجد یا تکفین میت صرف کنی، اگر بفقیرے دہی، نیز صدقہ خاصہ نافلہ بود، وایں معنی منع نہ کند از صرف زر در کار خود یا در کار خیر، بلکہ آنجا خود مطالبہ شرعیہ بود کہ بنائے مسجد بمحل حاجت، و تکفین میت، ہر دو واجب ست، وبصرف اضحیہ یا چرم او بکار دگر اصلا مطالبہ نیست ناگویند کہ مطلوب شرع صدقہ اوہست ومصرف صدقہ جز محل تملیک نباشد بہ صدقہ اش زنہار از شرع مطالبہ نیست، بلکہ ایں جاسہ کار فرمودہ اند کلو اوادخروا وائتجروا خورید، وبرائے حاجت برداریدِ، وبکار ثواب صرف کنید، رواہ ابو داؤد[1] **عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن البنی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم**، ایں سوم خود جمیع میراث ومثوبات راشامل ست، تعمیر مسجد نیز از ان ست، پس بالیقین رواست **واللہ تعالٰی اعلم**۔

طور پر ہر گز صدقہ نہیں ہے۔ نہ واجب، نہ ہی نفلی، اور نہ عام نہ خاص پس اس میں تملیک فقیر کی شرط کرنا شرع پر زیادتی ہے۔ ہاں اگر فقیر کو دے گا تو خاص نفلی صدقہ ہوگا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ فقیر کے بغیر کسی کے لئے رواہ نہیں، دیکھئے جو زر آپ نے مسجد کی تعمیر پر کیا یا میت کے کفن پر خرچ کیا اگر فقیر کو دیتا تو وہ بھی خاص نفلی صدقہ ہو جاتا جبکہ وہ اس چیز کو مانع نہیں کہ آپ خود اپنے صرف میں یا کسی بھی کار خیر میں صرف کریں بلکہ مسجد کی تعمیر ضروری ہو یا کفن دینے کی حاجت ہو، تو شرعی مطالبہ ہے اور یہ دونوں واجب ہو جاتے ہیں حالانکہ چرم قربانی کو کسی کام پر خرچ کرنے کا شرعا کوئی مطالبہ نہیں ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ اس کو صدقہ کرنا شرعا مطلوب ہے اور اس صدقہ کا مصرف تملیک کے بغیر نہیں ہوسکتا جبکہ شرع نے اس کو صرف کرنے کا کوئی بھی حکم نہیں دیا، ابوداؤد نے حضرت نبشہ الہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ، ذخیرہ کرو اور اجر کماؤ، یہ تین کام کرنے کا حکم فرمایا جبکہ تیسرا حکم تمام نیکیوں اور ثواب والے مقامات کو شامل ہے اور مسجد کی تعمیر بھی نیکی کا کام ہے۔ لہٰذا اس کا مصرف تعمیر مسجد کے لئے بالیقین جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۲: از ملا محمد اسمٰعیل ابن محمد رمضان در مسجد رنگریزاں پالی تاریخ ۱۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ہم لوگ سب محلّہ قربانی کی کھالیں ہمارے محلّہ کی مسجد میں دیتے ہیں تاکہ مسجد کی ڈول، رسی وچراغ وبتی میں امداد پہنچے، اور اگر سوائے ہماری مسجد کے اور جگہ ان

[1] سنن ابو داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

کھالوں کو صرف کردے، تو اس کو ہم محلّہ سے خارج کردیتے ہیں، عندالشرع ایسا کرنا کس حکم میں داخل ہے؟

الجواب:

مسجد میں چرم قربانی صرف کردینا جائز ہے مگر واجب نہیں، دوسرا اگر اور کسی جائز صرف میں خرچ کرے اس پر کوئی مواخذہ نہیں، اس بناء پر اسے محلّہ سے خارج کردینا ظلم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۳ و ۲۷۴: ازانبیٹھ تحصیل نکوڑ ضلع سہارنپور مسئولہ سید مظفر صاحب ۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

علمائے ذی شان مسئلہ محررہ ذیل میں کیا ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) زید پوست قربانی بعینہٖ مسجد میں دینے کو اور اس کی ضروریات میں خرچ کرنے کو خواہ تنخواہ مؤذن ہو یا دیگر حوائج مسجد جائز کہتا ہے۔ اور نیز قربانی کرنے والے کو اپنے استعمال میں لانا، خواہ ڈول بنا کر یا دیگر کسی طریقے سے شے معتمد اپنے لئے تیار کرانے کو شرعاً جو جائز کہا گیا، تو اسی ڈول کو جو اس نے استعمال کے لئے تیار کرایا تھا مسجد میں اگر دے دے تو زید مذکور اس کو جائز رکھتا ہے اور عمرو ان دونوں امر کو ناجائز کہتا ہے۔ اور استدلال ہر دو کا کتب فقہ مثل ہدایہ وشامی کی عبارت سے جیسا کہ عبارت ہدایہ مطبوعہ اصح المطابع صفحہ ۴۴۸ میں ہے:

ویتصدق بجلدھا لانہ جزء منھا اویعمل منہ آلۃ تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال ونحوھا الخ۔[1]	قربانی کی کھال کو صدقہ کیا جائے کیونکہ یہ قربانی کا جز ہے یا اس کو خود کام میں لاکر گھر میں خوان یا تھیلا یا چھلنی وغیرہ بنالے الخ۔ (ت)

زید کہتا ہے جبکہ پوست قربانی کی اشیاء قربانی کرنے والا اپنی ذات کے لئے تیار کرا کر استعمال کرسکتا ہے تو وہ ان کو مسجد میں دے دے تو کیا حرج ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ صدقہ طرکے معنی تملیک بلا عوض ہے تو مسجد میں پوست قربانی دینا جائز نہ ہوگا، کیونکہ مسجد تملیک کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی، ایسے ہی شارع علیہ السلام نے پوست قربانی کی اشیاء تیار شدہ کو اپنے نفس کے لئے اپنے گھر میں استعمال کرنے کے لئے حکم فرمایا نہ کہ مسجد میں اسی شیئ کو اپنی طرف سے دے دینے کو۔

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر کسی گائے وغیرہ کے سینگ کے اوپر کا حصہ نیچے تک ٹوٹا ہو تو ہدایہ میں تو مطلقاً مکسورۃ القرن کو جائز لکھا ہے۔ اور شامی میں تفصیل اس طرح کہ اگر کسر مخ تک پہنچی تو ناجائز ہے ونیز مشاش یعنی رؤس عظام تک اگر کسر پہنچے تو ناجائز، توجس جانور کا اوپر والا حصہ نیچے تک

[1] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

اکھڑ گیا وہ جائز ہوگا یا ناجائز ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) زید کا قول صحیح ہے۔ بیشک اسے امور بر و خیر میں صرف کرسکتے ہیں، اور اپنے لئے ایسی چیز جو باقی رکھ کر استعمال کی جائے جیسے ڈول۔ مشک، کتاب کی جلد وغیرہ بناسکتے ہیں اور اسے بدرجہ اولٰی مسجد میں دے سکتے ہیں، تصدق جس میں تملیک فقیر ضرور ہے۔ صدقات واجبہ مثل زکوٰۃ میں ہے ہر صدقہ واجبہ میں بھی نہیں، جیسے کفارہ صیام وظہار ویمین کہ ان کے طعام میں تملیک فقیر کی حاجت نہیں اباحت بھی کافی ہے، **کما فی فتح القدیر**[1] **وغیرہ عامۃ الکتب** (فتح القدیر وغیرہ عام کتب میں جیسا کہ موجود ہے۔ت) چرم قربانی کا تصدق اصلاً واجب نہیں، ایک صدقہ نافلہ ہے۔ اس میں اشتراط تملیک کہاں سے آیا، بلکہ ہر قربت جائز ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کلوا وادخروا وائتجروا[2]۔	کھاؤ اور ذخیرہ رکھو اور ثواب کا کام کرو۔

کیا مسجد میں دینا ثواب کا کام نہیں امام زیلعی تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں: **لانہ قربۃ کالتصدق**[3] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت)

کیا مسجد میں دینا قربت نہیں۔ اور عجیب منطق یہ ہے کہ مسجد میں دینا تو جائز نہیں کہ تملیک فقیر نہ ہوگی، اور غنی کا اپنے صرف میں رکھنا جائز اس میں تملیک فقیر ہوگئی **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) قرن اوپر ہی کے حصے کو کہتے ہیں۔ جو ظاہر ہوتا ہے وہ اگر کل ٹوٹ گیا حرج نہیں ولہٰذا ہدایہ میں مکسورۃ القرن کو جائز فرمایا، ہاں اگر اندر سے اس کی جڑ نکل آئی کہ سر میں جگہ خالی ہوگئی، تو ناجائز ہے۔ ردالمحتار کا یہی مفاد ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۵: از تلہر ضلع شاہجہانپور محلّہ ہندو پٹی مرسلہ مولوی ضیاء الدین صاحب ۲۰ رمضان ۱۳۳۷ھ

مفتیان کرام ذوی الاحترام کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے۔ زید کہتا ہے کہ جلد قربانی وعقیقہ مسجد ومدرسہ کے صرف میں آسکتی ہے۔ بکر کا قول ہے کسی فقیر کو دی جائے وہ خرچ کرسکتا ہے

---

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ باب من یجوز دفع الصدق الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[3] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۹

کیونکہ یہ صدقہ ہے اور صدقات کی تفصیل کلام الٰہی نے فرمادی: "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ"[1] الاٰیۃ سورۃ توبہ (صدقات خاص کر فقراء کے لئے ہیں۔ت) اور حکم باری تعالٰی ہے:

"فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوۡلِ"[2]	تو اگر تم کسی معاملہ میں تنازع کرو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیرو۔(ت)

لہذا کلام ربانی کی طرف رجوع کی گئی نیز بکر کا بیان ہے کہ بر تقدیر صحت قول زید کا اس کا ماخذ کہاں ہے امید کہ مسئلہ کی توضیح مع نقل عبارات فرمائی جائے۔ فقط

الجواب:

بیشک ہر منازعت میں اللہ ورسول ہی کی طرف رجوع لازم ہے۔ مگر ہر ایک کو بلاواسطہ رجوع کی لیاقت کہاں، یہیں دیکھئے آیہ کریمہ میں صدقات سے زکوٰۃ مراد کہ اسی میں ارشاد ہوتا ہے "وَالۡعٰمِلِیۡنَ عَلَیۡهَا"[3] (صدقات پر کام کرنے والوں پر۔ت) اور بکر نے اسے قربانی وعقیقہ کو شامل کردیا یہ بھی نہ دیکھا کہ اس کے تو گوشت کی نسبت خود قرآن عظیم میں ارشاد ہے: فکلوا منہا[4] اس میں سے خود بھی کھاؤ۔ اب کہاں رہی صدقات کی وہ تفصیل جو اس آیہ کریمہ میں بالحصر ارشاد ہوئی تھی کہ "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ"[5] (صدقات فقراء کے لئے ہیں الآیۃ۔ت) یہ بھی نہ سمجھا کہ عوام تک اس کو قربانی کہتے ہیں نہ کہ صدقہ، تو ہر کار تقرب اس میں روا، لہذا امام زیلعی نے شرح کنزالدقائق میں فرمایا: لانہ قربۃ کالتصدق[6] (کیونکہ صدقہ کی طرح یہ قربت ہے۔ت) ہاں ہم نے خاص مسئلہ میں اللہ عزوجل کی طرف رجوع کی تو اس کا ارشاد پایا،

"فَکُلُوۡا مِنۡهَا وَ اَطۡعِمُوا الۡبَآئِسَ الۡفَقِیۡرَ ﴿٢٨﴾"[7]	خود اس میں سے کھاؤ اور ضرور تمند فقیر کو کھلاؤ۔(ت)

اطعام کے لفظ نے بتایا کہ تصدق ہی واجب نہیں اباحت بھی کافی ہے۔ جو محض ایک قربت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف رجوع کی، تو حضور کا ارشاد پایا:

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۰

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[3] القرآن الکریم ۹/ ۶۰

[4] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۸_۳۶

[5] القرآن الکریم ۹/ ۶۰

[6] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المکتبۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

[7] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۸

فکلوا وادخروا وائتجروا [1] رواہ ابوداؤد وغیرہ عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کھاؤ اور اٹھا رکھو اور ثواب کا کام کرو۔اسے ابو داؤد وغیرہ نے حضرت نبشہ الہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

مسجد ومدرسہ دینیہ اہلسنت میں دینا بھی ثواب کا کام مثل اطعام، اور اسی ائتجروا کے حکم میں داخل ہے۔ہاں اگر کوئی شخص اس کی جلد اپنے صرف میں لانے کی نیت سے روپوں پیسوں کو بیچے تو بیشک قیمت اس کے حق میں خبیث ہوگی۔

لانہ جزء من التمول کما نصوا علیہ وفی حدیث المستدرك من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ [2]۔	کیونکہ یہ مالداری کا جزء ہے جیسا کہ انھوں نے نص فرمائی ہے اور مستدرک کی حدیث میں ہے جس نے اپنی قربانی کی کھال فروخت کی تو اس کی قربانی نہیں۔(ت)

وہ قیمت نہ مسجد میں دے نہ مدرسہ میں فان اللہ طیب لایقبل الا الطیب [3] (اللہ طیب ہے وہ صرف طیب کو قبول فرماتا ہے۔ت) بلکہ فقراء پر تقسیم اور تصدق کرے کما ھو حکم مال الخبیث (جیسا کہ ناپاک مال کا حکم ہے۔ت) اور اگر نہ اپنے لئے بلکہ مسجد ومدرسہ یا کسی فقیر ہی کو دینے کے لئے روپوں پیسوں کو بیچے، خود یہ خواہ مسجد ومدرسہ وو کیل فقیر، بہر صورت جائز ہے۔اور وہ دام مدرسہ ومسجد میں صرف ہوسکتے ہیں کہ ممنوع تمول ہے نہ کہ تقرب

وقد مرعن التبیین انہ قربۃ کالتصدق [4] و تمام التحقیق فی رسالتنا "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" واللہ تعالٰی اعلم۔	تبیین سے گزرا کہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے، مکمل تحقیق ہمارے رسالہ "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۶تا۲۷۹: انجمن اسلامیہ راناواڑ کاٹھیاوار ۵ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

مجدد مائۃ حاضرہ امام اہلسنت مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی ! بعد تسلیم

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[2] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

[3] مسند امام احمد بن حنبل مسند ابوہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۲۸

[4] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المکتبۃ الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۹

بعد تکریم وقدمبوسی عرض یہ ہے کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) قربانی کے چمڑے کے پیسے جو معلم کو مدرسہ کی دینی اور دنیاوی تعلیم پر مقرر کئے گئے ہیں آیا ان کو بطور ماہانہ تنخواہ دے سکتے ہیں یانہیں؟

(۲) قربانی کے چمڑے کے پیسے سے غریب اور تونگر کے بچوں کو تعلیم دینے کے لئے مدرسہ کے لئے عمارت بنانے کے کام میں خرچ کرسکتے ہیں یانہیں؟

(۳) قربانی کے چمڑے کی آمد سے عمارت بناکر اس کا سود یا کرایہ کہ آئے۔اس کو بچوں کی تعلیم میں صرف کرسکتے ہیں یانہیں؟

(۴) قربانی کے چمڑے کی آمد سے غریب یاتونگر طلباء کوکتاب دے سکتے ہیں یانہیں مانند قرآن شریف وغیرہ **بینو توجروا**

الجواب:

اقول: وباللہ التوفیق اغنیاء جوایام نحر میں قربانی کرتے ہیں کہ ابتداء شرع مطہر نے ان پر واجب فرمائی اس کو کھال میں یہ احکام ہیں:

(۱) وہ اسے باقی رکھ کر اپنے استعمال میں لاسکتے ہیں۔مثلاً انکے مشک،ڈول یاکتابوں کی جلدیں بنوالیں **لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وادخروا**[1] (حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق کہ "اور ذخیرہ کرو"ت)

(۲) اپنے استعمال کے لئے اس سے وہ چیزیں خرید سکتے ہیں جو باقی رکھ کر استعمال ہوتی ہیں، جیسے برتن،کتابیں،وغیرہا **فان قیام البدل کقیام المبدل منہ** (بدل کا قیام مبدل کے قیام کی طرح ہے۔ت) اور مختار میں ہے:

یتصدق بجلدہ،اویعمل منہ نحو غربال وجراب و قربۃ وسفرۃ ودلو اویبدلہ بماینتفع بہ باقیا کما مر[2]۔	کھال کا صدقہ کرے یاخود غربال۔تھیلا،مشکیزہ خوان یاڈول بنالے یاایسی چیزی تبادلہ کرے جس کو باقی رکھ کر نفع حاصل کرتارہے جیساکہ گزرا۔(ت)

(۳) اسے اپنے لئے داموں کو نہیں بیچ سکتے،اگر بیچیں تصدق کریں **لانہ سبیل ماحصل**

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب جنس لحوم الضحایا آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۴

بوجہ خبیث (خبیث طریقہ سے حاصل شدہ کا یہی حکم ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

تصدق بالدراھم فیمالو ابدلہ بہا[1]۔	اگر اسے دراہم سے بدلا تو دراہم کو صدقہ کرے۔(ت)

یہاں تک کہ اگر داموں کو بیچے پھر چاہے کہ ان داموں سے کوئی چیز ایسی خریدے جس کی خرید جائز تھی، جیسے برتن وغیرہ، تو اب اس کا اختیار نہیں وہ دام تصدق ہی کرنے ہوں گے، طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

قولہ بما ینتفع بعینہ ظاہرہ انہ لایجوز بیعہ بدراھم ثم یشتری بہاماذکر[2]۔	قولہ وہ چیز جس کے عین سے نفع حاصل کرے اس کا ظاہر یہ ہے کہ کھال کو دراہم کے عوض فروخت کرکے پھر دراہم کے ساتھ کوئی چیز خریدنا جن کو ذکر کیا۔ جائز نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ویفیدہ ماذکرہ عن البدائع[3]۔	اس کا فائدہ دے گا جو ہم بدائع کے حوالہ سے ذکر کرینگے۔(ت)

(۴) یوں ہی اپنے لئے کسی ایسی چیز سے بیچیں جو خرچ ہو کر کام میں آتی ہے۔ جیسے کھانے پینے کی چیزیں، یہ ناجائز ہے۔ اور ان کی قیمت تصدق کرنی ہوگی، درمختار میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

لابمستھلك کخل ولحم ونحوہ کدراھم فان بیع اللحم اوالجلد بہ ای بمستھلك اوبدراھم تصدق بثمنہ[4]۔	ہلاک ہونے والی چیز کے عوض نہیں جیسے سرکہ گوشت وغیرہ مثلاً دراہم، تو اگر گوشت یا کھال کو ایسی ہلاک ہونے والی چیز یا دراہم کے عوض فروخت کیا تو اس کی قیمت صدقہ کرے۔(ت)

(۵) اسے باقی رکھ کر یا باقی رہنے والی چیز سے بدل کر اسے کرائے پر نہیں دے سکتا مثلاً کھال کی مشک بنائی یا اس سے کوئی برتن خریدا، اور اس مشک یا برتن کو کرایہ پر دیا یہ ناجائز ہے۔ اس کرائے کو تصدق کرنا ہوگا۔ درمختار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الاضحیۃ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۱۶۲

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۱

[4] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

لایوجرھا فان فعل تصدق بالاجرۃ [1]۔	نہ اجرت پر دے اگر اجرت لی تو صدقہ کردے (ت)

حاوی الفتاوٰی، فتاوٰی ظہیریہ، پھر در منتقٰی پھر ردالمحتار میں ہے:

لو عمل الجلد جرابا واجرہ لم یجز، وعلیہ التصدق بالاجرۃ [2]۔	اگر کھال تھیلا بنایا اور اجرت پر دیا تو اجرت کو صدقہ کرے۔ اجرت لینا جائز نہیں۔ (ت)

(۶) اپنے اوپر کسی آتے ہوئے کے بدلے میں، مثلاً نوکر کی تنخواہ یا کسی کام کی اجرت میں نہیں دے سکتے **فانہ ایضا فی معنی البیع للتمول** (کیونکہ یہ بھی تمول کے معنی میں ہے۔ت) در مختار میں ہے:

لایعطی اجر الجزار منہا لانہ کبیع [3]۔	قصاب کو اجرت میں نہ دے کیونکہ یہ بیع کی طرح ہے۔ (ت)

کفایہ، پھر ردالمحتار میں ہے:

لان کلامنہا معاوضۃ لانہ انما یعطی الجزار بمقابلۃ جزرۃ، والبیع مکروہ فکذا مافی معناہ [4]۔	کیونکہ یہ دونوں معاوضہ ہیں کیونکہ قصاب کو اس کی مزدوری کے عوض دے گا اور بیع مکروہ ہے تو اس کا ہم معنی بھی مکروہ ہے۔ (ت)

(۷) یونہی اپنی زکوٰۃ کی نیت سے فقیر کو نہیں دے سکتے **لانہ ایضا معنی البیع بالدراھم** (کیونکہ یہ بھی دراہم کے بدلے میں بیع کے معنی میں ہے۔ت) اور اگر دیں گے تو فقیر اس کا مالک ہوجائیگا اور زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، قنیہ پھر شرح نقایہ قہستانی پھر ابن عابدین علی الدر میں ہے:

اذا دفع اللحم الی فقیر بنیۃ الزکوٰۃ لایحسب عنہا فی ظاہر الروایۃ [5]۔	جب فقیر کو زکوٰۃ کی نیت سے گوشت دے تو ظاہر الروایۃ میں زکوٰۃ نہ ہوگی۔ (ت)

(۸) فقراء کو دینے کی نیت سے داموں کو بھی بیچ سکتے ہیں کہ یہ اپنے لئے تمول نہیں، تبیین الحقائق پھر عالمگیریہ میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴
[2] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹
[3] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴
[4] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹
[5] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

لایبیعه بالدراھم لینفق الدراھم علی نفسه وعیاله، ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانه قربة کالتصدق[1]۔	دراہم کے عوض اپنے یا اپنے عیال پر خرچ کرنے کے لئے فروخت نہ کرے اگر دراہم کے عوض فروخت کیا دراہم کو صدقہ کرنے کے لئے تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔(ت)

(۹) غنی کو ہبہ کرسکتے ہیں کہ وہ اپنا تمول نہیں۔ پھر اس غنی کو اختیار ہے چاہے داموں کو بیچ کر اپنے خرچ میں لائے چاہے کسی کی اجرت یا تنخواہ میں دے چاہے اپنی زکوۃ میں دے اور اس کی زکوۃ ادا ہوجائے گی کہ اب حکم اضحیہ منقطع ہوگیا، وہ اس کی ملک ہے جو چاہے کرے۔

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ھو لھا صدقة ولنا ھدیة[2]۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے اس ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے صدقہ اور ہمارے لے ہدیہ ہے۔(ت)

قنیہ پھر جامع الرموز پھر ردالمحتار میں بعبارت مذکورہ ہے۔

لکن اذا دفع لغنی ثم دفع الیه بنیتھا یحسب[3] اھ ای دفع الموھوب له بنیة الزکوٰة جاز واجزأ۔	لیکن اگر غنی کو دیا اور غنی نے اپنی زکوۃ میں دیا تو زکوۃ شمار ہوگی، یعنی موہوب لہ اپنی زکوۃ کی نیت سے دے تو جائز ہے۔(ت)

(۱۰) مسجد میں دے سکتے ہیں:

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وائتجروا[4] رواہ ابو داؤد عن نبشه الھذلی رضی الله تعالٰی عنه۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے اس ارشاد کی بناپر کہ اجر کماؤ، اس کو ابوداؤد نے حضرت نبشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

پھر مہتممان مسجد کو اختیار ہے کہ اسے بیچ کر جس کام میں چاہیں لائیں اگرچہ امام یا مؤذن یا فراش کی تنخواہ میں۔

لان صار ملك المسجد کمسألة الغنی المذکور فانقطع حکم الاضحیة۔	کیونکہ مسجد کی ملک ہوگئی جس طرح غنی والا مذکور مسئلہ تو قربانی کا حکم ختم ہوگیا۔(ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ ۶ /۹ و فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیۃ الباب السادس ۵ /۳۰۱

[2] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب الصدقات علی موالی ازواج النبی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۲۰۲

[3] ردالمحتار باب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰۹

[4] سنن ابی داؤد کتاب الاضحیۃ باب حبس الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

واقعات امام حسام الدین پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

ویمکن تصحیحه تملیکا بالهبة للمسجد اثبات الملك للمسجد علی هذا الوجه صحیح فیتم بالقبض[1] ۔	ہبہ کے طور تملیک کی صحت مسجد کے لئے ممکن ہے اور اس طریقہ سے مسجد کی ملک ثابت کرنا صحیح ہے تو ہبہ قبضہ سے تام ہو جائیگا (ت)

فتاوٰی عتابیہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

یصح بطریق التملیك اذا سلمه للقیم[2] ۔	جب منتظم کو سونپ دیا تو تملیک کا طریقہ صحیح ہوگیا۔ (ت)

(۱۱) یونہی ہر قربت کے کام میں صرف کرسکتے ہیں جیسے مدرسہ دینیہ کی اعانت۔

لا طلاق عموم قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم و ائتجروا[3] ۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ارشاد کہ "ثواب کماؤ" کے اطلاق کی بناء پر۔ (ت)

امام زیلعی سے گزرا: لانه قربة کالتصدق[4] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت)

(۱۲) اس کار قربت مثل مسجد یا مدرسہ دینیہ یا تعلیم یتیماں میں صرف کرنے کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ خود اس نیت سے بیچ کر اس کار خیر میں صرف کرنے والوں کو دے دیں۔

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[5] ۔ وتقدم فرق الامام فخر الدین بین ما اذا باع بالدارهم لینفقها علی نفسه وعیاله واما اذا باعها لاجل الفقراء۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ارشاد کہ "عمل صرف نیت سے اور ہر ایک کو اس کی نیت کے مطابق ملا، اور امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالٰی کا بیان کردہ گزرا کہ اپنے اور اپنی عیال کے لئے دراہم کے عوض فروخت میں فقراء کے لئے فروخت میں فرق ہے۔ (ت)

جب یہ احکام معلوم ہولئے، بعونہٖ تعالٰی سوال کی چاروں صورتوں کا حکم واضح ہوگیا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الواقعات الحسامیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۰

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفتاوٰی العتابیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۰

[3] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[4] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۹

[5] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

(۱) مدرسہ دنیوی میں نہ دیں کہ وہ قربت نہیں، اور مدرسان مدرسہ دینی اگر اس کے نوکر ہیں جن کی تنخواہ اس پر واجب ہوتی ہے اس میں نہیں دے سکتا کہ یہ اس پر آتا ہے ورنہ مہتمم مدرسہ کو دے دے وہ تنخواہ میں دے، یا جس کار دینی مدرسہ دینیہ میں چاہے صرف کرے۔

(۲) مدرسہ دینیہ کی عمارت میں خرچ کرسکتا ہے کہ قربت ہے۔

(۳) لا الٰہ الا اللہ سود حرام قطعی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ سود کھانا ستر بار اپنی ماں سے زنا کرنے سے بدتر ہے[1]۔
ہاں جو عمارت کار خیر مثل تعلیم القرآن علم دین کے لئے وقف کریں کہ اس کے کرایہ سے وہ کار خیر جاری ہو، اس کی تعمیر میں صرف کرسکتا ہے۔

(۴) اسے کتابوں سے بدل کر طلبہ کو دے سکتے ہیں اگرچہ وہ طلبہ غنی ہوں کہ کتاب باقی رہ کر کام آتی ہے۔ اور ایسی چیز کے عوض اپنے لئے بیچنا جائز ہے۔ طلبہ کے لئے بدرجہ اولٰی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۰: مرسلہ حافظ محمود حسین صاحب مدرس تلمیذ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ہفتم ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت پوست قربانی کو تنخواہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجرا**

الجواب:

جو مدرسہ تعلیم علوم دینیہ کے لئے چندہ سے مقرر ہوا اس میں قربانی کی کھال خواہ بیچ کر اس کی قیمت بھیجنا کہ مصارف مدرسہ مثل تنخواہ مدرسین وخوراک طلباء وغیرہ میں صرف کی جائے۔ مذہب صحیح پر جائز ہے کہ ایسے مدارس اعانت قربت ہے۔ اور قربات میں صرف کرنے کے لئے گوشت پوست قربانی بیچنے کو مطلقًا اجازت ہے۔

فی الھندیۃ لایبیعہ بالدراھم لینفق الدراھم علی نفسہ وعیالہ واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق، کذافی التبیین	ہندیہ میں ہے کہ اپنے اور اپنے عیال پر دراہم خرچ کرنے کے لئے فروخت نہ کرے اور گوشت بمنزلہ کھال ہے صحیح قول میں اور دراہم فقیر کو صدقہ کرنے کی غرض سے فروخت کیا تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے یوں تبیین

[1] شعب الایمان حدیث ۵۵۲۰ دار الفکر بیروت ۴/ ۳۹۳

وھکذا فی الھدایة والکافی [1] اھ ملخصاً۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہدایہ اور کافی میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۸۱: از بنارس محلّہ کنڈی گڈ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مال زکوٰۃ چرم قربانی سے اعانت مدرسہ کی کی جائے یا نہیں۔مصارف مدرسہ میں تنخواہ مدرسین کے لئے اور وہ اپنی اُجرت لیتا ہے۔اور یہ امر ظاہر ہے کہ اجرت میں مال زکوٰۃ یاچرم قربانی دینا جائز نہیں؟

الجواب:

زکوٰۃ میں تملیک بلاعوض بہ نیت زکوٰۃ درکار ہے۔بے اس کے اور وجوہ تقرب مثل مسجد ومدرسہ وتکفین موتی وغیرہا میں اس کاصرف کافی نہیں،ہاں مثلاجو طلبہ علم مصرف ہوں،انھیں نقد یا کپڑے یاکتابیں بروجہ مذکور دے کراعانت مدرسہ ممکن **کما یظھر من الدر وغیرہ**(جیساکہ دروغیرہ سے ظاہر ہورہاہے۔ت)چرم قربانی میں تصدق بمعنی مسطور اصلاضرور نہیں۔

منسک متوسط میں ہے:**لایجب التصدق بہ** [2] (اس کا صدقہ نہیں۔ت)مسلک متقسط میں ہے:**لابکلہ ولاببعضہ** [3] (نہ کل نہ بعض۔)مطلق قرب رواہے حدیث میں ہے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

واتئجروا [4] روہ ابوداؤد عن نبشة الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ثواب میں خرچ کرو،اس کو ابوداؤد نے نبشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

امام زیلعی نے شرح کنز میں فرمایا:**لانہ قربة کالتصدق** [5] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت)ظاہر ہے کہ مدارس دینیہ بھی وجوہ قربت وائتجار سے ہیں اور وہ تنخواہ حق مدرس میں اجرت ہونا حق

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الاضحیة الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۰۱
[2] المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط مع ارشاد الساری باب الھدایہ دار الکتب العربی بیروت ص ۳۱۲
[3] المسلك المتقوط فی المنسك المتوسط مع ارشاد الساری باب الھدایہ دار الکتب العربی بیروت ص ۳۱۲
[4] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳
[5] تبیین الحقائق کتاب الاضحیة المطبعة الکبرٰی الامیریة بولاق مصر ۶/ ۹

معطی الاعانۃ علم الدین میں قربت ہونے کی منافی نہیں، جیسے سقائے سقایہ و موذن مسجد کی اُجرت

وقد فصلنا القول فیھا فتاوٰنا فی المسئلۃ رسالۃ کافلۃ کافیۃ سمیتھا "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کی تفصیل ہم نے اپنے رسالہ کافلہ کافیہ جس کا نام ہم نے "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" رکھا، میں بیان کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۸۲: از طالب پور ضلع مرشد آباد کوٹھی راجہ صاحب مرسلہ محمد جان صاحب محمد ۶/ رمضان مبارک

چہ مے فرمایند علمائے شریعت غرا اندریں مسئلہ کہ اگر چرم اضاحی بمتولیاں مدارس دینیہ تملیکا دادہ شود وایشاں بصوابدید خود یا باشارۃ استشارہ دہندگاں چرم او را در ضروریات مدرسہ صرف نمایند سمتے از جواز وارد یانہ؟ **بینوا توجروا**	روشن شریعت کے علماء کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں اگر چرم قربانی مدارس کے متولیوں کو تملیک کر دی جائیں اور وہ اپنی صوابدیدہ پر یا دینے والوں کے مشورہ سے مدرسہ کی ضروریات میں صرف کریں تو جواز کی صورت ہے یا نہیں؟ بیان کرو اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب:

در جواز بعد اراقۃ دم واقامت قربت صورت مذکورہ جائے سخن نیست، متولیان اگر فقراء باشند ایں تملیک تصدق باشد ورنہ ہدیہ، وہیچ از ینہا در اجزائے اضحیہ ممنوع نیست، فی **النقایہ وشرحھا للبرجندی یھب من یشاء علی سبیل التملیك فقیرا اوغنیا** [1] آنچہ کہ ممنوع ومکروہ است بیع بروجہ تمول ست **لحدیث من باع اضحیتہ فلا**	قربانی کے خون بہادینے اور قربت قائم کردینے کے بعد مذکورہ صورت کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ متولی حضرات اگر خود فقیر ہوں تو ان پر صدقہ ہوگا ورنہ ہدیہ ہوگا، ان میں سے کوئی بھی قربانی کے اجزاء میں ممنوع نہیں ہے۔ نقایہ اور اس کی شرح برجندی میں ہے جس کو چاہے دے کر مالک بنا کر فقیر کو خواہ غنی کو اور منع صرف تمول کے طور پر فروخت کرنا ہے اس حدیث کی بناء پر کہ جس نے قربانی کی کھال فروخت کی اس کی

[1] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الاضحیۃ منشی نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۹

اضحیة له [1] رواہ الحاکم فی المستدرك و البیهقی فی السنن عن ابی هریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وپیداست کہ ہدیہ از بیع چیزے بناشد۔ بالجملہ ایں مبنی خود در لحم اضحیہ رواست۔ وجلد بالاتر از ونیست، بالاتفاق، وفی الهدایة والکافی والتبیین وغیرها اللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح [2]۔ باز آں گاہ کہ جلد بتملیک مضحی درملک متولی آمد، حکم اضحیہ منتہی شد، متولیاں راہر گونہ تصرف درو رواباشد لحصول المطلق وانتهاء الحاجز .وذٰلك قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی اللحم المتصدق به علی بریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنها هولها صدقة ولنا هدیة [3] رواہ البخاری عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنها. ازیں جاست کہ اگر کسے لحم اضحیہ خودش بہ نیت زکوٰۃ بر فقیر تصدق کند زکوٰۃ ادا نشود، واگر بغنی ہدیہ داد او از زکوٰۃ خویش بدست فقیرے نہاد زکوتش ادا شود، زیراکہ حکم اضحیہ بآں ہدیہ بپایاں رسید، حالاایں چیزے

قربانی نہیں، اس کو حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہدیہ فروخت کی قسم نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ قربانی کے گوشت میں بھی یہ معنی موجود ہے جبکہ کھال اس سے اہم نہیں ہے بالاتفاق، اور ہدایہ، کافی اور تبیین وغیرہا میں ہے کہ گوشت کھال کے حکم میں ہے صحیح قول میں، پھر جب کھال قربانی دینے والے کی طرف سے متولی کی ملک کردی گئی تو قربانی کا حکم تام ہوگیا، متولی حضرات کو اب ہر طرح اس میں تصرف کا اختیار ہے۔ ممانعت ہونے اور اجازت پائے جانے کی وجہ سے، اور یہ اس طرح کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا ارشاد اس گوشت کے متعلق جو حضرت بریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو صدقہ ملا کہ وہ اس پر صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے اس حدیث کو بخاری نے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے رویت کیاہے، اسی سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ اگر قربانی کا گوشت فقیر کو زکوٰۃ میں دے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور اگر غنی کو ہدیہ کے طور پر دےا اور اس نے وہ زکوٰۃ میں دے دیا تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی کیونکہ غنی کو ہدیہ دینے سے قربانی کا حکم تام ہوگیا اور اب غنی کے لئے یہ مملوکہ

---

[1] المستدرك کتاب التفسیر دارالفکر بیروت ۲ /۳۹۰

[2] الهدایه کتاب الاضحیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۴۴۸

[3] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب الصدقة علی موالی ازواج النبی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۲۰۲

ست ازآن آں غنی دررنگ سائر مملوکات او کہ بانکہ ہر چہ خواہد کند،فی ردالمحتار **اذا دفع الحم الی فقیر بنیة الزکوٰۃ لا یحسب عنہا فی ظاہر الروایة لکن اذ ادفع لغنی ثم دفعه الیه بینتہا یحسب**[1]، پس اگر ایشاں درغیر صور قرب استہلاک کردندے۔ہیچ مانع نبودے کہ آنکہ تمول کرد مضحی نبود،وآنکہ مضحی بود تمول نہ کرد، کمااذا تصدق بہ علی فقیر فباعہ بدراھم لنفقتہ،ایں جاکہ صرف ہم باموراقربت ست،وقربت خود یکے از مصارف اضحیہ است **لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وائتجروا رواہ ابو داؤد**[2] **عن نبشة الهذلی رضی اللہ تعالٰی عنه**۔ومن فقیر در فتاوٰی خودم بقدر کفایت، ودر رسالہ "**الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة**" (۱۳۰۷ھ) بمالامزید علیہ تحقیق نمودہ کہ آگر مضحی بخودی خود بے تحلل تملیک بدیگرے جلد اضاحی رابمہچو امور قربت صرف نماید محذورے نیاید،لاجرم ایں صورت اولٰی بجواز ست **کما لا یخفی علی اولی النھی**،**واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم**۔	قرار پائی،ردالمحتار میں ہے جب قربانی کا گوشت فقیر کوزکوٰۃ کی نیت سے دیا توظاہر الروایۃ میں زکوٰۃ میں شمار نہ ہوگا،لیکن جب غنی کو دیااور غنی نے فقیر کواپنی زکوٰۃ میں دیا تو غنی کی زکوٰۃ ادا ہوگی۔اگر قربانی کی کھال کو قربت کے علاوہ بھی صرف کریں تو کوئی مانع نہیں ہے کیونکہ قربانی والا تمول نہیں بناتا اور تمول والے نے قربانی نہ بنائی مثلاً جب فقیر پر صدقہ کیا اور فقیر نے دراہم کے عوض فروخت کردی تو یہاں کھال قربت میں صرف ہوئی جبکہ قربت خود احکام قربانی سے ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی بناء پر کہ "ثواب کماؤ"اس کوابوداؤد نے حضرت نبشہ الہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔اور اس فقیر نے اپنے فتاوٰی میں بقدر کفایت اور رسالہ "**الصافیة الموحیه لحکم جلود الاضحیة**" میں انتہائی بیان کردیا ہے کہ اگر قربانی والا خود بلاواسطہ تملیک دوسرے کو خود صرف کرلے تو کوئی حرج نہیں تو یہ صورت بطریق اولٰی جائز ہوگی،جیسا کہ صاحب فہم پر مخفی نہیں ہے۔ **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم**۔(ت)

مسئلہ ۲۸۳: از سہسرام ضلع مرسلہ حکیم سراج الدین احمد صاحب ۱۳/ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

قیمت کھال قربانی جو پہلے سے بیوہ وبیکس، یتیم وبے بس۔مساکین سکنائے جار واقربائے دیار پر تقسیم ہوتی، ومساجد کے فرش، جانماز، روشنی،ڈول، رسی، وجھاڑو وغیرہ کے مصارف میں صرف

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

ہوا کرتی تھی جس کو اہالیان مدرسہ ناجائز مشتہر کرکے اب مسلم کھال یا کل قیمت باغوائے اہلیان مدرسہ باغوائے بیان واعظین داخل مدرسہ جاتی ہے۔اور مسکینان محروم رہتے ہیں، ستم ہے یانہیں؟ اور اہلیان ومہتمان مدرسہ کواس رقم کا لینا درست ہے یانہیں؟

الجواب:

چرم قربانی کے بارے میں یہ ہے کہ اسے بغیر بیع اپنے کسی صرف میں لائے تولاسکتا ہے۔مثلاً کتابوں کی جلدیں بنائے یا مشک، ڈول بنوائے،اور ایسے کاموں کے لئے کسی غنی کو ہدیہ بھی دے سکتا ہے۔اور بہتر یہ ہے کہ اسے صارف خیر میں کرے۔مثلاً یتامٰی وبیوگاں ومساکین کو دیں یا مساجد کے مصارف مستحبہ میں صرف کرنا یا سنی مدارس دینیہ میں امداد علم دین کے لئے دینا، یہ سب صورتیں جائز ہیں **لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلوا وادخروا وائتجروا**[1] (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کی بناء پر کہ کھاؤ، ذخیرہ بناؤ اور ثواب کماؤ۔ت) ان میں سے جن میں زیادہ مناسب اور حاجت وقت کے ملائم جانے صرف کرے، کسی صورت کو ظلم نہیں کہہ سکتے،ہاں یتیموں اور بیواؤں اور مسکینوں کی دینا جو ناجائز بتائے وہ ظلم کرتا ہے کہ یہ اس کا شریعت مطہرہ پر افتراء ہے۔یونہی اگر کچھ لوگ اپنے یہاں کی کھالیں حاجتمند یتیموں، بیواؤں، مسکینوں کو دینا چاہیں کہ ان کی صورت حاجت روائی یہی ہو،اسے کوئی واعظ یا مدرسہ والا روک کر مدرسہ کے لئے لے لے تو یہ اس کا ظلم ہوگا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۴: ۱۱ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک غریب شخص کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی، وہ اس قابل نہیں ہے کہ عقیقہ کرے ساتھ قربانی کے، مگر بسبب سنت ادا ہونے کے اس کو کسی شخص نے کچھ عطیہ کیا تھا اس کو فروخت کرکے اس نے قربانی کی،اور اس کے پاس کسی طرح کا مقدور نہیں ہے۔اور اس قربانی کی کال کے دام اپنے خرچ میں لانا جائز ہے یا نا جائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عقیقہ کے احکام مثل اضحیہ ہیں۔اس سے بھی مثل اضحیہ تقرب الی اللہ عزوجل مقصود ہوتا ہے اور جو چیز تقرب کے لئے رکھی گئی وہ تمول یعنی اپنا مال بنانے سے محفوظ رکھنا چاہئے۔کھال بھی جانور کا جز ہے۔تو داموں کو بیچ کر اپنے صرف میں لایا جیسا کہ اضحیہ میں ناجائز ہے۔یہاں بھی ضرور نامناسب ہونا چاہئے۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

کہ رجوع عن التقریب نہ ہو، ہاں اس سے کتاب کی جلد، یا مشک، ڈول بنا کر اسے اپنے صرف میں لاسکتا ہے یا اسے کسی محتاج کو دے دے، پھر اس سے خفیف قیمت کو اس کی مرضی سے خرید کر دوسرے کے ہاتھ پوری قیمت کو بیچے **ھذا ماظھر لی** (یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۵: از تلہر، محلّہ ہندو پٹی ضلع شاہجہانپور مرسلہ مولانا مولوی ضیاء الدین صاحب مدظلہ ۲۵/رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت جلد قربانی یا عقیقہ براہ است مسجد یا مدرسہ دینیہ میں صرف کی جاسکتی ہے۔ یا تملیک مسکین کی ضرورت واقع ہوگی، **بینوا بالدلیل وتوجروا بالاجرا لجزیل** (دلیل کے ساتھ بیان کرو اور کثیر اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

ہاں جلد براہ راست صرف کی جاسکتی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وائتجروا[1].	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اجر وثواب حاصل کرو۔(ت)

اور اگر مسجد ومدرسہ میں دینے کے لئے داموں کو فروخت کی تو دام بھی براہ راست صرف کئے جاسکتے ہیں، تبیین الحقائق میں ہے: **لانہ قربۃ کالتصدق**[2] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت) ان صورتوں میں تملیک مسکین ضروری جاننا شرع مطہر میں زیادت کرنا ہے جس پر کوئی دلیل نہیں، تو اپنی طرف سے ایجاد ایجاب ہوا، "**مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بِہَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ**"[3] (اللہ تعالٰی نے اس پر کوئی دلیل نہ فرمائی۔ت) ہاں اپنے خرچ میں لانے کے لئے داموں کو بیچے تو اس کی سبیل تصدق ہے کہ ملک خبیث ہے، براہ راست مدرسہ ومسجد میں نہ دے، **فان اللہ طیب لایقبل الا الطیب**[4] (بیشک اللہ تعالٰی طیب ہے اور صرف طیب کوم قبول فرماتا ہے۔ت) اس سوال کا جواب پہلے فتوٰی میں نظر نہ آنا عجیب نظر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[2] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۹

[3] القرآن الکریم ۵۳/ ۲۳

[4] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۲۸

مسئلہ ۲۸۶: از کانپور مرسلہ مولوی سلیمان صاحب

قربانی کے چمڑا کا روپیہ مسکینوں کو نہ دے بلکہ اس روپیہ سے فوائد عوام کے واسطے کتب خانہ میں قرآن شریف وکتب عربیہ و فارسیہ وانگریزی وبنگلہ وغیرہ خرید کرکے رکھنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

جائز ہے جبکہ وہ دینی کتابیں ہوں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۷: از بارہ بنکی مسئولہ ریاض حسین ناظم انجمن نور الاسلام ۱۶ صفر ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھال کی قیمت ایک ایسی انجمن میں جس کے اغراض ومقاصد دستور العمل منسلکہ سے واضح رائے عالی ہونگے، صرف ہوسکتی ہے؟

الجواب:

مقاصد کے عام الفاظ ہمیشہ دل خوش کن ہوتے ہیں، اعتبار واقع کا ہے۔اگر یہ انجمن حقیقۃً اہلسنت کی ہے۔جن کے عقائد وہابیت ودیوبندیت وغیرہما ضلالات سے پاک ہیں، اور بچوں کو اسی مذہب حق کے مطابق تعلیم ہوتی ہے۔تو بیشک چرم قربانی اس میں صرف کرنے کو دیا جاسکتا ہے۔اور اس کے مصارف کے لئے بیچ کر قیمت بھی اس میں دی جاسکتی ہے۔ تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے: **لانہ قربۃ کالتصدق**[1] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۸: از پٹنہ سٹی اشرف منزل مرسلہ سید محمد فرید الدین صاحب ۲۰/ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے شہر پٹنہ میں ایک انجمن جس کا نام حفظ المساجد ہے قائم ہوئی ہے۔اس کا مقصد محض مرمت ومساجد وتعمیر منہدم مسجدوں کی ہے۔اس انجمن میں تمامی امراء وغرباء علی قدر مراتب دامے درمے امداد کرتے ہیں، اب یہ انجمن چاہتی ہے کہ چرم قربانی عیدالاضحٰی بھی اس کی مدد میں شامل کیا جائے اگرچرم قربانی عید الاضحٰی یا قیمت چرم اس انجمن میں دیا جائے تو جائز ہے یاناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے **قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وائتجروا**[2] (حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اجروثواب حاصل کرو۔(ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

زیلعی وعالمگیری میں ہے:لانہ قربۃ کالتصدق[1] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۹: از قصبہ کٹرہ تحصیل تلہر ضلع شاہجہانپور محلّہ مڑھی مرسلہ عبدالغفار خاں ۱۵ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں نے اگلے سال گائے قربانی کی تھی،اس کی کھال فروخت کرکے اور وہ روپیہ میں نے خدا کی راہ میں اس طرح پر خیرات کیا کہ کھانا پکایا اور بھوکوں کو تقسیم کیا،اور مجھ کو محرم میں چھٹی ملی،اور ادھر اُدھر نہیں ملی،تو مجھ سے دو چار لوگوں نے کہا یہ بیکار خرچ کیا،اس کا عذاب تاقیامت تجھ کو ہوگا،اس واسطے کہ تم نے محرم میں اماموں کو خیرات دی،تم کو چاہئے کہ مسجد یا اسلامیہ مدرسہ میں فرش دئے ہوتے۔یا یہاں ایک فقیر صاحب ایک پیر کا عرس کرتے ہیں ان کو دیا ہوتا۔تو تم کو تاقیامت ثواب ہوتا،ورنہ تم عذاب میں داخل ہوگئے،یا حضرات کو بھیجوادئے ہوتے تو ثواب ہوتا۔

جناب! یہاں اسلامیہ مدرسہ میں سرکاری انتظام ہے۔اور مسجد میں بھی بہت فرش تھے اس وجہ سے بھوکوں کو کھلادیا میں نے اچھا سمجھ کر،اور آپ کا حال نہیں معلوم تھا کہ جناب کو کٹرہ والے روپیہ روانہ کردیا کرتے ہیں،خیر مجھ سے خطا ہوئی،اب جو حضرت ارشاد فرمائیں وہ فدیہ کرے یا تو اگلے سال کا حرجہ دے یا اس سال کا بھی ویسے ہی خرچ کردے،مجھ کو محرم میں چھٹی ہوگی،**بینوا توجروا۔** (فدویہ مدرسہ نسواں اسلامیہ کٹرہ)

الجواب:

آپ نے بہت اچھا کیا کہ مساکین کو کھانا کھلایا،یہ بہت بڑے ثواب کی بات ہے نہ کہ عذاب کی ان لوگوں کا کہنا محض غلط ہے۔ خیرات مولٰی تعالٰی کے نام پر ہوتی ہے۔اور اس کا ثواب اماموں کی ارواح پاک کو پہنچا سکتے ہیں،اور وہ ان پر تصدق نہیں بلکہ ان کی نذر ہے۔یہ فقیر بفضلہٖ تعالٰی غنی ہے اموال خیرات نہیں لے سکتا،ہاں یہ دوسری بات ہے کہ احباب اچھے مصارف میں صرف کرنے کے لئے زکوٰۃ وصدقات کے اموال بھی بھیجتے ہیں کہ اپنی رائے سے مصارف خیر میں صرف کرو۔اور وہ بفضلہٖ تعالٰی صرف کردئے جاتے ہیں،زکوٰۃ اس کی جگہ اور دیگر صدقات ان کی جگہ،یوں یہ فقیر بھی ان احباب کا شریک ثواب ہو جاتا ہے کہ صدقہ اگر سو ہاتھوں پر نکلے گا سب کو ثواب ملے گا،ایک روٹی کا ٹکڑا کہ زید کے مال سے پکا،اور زید کی بی بی نے خادمہ کے ہاتھ دروازہ کے سائل کو بھیجا،تو زید جس کا مال ہے۔اور بی بی جس نے بھیجا اور خادمہ جس نے جاکر فقیر کو دیا تینوں یکساں شریک ثواب ہے۔اور مولٰی تعالٰی کا فضل

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۹،فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۱

بہت بڑا ہے۔**وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سلطان روم کے ساتھ اور غیر قوم ملکی جو لڑ رہا ہے۔ یہ اظہر من الشمس ہے اور اس س لڑائی کے خرچہ کے بابت اس دیار کے بڑے بڑے آدمی مل کر مجلس کر رہا ہے۔ کہ اس سال قربانی کا چمڑا ک قیمت جتنا ہوگا وہ سب وہاں بھیجنا ہوگا، اور وہاں بھیجنے سے ہم لوگوں کا ثواب بہت ہوگا اور جہاد کا رتبہ ملے گا، اور ہم لوگ جاکر سلطان کی لشکر کے ساتھ ہمراہ ہونے کا کچھ توسرانجام نہیں رکھتا ہوں یہ ہم لوگوں کے واسطے بس ہے، بعد اس کے کہئے کہ اس دیار فقراء وغرباء لوگ یہ کہہ رہا ہے کہ اس برس سلطان کی جہت سے ہم لوگ سب کے سب شاید مارا جاوے گا، یہ سب آہ وزاری انھوں کا سن کے کوئی بیچارہ تھوڑا ہی کچھ علم رکھتا تھا، وہ اپنی زبان سے یہ کلام باہر کیا کہ یہ جو بڑے آدمی اور بعض دو عالم، سلطان کی خیر اخواہی کے واسطے جو کمیٹی کیا ہے شاید یہ خیر خواہی نہ ہوگا بلکہ یہ بدخواہی ہوگا کیونکہ ہر سال جو یہاں کا فقراء وغرباء ومساکین لوگ یہ سب چمڑا کا قیمت اپنے دوزن وفرزند لے کر خوشی سے اوقات بسر کرینگے، اس سال وہ لوگ غم میں دو [ع] اوقات بسر کرتے ہیں، اور یہ سب روپیہ اچھا نہیں ہے کیونکہ یہ فقیروں کا حق ہے۔ اور مجھ کو خوف ہے کہ میرے سلطان المعظم کو کچھ نقصان آجائے اب بڑے دو آدمیوں کو اور بڑے دو عالموں کو جنھوں نے یہ رواج کیا ہے۔ یہ سزا وار ہے۔ کہ گاؤں بگاؤں مجلس کرکے ہر ایک مسلمان سے دو [ع] طاقت کے مطابق کچھ چندہ وغیرہ مقرر کرکے سب کو ملا کر وہاں بھیجنے سے اولٰی ہوگا، اور وہ مسکین لوگ اپنا حصہ پاکر اگر خوشی سے دیوے تو بھی بہتر ہوگا۔ جیسے کہ اور جگہ کے فقیر لوگ دے رہا ہے۔ اور یہ بھی بہتر ہوگا کہ اس موسم میں ہم لوگوں کو اپنے دو حصہ کے مطابق فقیروں کو اور غریبوں کو کچھ للہ دیویں، اور بواسطہ اس کے میرے سلطان مدظلہ العظیم کے لئے خدا عزوجل سے مدد چاہوں یہ بات ان بیچارے کا کوئی بڑے آدمی سنتے ہے۔ وہ بیچارے کو لعن طعن کر رہا ہے۔ احقر حضور سے یہ امید کرتا ہے کہ کون حق پر ہے اور اگر وہ آدمی ناحق پر ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

قربانی کا چمڑا کچھ خاص حق فقراء نہیں، ہر کار ثواب میں صرف ہوسکتا ہے۔ حدیث میں فرمایا: **کلوا وادخروا وائتجروا** [1] (کھاؤ، ذخیرہ کرو اور ثواب کماؤ۔ت) اور واقعی جہاں تک معلوم ہے۔

ع: سوال میں جگہ جگہ دو کا لفظ سائل کا تکیہ کلام ہے۔ ۱۲ عبدالمنان۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

مجاہدین کو اس وقت امداد کی بہت ضرورت ہے۔اور اس دین کی بڑی منفعت ہے ان شاء اللہ تعالٰی اور اسی جگہ حکم ہے کہ وہی کام اختیار کریں جس کی حاجت شدید ہو،اور شک نہیں کہ وہاں کی حاجت شدید ہے۔ فقراء کی خبر گیری جہاں تک شرعاضروری ہے اہل مال پر لازم ہے وہ اگر نہ کریں ان کی بے سعادتی ہے مگر یہ کھالیں جن میں شرع نے فقراء کا کوئی حق معین نہ فرمایا،یہ اگر نہ دی جائیں دوسرے کاراہم میں صرف کی جائیں تو اس پر ان کی ناراضی کی کوئی وجہ نہیں،نہ اس پر ان کا رزق موقوف ہے۔نہ عام طور پر یہ کھالیں ان کو دی جاتی تھیں بلکہ مدارس کو دی جاتی تھیں اور شریعت میں ضرر عام کالحاظ ضرر خاص سے زیادہ اہم ہے، یہاں تک کہ ضرر عام کے دفع کے لئے ضرر خاص کا تحمل کیا جاتا ہے **کما فی الاشباہ والنظائر وغیرہ**[1] (جیسا کہا اشباہ والنظائر وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۱: مسئولہ عنایت بیگ منیجر کارخانہ گلاب کمپنی،سکندرہ راؤ،ضلع علی گڑھ بروز شنبہ ۲۰ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ناصران شرع متین کہ ہمارے قصبہ سکندریہ راؤمیں مدرسہ اسلامیہ ہے۔اس میں قرآن شریف، اردو،انگریزی پڑھائی جاتی ہے۔اس کی امداد کے لئے چرم قربانی دینا موجب ثواب ہے یانہیں،بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں انگریزی کی تعلیم ہے اس لئے اس کی امداد ٹھیک نہیں ہے۔

الجواب:

مصرف قربانی میں تین باتیں حدیث میں ارشاد ہوئی ہیں **کلوا وادخروا وائتجروا**[2] کھاؤاور ذخیرہ کرواور ثواب کاکام کرو۔ انگریزی پڑھنا بیشک کوئی ثواب کی نہیں،اگر یہ احتیاط ہوسکے کہ اس کے دام صرف قرآن مجید وعلم دین کی تعلیم میں صرف کئے جائیں تو دے سکتے ہیں ورنہ نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۲: از شاہجہانپور تاجر خیل افضل المدارس مرسلہ مولوی محمد الدین صاحب ۷/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

تاج العلماء افضل الفضلاء حضرت! یہ استفتاء نہایت ضروری ہے مخالفین کا مقابلہ ہے۔بہت جلد جواب سے مطلع فرمائے گا۔

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۱

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، بعض جگہ دستور ہے چند گائے جمع کرلی گئیں، اور ان میں حصے مقرر کردئے، اور مالک حصص سے کہہ دیا کہ یہ گائے تمھاری طرف سے کی جاتی ہے۔ اس شرط پر کہ یہ چرم فلاں مدرسہ میں دینا ہوگا فلاں کام میں صرف کرنا ہوگا اس قسم کے شرائط عندالشرع جائز ہیں یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ کوئی شخص ان میں کسی معین گائے کا ایک حصہ یا چند حصص خریدے اور ان لوگوں کو اپنی طرف سے قربانی کرنے کی اجازت دے اور یہ شرط ٹھہرے کہ اس کی کھال مدرسہ دینیہ یا فلاں نیک کام میں صرف کرنا ہوگی تو یہ جائز ہے۔ اس میں حرج نہیں۔

وھوان کان بیعاً بشرط فلیس شرطاً فیہ نفع احد المتعاقدین، اوالمعقود علیہ الصالح للاستحقاق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ اگرچہ بیع بالشرط ہے لیکن س شرط میں عاقدین اور معقود علیہ میں سے کسی کا نفع نہیں ہے معقود علیہ نفع کے استحقاق کا اہل نہیں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ ۱۳۰۷ھ

(چرمہائے قربانی کے حکم کی طرف اشارہ کرنیوالی صاف ستھری کتاب)

مسئلہ ۲۹۳:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ماقولکم دام فضلکم فیمن باع جلد اضحیتہ لیصرف ثمنہ فی وجوہ القرب کاعانۃ المدارس الاسلامیۃ وشراء حصر المساجد وزیت قنادیلہ وغیر ذٰلك من القربات التی لا تملیك فیھا۔ فھل ہو جائز والصرف الی تلك الوجوہ سائغ ام لا۔ بل یکون صدقۃ واجبۃ لایصرف الا فی مصارفھا افیدونا رحمکم اللہ تعالٰی۔ **الجواب:** الحمد للہ وبہ نستعین، والصلٰوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین۔ ما تقرب	**خلاصۃ** "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" **مسئلہ:** علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ قربانی کی کھال کو راہ ثواب میں خرچ کرنے کے لئے بیچنا جیسے مدارس اسلامیہ کی اعانت مسجد کے لئے چٹائی، روشنی وغیرہ کارثواب جس میں کسی خاص فقیر کو مالک نہیں بناتے، جائز یا ناجائز؟ اور ایسا پیسہ ان مصارف میں صرف ہوسکتا ہے یا وہ صدقہ واجبہ ہے اور اس کا فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔ بینوا توجروا **جواب:** اللہ تعالٰی کے لئے تعریف ہے اور ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں درود وسلام سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور ان کی آل واصحاب پر،

الی اللہ تعالٰی بالقرابین،نعم اذا باعه بالدراهم لالمال یتمول او ربح یتحصل،بل لیصرفه الی وجوه القرب،ومرضات الرب،جازله ذالك وان لم یوجد تملیك هنالک،فان المطلوب فی الاضاحی مطلق التقرب دون خصوص التملیك من الفقیر ولذا جازت الاباحة ولو لغنی۔	جب تک لوگ خدا کے لئے قربانی کرتے رہیں،قربانی کی کھال کو تمول کی غرض سے نہ بیچا ہو بلکہ کار ثواب میں صرف کرنے کی غرض سے بیچا ہو،تو یہ بھی جائز ہے اور ان مصارف میں اس کا صرف کرنا بھی جائز ہے،اگرچہ وہاں فقیر کو مالک نہ بنایا گیا ہو،کیونکہ قربانی کا مقصد مطلق کار ثواب ہی ہے۔فقیر کو مالک بنانا نہیں،اسی لئے قربانی کا گوشت وغیرہ مالدار کو دینا بھی جائز ہے۔
والمعنٰی المانع فی البیع انما ہو التصرف علی قصد التمول کما نص علیه الائمة الاعلام.قال فی الھدایة لایشتری به مالا ینتفع به الاباستهلاکه کالخل والابازیر اعتبارا بالبیع بالدراهم والمعنی فیه انه تصرف علی قصد التمول [1] اھ۔	اصل میں قربانی کی کھال کی بیع اس وقت منع ہے جب اس کو اپنی ذات کے تمول کے لئے بیچا ہو،اسی کی علماء اعلام کے کلام میں تصریح ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:مسئلہ کے جزئیات:"قربانی کی کھال سے ایسی چیز نہ خریدے جس کو فنا کئے بغیر اس سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکے جیسے سرکہ یاغلہ سے بدلنا(کہ ان کو ختم کرکے ہی ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے)دراہم کے ساتھ بیع کرنے کی ممانعت کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس نے کار ثواب کی چیز کو اپنی ذات کے نفع اور مالداری کے لئے برتا"۔
وفی مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر لا یبیعه بالدراهم لینفق الدراهم علی نفسه وعیاله والمعنی انه لا یتصرف علی قصد التمول [2] اھ ومثله فی البنایة شرح الھدایة للعلامة البدر وغیرہ من اسفار العلماء، الغر،	مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:"روپیہ کے بدلے بیچنا اس وقت منع ہے کہ وہ روپیہ اپنے اور بال بچوں پر صرف کرے کہ یہی "تصرف علی

[1] الھدایہ کتاب الاضحیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[2] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۱

وظاھر ان البیع للقرب لیس من التمول فی شیئ فلا وجہ لمنعہ بل ہو قربۃ لکونہ فعل لا جل قربۃ، فیکون اقامۃ للمطلوب الشرعی لادخولا فی الوجہ المنھی، الا تری الی ماقال الامام العلامۃ فخر الدین الزیلعی فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق لو باعھا بالدراہم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق[1] اھ فانما علل الجواز بکونہ قربۃ، ومانحن فیہ ایضا کذلک، فیکون مثلہ فی حکم الجواز بکونہ قربۃ، ومانحن فیہ ایضا کذلک، فیکون مثلہ فی حکم الجواز، ویالیت شعری من این یحکم بوجوب التصدق مع انہ لم یکن معینا فی القربان راسا ولا حدث اٰخر مایوجبہ عینا بخلاف ما اذا باع بالدراہم لینفقھا علی نفسہ وعیالہ حیث یجب التصدق لحدوث التمول المنھی عنہ۔

اقول: والسر فی ذٰلك مایستفاد من کلمات العلماء الکرام ان اصل القربۃ فی الاضحیۃ انما تقوم باراقۃ الدم لوجہ اللہ

وجہ المتول" ہے" یہی بات بنایہ وغیرہ کتب کبار میں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ کھال کی وہی بیع منع ہے جو اپنی ذات کے نفع کے لئے دراہم یا برتنے سے ختم ہوجانے والی چیز کے بدلے میں ہو اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ کار ثواب کے لئے بیچنے کا اس سے کچھ علاقہ نہیں، تو ایسی بیع ممنوع ہونے کی کیا وجہ ہے بلکہ یہ تو اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے جس کے لئے قربانی ہوئی، تو اس کو بدرجہ اولٰی جائز ہونا چاہئے۔

علامہ فخر الدین زیلعی اپنی شرح کنز میں فرماتے ہیں: "اگر کھال کو صدقہ کرنے کی نیت سے بیچا تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ کار ثواب ہے۔ جیسے گوشت ہی صدقہ کردیتا۔" امام زیلعی نے اپنے کلام میں بیع الدراہم کے جواز کی وجہ مطلقًا کار ثواب بتایا، بیع مسئولہ بھی کار ثواب کے لئے ہی ہے، پھر اس کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے۔ یہ بلاشبہ جائز ہے۔ ایسے پیسوں کا صدقہ واجب قرار دینا بالکل بے اصل بات ہے۔ جب خود قربانی کے گوشت اور کھال کا صدقہ کرنا واجب نہیں، تو اس کے دام کا صدقہ کس طرح واجب ہوگا، جبکہ صدقہ کو واجب کرنے والی کوئی نئی چیز پیدا بھی نہ ہوئی۔ ہاں وہ بیع بالدراہم جو اپنی ذات کے

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بالاق مصر ۹/۶

تعالٰی فمالم یرق لایجوز الانتفاع بشیئ منه حتی الصوف واللبن وغیر ذٰلك لانه نوی اقامة القربة بجمیع اجزائها فاذا اقیمت وحصل المقصود ساغ الانتفاع علی جمیع الوجوه۔بیدانه لما کان شیئا تقرب به الی المولٰی سبحٰنه وتعالٰی،والتقرب والتمول ضدان متباینان لایلتئمان فقد خرج بذٰلك عن جهة التمول بحیث لاعود الیه ابدا فاذاقصد بشیئ منه التمول فقد خالف واورث ذٰلك خبثا فی البدل، وایما مال حصل بوجه خبیث فسبیله التصدق اما القربات فلا تنافی التقرب بل تحققه ولا تورث خبثا بل تزهقه فمن این تحرم وتجب تصدقه،قال الامام العینی فی البنایة المعنی فی اشتراء مالاینتفع به الابعد استهلاك انه تصرف علی قصد التمول وهو قد خرج عن جهة التمول فاذا تمولته بالبیع وجب التصدق لان ہذا

انتفاع کے لئے ہو،وہ ضرور بیع منہی عنہ ہے۔کہ اس بیع کا مقصد مال حاصل کرنا ہے۔اور یہ شرعا منع ہے۔اس کا بھید یہ ہے کہ قربانی میں اصل کارثواب اللہ کے لئے خون کا بہانا ہے۔اسی لئے جب تک جانور سے یہ اصل غرض حاصل نہیں ہوتی اس سے ہر قسم کا انتفاع مطلقًا منع ہے۔حد یہ ہے کہ اون اور دودھ سے بھی انتفاع جائز نہیں،نہ قربانی کرنے والے کو نہ غیر کو،اور جب اصل غرض حاصل ہوگئی تو اس کے تمام اجزاء سے ہر قسم کا انتفاع جائز ہوگیا،لیکن قربانی شدہ جانور کو کلًا یا بعضا کسب زر کے لئے بیچنا اس کی قرابت اور کارثواب سے پھیر کردینے کی طرف موڑ دینا ہے۔اور کارثواب اور حصول زر میں منافات ہے۔اسی لئے اس طرح بیع ناجائز اور منع ہوگی اور جو روپیہ اس طرح حاصل ہوگا وہ مال خبیث ہوگا اور مال خبیث کا شرعی حکم صدقہ کرنا ہی ہے۔اور صدقہ کی غرض سے بیچنے اور قربانی میں کوئی منافات نہیں کہ یہ بھی کار ثواب اور وہ بھی کار ثواب،تو یہ ایک طرح سے اسی کی تکمیل ہے تو اس سے حاصل شدہ رقم خبیث نہ ہوگی،لہٰذا یہ بیع بھی حرام نہ ہوگی،اسی بات کو علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بنایہ میں ارشاد فرمایا:"جس چیز سے انتفاع اس کے فنا کے بغیر نہ حاصل ہو ایسی چیز سے بیع حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس قربانی سے بیع حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس قربانی کے جانور میں تمول کی غرض سے تصرف ہوا حالانکہ وہ جانور

الثمن حصل بفعل مکروہ فیکون خبیثا،فیجب التصدق [1] اھ وبہ تبین وان کان عـــہ بینا بنفسہ ان لیس کل تبدل بمستھلك تمولا والالما جاز البیع بالدراہم بنیۃ التصدق ایضا لصدق التمول علیہ حینئذ فیکون تصرفا ممنوعا خبیثا وہو خلاف المنصوص علیہ ویکون التصدق اذذاك لازالۃ الخبث والخروج عن المآثم لا لاکتساب الثواب و التقرب الی رب الارباب ولایجوز لہ فیہ رجاء القبول، فان اللہ طیب لایقبل الا الطیب [2]، ولو رجاء لباء باثم علی اثم فان ارتجاء القبول فی مال خبیث اثم بحیالہ کما صرحوا بہ وہذا کلہ باطل بالبداہۃ	تمول کی جہت سے نکل کر ہمیشہ کے لئے تقرب کی جہت میں داخل ہوگیا ہے۔تو جب سے بیع کے کسب زر کیا اس کا صدقہ واجب ہوا،اس لئے کہ یہ قیمت فعل مکروہ سے حاصل ہوئی، تو خبیث ہوئی،اور اس کا صدقہ واجب ہوگیا" **سوال وجواب:** یہاں اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بات تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ کھال کی بیع بطور تمول ناجائز ہے۔اور حاصل ہونے والی قیمت خبیث ہے۔ہمارا یہ کہنا ہے کہ کسی ایسی چیز کے بدلے بیچنا جو برتنے سے ختم ہوجائے یہ بھی بیع بطور تمول ہے تو کار ثواب کے لئے بھی اس طرح بیچنا بطور تمول ہوا۔جس کو ناجائز ہونا چاہئے۔اور قیمت کا صدقہ واجب ہونا چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ اس خیال کی تردید امام عینی کا کلام کررہا ہے کیونکہ انھوں نے تصدق کے لئے مستہلک سے بھی بیع کو جائز قرار دیا ہے۔حالانکہ اس پر بقول آپ کے بیع برائے تمول صادق آنا

عـــہ:فان نفس لفظ التمول یدل بعبارتہ علی المال وبھیئاتہ علی تحصیلہ لنفسہ کمالایخفی ۱۲ منہ قدس سرہ	کیونکہ تمول اپنے لفظ کے اعتبار سے مال پر اور صورت کے اعتبار سے اپنی ذات کے لئے تحصیل پر دلالت کرتا ہے ۱۲ منہ قدس سرہ،

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب الاضحیہ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمہ ۴/ ۱۹۰

[2] مسند امام احمد بن حنبل از مسند حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۲۸

فثبت ان لیس کل تبدل بمستھلك تمولا و ان البیع للتصدق خارج عنه فکذا السائر القرب اذلا فارق یقضی بکون ہذا تمول وذاك غیرہ ومن ادعاہ فلیات ببرھان علی دعواہ ولم یقدر علیه ان شاء اللہ۔	چاہئے۔اور اس کو حرام ہونا چاہئے،اور اس کا تصدق بلانیت ثواب ضروری ہونا چاہئے جو مال خبیث کا حکم ہے اس سے ثواب کی امید رکھنا گناہ بالائے گناہ ہونا چاہئے اور یہ سب باطل ہے۔کیونکہ یہاں تصدق اور طلب ثواب کی نیت سے یہ بیع ہوئی،

پھر بھی امام عینی نے اس کو جائز قرار دیا،توثابت ہوگیا کہ مستملک سے بیع مطلقاً تمول کے لئے نہیں ہوتی۔

فان قال قائل انما جاز البیع للتصدق لان للوسائل حکم المقاصد فالبیع للتصدق مثل التصدق و التصدق جائز فکذا البیع له تقدیر آخر اشمل و اظھر لبیان الفرق تظھر به المسائل جمیعا ان شاء اللہ تعالٰی۔ **قلت** کذلك البیع للتقرب مثل القرب والتقرب جائز فکذا البیع له بل یلزم علیه جواز البیع للاکل ایضا لجواز الاکل بنص القراٰن العظیم فالحق فی التعلیل ماقدمنا عن الامام الزیلعی من انه قربة [1] وحینئذ لابد من کلیة الکبرٰی القائلة بان کل قربة تجوزبھنا ینتج ان البیع للتصدق یجوز ھھنا وبه یتضح جواز سائر القرب وضوح الشمس فی رابعة النھار ھذا وللعبد الضعیف لطف به القوی اللطیف	**ایک اور سوال وجواب:** اگر کوئی یہ کہے کہ صدقہ کی غرض سے بیع جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بیع صدقہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اور جو حکم مقصد کا ہوتا ہے وہ وسیلہ کا بھی ہوتا ہے صدقہ جائز ہے تواس کا وسیلہ بیع بھی جائز ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تاویل بعینہٖ دیگر کارثواب میں بھی جاری ہے کہ یہ سارے کار ثواب جائز ہیں،تو اس کے لئے بیع بھی جائز ہونا چاہئے بلکہ اس توجیہ سے تواشیائے مستہلکہ کے عوض بیچنا بھی جائز ہونا چاہئے۔مثلاً غلہ کے عوض کھال بیچیں اور غلہ کو اپنے استعمال میں لائیں کہ قربانی کو کھانا جائز اور بیع اس کے حصول کا ذریعہ،اور جو حکم مقصد کا وہی ذریعہ کا،تو یہ بیع بھی جائز۔حالانکہ اس بیع کے ناجائز ہونے کا جزئیہ کلام ائمہ میں موجود ہے۔ تو ثابت ہوا کہ اصل علت جواز یہ نہیں کہ وسیلہ مقاصد کے حکم میں ہے بلکہ اصل علت وہی ہے

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

تقریر آخر اشمل و اظھر لبیان الفرق تطھر بہ المسائل جمیعا ان شاء اللہ تعالٰی۔**فاقول**:وباللہ التوفیق الجہات ثلث الاکل والادخار والائتجار وھو طلب الاجر بای وجہ کان فقد اخرج ابوداؤد فی سننہ بسند صحیح رواتہ کلھم من رجال الصحیحین ما خلا مسددافثقۃ حافظ من شیوخ البخاری عن نبیشہ الخیر الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انا کنا نھیناکم عن لحومھا ان تاکلوھا فوق ثلث لکی تسعکم جاء اللہ بالسعۃ فکلوا وادخروا وائتجروا الا وان ہذا الایام ایام اکل و شرب وذکر اللہ عزوجل [1]اھ والائتجار باطلاقہ یشتمل التصدق وسائر وجوہ التقرب کما لایخفی فان فسرہ مفسر بالتصدق فلیکن التصدق فی کلامہ بالمعنی الاعم علی ماسیأتیك تحقیقہ ان شاء اللہ تعالٰی۔	کہ حصول زر اور تمول کی غرض سے بیع ناجائز ہے۔اور مقاصد خیر کی غرض سے جائز، جیسا کہ امام زیلعی نے اس کے جواز کی علت میں فرمایا: "**لانہ قربۃ**" (اس لئے کہ یہ کار ثواب ہے)اور منطق کی زبان میں یہ قول قیاس کا صغرٰی ہوا اور نتیجہ دینے کے لئے کبرٰی کاکلیہ ہونا ضروری ہے۔جو اس طرح ہوگا،ہر قربت جائز ہے تو بات نصف النہار کی طرح واضح ہو گئی کہ ہر قربت اور کار ثواب کے لئے بیع جائز ہے۔ وللہ الحمد **ایک دوسری تقریر**:شرعا قربانی کے مصرف کے تین جہتیں ہیں:اکل (کھانا)ادخار (جمع کرنا)ایتجار (کار ثواب) میں صرف کرنا چاہے کون سا بھی کار ثواب ہو،جیسا کہ ابوداؤد نے ایک ایسی سند سے جس کے تمام راوی بخاری اور مسلم کے رواۃ میں ہیں،ایک صاحب حضرت مسدد ایسے نہیں تو وہ ثقہ ہیں،حافظ ہیں،اورامام بخاری کے اساتذہ میں ہیں،الغرض یہ حدیث صحیح حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے: "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہم تم کو قربانی کا گوشت تین دن سے زائد روکنے سے منع کرتے تھے،اس کا مقصد مسکینوں پر آسانی تھی،اب اللہ تعالٰی نے کشادگی فرما دی،تواب کھاؤ،جمع کرواور کارثواب میں صرف کرو۔سنو یہ دن ہی کھانے پینے اور ذکر الٰہی کے دن ہیں" تواس حدیث سے مطلقًاہر کار ثواب کے لئے بیچنا جائز ہوا۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

فان قلت الوارد فی حدیث احمد والبخاری ومسلم وغیرہم عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلوا وادخروا وتصدقوا[1]، فلیحمل الائتجار علی التصدق لا تحاد الحکم والحادثۃ۔ **قلت** کلا فان الامر ہھنا لیس للوجوب باجماع عامۃ العلماء الامۃ، منہم ساداتنا الائمۃ الاربعۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم، وقد نصوا فی غیر ما کتاب ان لو اکلہ کلہ ولم یتصدق بشیئ منہ لا شیئ علیہ ومعلوم ان الترخیص والترغیب فی مقید لاینا فی الترغیب و الترخیص فی مطلق، فلا معنی للحمل ولا داعی الیہ۔ و سر المقام ان الحمل عندنا ضروری لا یصار الیہ الا لضرورۃ وہو ان یتمانعا بحیث لایمکن العمل بہما اما حیث لا تمانع فتحن نجری المطلق علی اطلاقہ حملا للفظ علی ظاہرہ وعملا بالدلیل بتمامہ قال المولی المحقق علی الاطلاق	سوال وجواب: اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ کار ثواب سے مراد وہی فقراء پر صدق کرنا ہے۔ تو ہمیں اصرار ہے کہ حدیث شریف کا لفظ ایتجار تمام امور خیر کو عام ہے۔ اس کو تملیک فقراء والے صدقہ میں منحصر کرنا تحکم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی صاحب حدیث عام کو صدقہ خاص پر محمول کرنے کی یہ دلیل دیں، بخاری و مسلم وغیرہ کتب احادیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جس میں ایتجار کے بجائے تصدقوا کا لفظ ہے۔ تو ان دونوں حدیثوں میں تطبیق دینے کے لئے کیوں نہ ہم لفظ ایتجار (کار ثواب) کو صدقہ پر محمول کریں کیونکہ اصول کا مسئلہ یہ ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جاتا ہے اور یہاں پر ایسا ہی ہے کہ واقعہ دونوں حدیثوں میں قربانی کے جانور کا ہے اور حکم بھی دونوں جگہ ایک ہی ہے، بس فرق یہ ہے کہ ابو داؤد شریف کی حدیث میں صدقہ عام کا حکم ہے۔ اور صحیحین کی حدیث میں صدقہ خاص کا لہٰذا یہاں ایتجار سے مراد صدقہ ہی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات صحیح ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہی ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا لیکن یہ حکم عمومی نہیں کہ ہر واجب و مستحب کو عام ہو، بلکہ صرف حکم وجوبی کے ساتھ

[1] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب ماکان من النہی عن اکل لحوم الاضاحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۸

محمد بن الہمام قدس سرہ فی فتح القدیر اجیب عنابانا انما نحمل فی الحادثۃ الواحدۃ للضرورۃ[1] الخ، وقال فی تشیید ہذا الجواب تحقیقۃ ان الحمل لما یجب الا للضرورۃ وہی المعارضۃ بین المطلق والمقید الخ[2]۔ فالمناط عند التنقیح ہو التمانع دون اتحاد الحکم والحادثۃ۔	خاص ہے کہ احکام واجبہ میں اتحاد حکم وواقعہ کے وقت عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا اور قربانی کے مصرف کے سلسلہ میں جو حکم ہے استحبابی ہے اس بات پر چاروں اماموں کا اجماع ہے لہٰذا مطلق کو مطلق اور مقید کو مقید رکھا جائے گا ایک کو دوسرے پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں تو جس حدیث میں تصدق کا لفظ ہے اس سے وہی مراد لیں گے اور جس میں مطلقاً کار ثواب کا لفظ ہے اس سے جمیع وجوہ خیر مراد لیں گے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے باری باری دونوں ہی امور کی طرف رغبت دلائی۔

اس کا مزیہ ہے کہ علمائے احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بدرجہ مجبوری ہے یعنی جب مطلق اور مقید دونوں کو اپنے اپنے محل پر حمل کرنا ممکن نہ ہو، اور جہاں ایسا ممکن ہو حمل کرنے کی بالکل ضرورت نہیں، امام ابن ہمام فرماتے ہیں: "حادثہ واحدہ میں مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بضرورت ہے جب مطلق اور مقید کے حکم میں تعارض ہو تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے کہ مجبوری ہے" تو ثابت ہوا کہ اصل مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا سبب مطلقاً اتحاد حکم وحادثہ نہیں بلکہ دونوں حکموں کا تعارض اور منافاۃ ہے۔

یجزم بذٰلك من عاشر عرائس نفائس عباراتھم فقد حکموا ان لاحمل ان وردافی السبب اذ لاتجاذب فی الاسباب والا ان کان منفیین لامکان الجمع بالامتناع مطلقاً وانہ یجب الحمل ان اتیافی حکمین مختلفین یوجب احدہما تقیید الاخر	مزید وضاحت کے لئے ہم کلام علماء سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں: **(الف)** تلویح وغیرہ میں ہے: "مطلق اور مقید اگر اسباب کے بیان میں وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر حمل نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ ایک شیئ کے چند اسباب ہو سکتے ہیں، تو تعارض نہیں، تو حمل کی ضروت نہیں۔"

---
[1] فتح القدیر

[2] فتح القدیر

بتوسط لازم ،وذلك كان ينفي المقيد لازم اطلاق المطلق فينتفي بانتفائه فيتقيد لامحالة كما في اعتق عني رقبة ولا تملكني رقبة كافرة فان النهي عن تمليك كافرة ينفي جواز اعتاقها عنه.اذ لا عتاق عنه بدون تمليكها عنه۔

وقد اجابوا القائلين بالحمل في الاسباب واختلاف الحوادث بعدم التعارض كما في التلويح وغيره، و عللوا وجوب الحمل عند الاتحاد بامتناع الجمع ممثلين له بقوله تعالٰى "فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ"[1] مع قرائة ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ بزیادۃ متتابعات، قالوا فان المطلق يوجب اجزاء غير المتتابع والمقيد يوجب عدم اجزائه كما في التوضيح[2] وغيره فقد افاد وان الحمل خاص بالايجاب دون الجواز والاستحباب، ولذا

(ب) تلویح میں اسباب متعدد اور اختلاف حوادث کی صورت میں بھی مطلق مقید پر حمل کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: "اگر ایک ہی حادثہ میں ایک حکم میں مطلق کی نفی ہو اور دوسرے میں مقید کی نفی، تو مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا، کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، اصل مراد دونوں کی نفی ہے۔

ہاں دو ایسے مختلف احکام میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، جہاں ایک حکم دوسرے کی تقیید کو مستلزم ہو، جیسے کسی نے کسی سے کہا ہماری طرف سے ایک غلام آزاد کرو۔اور مجھے کسی مشرک غلام کا مالک نہ بنانا، ایسی صورت میں آمر کی طرف سے صرف مسلمان خرید کر ہی آزاد کیا جائے گا اگرچہ حکم مطلقاً آزاد کرنے کا ہے۔ لیکن مشرک غلام کی ملکیت کی نفی نے تملیک کو صرف مسلم غلام تک خاص رکھا اور اسے مالک بنائے بغیر اس کی طرف سے آزاد نہیں ہوسکتا تو جس کا مالک بناسکتا ہے یعنی مسلمان کا، اسی کو آزاد بھی کرے گا، آزادی کا حکم لاکھ عام ہو۔"

(ج) توضیح وغیرہ میں تعارض کے وقت مطلق کے مقید پر محمول ہونے کی مثال دیتے ہوئے فرمایا گیا: "اللہ تعالٰی نے کفارہ میں مطلقاً تین روزے

---

[1] القرآن الكريم ۵/ ۸۹

[2] التوضيح ولتلويح فصل في ذكر المطلق والمقيد مصطفى البابي مصر ۱/ ۶۳ و ۶۴

قال المولی بحرالعلوم ملك العلماء عبدالعلی اللکنوی قدس سرہ فی فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، فیه اشارۃ الی ان الحمل انما ہو اذا کان الحکم الایجاب دون الندب اوالا باحۃ اذا لاتمانع فی اباحۃ المطلق و المقید بخلاف الایجاب فان ایجاب المقید یقتضی ثبوت المؤاخذہ بترك القید و ایجاب المطلق اجزاہ مطلقًا[1] اھ۔

قول الامام السغناقی فی النہایۃ علی مانقله فی البحر مقرا علیه بل متمسکا به من ان الاصح انه لایجوز حمل المطلق علی المقید عندنا لا فی حادثۃ ولا حادثتین حتی جوز ابوحنیفۃ رضی الله تعالٰی عنه التیمم بجمیع اجزاء الارض بحدیث جعلت لی الارض مسجدا و طهورا ولم یحمل ہذا المطلق علی المقید وہو حدیث التراب طهورا[2] اھ فلعله اراد نفی زعم من زعم ان مذہب اصحابنا رضی الله تعالٰی عنهم وجوب الحمل عند اتحاد

رکھنے کا حکم دیا، متفرق طور پر ہو یا مسلسل اس سے کچھ تعرض نہیں کیا "فَصِیَامُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ" (تین یوم کا روزہ) لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قرائت ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ (مسلسل تین دن) آیا، یہاں ایک حادثہ میں دو متعارض حکم واجب کئے گئے، کیونکہ آیت کا تقاضا یہ ہے کہ متفرق طور پر بھی روزہ رکھ لے تو کفارہ کے لئے کافی ہوگا اور متتابعات کا تقاضا یہ ہے کہ مسلسل رکھنا واجب۔ اس لئے یہاں مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے گا"

تو ان علماء نے تعارض والی صورت کو وجوب کے ساتھ خاص فرمایا:

(د) یہی بات ملا عبدالعلی بحرالعلوم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فواتح الرحموت میں فرمائی: "مصنف کی عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مطلق کو مقید پر حمل کرنا احکام واجبہ کے ساتھ خاص ہے۔ احکام مستحبہ اور مباح ہونے میں کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ مطلق اور مقید دونوں کے مباح ہونے میں کوئی تعارض نہیں، البتہ احکام واجبہ میں تعارض ہے کہ مقید کا تقاضا یہ ہوگا کہ جس نے قید پر عمل چھوڑ دیا، مجرم ہوا، اور مطلق کا تقاضا یہ ہوگا کہ کوئی جرم نہیں کیا، اس تعارض کو دفع کرنے کی ضرورت ہے۔ مطلق کو

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی فصل المطلق مادل علی فرد منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۳۶۲

[2] بحر الرائق کتاب البیع فصل یدخل البناء و المفاتیح فی بیع الدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۹۹/۵

الحادثة مطلقاً، فافاد ان لیس ہذا من المناط فی شیئ بل لایجوز فی حادثة ایضا ای مالم یتمانعا فیضطر الیہ لدفع التعارض، الاتری ان امامنا الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یحمل الارض علی التراب مع اتحاد الحادثة وعلی ہذا التقریر لا یتجہ ما اورد علیہ العلامة المحقق محمد بن عابدین الشامی قدس سرہ السامی فی ردالمحتار کما اوضحتہ فیما علقتہ علیہ وللعبد الضعیف ھھنا بحث شریف لو لا غرابة المقام لاتیت بہ۔	مقید مان لیا جاتا ہے۔ (ہ) امام سغناقی نے نہایہ میں فرمایا اور صاحب بحر الرائق نے ان کے قول کو سند کے طور پر ذکر کیا، "صحیح یہی ہے کہ حادثہ چاہے ایک ہو چاہے چند، مطلق کو مقید پر حمل نہیں کیا جائے گا، دیکھو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا: "ساری روئے زمین میرے لئے طہور بنائی گئی" یہ مطلق ہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا: "التراب طھور" (مٹی پاک ہے) یہ خاص اور مقید ہے۔ ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ نے عام کو خاص پر حمل نہیں کیا، اور اس کے سارے اجزا سے ہی تیمّم جائز قرار دیا، اگرچہ حادثہ ایک ہی ہے۔

اس عبارت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ امام سغناقی ان لوگوں کو جواب دے رہے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حنفیوں کے نزدیک اتحاد حادثہ وحکم ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا حالانکہ دار ومدار حادثہ واحدہ یا متعددہ پر نہیں، تعارض پر ہے۔ اور اسی مجبوری سے عام کو خاص پر یا مطلق کو مقید پر حمل کیا جاتا ہے۔ اور اسی سے ہمارے امام اعظم نے ایک حادثہ میں عام کو خاص پر حمل نہیں کیا کہ ان دو حکموں میں کوئی تعارض نہیں۔

(یہاں امام شامی کا ایک اعتراض ہے جس کا جواب ہم نے ان کی کتابوں پر لکھے ہوئے اپنے حاشیہ میں دیا ہے)

علی ان لقائل ان یقول ان الائتجار بھنا لو حمل علی التصدق لکونہ معہ کالمطلق مع المقید فکذٰلك یجب حمل الاطعام الواردة وعند احمد والشیخین وغیرھم فی حدیث سلمة بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ کلوا واطعموا وادخروا [1]۔و	ایک اور دلیل: یہی حدیث حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے امام احمد وشیخین نے اس طرح روایت کیا: (۱) کلوا (کھاؤ) اطعموا (کھلاؤ) ادخروا (جمع کرو) اور امام احمد، مسلم، ترمذی نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یوں روایت کی،

[1] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب مایوکل من لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۵

عند احمد ومسلم والترمذی من حدیث بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کلوا مابداء لکم واطعموا وادخروا[1] وعند مسلم وغیرہ من روایۃ ابی سعیدن الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ کلو ا واطعموا واحبسوا وادخروا[2]، فان الاطعام ایضا مع التصدق کالائتجار مع انہ باجماع العلماء علی اطلاقہ جار للاتفاق علی اباحۃ الاباحۃ وعدم قصر الامر علی التملیك فافہم و المتأمل الموفق اذا نظر حدیث اُمنا رضی اللہ تعالٰی عنہا مع ھذا الاحادیث عــــہ الاربعۃ القی فی روعہ ان المرادثمہ بالتصدق فی المعنی الاعم الشامل لجمیع انواع القرب المالیۃ	(۲)کلوا ما بدالکم (جتنا چاہے کھاؤ)واطعموا (کھلاؤ) ادخروا (جمع کرو) اور امام مسلم وغیرہ کے یہاں ان الفاظ میں مروی ہے: (۳) کلوا (کھاؤ)اطعموا (کھلاؤ)احبسوا (روک رکھو) ادخروا (جمع کرو) حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث اس کے ساتھ ملالی جائے تو ان چاروں حدیثوں میں "کلوا "اور "ادخروا "کا لفظ مشترک ہے، صرف حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں تیسرا لفظ "ایتجروا "کے بجائے اطعموا ہے۔ باور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث میں اس مقام پر تصدقوا ہے۔ گویا ان حدیثوں میں تیسری چیز کو تین لفظوں سے تعبیر کیا: ایتجروا،اطعموا،تصدقوا،اب اگر سب چھوڑ کر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی

عــــہ۱: ای احادیث نبیشہ وسلمۃ وبریدۃ وابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہم ۱۲منہ قدس سرہ۔ عــــہ ۲: ظنی انہ لابدھھنامن لفظ علیہ(ای یجب حمل الاطعام الواردۃ فی الاحادیث علی التصدق)	یعنی حضرت نبیشہ، سلمہ، بریدہ اور ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہم کی احادیث، ۱۲منہ قدس سرہ۔(ت) میرا گمان ہے کہ یہاں "علیہ "کا لفظ ضروری ہے یعنی حدیث میں وارد اطعام کو صدقہ پر محمول کیا جائے۔(ت)

[1] جامع الترمذی ابواب الاضاحی باب فی الرخصۃ فی اکلہا بعد ثلاث امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۸۲

[2] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب بیان ماکان من النہی عن اکل لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۹

کما سیرد علیك تحقیقه ان شاء الله تعالٰی کما تلئتم وترد موردا واحدا،و الاحادیث یفسر بعضها بعضا وبالله التوفیق۔	حدیث کا لفظ "ایتجروا" عام نہیں، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث کی طرح اس سے مراد خاص صدقہ تملیکی ہے(یعنی جس میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہوتا ہے)

تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ بقیہ تینوں حدیثوں میں لفظ۔"**ایتجروا**" کے بجائے لفظ "**اطعموا**" ہے۔تو اس کو بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث "**تصدقوا**" سے وہی نسبت ہوئی جو ایتجروا کو ہے۔تو لازم ہوگا کہ اطعام کو بھی تصدقوا پر محمول کیا جائے اور اطعام میں بھی اباحت کافی نہ ہو تملیک ضروری ہو،جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص کسی کو قربانی کا گوشت اپنے دستر خوان پر بٹھا کر کھلادے تو یہ ناجائز ہوگا جب تک کہ فقیر کو اس کا مالک نہ کرے،جبکہ تمام علماء کا اجماع ہے۔کہ آدمی قربانی کا گوشت جس طرح دوسروں کو دے سکتا ہے اسی طرح بطور اباحت دعوت بھی کر سکتا ہے۔اور اگر حدیث کے لفظ اطعام کو تصدق پر محمول نہیں کرتے تو ایتجار کو کیسے محمول کرتے ہیں۔

الغرض ان سب حدیثوں پر جتنا غور کیا جائے گا یہ حقیقت کھلتی جائے گی کہ تصدقوا سے مراد صدقات خاص نہیں،بلکہ عام طور پر ہر کار ثواب مراد ہے چاہے اس میں تملیک ہو یا نہ ہو۔

وناھیك قول الامام الجلیل صاحب الھدایة فیها یستحب ان لاینقص الصدقة عن الثلث لان الجهات ثلثة الاکل والادخار کما روینا والاطعام لقوله تعالٰی "وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ؕ"۔فانقسم علیها اثلاثا[1] اھ،و معلوم ان الاطعام لایقتصر علی التملیك لالغة ولا شرعا وقد اجمعوا ههنا علی	تائید مزید:اور انصاف پسندوں کے لئے تو صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی عبارت ہی کافی ہے۔جس میں وہ لفظ اطعام کی تفسیر مفہوم صدقہ سے کرتے ہیں،عبارت ان کی یہ ہے:"مستحب یہ ہے کہ صدقہ والا حصہ ایک ثلث سے کم نہ ہو،کیونکہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا،دو چیزیں تو احادیث سے ثابت ہیں:کھانا،اور جمع کرنا،اور تیسری چیز اطعام،یہ قرآن سے ثابت ہے۔ارشاد الٰہی ہے:"اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ؕ"(کھلاؤ صابر اور مانگنے

[1] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۲۸

جواز الاباحة بل نصوا ان کل ماشرع بلفظ الاطعام جاز فیه الاباحة لما سیأتی فاین تعیین التملیك تدعون،ثم رأیت العلامة الاتقانی فی غایة البیان قال فی شرح ہذا الکلام وذٰلك لان الایة والخبر تضمنا جواز الاکل والتصدق والادخار فکانت الجهات ثلثا فانقسمت علیها اثلاثا [1] اھ ومعلوم ان لیس فی الایة الا لفظ الاطعام المجمع علی شموله للاباحة،وقد عبر عنه بالتصدق فعلم ان التصدق المذکور ھھنا ہو المحمول علی الائیتجار دون العکس واللّٰه الموفق۔	والے فقیر کو) توجب جہتیں تین ہیں تو گوشت بھی تین حصہ کردیا جائے" اس عبارت کے شروع میں جس کو صدقہ والا حصہ کہا ہے یہ وہی ہے جس کو بعدوالی عبارت میں لفظ اطعام سے بیان کرتے ہیں۔اور یہ بات توسب جانتے ہیں کہ اطعام کے لئے تملیک ضروری نہیں،نہ شرعًا نہ لغۃً،بلکہ سب نے بالاتفاق اطعام میں اباحت کو جائز نہ رکھا،بلکہ یہ تصریح کی کہ جہاں لفظ اطعام آئے وہاں اباحت مراد ہوگی،امام اتقانی اسی عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں: "قرآن وحدیث نے جب کھانا،صدقہ اور جمع کرنا جائز قرار دیا توجہتیں تین ہوئیں،لہٰذا گوشت کا بھی تین حصہ کرنا چاہئے"

ہمارا کہنا ہے کہ آیت میں صدقہ کا لفظ بھی نہیں اطعام کا لفظ ہے جس کے لفظ میں اباحت داخل ہے اور اسی کو یہ علماء لفظ تصدق سے تعبیر کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اس موقعہ پر لفظ تصدق ہی عام معنی میں مستعمل ہے۔اور اس سے ہر قسم کا کار خیر مراد ہے۔

ثم ان الحاکم روی فی تفسیر سورة الحج من مستدرك بطریق زید بن الحباب عن عبداللّٰه بن عیاش المصری عن الاعرج عن ابی ہریرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم من باع جلد اضحیته فلا اضحیة له [2]۔	ایک شبہ اور اس کا جواب:امام حاکم نے اپنی مستدرک میں سورہ حج کی تفسیر میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطہ سے ایک روایت نقل کی ہے،امام بیہقی نے بھی سنن کبرٰی میں اسے نقل کیا،حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد بتایا،لیکن امام ذہبی نے تلخیص میں اس پر جرح کی،جو کچھ بھی ہو یہ

[1] غایة البیان

[2] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر سورة الحج دارالفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

ورواہ البیہقی ایضاً فی سننه الکبرٰی،قال الحاکم صحیح الاسناد ولم یخرجاہ[1]۔

قلت وھذا وان ردہ الذھبی فی التلخیص فقد تلقاہ العلماء بالقبول و بھذا یتقوی الحدیث وان ضعف سندا،بیدانھم کما تری لایجرون علی اطلاقه فقد اتفقوا علی جواز البیع للتصدق،ونص ائمتنا فی الصحیح عندھم علی جواز البیع بما یبقی فکان الشان فی تنقیح معنی الحدیث،**وانا اقول** وباللّٰه التوفیق من تامل نظم الحدیث وامعن النظر فی القواعد الفقھیة والجأہ ذٰلك الی الجزم بان المراد بیع خاص لامطلق التبدل کیفما کان،کیف وان التصدق من مقاصد لاضحیة المأذون فیھا شرعا، وان للبدل حکم المبدل وقد ثبت شرعا جواز دفع القیمة فی زکوٰۃ وفطرۃ ونذرو کفارۃ کما نص علیه فی الھدایة والکافی والکنز والتنویر وغیرہا عامة کتب المذہب،فاذا جاز ہذا۔والصدقات واجبة۔فلان یجوز وھی نافلة اولی فافھم، اما عدم جواز ذلك فی الھدایة والضحایا بان لایریق الدم

حدیث علمائے اسلام میں مقبول ومتداول ہے۔اور یہ چیز ضعیف حدیث کو قوی بنادیتی ہے۔الفاظ حدیث یہ ہیں:من باع جلد اضحیته فلااضحیة له(جس نے قربانی کی کھال بیچی اس کی قربانی نہیں)

اس حدیث سے اگر کسی کو شبہہ ہو کہ امور خیر کے لئے بھی اس حدیث کی رو سے ناجائز ہوئی،تواس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے اطلاق پر نہیں جس کے خارجی،داخلی اور شرعی سبھی قسم کے شواہد ہیں۔

خارجی دلیل تو یہ ہے کہ سارے علماء اس امر پر متفق ہیں کہ صدقہ کے لئے کھال کی بیع جائز ہے اور خاص علمائے احناف تو باقی رہنے والی چیز کے بدلہ میں بھی اس کی بیع جائز قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سب علماء حدیث کے خلاف اتفاق نہیں کرسکتے،اس لئے لامحالہ سب کے نزدیک یہ حدیث مطلق نہیں ہوئی بلکہ مؤول ہے۔

شرعی شہادت یہ ہے کہ شریعت نے قربانی کے گوشت وغیرہ کے جو مقاصد قرار دیئے ہیں ان میں صدقہ بنیادی مقصد ہے۔اور ازروئے شرع بدل پر وہی حکم لاگو ہوتا ہے جو مبدل کا تھا، چنانچہ زکوۃ فطرہ میں جس طرح اصل(غلہ چاندی سونا وغیرہ)ادا کرنا جائز ہے۔اسی طرح اس کی

[1] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر سورۃ الحج دارالفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

ویعطی القیم .فان القربة فیھا بالاراقة دون التصدق، وھی غیر معقولة.فلا تستبدل ولا تتقوم ، کما افادہ فی الھدایة والبحر وغیرھما.ثم انا نجد الجزاء ای فلا اضحیة له [1]اعظم شاھد علی عدم الاطلاق.فان من باع للتصدق فقد اتی بما کان مندوبا الیه فی الاضاحی، فکیف یجازی بانتفاع قربة مع انه لم یزد علی القربة الا قربة مطلوب فی خصوص المحل، و قضیة الجزاء .ترتبه علی فعل ینافی التضحیة وینفی الاضحیة علی مافیه من التاویل لکونه فی معنی الرجوع عن القربة.فلا یمکن ان یکون من باب القربة.بل ولا من باب الاکل والادخار فان الشرع قد رخص فیھما ایضا مثل الائتجار ولو کان فیھما ماینا فی الاضاحی ویصح ان یترتب علیه نفی الاضحیة.لما اذن فیھما فعند	قیمت بھی،تو قربانی میں بھی یہی ہونا چاہئے کہ جس طرح گوشت اور کھال کا صدقہ جائز ہے اس کی قیمت کا صدقہ بھی جائز ہو۔ **ایک ذیلی شبہہ اور اس کا جواب:** اصل قربانی میں تو ایسا نہیں ہوتا کیونکہ کوئی شخص قربانی کے بجائے اس کی قیمت صدقہ کرنا چاہے تو شرعا جائز نہیں،قربانی ہی کرنی ہوگی،اس کا جواب یہ ہے کہ قربانی میں اصل مقصد خون بہانا ہوتا ہے جو قیمت صدقہ کرنے سے حاصل ہوتا۔اور چونکہ قربانی کا حکم خلاف قیاس ہے۔اس لئے اس میں اپنی عقل سے بدلہ مقرر کرنا صحیح نہیں، جیسا کہ بحر وہدایہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے اور گوشت اور کھال کا مقصد صدقہ ہے۔اس لئے قیمت سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔ داخلی شہادت یہ ہے کہ یہ حدیث مبارک بطور شرط وجزاء وارد ہوئی، شرط یہ جملہ ہے: "جس نے قربانی کی کھال بیچی" اور جزا یہ ہے: "اس کی قربانی نہیں ہوئی" پس اس جزا کا تقاضا یہ ہے کہ شرط ایسی چیز ہو جس پر قربانی کی نفی مرتب ہوسکے،اور قربانی قربانی نہ رہ جائے،نہ کہ وہ چیز جس سے قربانی کا مقصد بدرجہ اتم حاصل ہو، یعنی شرط ایسی بیع ہوگی جو ثواب کے لئے نہ ہو،اور وہ بیع جو حصول ثواب

[1] المستدرك للحاکم کتاب الاضحیه تفسیر سورۃ الحج دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

ذٰلك رأينا ان المراد هو البيع بحيث يخرج عن جميع مارخص له الشرع فيه، وما هو الاالبيع بمستهلك لا لان يصرف الى قربة فان الاكل وهو الانتفاع به عاجلا قد ذهب بنفس التبدل والادخار^{عــه} لكونه لانفع به ببقائه، والائتجار لعدم التقرب فخرج عن الوجوه الثلثة الشرعية، فكان هو الملحوظ بالنهی المورث للخبث الموجب للتصدق، اما اذا باع ماينتفع به باقيا فالاكل وان فقد والائتجار وان لم يكن فالادخار باق، لان البدل ينوب المبدل وهو مبقی فيكون مدخرا، وكذا اذا باع بمستهلك لقربة فالاكل والادخار وان ذهب فالائتجار حاصل، وهو افضل الوجوه فلا معنی للمنع وبه ظهر ان مانحن فيه اولی بالجواز من البيع بباق وهو مصرح بجوازه فی عامة كتب المذهب

کی غرض سے ہو، یا وہ بیع جو باقی رہنے والی چیز سے ہو، یا اس کو کھالیا جائے، تو یہ افعال لااضحیہ له (اس کی قربانی نہیں) کی شرط نہیں بن سکتے کیونکہ ان کی تو خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اجازت دی ہے تو لامحالہ شرط میں وہی بیع مراد ہوگی جس کی کھال یا گوشت کو تمول کے لئے بیچا گیا ہو کیونکہ ایسی بیع سے قربانی کے مقاصد ثلثہ فوت ہوگئے، بیع کی صورت میں کھانا منتفی ہوگیا، یہ ظاہر ہے۔ ادخار (جمع کرنا) اس لئے منتفی ہوگیا کہ ایسی چیز کے عوض بیچا جو باقی رہنے والی نہیں ہے کہ کہا جائے کہ بدل اصل کا قائم مقام ہے اور طلب ثواب اس لئے منتفی ہوگیا کہ یہ بیع تمول اور کسب زر کی غرض سے ہوئی تو ایسی بیع کی صورت میں قربانی کے تینوں مقاصد منتفی ہو گئے، اور یہ کہنا بالکل چسپاں ہوگیا کہ لااضحیة له (اس کی قربانی نہیں) اور اس بیع سے جو قیمت حاصل ہوئی خبیث ہوئی، تو اس کا صدقہ واجب ہوگیا۔
برخلاف اس کے اگر باقی رہنے والی چیز سے بدلا تو اکل وثواب تو ضرور منتفی ہوا، مگر ادخار باقی رہا کہ بدل کا باقی رہنا اصل کا باقی رہنا ہے۔ اور ہلاک ہونیوالی چیز سے برائے ثواب

عــه: الادخار الائتجار کلاهما بالنصب عطفا عن الاکل ۱۲ منه قدس سره۔

ادخار اور ائتجار دونوں نصب کے ساتھ ہیں لفظ اکل پر عطف کی بناپر ۱۲ منہ قدس سرہ (ت)

فانکار جواز ھذا ان لیس تحکما فماذا، وانت اذا تأملت ماالقیت علیك واخذت الفطانة بیدیك وجعلت الانصاف بین عینیك لعلمت ان ہذا ہو الغنی المفھوم من الحدیث فی اول النظر کما بعد الطلب الحثیث فان المتبادر من سیاق اللفظ ان یکون بیعه عــــه لاتنفاع لانه عقد موضوع	بیچا تواکل وادخار تو ضرور منتفی ہوا۔ لیکن طیب ثواب بھی باقی ہے۔اور یہ ان وجوہ ثلثہ میں سب سے افضل ہے۔تو یہ جائز ہوگا،اور اس کاانکار زیادتی اور زبردستی ہے، **ایک آسان بات:** یہ لمبی اور دقیق بحث ترک بھی کردی جائے تو یہ ایک آسان اور سامنے کی بات ہے کہ لفظ بیع انتفاع کے لئے بیچنے پر دلالت کرتاہے۔کیونکہ عقد بیع کی وضع ہی اسی غرض کے لئے ہوتی ہے۔اور یہی لفظ بیع بالدراہم کی طرف بھی اشارہ

عــــه: ثم بعد زمان لما من المولی سبحنه وتعالٰی علی بشراء غایة البیان للعلامة الاتقانی رایت نقل عن الامام شیخ الاسلام بکل مایشیرالی ھذا الذی نحوت الیه حیث قال قال شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمه الله تعالٰی فی مبسوطه اما اللحم فالجواب فیه کالجواب فی الجلد ان باعه بالدراھم تصدق بثمنه وان باعه بشیئ اُخر ینتفع به جاز کمافی الجلد وانماذکر محمد رحمه الله تعالٰی البیع فی حق الجلد دون اللحم لانه بنی الامر علی ماھو الغالب وفی الغالب کما ینتفع بعین الجلد یباع بشیئ اُخر وینتفع به وفی اللحم فی الغالب ینتفع به

پھر کچھ زمانہ بعد جب اللہ تعالٰی نے مجھ پر احسان فرمایا علامہ اتقانی کی غایۃ البیان خرید لینے کا، اسے میں نے دیکھاکہ انھوں نے امام شیخ الاسلام سے وہ سب کچھ نقل فرمایا جس کی طرف میں نے اشارہ کیاہے جہاں انھوں نے فرمایا کہ شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی مبسوط میں فرمایا کہ گوشت کی بابت حکم وہی ہے جو کھال میں ہے کہ اگر دراہم سے فروخت کیا تو صدقہ کرے اور اگر کسی اور نفع آور چیز سے فروخت کیا تو جائز ہے جیساکہ کھال کاحکم ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے صرف کھال کے متعلق بیع کاحکم اس لئے ذکر کیاکہ انھوں نے غالب رواج پر بنا کرتے ہوئے فرمایا کیونکہ غالب طور پر جلد کو نفع یا نفع مند کے بدلے فروخت

(باقی برصفحہ آیندہ)

لذلك وہو الغالب فیہ وان یکون بالدارہم لانہ البیع المطلق، والبیع من کل وجہ اما المقایضۃ فتستوی فیہ جھتا البیع والشراء اما سائر المستھلکات ففی حکم الدراہم، ولذا جعلھا فی الھدایۃ ھی الاصل۔ وقال فی سائرہن اعتبار بالبیع بالدارہم[1] ہذا کلہ ما خطر بالبال مستعجلا فانعم الفکر منصفا متاملا، فان وجدت شیئا یعرف وینکر فلم آلُ جھدا فی اتباع الغرر من ائمۃ النظر واللہ الھادی الی عوال الفکر۔

کرتا ہے کیونکہ بیع کی یہی صورت اصلی ہے۔اور اشیاء سے تبادلہ میں تو بدلین پر قیمت اور بیع دونوں ہونے کا احتمال رہتا ہے،اس لئے صرف لفظ باع بھی اس مقصد پر دلالت کرنے کے لئے کافی ہے کہ حدیث میں لفظ "من باع" سے خاص وہی بیع مراد ہے جو دراہم کے بدلے اپنے ذات کے تمول و انتفاع کے لئے ہو۔

شبہہ اور اس کا جواب: اگر کوئی یہ کہے کہ دیگر مستہلکات سے بھی تو بقول آپ کے بیچنا منع ہے۔تو آپ کے اس قول کا کیا وزن رہا کہ لفظ بیع پر غور کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ بیع ممنوع بالدراہم ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ دیگر مستہلکات کے ساتھ بیع کی ممانعت دراہم کے ہی تابع ہو کر ہے۔اصالۃً نہیں،اسی لئے تو ہدایہ میں دراہم کو ہی اصل قرار دیا ہے۔ اور بقیہ کو اسی پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا:اعتبار بالبیع بالدراھم (دراہم کی بیع پر قیاس کرتے ہوئے)۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ولا یباع[2] اھ فاشار ان المراد بالبیع ھو الذی یقصد بہ الانتفاع ۱۲ منہ قدس سرہ۔

کیا جاتا ہے اور گوشت میں غالب یہی ہے کہ اس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور اسے فروخت نہیں کیا جاتا اھ تو اس سے اشارہ ہوا کہ بیع سے مراد صرف وہ جس سے انتفاع مقصود ہو ۱۲ منہ قدس سرہ، (ت)

[1] الھدایۃ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[2] غایۃ البیان

(تنبیہ نفیس) اقول: وبھذا التحقیق استبان والحمد للّٰه معنی قول الھدایة "لوباع الجلد واللحم بالدراھم اوبما لاینتفع به الابعد استھلاکه تصدق بثمنه [1] اھ" فانما معناہ اذا باع بھا لاجل الانتفاع لا البیع بھا مطلقًا فانه رحمه اللّٰه تعالٰی ونفعنا ببرکاته فی الاولٰی والاخرٰی قال اولا یعمل منه اٰلة تستعمل فی البیت [2] ثم قال "ولا باس بان یشتری به ماینتفع به فی البیت بعینه مع بقائه [3]" ثم قال "ولایشتری به مالا ینتفع به الا بعد استھلاکه [4]"، وقال فی تعلیله" اعتبارا بالبیع بالدراہم [5]" قال "والمعنی فیه انه تصرف علی قصد التمول [6]" ثم قال "ولو باع الجلد اواللحم [7]" الخ فکلامه کله بدؤہ وثناؤہ وفتحه وانتھاؤہ فی البیع لاجل الانتفاع، لا مطلق البیع، فکیف ولو ارید المطلق لما ساغ قوله "ولایشتری به مالا ینتفع به" الخ فان شراء ذٰلك لاجل التصدق جائز قطعا و لما صح قوله "اعتبارا بالبیع بالدراھم" لمثل مابینا	عبارت ہدایہ کی تشریح: ہماری اس تحقیق سے ہدایہ کے مندرجہ ذیل قول کے معنی بالکل واضح ہوگئے اور مانعین کا استدلال باطل ہوگیا، "اگر جلد یا گوشت کو دراہم یا ایسی چیزوں کے ساتھ بیچا جنھیں ختم کئے بغیر ان سے انتفاع نہ ہوسکے تو اس کی قیمت صدقہ کرے" (ا) اس عبارت میں بیچنے سے مراد اپنی ذات کے لئے بیچنا ہے۔ مطلقًا نہیں کیونکہ پہلے انھوں نے یہ فرمایا کہ کھال سے گھریلو کام کے لئے کوئی سامان بنایا جاسکتا ہے پھر کہا ایسی چیز جسے باقی رکھ کر اس سے فائدہ اٹھایا جائے ________ اس سے بدل بھی سکتے ہیں تو ان دو مسئلوں میں انتفاع ذاتی ہی کا بیان ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ایسی چیز سے نہ بدلیں جو استعمال میں خرچ ہو جائے، تو یہ ممانعت بھی ذاتی استعمال والی ہی بیع کے لیے ہوئی، اب اسی بیع کی ممانعت کی علت بیان فرماتے ہیں کہ یہ بیع بالدراہم کی طرح ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس سے وہی بیع بالدراہم مراد ہوگی، جو ممنوع ہے صدقہ کے لئے تو دراہم کے عوض بیچنا جائز ہی ہے۔ اور آگے اسی کے لئے فرماتے ہیں کہ اس میں معنی تمول ہے تو یہ کلام ابتداء سے انتہاء تک پکار پکار کر اعلان کررہا ہے کہ اس بیع سے مراد ذاتی انتفاع

[1] الھدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸
[2] الھدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸
[3] الھدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸
[4] الھدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸
[5] الھدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸
[6] الھدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸
[7] الھدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

وبطل تعلیه بانه"تصرف علی قصد التمول"فلیس کل بیع بالدراهم مما یصدق علیه ذٰلك کما اسلفنا تحقیقه۔وقوله"ولو باع الجلد الخ"انما ہو متفرع علی تلك المسئلة فلا یراد به الاماما اریدبها،کانه لما بین عدم جوازه نشاء السوال فقیل اذالم یجزہذا۔فان فعله فاعل فما ذا علیه۔فاجاب بانه یتصدق بثمنه ثم نشاء السوال بان قولکم ہذا یفید صحة البیع فکیف بحدیث"من باع جلد اضحیته فلا اضحیة له[1]"فاجاب"بانه الحدیث۔انما یفید کراہة البیع اما البیع جائز لقیام الملك والقدرة علی التسلیم[2] اھ"وھذا دلیل اٰخر علی ان لیس کلام فی مطلق البیع بالدراہم،فان البیع بها لاجل التصدق لایکرہ اصلا،وقد بین ہذا،فابین من ھنا مولانا العلامة العلائی صاحب الدر حیث قال بعد قوله المولی الغزی رحمهما الله تعالٰی"تصدق بثمنه اھ مفادہ صحة البیع	والی بیع ہے مطلقًا بیع نہیں،ورنہ حضرت کی ان عبارتوں کے کوئی معنی نہ ہوں گے"مالاینتفع به"(جس سے نفع نہ اٹھایاجاسکے)اعتبارا بالبیع بالدراھم(بیع بالدراہم پر قیاس کرتے ہوئے)وانه تصرف علی قصد التمول(یہ تمول کی نیت سے تصرف ہوا)اور اسی کے بعد صاحب ہدایہ کی یہ متنازع عبارت"اگر جلد اور گوشت الخ"تو اس کا مطلب مطلقًا بیع کیسے ہوسکتاہے،یہ تو اسی حکم پر متفرع ہے،گویا کسی نے پوچھا کہ ذاتی اغراض کے لئے جو بیع بالدراہم ہوئی وہ تو ناجائز ہوئی،اب جو پیسہ اس سے حاصل ہوا کیا کیا جائے،تو فرمایا وہ مال خبیث ہے۔اس کا صدقہ واجب ہے۔اس پر گویا پھر کسی نے پوچھاآپ کے حکم"یہ مال خبیث ہے"سے یہ پتہ چلتاہے کہ بیع ہوئی مگر فاسد،اور حدیث مبارک"لااضحیة له"سے یہ اندازہ ہوتاہے کہ یہ بیع باطل ہے۔تو اس کا جواب اس طرح دیا کہ"الحدیث انما یفید الکراھة"یعنی حدیث سے بھی بطلان ثابت نہیں،مراد کراہت ہی ہے، کیونکہ بیع کے تو تمام ارکان پائے گئے کہ جانور بیچنے والے کی ملک ہے۔اور مشتری کو اس پر قبضہ بھی دلاسکتاہے۔اس لئے بیع تو ہوگئی،مگر قصد تمول اور عدم بقائے بدل

[1] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر(تفسیر سورۃ الحج) دارالفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

[2] الھدایة کتاب الاضحیه مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

مع الکراھۃ۔وعن الثانی،باطل لانہ کالوقف مجتبٰی[1] اھ فقد نص ان قول التنویر کالھدایۃ تصدق بثمنہ"یفید کراھۃ البیع فمحال ان یکون الکلام فی مطلق البیع بالدراھم،بل فی الصورۃ المکروہۃ فقط، وھی المارۃ فی قولہ"لایشتری بہ مالا ینتفع بہ"الی قولہ"تصرف علی قصدالتمول[2] ومن اوضح الدلائل علی ذٰلك ایضا تعلیل الکافی شرح الوافی لمسئلۃ الھدایۃ بقولہ"لان معنی التمول سقط عن الاضحیۃ فاذا تمولھا بالبیع انتقلت القربۃ الی بدلہ فوجب التصدق[3] اھ فافادان الکلام انما ھو فی صورۃ التمول لاغیر،ولذا جاء تصویر المسئلۃ فی التبیین ومجمع الانھر وغیرھما من الاسفار الغر بلفظہ"لایبیعہ	کی وجہ سے فاسد ہوئی **(۲)** صاحب ہدایہ کا یہ بعد والا کلام بھی اس بات کی دلیل ہے کہ بیع سے ان کی مراد مطلقاً بیع بالدراہم نہیں کیونکہ تصدق کے لئے بیچنے کو تو سبھی جائز کہتے ہیں۔ **(۳)** یہیں سے "صاحب در مختار" کے کلام کا مطلب بھی واضح ہوگیا جو انھوں نے امام غزی کے قول"تصدق بثمنہ" کی شرح میں فرمایا ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ ایسی بیع جائز ہے مگر فاسد ہے البتہ قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس جانور کو وقف کی طرح قرار دے کر اس کی بیع کو باطل قرار دیا،اس عبارت میں اس بات کی صراحت ہے کہ تنویر کا لفظ تصدق بثمنہ بالکل ہدایہ کی عبارت تصدق بثمنہ کی طرح ہے۔جو مطلب اس کا ہے وہی تنویر کی عبارت کا بھی ہے۔تو ایسی صورت میں محال ہے کہ اس عبارت میں مطلق بیع مراد ہو بلکہ وہی مراد ہے جو ہدایہ کی عبارت "لایشتری بہ مالا ینتفع" سے تصرف علی قصد التمول تک میں مراد ہے۔ **(۴)** اس مقصد پر اس سے بھی واضح دلالت کافی شرح وافی کی ہے۔وہ فرماتے ہیں:

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴
[2] الھدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸
[3] الکافی شرح الوافی

بالدراہم علی نفسه وعیاله[1]،فقد اوضحوا المرام، وازاحوا الاوہام وہذ الدلیل رابع علی ماذکرت۔ والخامس الموتر والله یحب الوتر،ان نقل کلام التبیین فی الھندیة ثم قال"وھکذا فی الھدایة و الکافی"[2] اھفقد افصح بملا فیه ان معنی کلام التبیین والھدایة واحد۔	"قربانی کے جانور سے تمول کے معنی کی نفی ہوتی ہے۔ لیکن جب اس کو تمول یعنی کسب زر کی نیت سے بیچا تو اب پھر وہ اضحیہ سے نکل گیا، تو اب اس کا صدقہ واجب ہوگا" تو انھوں نے تو نص ہی کر دیا کہ ممانعت کا حکم صورت تمول میں ہے۔ کسی اور صورت میں نہیں،اس لئے اس مسئلہ کو تبیین، مجمع الانہر وغیرہ کتابوں میں اس طرح بیان کیا گیا: "کھال کو اپنے اور بال بچوں کے لئے دراہم کے عوض نہ بیچے" تو انھوں نے تو تسمہ ہی لگانہ چھوڑا، یہ چوتھی دلیل تھی۔

(۵)اور پانچویں صاحب ہندیہ کا یہ کلام کہ انھوں نے صاحب تبیین کے کلام کو نقل کرکے فرمایا: "یہ مسئلہ اسی طرح ہدایہ اور کافی وغیرہ میں ہے" تو انھوں نے تو منہ بھر کر گواہی دے دی کہ صاحب تبیین اور ہدایہ کی عبارت کا مطلب ایک ہی ہے۔

ثم بعد زمان لما من سبحنه وتعالٰی علی عبده الضعیف بشراء غایة البیان شرح الھدایة للعلامة الاتقانی رحمه الله تعالٰی،رأیته شرح کلامه بمالم یبق للوھم مجالا،حیث قال یرید به ان القربة فاتت عن الجلد بما باعه ولکن الاضحیة ساقط عنها معنی التمول،فلما باعه بالدراہم وجب علیه التصدق بھا،لئلا یلزم التمول بشیئ من الاضحیة اوبدلھا[3] فافاد کالکافی وغیرہ ان المنھی عنه	اس کے بعد غایۃ البیان علامہ اتقانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ دیکھنے کی توفیق ہوئی تو انھوں نے تو اوہام کے سارے بادلوں کا صفایا کر دیا فرماتے ہیں: "ہدایہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کھال کی بیع کے بعد اس سے قربت اور ثواب ہونے کے معنی ختم ہوگئے حالانکہ قربانی سے کسب زر اور حصول زر کی غرض ساقط ہے۔ تو جب دراہم سے اس کو بیچ دیا تو اس کا صدقہ واجب ہے تاکہ قربانی یا اس کے معاوضہ سے کسی قسم کا تمول نہ لازم آئے" تو انھوں نے بھی کافی کی طرح یہ بات صاف

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۸

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۱

[3] غایۃ البیان

ہو البیع للتمول،وزادان المراد بیع یفوت القربۃ فخرج البیع لاقامۃ قربۃ،فانہ لایفوتھا بل یحصلھا وھو تقرب لاتمول،فاتضح الصواب وزال الارتیاب،والحمدﷲ فی کل باب ہکذا ینبغی التحقیق اذا ساعد التوفیق،ومن المولٰی تعالٰی ہدایہ الطریق فقد بان بنعمۃ اللہ جل وعلا ان البیع بالدراہم لیس مما یمنع مطلقاً بل اذا کان علی جھۃ التمول،وہوا لذی یورث الخبث وعلیہ یتفرع وجوب التصدق،اما اذا باع بھا لیصرف فی القربات،فذٰلک سائغ وسائر وجوہ القرب،مطلقۃ حینئذ لاحجر فی شیئ منھا۔

کردی کہ ہدایہ کی عبارت سے مراد وہ بیع ہے جو تمول کے لئے ہو،اور اتنا اضافہ فرمایا کہ یہ وہ بیع ہے جس سے کار ثواب اور قربت ہونے کی نفی ہوتی ہے تو وہ بیع اس حکم ممانعت سے خارج ہوگئی جو ادائے قربت اور حصول ثواب کے لئے ہو،والحمدﷲ رب العالمین۔

تو یہ امر واضح ہوگیا کہ ممنوع مطلقاً بالدراہم نہیں،بلکہ جب تمول کے طور پر ہو یہی بدل میں خبث پیدا کرتی ہے،اور اسی سے تصدق واجب ہوتا ہے۔اور کار ثواب کے لئے بیچنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ وہ کار ثواب کسی قسم کا ہو۔

بذٰلک افتیت غیر مرۃ وکتبت فیہ فتوٰی مفصلۃ اذ سئلت عنہ لتسع بقین من ذی الحجۃ عام الف وثلثمائۃ وخمس من ھجرۃ من لولاہ ماصلیت الخمس،ولا لاح قمر ولا بزغت شمس،ولا اقبل غد ولا ادبر امس،علیہ وعلی آلہ الغر الکرام افضل صلاۃ و اکمل سلام واخری مجملۃ اذ ورد علی السؤال لسبع خلون من ذی القعدۃ الحرام فی العام الذی یلی ذٰلک العام

میں نے بارہایہی فتوٰی دیا اور اس موضوع پر ایک مفصل فتوٰی ۲۱/ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ کو لکھا،اور دوسرا مجمل فتوٰی آئندہ سال ذی القعدہ میں دیا یہ دونوں فتاوٰی میرے فتاوٰی کی چوتھی جلد میں ہیں،تو میرے ان فتوؤں کی مخالفت ہندیوں کی ایک جماعت نے شروع کی جن میں اکثر وہابیہ ہیں،ان کا خیال ہے کہ کھال کی بیع دراہم کے ساتھ مطلقاً ناجائز ہے۔خواہ نیت کار ثواب کی ہی کیوں نہ ہو،ان کا صدقہ کرنا واجب ہے۔وہ بھی اسی طرح کہ فقیر کو اس کا مالک بنادے،کسی بھی

وہما مثبتتان فی المجلد الرابع من مجموعة فتاوٰی المبارکة ان شاء الله تعالٰی الملقبة بالعطایا النبویة فی الفتاوٰی الرضویة جعلها الله نافعة للمسلمین و مقبولة لدی العالمین وحجة لعبدہ یوم الدین اٰمین اله الحق اٰمین۔

فعند ذٰلك نازعنی شرذمة من الهندیین اکثرہم من الوهابیة المبطلین زاعمین ان البیع بالدراہم مطلقًا ولو للقربات یوجب التصدق حتی لایجوز له الصرف الی مانوی من القرب بل لایخرج عن العهدة الا بالاداء الی الفقیر علی وجه التملیك واحتج الاصاغر منهم علی ذٰلك بعبارتی الهدایة والدر المذکورتین وقد بینا ما ہو المراد بهما واثبتنا عرش التحقیق علی انه لامساس لشیئ منهما بمز عوم القوم ،فاغنانا ذٰلك عن الاسترسال مرة اخری فی رد کلامهم۔فانه لشدة وهن نفسه غنی عن ایهان غیرہ.فلئن سألتهم ہل الکلام ہهنا اعنی فی قول الهدایة والدر فی بیع یکرہ لافی غیر۔لیقولن نعم، ولئن سألتهم هل البیع بالدراهم یکرہ مطلقًا لیقولن لا ،قل فانی تذہبون،ولئن قالوا فی الاول لا۔ لقضت علیهم حجتهم نفسها بالخطاء والجهالة ولئن

دوسرے مصرف میں خواہ مصرف خیر ہی کیوں نہ ہو صرف کرنا جائز نہیں اصاغر نے توہدایہ اور در مختار کی انھیں دونوں عبارتوں سے سند پکڑی ہے،جس کا مفصل بیان اوپر گزرا تو ہم کو دوبارہ ان کی تردید کرنی ضروری نہ تھی،ان کی بات حد درجہ کمزور ہے۔کیونکہ ان سے خود پوچھ دیکھو کہ ہدایہ اور در مختار کی عبارت بیع مکروہ کے بیان میں ہے۔یا کسی دوسرے کے بیان کے لئے،تو کہیں گے بیع مکروہ کے لئے پھر ان سے پوچھ کیا کھال کی بیع مطلقًا مکروہ ہے تو کہیں گے نہیں، تو اب فیصلہ کے لئے کیا باقی رہ گیا،اور اگر اول میں پلٹ کر جواب دیں کہ صرف بیع مکروہ کی نہیں،تو ان کا نفس انھیں خود جھٹلائے گا،اور ثانی میں اگر کہیں ہاں،توان کی بات خود انھیں کو جھٹلارہی ہے کیونکہ وہ بھی صدقہ کے لئے بیع جائز قرار دیتے ہیں،اور اگر وہ اس بیع کے جواز کا انکار کرینگے تو ہم ان کو نصوص علماء کے لشکروں سے آسودہ کردیں گے۔

قالوا فی الاخر نعم فکلامهم انفسهم مناد علیهم بالبهت والبطالة، فانهم ایضاً معترفون بجواز البیع للتصدق من دون کراهة وان لم یعترفوا لاتیناهم بجنود من نصوص العلماء، لاقبل لهم بها۔ فناہیك بهذا القدر مشبعاً لهم ومزیلا لوہم عرض بالهم۔	
ولکنی اقول: لاغرو من نفر قاصرین لایکادون یمیزون بین الغیث والسمین والرخیص والثمین والمدین والضمین والشمال والیمین، انما العجب من کبیرہم الگنگوہی المدعی طول الباع وعظم الذراع علی مافیه من انواع عـــه الابتداع حیث زاد غباوۃ علی الاتباع واخذ یتنشبث بما قدمنا عبارتی العینی والکافی "انه تصرف علی قصد التمول" الی قوله "فیکون خبیثاً"	اگر یہ جھوٹے لوگ غلطی میں پڑ گئے جو موٹے اور دبلے۔ سستے اور مہنگے اور دائیں بائیں کی تمیز نہیں رکھتے تو تعجب کی بات نہ تھی تعجب تو اس بات پر ہے کہ ان سب کے امام گنگوہی صاحب جو طول باع و وسعت اطلاع کے مدعی ہیں انھوں نے کیسے یہ فتوٰی دیا اور اپنی سابقہ گمراہیوں میں اضافہ کرلیا، اور سند میں عینی اور کافی کی عبارت پیش کی، ہدایہ اور در کی عبارت ہی ان کے خلاف حجت تھیں، لیکن عینی اور کافی کی عبارتیں تو ان کا صریح رد ہیں،

عـــه: هذا کان اذذاك ثم ترقی به الحال فی الغوایة و الضلال فوقع فی الکفر البراح واختار الارتداد الصراح واستحب العمی علی الهدی نعوذ باللّٰه من الهلاك والردی ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰه العلی العزیز الحکیم ۱۲ قدس سرہ العزیز۔

یہ حکم تو اس کے حال سابق پر تھا پھر گمراہی اور ضلالت میں اس کا حال مزید ترقی کرگیا پس وہ کفر ظاہر میں جاپڑا اور ارتداد صریح کو اختیار کیا اور ہدایت پر گمراہی کو اختیار کیا، ہم ہلاکت و بربادی سے اللہ تعالٰی کی پناہ مانگتے ہیں لاحول ولاقوۃ الا باللّٰه العلی العزیز الحکیم ۱۲ قدس سرہ (ت)

فیجب التصدق وانه اذ تمولها بالبیع[1] الی قوله فوجب التصدق[2] فان کلامی الهدایة والدر، وان کان حجتین علیهم لالهم لکن لاکهاتین الناصتین بان الکلام فی صورة التمول لامطلق التبدل، لاسیما کلام الامام البدر المبین کالبدر، ان وجوب التصدق لا جل الخبث والخبث لکراهة البیع، وکراهة البیع لقصد التمول فیالیت شعری فیظن الرجل ان کل تبدل بمستهلك تمول، فیحکم بکراهة البیع به مطلقًا ام لا یدری الغرق بین التمول والتقرب حتی یحتج علی الضد بالضد ام یجیز قیاس المباین علی المباین والخبیث علی الطیب، والمنهی عنه علی الماذون فیه۔ بل المندوب الیه فهل ہذا الاشیئ، نکرا۔ وامرا امرا۔ وایا ما کان فالی الله الضراعة لمنح البراعة ومنع الشناعة۔

قال الرجل ہداہ الله تعالٰی الی مسلك اہل السنة و الجماعة اذا باع المضحی جلد الاضحیة بالدراہم سواء کان البیع للتمول اوبنیة التصدق تعین تصدقه ثمنه کالنذر وهذا هو معنی الصدقة الواجبة۔

خصوصا ہدایہ کی عبارت میں تو تصدق کی علت خبث کو قرار دیا ہے۔ اور خبث کی وجہ بیع کی کراہت تسلیم کیا ہے۔ اور بیع کی کراہت کی وجہ تمول کو گردانا ہے تو کیا یہ آدمی دراہم کے ساتھ بیع کو مطلقًا بیع متمول گردانتا ہے۔ یا تمول اور تقرب کا فرق نہیں جانتا، ضد کو ضد پر قیاس کرنے کو اور خبیث کو طیب پر محمول کرنے کو اور بیع منہی عنہ کو بیع جائز پر اعتبار کرنے کو روا قرار دیتا ہے، یہ کتنی شنیع بات ہے ہم خدا کی اس سے پناہ مانگ رہے ہیں۔

رد: اللہ تعالٰی اس شخص کو مذہب اہلسنت وجماعت کی ہدایت دے، اس نے کہا: "قربانی کرنیوالے نے جب جلد دراہم کے عوض بیچ دی تو تمول (کسب زر) کی نیت ہو یا صدقہ کی اس کے دام کا صدقہ کرنا واجب ہوگیا جیسے نذر کا صدقہ واجب ہوتا ہے۔ عینی نے شرح ہدایہ میں کہا یہ قصہ تمول پر تصرف ہے اور قربانی کسب زر کا ذریعہ ہونے سے نکل چکی ہے۔ تو جب بیچ کر کسب زر کیا تو صدقہ واجب ہوگیا کیونکہ یہ ثمن فعل مکروہ سے حاصل کیا تو خبیث ہوگا اور صدقہ واجب"۔ اور کافی میں ہے جب اس سے تمول کیا تو قربت کھال سے منتقل ہو کر اس کے بدل میں چلی گئی تو اس کا تصدق واجب ہوا۔

اس کلام سے کم از کم یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ شخص

---

[1] البنایہ فی شرح الهدایہ کتاب الاضحیہ المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۱۹۰

[2] الکافی شرح الوافی

قال العینی فی شرح الهدایة انه تصرف علی قصد التمول وقد خرج عن جهة التمول فاذا تمول بالبیع وجب التصدق لان ہذا الثمن حصل بفعل مکروہ، فیکون خبیثا فیجب التصدق اھوفی الکافی فاذا تمولها بالبیع انتقلت القربة الی بدله فوجب التصدق اھ معربا ملخصا۔	مول اور تقرب کے فرق سے آگاہ ہے بھی تو بیع تمول اور بیع تقرب کو دو علیحدہ قسمیں قرار دے کر حرف تردید سے بیان کیا کہ تمول ہو یا صدقہ کی نیت دام کا صدقہ واجب ہوگیا، ہاں لاعلمی یا تجاہل عارفانہ میں لفظ تقرب کو تصدق سے بدل دیا کیونکہ کلام تو مطلقًا کار ثواب کے لئے بیع کرنے سے متعلق ہے۔الغرض اس کلام سے اب سمجھ میں آیا کہ بات وہی آخری ہے کہ اس شخص کے نزدیک ضد مخالف سے استدلال جائز ہے۔اس استدلال کی کیفیت ایسی ہی ہے جیسے کوئی کہے عبادت خدا کی ہو یا غیر کی سب ناجائز ہے۔دلیل اس کی قرآن عظیم میں ہے۔لااعبد ماتعبدون توماتعبدون دیکھا ہی نہیں لا اعبد سے استدلال کردیا،اسی طرح صاحب کافی کی عبارت تو بیع تمول کو ممانعت میں ہے اور آپ نے مطلقًا بیع حرام کردی،
اقول: دلنا کلامك هذا علی تعیین الشق الاخیر من الشقوق الثلثة المارة فی قولی، یا لیث شعری فعر فنا بتردیدك ان لیس کل بیع بمستهلك تمولا عندک، وانك مائز بین التمول وغیرہ، وان بدلت التقرب بالتصدق جهلا منک، او تجاہلا مع علمك ان الکلام فی سائر القرب، دون التصدق فاذن لااجد لاحتجاجك بکلام الکافی مثلا، الا کمن ادعی ان من صلی اثم سواء کانت صلاته ﷲ تعالٰی اولغیرہ واحتج علیه بقوله عزوجل "قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَۙ﴿۱﴾ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَۙ﴿۲﴾ "[1] فان کان الدلیل یتم بان یکون اخص من المدعا مع عدم المساس بالجزء المقصود منه المتنازع فیه اصلا، فلااری احدا امن	یہ تو عبارت کافی سے استدلال کا حال ہے۔اور عینی سے استدلال کی حالت تو اور ردی ہے۔اس لئے کہ وہ نص کرتے ہیں کہ اس کا تصدق اس لئے واجب ہے کہ مال خبیث اور یہ صورت بیع تمول کے سوا اور کسی صورت میں ہو ہی نہیں سکتی، تو آپ کا اس عبارت سے استدلال اندھیری رات

[1] القرآن الکریم ۱۰۹/ ۱و۲

المبطلین یعجز عن اقامة الف دلیل علی دعواه ہذا احتجاجك بالکافی،اما التمسك بکلام البدر فبرأك الله من ان تنقص درجة عمن یدعی وجود اللیل البهیم مُسبل الاستار یحتج علیه بوجود الشمس فی وسط السماء بازعة تبهر الابصار۔

قال"فقد اتضح بهاتین الروایتین وجوب التصدق واذا وجب الصدقة فکونها صدقة واجبة واذا وجب الصدقة فکونها صدقة واجبة واضح بنفسه فلا یکون مصرفها الامصرف الصدقة الواجبة کما ہو ظاہر،فلا یجوز صرف الی بناء المساجد والمدارس اھ بالتعریب۔

اقول:ان ارید الوجوب عند التمول فنعم،والا کلام فیه،او عند التقرب فلا ولا کرامة وای اثرله فی دلیلك فما ثبت بهما لانزاع فیه،وما فیه النزاع لم یثبت بهما،وان کان بحسبك ان یقع فی کلام الاصحاب لفظ وجوب التصدق فی ای مسئلة من ای باب،فنعم لدعواك فی کل کتاب دلائل عدد الرمل والتراب۔

قال والصدقة مطلقًا لابد فیها من التملیك سواء کان اباحة اوتملیکاتاما۔

کے ثبوت میں سورج پیش کرنے کے مرادف ہے اس شخص نے کہا،کافی اور عینی کی عبارتوں سے ثابت ہوگیا کہ اس کھال کے دام کا تصدق واجب ہے۔تو وہ صدقہ واجبہ ہوا،اور اس کا مصرف وہی ہے جو صدقہ واجبہ کا مصرف ہے تو اسے مسجد یا مدارس کی تعمیر میں صرف نہیں کرسکتے۔

گنگوہی صاحب کی اس عبارت کا اگر یہ مطلب ہے کہ ان عبارتوں سے یہ ثابت ہے کہ بیع تمول کے لئے ہے تو قیمت کا صدقہ واجب ہے،تو یہ بات صحیح ہے۔بیشک اگر بقصد تمول بیع کی تو اس کا تصدق واجب ہے۔اور اگر یہ مطلب ہے کہ کسی کار ثواب کی غرض سے بیع کیا تب بھی تصدق واجب ہے۔تو یہ بات ان دونوں عبارتوں سے ہرگز ثابت نہیں اور اگر آپ کے استدلال کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ عبارت میں صدقہ واجبہ کا لفظ مل جائے،چاہے جس باب اور جس بیان میں ہو تو

اقول:یالیتك اذلم تهتد الی الصواب قنعت۔بما من قبل صنعت،ونفسك عن الاسترسال منعت، ولکنك اجبت ان تزید فی الطنبور نغمة،وفی الشطر نج بغلة فابتدعت القول بان الاباحة من التملیك وانها تجزی فی الصدقة مطلقًا،فجعلت القسیم قسما،والضد ندا مع ان کلمات العلماء،فی مسائل الاباحة غیر قلیة ولاخفیة بل دوارة فی کثیر من ابواب الفقه،منها الطهارات،ومنها الزکوٰة،ومنها الطلاق،ومنها اللقطة ومنها الهبة،ومنها الکراهیة وغیر ذٰلك وهذا شرح الوقایه للامام الجلیل صدر الشریعة اول کتاب نتدراسه فی الفقه۔افاد فیه رحمه الله تعالٰی فی اول کتاب الطهارات من باب التیمم،ان القدرة ثبت بطریق الاباحة،وبطریق التملیك فان قال صاحب الماء لجماعة من المتیممین لیتوضأ بهذا لماء ایکم شاء،والماء یکفی لکل واحد منفردا ینتقض تیمم کل واحد لثبوت القدرة لکل واحد علی الانفراد، اما اذا قال هذا الماء لکم وقبضوا لا ینتقض تیممهم لانه یبقٰی

یہ دونوں عبارتیں ہی کیا ہیں،ہر کتاب میں آپ کے مدعا پر سیکڑوں دلیلیں موجود ہیں،

اس شخص نے کہا:"صدقہ میں مطلقًا تملیک واجب ہے عام ازیں کہ بطور اباحت ہو یا بطور تملیک۔"

آدمی کو صحیح بات نہ معلوم ہو تو جتنا ہو چکا اسی پر صبر کرنا چاہئے اور دراز لسانی سے پرہیز کرنا چاہئے،لیکن آپ نے تو ایک نئے سر کا اضافہ کرنا چاہا،اور شطرنج کے کھیل میں گدھے کو بھی داخل کردیا کیونکہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ اباحت بھی تملیک کا ایک حصہ ہے،اور صدقہ واجبہ تملیکیہ میں بھی اباحت سے کام چل جائے گا،افسوس کہ اس کلام میں قسیم کو قسم اور ضد کو شریک بنادیا گیا حالانکہ ان دونوں کی تفریق کے بیان میں کتابوں کے ابواب بھرے پڑے ہیں،ابواب طلاق ولقطہ وہبہ کراہیہ وغیرہ میں کثرت سے یہ مسائل ہیں۔

ہم لوگ فقہ میں جو اول کتاب امام صدرالشریعۃ کی شرح وقایہ پڑھاتے ہیں اس میں کتاب الطہارۃ کی ابتداء میں ہی لکھتے ہیں:"پانی پر قدرت اباحت سے بھی حاصل ہوجاتی ہے اور تملیک سے بھی تو پانی والے نے ایک پوری جماعت سے اگر یہ کہا تم میں سے جو چاہے اس پانی سے وضو کرے،اور پانی کسی ایک کے وضو بھر تھا۔پوری جماعت کا وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ علی سبیل الانفراد سب کی قدرت ثابت ہو گئی،اور اگر یوں کہا کہ اس پانی پر تم سب قبضہ کرلو تو تیمّم نہ ٹوٹے گا،کیونکہ اتنا پانی جب

علی ملك الواہب ولم تثبت الاباحۃ لانہ لما بطل الهبۃ بطل مافی ضمنها [1] اھ ملخصا ونحوہ فی الفتح والبحر وغیرہا، فانظر کیف باینوا بینها، واسمع کیف اثبتوا الاباحۃ لکل منفرد بقول المالك لیتوضأ بہ ایکم شاء، مع بدایۃ انہ لاتثبت بقولہ ہذا شیئ من الملك لکل منهم، ولا لاحدہم افما کنت درست ہذا اوما دریت ولا وعیت ضابطالهم، ان ماشرع بلفظ اطعام وطعام جاز فیہ الاباحۃ، وما شرع بلفظ ایتاء واداء شرط فیہ التملیك [2]۔ کما فی ظهار الدر ومجمع الانهر وغیرہما فافتح العین، ہل ہما قسیمان او احدہماقسم من الاخر۔ اوما علمت ان مولی الغزی لما قال ان الزکوٰۃ تملیك [3] الخ قال المحقق العلائی خرج الاباحۃ [4] او ما عرفت ان الامام صدر الشریعۃ لما قال فی النقایۃ تصرف تملیك [5]	سب کو ہبہ کیا اور تقسیم نہیں کیا تو ہبہ مشاع ہونے کی وجہ سے وہ ہبہ باطل ہوا اور کسی کے لئے اباحت ثابت نہ ہوئی، ایسا ہی فتح اور بحر وغیرہ میں ہے۔ تملیک اور اباحت کا فرق اس عبارت سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ پہلی صورت میں اباحت ثابت فرماتے ہیں اور دوسری صورت جو ہبہ اور تملیک کی طرح ہے۔ اس میں اباحت کی نفی فرماتے ہیں، اگر دونوں ایک ہی ہوتے تو ایک کا ثبوت اور دوسرے کی نفی کیسے ہوتی، درر اور مجمع الانہر میں ایک مشہور ومعروف ضابطہ مصرح ہے: "مالک نے کسی کھانے کی چیز کی اجازت لفظ "اطعام" سے دی کہ "اسے فلاں کو کھلادو" تو اس میں اباحت کافی ہے۔ اور جس کو "ایتاء" سے اجازت دے کہ "اسے فلاں کو دے دو" تو اس میں تملیک ضروری ہے۔ "تو آنکھ کھول کر دیکھ لیجئے کہ تملیک واباحت آپس میں قسیم ہیں، یا ایک دوسرے کی قسم! امام غزی نے فرمایا: "الزکوٰۃ تملیک: زکوۃ میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔" علامہ علائی فرماتے ہیں: "اس سے اباحت نکل گئی

[1] شرح الوقایہ کتاب الطہارۃ المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/ ۱۰۶-۱۰۵

[2] درمختار باب کفارۃ الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۱، مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الظہار داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۵۳

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۹

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۹

[5] مختصر الوقایہ فی مسائل الہدایۃ فصل مصرف الزکوۃ نور محمد کارخانہ کتب کراچی ص ۳۷

یعنی الزکوٰۃ قال العلامۃ الشمس محمد فی شرحھا فیہ اشارۃ الی انہ لایجوز صرف الاباحۃ [1] الخ اوما عقلت ماافاد العلامۃ البحر فی لقطۃ البحر، اذقال انما فسرنا الانتفاع بالتملك لانہ لیس المراد الانتفاع بدونہ کالاباحۃ [2]۔اوما وقفت علی قول السید الشامی فی لقطۃ ردالمحتار ان التصرف علی وجہ التملك احتراز عن التصرف بطریق الاباحۃ علی ملك صاحبھا [3] اھ اوما سمعت العلماء یصرحون فی غیر ما موضع ان المباح لہ انما یتصرف علی ملك المبیح لا حظ لہ من الملك اصلا، حتی لم یثبتوا لہ ملکا بعد زوال ملك المالک، ایضا قال المولی زین بن نجیم فی شرح الکنز فان قیل المباح یستھلکہ المباح لہ علی ملك المبیح او علی ملك نفسہ، قلت اذا صار ماکولا زال ملك المبیح عنہ، ولم یدخل فی ملك احد [4] اھ واثرہ عنہ العلامۃ الطحطاوی فی حاشیۃ الدر، ہذا وکم اسرد لك یاہذا من نقول الاسفار وہی فی الوفور والاستکثار	"امام صدر الشریعۃ نے فرمایا: "(الزکوٰۃ)تصرف تملیکا" زکوٰۃ تملیک کے طور پر خرچ کی جائے گی، علامہ شمس محمد نے اس کی شرح میں کہا: اس میں اشارہ ہے کہ زکوٰۃ کو کسی کے لئے مباح کیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اسی طرح علماء کی تصریح ہے: "جو چیز مباح کی وہ مباح کرنے والے کی ملک پر باقی رہتی ہے جس کے لئے مباح کی گئی، اس کو اس کی ملک سے کوئی تعلق نہیں رہتا"____"وہ تو یہاں تک فرماتے ہیں: "مالک کی ملک زائل ہوجائے تب بھی ضروری نہیں کہ مباح لہ کی ملک ثابت ہو۔" مطلب یہ ہے کہ جب مباح لہ نے اس چیز کو کھالیا تو وہ چیز مباح کرنے والے کی ملک سے نکل گئی، اور کسی کی ملک میں داخل نہیں ہوئی، حتی کہ کھانے والے کی ملک بھی نہ ہوئی یہی مطلب ہے ملک نفسہ کا، ان کا یہ قول ملا علی قاری نے اپنی کتاب حاشیہ در میں پیش کیا، الغرض اگر میں نقل کرنے پر

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مصرف الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲ /۳۳۸

[2] بحرالرائق کتاب اللقطۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵ /۱۵۸

[3] ردالمحتار کتاب اللقطۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۲۰۔۳۲۱

[4] بحرالرائق باب الظہار فصل فی الکفارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴ /۱۰۹

ماتنتهى دون نقله الاعمار، وانا بحمدالله عالم بمناط غلطك، ومثار لغطك وسأنبهك عليه عن قريب، ان شاء المولى القرب المجيب، واما ماأوهمت من اجزاء الاباحة فى الصدقات مطلقًا فواضح البطلان عند كل من يعلم ان الزكاة وصدقة الفطر لاتغنى فيهما الاباحة على المذهب الصحيح المفتى به، وقد قدمنا نصوص النقاية و التنوير والدر، وضابط الدرر شرح ملتقى الابحر، وسيأتى زيادة على ذلك ان اراد المالک۔

وبالجملة كلام الرجل ككلام مدهوش من قرنه الى قدمه مخدوش ونحن اذا قد اوضحنا المرام وازحنا الاوهام بتوفيق ربنا الملك العلام، فلا علينا ان نقصر الكلام ونطوى بساط والرد الابرام والحمدلله ولى الانعام۔

مولانا زین ابن نجیم شرح کنز میں فرماتے ہیں: "مباح کو مباح لہ مباح کرنے والے کی ملک پر ہی ختم کرتا ہے یا وہ چیز خود اپنے ہی ملک پر ہوتی ہے کوئی اس کا مالک نہیں"

آؤں تو ایسی نصوص کا انبار لگ جائے، تو تملیک اور اباحت کے فرق کا اعلان کر رہی ہیں۔

اسی طرح اس کلام کا یہ ٹکڑا کہ "صدقات میں مطلقًا اباحت کافی ہے" یہ بھی غلط ہے۔ اتنی بات تو ہر آدمی جانتا ہے کہ زکوۃ اور صدقہ فطر میں اباحت کافی نہیں ہم نے اس بات کی جزئیات تنویر اور در سے پہلے نقل کئے، اور در کا ضابطہ بھی نقل کیا، آئندہ مزید تفصیل کریں گے تو اس قائل کا کلام از تا پا مخدوش ہی مخدوش ہے اور ہمیں مزید رد کی ضرورت نہیں۔

تذليل جليل: قال العبد الذليل بعد هذا وقفت على تحرير اُخر لبعض جلة العصر من افاضل اهل السنة جنح فيه نحو ماجنح اولئك القوم، وحكم ان لا بدههنا من التمليك متمسكا بما تعريبه حكم جلود الاضاحى ان يتصدق بها او ينتفع بها بنفسه او يستبدلها بما ينتفع به مع بقاء كالغربال و السجادة وغيرهما ففى صورة

ایک سنی عالم کا فتوٰی: البتہ علمائے اہلسنت میں سے بھی ایک بزرگ نے اس قسم کی بات کہی جو گنگوہی صاحب سے مذکور ہوئی، ان کا کلام یہ ہے: "قربانی کی کھال کا حکم یہ ہے کہ اس کا صدقہ کیا جائے یا اس کو خود استعمال کیا جائے، یا اس کو باقی رہنے والی چیز سے بدلا جائے، جیسے چھلنی، مصلی وغیرہ، تو تصدق کی صورت میں تملیک ضروری ہے"

انھوں نے اپنے کلام سے نہ تو یہ ثابت کیا کہ

التصدق لابد من التملك اھ حاصله معربا۔

اقول: هذا كلام كما ترى لايكاد يرجع الى طائل، فان لزوم التمليك فى التصدق لايستلزم لزومه فى التقرب ولم يلم كلامكم بايجاب التصدق ہهنا عينا ونفى سائر وجوه التقرب شيئا فالصغرى المطوية ہى التى كانت محتاجه الى البيان وقد طويتموہا و طويتم الكشح عن بيانها فاختل البرہان، وكان ملحظ ہذا الفاضل ومحط نظره ان حكم الجلود اذا كان دائرا بين الاشياء الثلثة، وبالبيع بالدراہم ولو لاجل التقرب انتفى الاخيران، فتعين الاول، وہو لابد فيه من التمليك ہذا غاية مايقال فى تقرير كلامه، على حسب مرامه ہنأہ ربه بلطفه واكرامه فالاٰن۔

اقول: وبالله التوفيق وبه الوصول الى ذرى التحقيق، اعلم ان للصدقة اطلاقات:[1] **الاول:** اخصها تمليك المال من الفقير مجانا، فخرج الاعارة والاباحة و ہدية الغنى، والاقراض وهذا هو المراد فى الزكوٰة و صدقة الفطر، وبهذا المعنى يقال ان الصدقة لابد فيها من التمليك وحينئذ لاتدخل فيها الكفارات لجواز الاباحة

کھال کا صدقہ واجبہ ہے۔نہ یہ ثابت کیا کہ اس کو کسی اور کار ثواب میں نہیں لگایا جاسکتا، حالانکہ یہی دلیل کا صغرٰی ہے۔ بے اس کے ثبوت کے دلیل ہی بیکار ہے۔ان بزرگ کی غلطی کی بناء یہ ہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ قربانی کی کھال صدقہ کرنے بعینہٖ اس سے انتفاع حاصل کرنے یا باقی رہنے، والی چیز سے استبدال میں منحصر ہے۔اورجب بعینہٖ انتفاع اور استبدال بالباقی کی صورت نہ پائی گئی، تو تصدق مُعین ہوگیا، اور اس میں تملیک ضروری ہے (اللہ تعالٰی انھیں اپنے لطف سے نوازے) یہ ان کے کلام کی انتہائی توجیہ ہے۔

لیکن قابل غور امر یہ ہے کہ شرح میں صدقہ کا اطلاق متعدد چیزوں پر ہوتا ہے۔

(۱) تمليك المال من الفقير "اس صورت میں عاریۃ۔ اباحۃ، ہدیہ غنی، قرض وغیرہ سب صدقہ سے نکل گئے، اور صدقہ فطر اور زکوٰۃ میں لفظ صدقہ سے یہی مراد ہوتی ہے اور اسی صدقہ کے لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں تملیک ضروری ہے۔ تو صدقہ کفارہ اگرچہ صدقہ واجب ہے لیکن اس معنی

فیها قطعا(عه)۔ولذا قال فی ظهار التنویر،صحت الاباحة فی طعام الکفارات والفدیة دون الصدقات و العشر [1] اھ قال السیدان الفاضلان احمد الطحطاوی ومحمد الشامی(قوله دون الصدقات)ای الزکوٰة و صدقة الفطر [2] اھ فانظر کیف اخرج الکفارات من الصدقات۔	میں وہ صدقہ نہیں کیونکہ اس میں اباحت بھی جائز ہے۔ تنویر میں ہے: "کفارہ اور فدیہ کے صدقہ میں اباحت جائز ہے۔صدقات اور عشر میں نہیں۔" لفظ صدقہ کی تفسیر میں شامی اور طحطاوی نے کہا: "صدقات سے مراد زکوٰۃ اور صدقہ فطر ہے" یہاں کفارہ صدقہ واجبہ ہونے کے باوجود صدقات سے خارج ہے۔
الثانی: تمکین الفقیر من المال مجانا وهنا یقطع النظر عن التملیك ویکتفی	**(۲)** "فقیر کو مال پر قابو دے دینا" یہاں تملیک سے قطع نظر ہوتی ہے۔اور یہ انتفاع، تصرف اور

عه:ای فی نوع الطعام منها اما الکسوة فی کفارة الیمین فلا تکفی فیها الاباحة کما فی البحر وغیرہ فلیحفظ ہذا المراد،**وانا اقول**:خروج الکسوة ضروری فان الاباحة انما تکون ماینتفع به باستهلاکه کالماکولات و المشروبات والکسوة لیس ھذا کمالایخفٰی والحاصل ان عندی فرقا بین الاباحة والاعارة مطلقًا،واللّٰه تعالٰی اعلم ۱۲منه قدس سرہ العزیز

یعنی ان اقسام میں سے طعام میں اباحت ہے۔لیکن کفارہ یمین میں لباس میں اباحت کافی نہیں ہے لیکن جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے تو اس مراد کو محفوظ رکھو **اقول**: (اور میں کہتا ہوں) لباس کا خروج یہاں ضروری ہے کیونکہ اباحت صرف ایسی چیز میں ہو سکتی ہے جس کو ہلاک کرکے انتفاع حاصل کیا جائے جیسے ماکولات و مشروبات جبکہ لباس ایسی چیز نہیں ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔حاصل یہ کہ میرے نزدیک اباحت اور عاریۃ دینے میں فرق ہے۔واللّٰه تعالٰی اعلم ۱۲منہ قدس سرہ العزیز (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الطلاق باب الکفارة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۱

[2] ردالمحتار علی الدر المختار کتاب الطلاق باب الکفارة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸۴، حاشیه الطحطاوی کتاب الطلاق باب الکفارة دار المعرفة بیروت ۲/ ۲۰۲

باطلاق الانتفاع۔والتصرف والاستهلاك الصادق به وبالاباحة وبهذا المعنى تشمل الكفارات فتعد من الصدقات الواجبة كما قال القهستاني والشامي وغيرهما في مصرف الزكوٰة"انه هو مصرف ايضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذٰلك من الصدقات الواجبة [1] اهوبه علم ان هذين المعنين لا يتعدا هما الواجب من الصدقات والخلط بينهما كانه هوالذى حد ذٰلك الرجل الوهابي ان جعل الاباحة من التمليك،وذٰلك انه رأى في الفتح مايقصر الصدقة على التمليك ورأى في ردالمحتار مانقلنا اٰنفا وهو يفيدان الكفارة ايضا من الصدقات وقد نقل العبارتين في فتواه فأظن انه نظم منها شكلا و استنتج منه ان الكفارة لابد فيها من التمليك وكان داريا ان الاباحة تسوغ فيها،فلم يتمالك نفسه ان حكم بكون الاباحة قسما من التمليك لانه اضطربت لديه الاقوال۔وضاق عليه ميدان المجال، ولم يدر التفصى عن الاشكال الابايداء هذا المحال، ولم يعرف المسكين فرق المحال،وان تغير الاوسط يهدم الاشكال

استہلاک سبھی صورتوں کو شامل ہوتاہے جو تملیک اور اباحت دونوں صورتوں میں ہوسکتاہے صدقہ اس معنی میں کفارہ پر بولا جاتاہے۔جو صدقہ واجبہ سے ہے اس کو لینے کا اہل وہی ہے جو زکوٰۃ کا اہل ہے۔
چنانچہ قہستانی وشامی وغیرہ نے کہا:"جو فقیر مصرف الزکوٰۃ ہے وہی صدقہ فطر، کفارات اور نذر وغیرہ کا مصرف ہے۔"
صدقہ کے یہ دونوں معنی صدقات واجبہ میں ہی متحقق ہونگے،شاید اسی بات نے اس وہابی آدمی کو یہ جرأت دلائی کہ اس نے اباحت کو بھی تملیک میں شمار کیا کہ انھوں نے فتح القدیر میں دیکھا"صدقہ کے لئے تملیک ضروری ہے"اور رد المحتار کی بھی نقل شدہ عبارت میں دیکھا کہ کفارہ بھی صدقات میں سے ہے۔یہ دونوں عبارتیں اس نے اپنے فتوٰی میں نقل کی ہیں اور اس سے قیاس ترتیب دے کے یہ نتیجہ نکالا کہ کفارہ کے لئے بھی تملیک ضروری ہے اور یہ جان ہی رہے تھے کہ کفارہ میں اباحت ہے۔تو اس فیصلہ میں اپنے نفس پر قابو نہ پاسکے کہ اباحت بھی تملیک کا ہی ایک حصہ ہے کیونکہ اقوال انھیں مضطرب نظر آئے اور ان میں تطبیق دے نہ پائے تو یہ محال بات بول دی اور قیاس ترتیب دیتے ہوئے انھیں یہ پتہ نہ چلا کہ حد اوسط مکرر نہ ہونے سے نتیجہ غلط ہوتاہے،فتح القدیر کی عبارت "الصدقۃ

[1] ردالمحتار بحوالہ القہستانی کتاب الزکوٰۃ باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸

فان التی یجب فیھا التملیك ہی الصدقة بالمعنی الاخص الوارد فیھا لفظ الایتاء او الاداء او مایؤدی مؤادھا، والکفارات لیست من الصدقات بھذا المعنی، فلا شکل ولا اشکال، والحمدﷲ المھین المتعال علی انه ان قطع النظر عن ہذا التحقیق النفیس الانیس الدقیق، فکان السبیل ان یقال باستثناء الکفارات من حکم وجوب التملیك کما فعل الفاضل القھستانی حیث قال تحت قول النقایة تصرف تملیکا یستثنی منه اباحة الکفارة [1] اھ لا ان یرتکب مثلك ہذا المحال، وباﷲ العصمة عن الزلل و الضلال ہذا ما وعدناك فلنعد الی شرح اطلاقات الصدقة۔

یجب فیہ التملیک" میں صدقہ سے مراد صدقہ خاص بمعنی اول ہے۔اور "الکفارات تجوز فیہ الاباحۃ" کا صدقہ ہونا بمعنی ثانی ہے۔حالانکہ قہستانی ان کی راہ کشادہ کرچکے تھے، وہ فرماتے ہیں "انہ تصرف تملیکا یستثنی منه الکفارات" صدقات واجبہ میں تملیک ضروری ہے لیکن کفارہ اس سے مستثنٰی ہے۔

۳ **الثالث** وربما یقطع النظر عن الفقر ایضا، فتشمل التملیك والاباحة للفقیر والغنی، قال فی التوسط شرح سنن ابی داؤد الصدقة ماتصدقت به علی الفقراء ای غالب انواعھا کذلك فانھا علی الغنی جائزة عندنا یثاب به بلا خلاف [2] اھ وقال فی

(۳) صدقہ کا ایک اطلاق یہ ہے کہ تملیک واباحت اور فقیر وغنی، دونوں کو عام ہو، توسط شرح ابوداؤد میں ہے:
"صدقہ یہ ہے کہ فقیروں کو دیا جائے (مطلب یہ کہ صدقہ میں عموما یہ ہوتا ہے) ورنہ صدقہ ہمارے نزدیک مالدار کو بھی دینا جائز ہے"۔

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ فصل مصرف الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۳۳۷۔۳۸

[2] التوسط شرح سنن ابوداؤد

ردالمحتار عن البحر الرائق الصدقة تکون علی الاغنیاء ایضاً وان کانت مجازا عن الھبة عند بعضھم وصرح فی الذخیرة بان فی التصدق علی الغنی نوع قربة دون قربة الفقیر[1] اھ و روی احمد و الطبرانی فی الکبیر عن المقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انك مااطعمت زوجتك فھو لك صدقة وما اطعمت ولدك فھو لك صدقہ، وما اطعمت خادمك فھولك صدقة۔[2] ولہ فیہ عن ابی امامة الباھلی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماانفق الرجل فی بیتہ واھلہ وولدہ فھو لہ صدقة[3]۔

الرابع ربما تطلق حیث لاتملیك ولا اباحة اصلا وانما ھو تصرف مالی قصد بہ نفع المسلمین کحفر الابار وکروی الانھار وبناء الربط والجسور والمساجد و المدارس وغیر ذلك وعن ہذا تقول انھا صدقات جاریة ومن ذٰلك قولھم فی الاوقاف صدقة مؤبدة و علیہ جاء قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

ردالمحتار میں بحرالرائق سے منقول ہے: "صدقہ مالداروں پر بھی ہوتا ہے کہ مجازا ہبہ کو صدقہ کہتے ہیں، اور ذخیرہ میں تشریح ہے کہ مالدار کا صدقہ فقیروں کے صدقہ سے کم ثواب والا ہوتا ہے۔

احمد وطبرانی نے کبیر میں مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی: "رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جو بیوی کو کھلایا تو صدقہ، جو اولاد کو کھلایا تو صدقہ، جو خادم کو کھلایا وہ بھی صدقہ"۔

طبرانی میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے: "آدمی اپنے گھر میں جو کچھ اہل وعیال اور خادموں پر خرچ کرتا ہے وہ سب صدقہ ہے۔"

(۴) اس اطلاق میں نہ تملیک ہے نہ اباحت، یہ ایک قسم کا تصرف مالی ہے جس سے مسلمانوں کو نفع پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے کنواں بنانا، نہریں تیار کرنا، مسافر خانے اور پل بنانا، مساجد اور مدرسوں کی تعمیر کرنا، اور انھیں امور خیر میں صرف کرنے کو صدقہ جاریہ کہتے ہیں: اور اوقات کو اسی معنی میں صدقہ موبدہ کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۵۷

[2] المعجم الکبیر حدیث ۶۳۴ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۰ /۲۶۸

[3] المعجم الکبیر حدیث ۷۶۷۴ المکتبة الفیصلیة بیروت ۸ /۱۱۲

اذ اتاہ سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال یارسول اللہ امی ماتت فای الصدقۃ افضل، قال سقی الماء، فحفر بئرا و قال ھذہ لام سعد [1] کما اخرجہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان و الحاکم عن سعد وابو یعلی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ فقد سمی سقی الماء بحفر البئر صدقۃ ومعلوم ان لاتملیك فیہ ولا اباحۃ فان من شرطھا ان یکون الماء فی ملك المبیح کما لایخفی علی احد وقد قال صدر الشریعۃ انھم لمالم یملکہ لاتصح اباحتھم۔اھ وقد نص علمائنا ان ماء البئر غیر مملوك لصاحبھا، ففی الھدایۃ البئر ونحوھا ماوضع للاحراز ولا یملك المباح بدونہ [2]۔وفی فتاوی العلامۃ خیر الدین الرملی

حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ آئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے تو کون سا صدقہ اسے مفید ہوگا؟ حضور نے فرمایا: لوگوں کو پانی سے سیراب کرنا، انھوں نے ایک کنواں کھدوادیا اور اعلان کردیا کہ یہ سعد کی ماں کے لئے ہے" (احمد وابوداؤد ونسائی ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان عن ابی یعلٰی عن ابن عباس) تو اس حدیث میں پانی کی سیرابی کو صدقہ قرار دیا جس میں نہ تملیک ہے نہ اباحت، کیونکہ اباحت کے لئے شرط یہ ہے کہ شیئ مباح مباح کرنے والے کی ملک ہو، صدرالشریعہ فرماتے ہیں: "جب مال موقوفہ پر مالکوں کی ملک نہ رہی تو ان کی طرف سے اباحت بھی درست نہیں"
اس طرح علماء نے تصریح فرمائی: کنویں کا پانی کنویں والے کی ملک نہیں"
ہدایہ میں ہے: "کنواں اور اس کے مثل جو چیزیں ہیں قبضہ کرکے نہیں رکھی گئیں، اور قبضہ کے بغیر مباح پر ملک ثابت نہیں ہوتی"۔

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فضل سقی الماء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۶، سنن النسائی کتاب الوصایا فضل الصدقۃ عن المیت نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۳۳، مسند احمد بن حنبل حدیث سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۸۵ و ۶/ ۷، موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان کتاب الزکوٰۃ باب سقی الماء المطبعۃ السلفیہ مکہ المکرمۃ ص ۲۱۸

[2] الھدایۃ کتاب احیاء الموات فصل فی المیاہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۸۳

فی الولوالجیۃ وکثیر من الکتب لو نزح ماء بئر رجل بغیر اذنہ حتی یبست لاشیئ علیہ عــہ لان صاحب البئر غیر مالك للماء [1] اھ فاذن لایکون الا تقربا الی اللہ تعالٰی بتصرف فی مالہ لنفع المسلمین وعلی ھذا سائر القرب المالیۃ سواء فی دخولھا فی معنی الصدقۃ۔ وقد قال الامام فقیہ النفس قاضی خاں فی الخانیۃ قریۃ فیھا بئر مطویۃ بالاٰجر خربت القریۃ، و انقرض اھلھا وبقرب ہذہ القریۃ قریۃ اخرٰی فیھا حوض یحتاج الی الاٰجر فارادوا ان ینقلوا الاجر من القریۃ التی خربت ویجعلوھا فی ھذا الحوض، قالوا ان عرف بانی تلك البئر لا یجوز صرف الاٰجر الا باذنہ، لانہ عادالی مبلکہ وان لم یعرف البانی قالوا الطریق فی ذٰلك ان

فتاوٰی خیریہ، ولوالجیہ وغیرہ بہت سی کتابوں میں ہے: "اگر کسی نے کسی کنویں کا پانی نکال کر کنواں خشک کردیا تو نکالنے والے پر کوئی تاوان نہیں اس لئے کہ کنویں والا پانی کا مالک نہیں"۔
تو یہ صدقہ اسی معنی پر ہے کہ اللہ کے تقرب کے لئے اپنا مال مسلمانوں کے نفع کے خاطر صرف کررہا ہے اور اس معنی میں سارے مالی کار خیر صدقہ قرار دئے جانے میں برابر ہیں۔
اطلاق نمبر ۴ کی دوسری مثال: امام فقیہ النفس قاضیخان فرماتے ہیں: "ایک دیہات میں پختہ کنواں تھا، دیہات اجڑ گیا اور کنواں معطل ہوگیا، اس کے قریب دوسرے دیہات والوں نے اس کی اینٹیں اپنے حوض میں لگانی چاہیں، اگر کنویں کا بنانے والا موجود ہے تو اس سے اجازت لینی ضروری ہے کیونکہ تعطل کے بعد اینٹیں بانی کی ملک ہوگئیں، اور بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ اینٹیں فقیر کو دے دی جائیں، اور وہ اپنی طرف سے اس کو حوض میں لگادے، کیونکہ وہ اینٹیں اب لقطہ

عــہ: **قلت** ای لا ضمان لان الاتلاف صادف مباحا غیر مملوك لاحد اما التعزیر فینبغی ان یکون فیما یظھر اذا فعلہ لمحض الاضرار ولا ضرر ولا ضرار فی الاسلام ۱۲ منہ۔

میں کہتا ہوں یعنی ضمان نہیں ہے کیونکہ یہ ایسی مباح چیز کا اتلاف ہے جس کا کوئی مالک نہیں ہے لیکن تعزیر مناسب ہوگی جبکہ وہ بطور ضرر رسانی ایسا کرے کیونکہ اسلام میں ضرر وضرار کی ممانعت ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب احیاء الموات فصل فی مسائل الشرب دار المعرفۃ بیروت ۲ /۱۸۶

یتصدق بہا علی فقیر ثم ذٰلك الفقیر ینفقها فی ذٰلك الحوض لانه بمنزلة اللقطة والاولی ان ینفق القاضی فی ہذا الحوض ولا حاجة فیه الی التصدق علی الفقیر[1] اھ وفی الهندیة عن الواقعات الحسامیة فیما اذا لم یعلم الغارس، الحکم فی ذٰلك الی القاضی ان رأی بیعها وصرف ثمنها الی عمارة المقبرة فله ذٰلك[2] اھ وقال فی الخانیة قبله نبت الاشجار بعد اتخاذ الارض مقبرة فان علم غارسها کانت للغارس وان لم یعلم فالرأی للقاضی ان رأی ان یبیع الاشجار و تصرف ثمنها الی عمارة المقبرة فله ذلک، وتکون فی الحکم کانها وقف[3] اھ

(گری پڑی چیز) کے حکم میں ہے۔اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ قاضی اپنے حکم سے اسے حوض میں لگادے اس طرح فقیر کو دینے والے حیلہ سے نجات مل جائے گی"
عالمگیری اور واقعات حسامیہ میں ہے: "اگر قبرستان میں درخت لگانے والے کا پتہ نہ چلے تو قاضی اپنی صوابدید پر اس کو بیچ کر اس کی قیمت قبرستان کی درستگی میں صرف کرسکتا ہے "خانیہ میں ہے: "زمین کو مقبرہ بنانے کے بعد اس میں درخت اگ آئے، لگانے والا معلوم ہو تو وہ اسی کا ہے۔اور لگانے والا معلوم نہ ہو تو رائے قاضی کی ہے اسے بیچ کر قبرستان کی مرمت میں لگاسکتا ہے۔اس کا حکم وقف ہی کا ہے"

قلت ای فی انه مال مصروف الی وجوہ البر اما الوقف فلا لما فی الخانیة ایضا، رجل جعل ارضه مقبرة وفیها اشجار عظیمة، قال الفقیه ابوجعفر رحمه الله تعالٰی وقف الاشجار لایصح فتکون الاشجار للواقف ولورثته

مطلب یہ ہے کہ جس طرح وقف ایک ایسا مال ہے جو مصارف خیر کے لئے ہی ہے اسی طرح اس درخت کا مصرف بھی مصارف خیر ہیں، وہ درخت خود وقف نہیں ہو جاتا۔اسی خانیہ میں ہے: "ایک آدمی نے زمین مقبرہ کے لئے وقف کی جس میں درخت ہیں، فقیہ ابوجعفر کا فرمان ہے کہ چونکہ درختوں کا وقف صحیح نہیں اس لئے وہ درخت واقف کے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی الوقف المنقول الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۵
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۴
[3] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف فصل فی الاشجار نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۴

ان مات، وکذا البناء فی الدار التی جعلها مقبرة [1] اھ۔ ومعلوم ان حکم اللقطة هو التصدق الا ان یکون الملتقط فقیرا، فیصرف الی نفسه وهو ایضا من باب التصدق من المالک، بل قال فی الدرالمختار عن العمدة وجد لقطة وعرفها ولم یر ربها فانتفع بها لفقره ثم ایسر یجب علیه، ان یتصدق بمثله [2] اھ وان کان المختار خلافه کما فی البحر والنهر، عن الولو الجیة والهندیة وجامع الرموز عن الظهیریة قلت لان الصدقة اصابت محلها فلا تتغیر بتغیر حاله کفقیر اخذ الزکوٰة ثم ایسر لیس علیه ردها، وبالجملة الحکم ههنا التصدق وقد نصوا علی جوازصرفه الی عمارة المقبرة واصلاح الحوض، ومن ذٰلك مافی الرحمانیة عن الاجناس اذا خرب مسجد ولا یعرف بانیه وبنی اهل المسجد مسجدا آخر ثم اجمعوا علی بیعه، واستعانوا بثمنه فی ثمن المسجد الاٰخر فلا باس به، وہذا قول محمد خلافا لابی یوسف فانه مسجد ابدا عنده [3] اھ وفی السراجیة مسجد عتیق لایعرف بانیه خربت فاتخذ بجنبه	ہوں گے، اور وہ مر گیا تو اس کے ورثہ کی ملک ہوں گے، اور یہی حکم اس کمرہ کا ہے جو ایسے دار میں ہو جس کو مقبرہ کردیا گیا ہو۔" رحمانیہ کا جزئیہ ہے: "مسجد ویران ہوگئی جس کے بانی کا پتہ نہیں اور لوگوں نے دوسری مسجد بنالی، پھر ان کی رائے ہوئی کہ ویران مسجد بیچ کر اس کی قیمت اس مسجد میں لگائیں، تو امام محمد کے نزدیک اس میں حرج نہیں، اور قاضی ابویوسف کے نزدیک وہ ایسا نہیں کرسکتے کہ وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی" سراجیہ میں ہے: "پرانی مسجد جس کے بانی کا پتہ نہیں وہ ویران ہوگئی لوگوں نے اسی کے قریب دوسری مسجد بنالی، تو قاضی ابویوسف کے نزدیک ویران مسجد کا سامان بیچ کر آباد مسجد میں نہیں لگا سکتے، اور امام محمد کو اس میں اختلاف ہے۔ اور فتوی قاضی ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے" اس کی وجہ وہی ہے کہ مسجد ڈھے کر ناقابل استعمال ہوگئی اور لوگ مستغنی ہوگئے، تو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک اس کا مالک بانی ہوجاتا ہے۔ اور جب بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ لقطہ ہوگئی، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کو دوسری مسجد کی تعمیر

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی المقابر والرباطات نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۵

[2] درمختار کتاب اللقطة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۶

[3] رحمانیہ

مسجد اخر .لیس لاہل المسجد ان یبیعوہ و یستعینوا بثمنہ فی مسجد اٰخر عند ابی یوسف خلافا لمحمد وعلیہ الفتوٰی [1]۔وذلك ان المسجد اذا خرب والعیاذ باللہ واستغنٰی عنہ یعود عند محمد الی ملك البانی، کما فی التنویر وغیرہ فاذا لم یعرف بانیہ صار لقطۃ. وقد قال الامام محمد ح صرفہ الی مسجد اخر فعلم ان التصدق المامور بہ فی اللقطۃ ہو بہذا المعنی الرابع الداخل فیہ الصرف الی المقابر والحیاض والمساجد وہذا الاطلاقات کلہا فقھیۃ کما ترٰی۔	میں صرف کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ تو جب ہمچوں قسم کی اشیاء کا حکم لقطہ کا ہوا تو یہ بات صاف ہو گئی کہ اس کا حکم صدقہ کرنا ہے۔ہاں پانے والا فقیر ہو تو اپنے او پر خرچ کرے کہ یہ بھی صدقہ ہے۔بلکہ درمختار میں عمدہ سے نقل کیا کہ فقیر نے لقطہ پایا اور اس کو اپنے اوپر خرچ کیا، پھر مالدار ہوگیا تو اس کا صدقہ کرے، اگرچہ فتوی اس کے خلاف ہے۔(بحر ونہر عن الولوالجیہ وجامع الرموز من الظہیریۃ) **میں کہتاہوں** قرین قیاس بھی یہی ہے کہ صدقہ اپنے محل کو پہنچ گیا، تو حالت کے بدلنے سے اس کا حکم نہیں بدلے گا، جیسے فقیر مال زکوۃ کھاتا رہا اب مالدار ہوگیا تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ جتنی زکوۃ کھائی سب واپس کر اور فقیروں پر صدقہ کر۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسے مال کا حکم صدقہ کا ہے اور اسی کو عمارت مقبرہ اور اصلاح حوض میں صرف کا حکم دیتے ہیں، میں صرف کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ صدقہ کا یہ اطلاق اسی چوتھے معنی میں ہے اور اس کا مقابر، حوض اور مسجد میں صرف کرنا صدقہ ہی ہے حالانکہ نہ یہاں تملیک نہ اباحت، نہ مالدار نہ فقیر، اور یہ بھی واضح ہو کہ یہ سارے اطلاقات فقہیہ ہیں۔
الخامس قد یتوسع فیقطع النظر عن قید المال ایضا، ویطلق علی کل نفع للغیر بایصال الخیر اودفع الضیر کیفما کان ومن ذٰلك حدیث تکرار	(۵) کبھی صدقہ سے مال ہونے کی قید بھی ختم کردیجاتی ہے اور مطلقًا غیر کو نفع پہنچانے، اور اس سے ضرر دفع کرنے کو صدقہ کہا جاتا ہے۔اس کی مثال وہ حدیث ہے کہ منفرد کے ساتھ مل کر جماعت

[1] فتاوٰی سراجیہ کتاب الوقف باب اجارۃ الوقف وبیعہ نولکشور لکھنؤ ص ۹۳

الجماعۃ المروی فی جامع الترمذی وغیرہ الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ [1] وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل سلامٰی من الناس علیہ صدقۃ کل یوم تطلع فیہ الشمس تعدل بین الاثنین صدقۃ بینھما، وتعین الرجل علی دابتہ فتحمل علیھا او ترفع لہ علیھا متاعہ صدقۃ والکلمۃ الطیبۃ صدقۃ ودل الطریق صدقۃ وتمیط الاذی عن الطریق صدقۃ [2]۔اخرجہ احمد والشیخان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ، وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مامن رجل مسلم یصاب بشیئ فی جسدہ فیتصدق بہ الا رفعہ اللہ بہ درجۃ وحط عنہ خطیئتہ [3]۔اخرجہ احمد والترمذی وابن ماجۃ عن ابی الدرداء واحمد والضیاء نحوہ عن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما باسناد صحیح۔	کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان الفاظ میں حکم دیا: "الا رجل یتصدق علی ہذا فیصلی معہ کوئی اس پر صدقہ کرے اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے" یوں ہی سرکار فرماتے ہیں: "آدمی کے ہر جوڑ پر ہر دن صدقہ ہے۔تو دو آدمیوں کے بیچ انصاف کرنا صدقہ ہے،آدمی کو جانور پر سوار ہونے میں مدد دینا صدقہ ہے۔آدمی کا بوجھ لاد دینا صدقہ ہے۔اچھی بات صدقہ ہے۔راستہ بتانا صدقہ ہے۔راستہ سے کوڑا کرکٹ دور کردینا صدقہ ہے۔(احمد ومسلم وبخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ) یونہی یہ حدیث شریف: "آدمی کے جسم میں تکلیف ہو تو جو اس پر صدقہ کرے اور مدد کرے تو اللہ تعالٰی اس کا درجہ بلند کرے گا اور گناہ معاف کرے گا(احمد،ترمذی،ابن ماجہ عن ابی الدرداء،احمد وضیاء نحوہ عن عبادۃ باسناد صحیح)

[1] سنن ابو داؤد کتاب الصدقات باب فی المجمع فی المسجد مرتین آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۵،جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی الجماعۃ فی مسجد الخ امین کمپنی کراچی ۱/۳۰

[2] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب من اخذ بالرکاب ونحوہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۱۹،صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۵،مسند احمد بن حنبل مسندا بوہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۱۶

[3] جامع الترمذی ابواب الدیات باب ماجاء فی العفو امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۷،سنن ابن ماجہ ابواب الدیات باب العفو فی القصاص ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۹۷،مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الدرداء المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۴۴۸

السادس قد یستقصی فی التوسع فیقطع النظر عن الغیر ایضاً ویطلق علی کل فعل حسن محمود فی الشرع فانہ ان لم یکن تصدقا علی غیرہ، فتصدق علی نفسہ، ومن ذٰلک قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی حدیث ابی ہریرۃ المار کل خطوۃ تخطوہا الی الصلٰوۃ صدقہ [1]۔وجاء فی حدیث کل تکبیرۃ صدقۃ [2]۔وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل معروف صدقۃ [3] اخرجہ احمد والبخاری واٰخرون عن جابر واحمد و مسلم وابوداؤد عن حذیفۃ والطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود والبیہقی فی الشعب عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم، زاد عبد بن حمید والحاکم، و صححہ فی حدیث جابر ہذا وما انفق المسلم من نفقۃ علی نفسہ واہلہ کتب لہ بہا صدقۃ [4]۔وتتمہ حدیث المقدام المقدم	**(۶)** اور کبھی لفظ صدقہ بھی توسع کی انتہا ہو جاتی ہے کہ ہر فعل محمود ومشروع کو صدقہ کہتے ہیں کہ دوسرے پر صدقہ نہ ہو تو اپنے پر تو ہے۔ "مسجد کی طرف بڑھنے والا ہر قدم صدقہ ہے۔ہر تکبیر صدقہ ہے۔ہر نیکی صدقہ ہے۔(احمد وبخاری وآخرون عن جابر، احمد، ومسلم، ابوداؤد، عن حذیفہ طبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود، بیہقی عن ابن عباس) عبدابن حمید وحاکم نے اس حدیث میں اتنا اضافہ کیا اور حاکم نے اس کی تصحیح کی: "مسلمان نے اپنے اور اہل وعیال کے لئے جو خرچ کیا اس پر صدقہ کا ثواب ملے گا" نمبر ۳ میں ذکر کی ہوئی حدیث مقدام ابن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تتمہ یہ ہے: "اور جو خود کھایا صدقہ ہے" ان اطلاقات کو خوب ذہن نشین کرلیں، شائد کہ اس تحریر کے علاوہ اس تفصیل سے نہ ملے، اب صرف یہ فیصلہ رہ جاتا ہے۔ کہ قربانی کے

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۰۴و۴۱۹، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۵

[2] صحیح مسلم کتاب الصلٰوۃ المسافرین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۰ و کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۳۲۴

[3] صحیح البخاری کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹۰، صحیح مسلم کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۴، سنن ابوداؤد کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲۰، مسند احمد بن حنبل ۵/ ۳۹۷ والمعجم الکبیر حدیث ۱۰۰۴۷و۱۰۴۱۲ ۱۰/ ۱۱۰و ۲۳۲

[4] المستدرک للحاکم کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/ ۵۰

ذکرہ وما اطعمت نفسك فھو لك صدقة [1] اتقن ہذا فلعلك لاتجد بیان تلك الاطلاقات الا فی ہذہ الوریقات واللہ سبحانہ واھب العطیات۔	سلسلہ میں جس صدقہ کاذکر آیا ہے وہ ان اطلاقات میں سے کسی اطلاق کے تحت آیا ہے۔تو یہ طے ہے کہ نمبر اول مراد نہیں ہے۔کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ قربانی کے گوشت کو بطور اباحت کھلاسکتے ہیں تو اس معنی پر محمول کرنا صحیح نہ ہوگا جس میں تملیک ضروری ہے اور یہ بات مجمع الانہر وغیرہ کے قول کے ملانے سے صاف ظاہر ہوجاتی ہے۔چنانچہ صاحب مجمع فرماتے ہیں:"قربانی کے مصرف کی تین حیثیت ہے: کھانا، جمع کرنا، صدقہ کرنا"
ثم ان المراد بالتصدق فی قولھم فی الاضاحی یتصدق بالثلث وقولھم یندب ان لا ینقص الصدقة عن الثلث،لیس ھو المعنی الاخص الاول،کیف،و قد اجمعوا علی اباحة الاباحة فی القربان،فلایمکن تعیین الاخص المنحصر فی التملیك ویتضح ذٰلك فی قوله مجمع الانھر وغیرہ الجھات ثلث الاکل والادخار و التصدق [2] ھ فاین الاطعام العام الغیر المخصوص بالتملیك المنصوص علیه فی قوله عز مجدہ "وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ؕ" [3]۔وقد استدل فی الھدایة بالایة علی قول البدایة یستحب ان لاینقص الصدقة عن الثلث، قائلا ان الجھات ثلث الاکل و الادخار لما روینا و الاطعام لقوله تعالٰی و اطعموا القانع والمعتر و انقسم علیھا اثلاثة [4] اھ	حالانکہ قرآن شریف میں کھلانے کا صریح ذکر ہے تو ظاہر ہے کہ یہ کھلانا جس میں اباحت کافی ہوجاتی ہے صاحب مجمع نے لفظ صدقہ کہہ کر اس کو بھی مراد لیا ہے۔ اسی طرح صاحب ہدایہ نے صاحب بدایہ کے اس قول کی دلیل دی:"صدقہ ثلث سے کم نہ ہونا چاہئے"۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں:"اس لئے کہ جہتیں تین ہیں: کھانا، جمع کرنا،یہ تو حدیث سے ثابت ہے۔اور کھلانا،یہ قرآن سے ثابت ہے کہ محتاج کو کھلاؤ،تو تینوں کے لئے ایک ایک ثلث رکھا گیا"

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۳۴ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۰ /۲۶۸

[2] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۵۲۱

[3] القرآن الکریم ۲۲ /۳۶

[4] الھدایة کتاب الاضحیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۴۴۸

فلو کان المراد بالصدقة ہو المعنی الاخص لما انطبق الدلیل علی المدعی کما لا یخفی، واذ قد علمت ان الصدقة لہا اطلاقات وان لزوم التملیك انما ہو فی المعنی الاول وانہ غیر مراد ہھنا، وجب ان لایکون مرادا ایضا قولھم یتصدق بجلدہا فان التصدق ھھنا ھو عین التصدق فی قولھم یتصدق بالثلث یرشدك الیه تعلیل الھدایة بقوله لانه کجزء منہا فثبت ان لیس تصدق الجلد مما یقتصر علی التملیك حتی لو صنع منه دلوا، ووقفه علی بئر مسجد لیستسقی المتوضؤون جاز [عه] قطعا فسقط الاحتجاج رأسا۔	اب اگر صاحب ہدایہ کے قول "صدقہ ثلث سے کم نہ ہو" میں لفظ صدقہ سے مراد وہ نہیں جس میں تملیک ضروری ہو، اور جب گوشت میں یہ ثابت ہوچکا تو حسب قول ہدایہ، "کھال بھی قربانی ہی کا جز ہے" کھال کا بھی یہی حکم ہوگا کہ اس میں بھی تملیک ضروری نہ ہوگی مسجد میں پانی نکالنے کے لئے اس کا ڈول بن سکتا ہے۔ القصہ ان لوگوں کا ہدایہ اور کافی وغیرہ سے استدلال ساقط ہے۔
بقی انه اذ لیس المراد الاول فای البواقی یراد وانما البینة علی من یدعی، نعم ان سألتنا التبرع، فنقول حدیث نبیشه الخیر الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنه یھدینا الی مطلق الائتجار الحاصل بسائر وجوہ القرب، فلیکن المراد ھو المعنی الرابع، وہو الغالب فی الصدقات النافلة۔	اب ایک رہ گیا، قربانی میں اگر صدقہ بمعنی اول مراد نہیں، تو بقیہ معانی میں سے کون سے معنی مراد ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے ہمیں تو تملیک والے صدقہ کی نفی سے کام تھا، جب یہ مراد نہیں تو صدقہ اور جس معنی میں مراد لیا جائے ہمارا مقصد حاصل ہے۔ مگر تبرعاً ہم وہ بھی بتادیتے ہیں۔

عــــہ: ای علی المفتی به من جواز وقف المنقول حیث تعورف وقد تعارف المسلمون وقف الدلو والرشا علی اٰبارا لمساجد ۱ھ ۱۲ منه قدس سرہ العزیز

یعنی مفتی بہ قول پر کہ منقول چیز کا وقف جائز ہے جب متعارف ہو اور بیشک مسلمانوں میں ڈول اور رسی وغیرہ مساجد کے کنوؤں کے لئے مروج ہے اھ ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

علی ان قد بینا ان معنی المنع لیس ترك التصدق المامور به،فانه غیر المامور به ہھنا رأسا بل المعنی قصد التمول المنھی عنه فی کل ماتقرب به الی المولی سبحٰنه وتعالٰی وھو لایتحقق فی شیئ من القرب، فلایضرنا عندالتحقیق ارادۃ شیئ من المعانی اصلا کما لایخفی علی من رزق العقل السلیم والفھم المستقیم،والله سبحنه بکل شیئ علیم،ہذا وجه فی الجواب عن احتجاج ہذا الفاضل المستطاب

حدیث حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ایتجار (کار ثواب) کا لفظ آیا ہے جو تمام کار خیر کو عام ہے تو چوتھے معنی میں جو عام طور سے صدقات نفلیہ مراد ہوتے ہیں وہی مراد لینا صحیح ہوگا۔
علاوہ ازیں ہمارا کہنا ہے کہ قربانی میں قصد تصدق کی ممانعت ہے۔ نہیں قصد تمول کی ممانعت ہے تو جس قسم کے صدقہ کی نیت کرے قصد تمول نہیں پایاجائے گا اور صدقہ جائز ہوگا، اس لئے صدقہ کی جو قسم بھی مراد لے لو ہمیں کوئی ضرر نہ ہوگا۔

اقول: ثانیا مبناہ عن حصر السائغ فی الاوجه الثلثه و لا دلیل یدل علی الحصر،وعدم الذکر لیس ذکر العدم وہذا الامام القدوری مقتصرا فی مختصرہ علی شیئین التصدق وعمل آلة حیث قال ویتصدق بجلودہا اویعمل منه آلة تستعمل فی البیت [1] اھ فترك التبدل بما یبقی ایضا،فیظن کلامه ھذا معارضه لکلام من ثلث،وہذا المحقق الحلبی قال فی ملتقاہ وھو من متون المذہب المعتمدۃ کما نص علیه العلامة الشامی،یاکل من

مزید توضیح: جیسا کہ ہم اوپر ذکر کرآئے ہیں کہ اس عالم اہلسنت کی غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ مصارف قربانی کی صرف تین جہتیں ہیں حالانکہ اس پر کوئی دلیل نہیں، اگر کسی مصنف نے صرف تین ہی ذکر کیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ زائد نہیں، کہ عدم ذکر، ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں، امام قدوری نے تو اپنی مختصر میں دو۲ ہی جہت کا ذکر کیا: "کھال کا صدقہ کردیا جائے یا گھریلو استعمال کے لئے کوئی چیز بنالی جائے" تو انھوں نے باقی رہنے والی چیز سے استبدال والی شق چھوڑ دی، تو کیا ان کے کلام کو تین شق ذکر کرنے والوں کے کلام کے معارض سمجھا جائے، حضرت ابراہیم حلبی نے فرمایا: "قربانی کا گوشت کھائے اور مالدار اور فقیر جس کو چاہے کھلائے، اور صدقہ تہائی حصہ سے کم نہ کرے"۔

[1] مختصر القدوری کتاب الاضحیہ مطبع مجیدی کانپور ص۲۵۹

لحم اضحیته ویطعم من شاء من غنی وفقیر، وندب ان لاینقص الصدقه عن الثلث[1] اھ فلم یذکر التبدل بالباق فی مسئلة اللحم مع جوازہ قطعا علی المذھب الصحیح، وان اختیر ماصححه فی الظھیریة وغیرھا من جواز تبدل الماکول بالماکول کاللحم بالحبوب واللبون وغیرہ بغیرہ کالجلد بالکتاب و الجواب لاعکسه فی الصورتین فقد ترك ہذا الوجه فی اللحم، وعلی کل فلم یحط، بکل ماہو سائغ، ونظائر ذٰلك ان تتبعت اعیاك عدہا کثرا واذلا حصر فلا ساغ لان یقال اذا انتفی الاخیران تعین الاول وقد لوحنا ببعض من ہذا فی مطاری کلامنا فی الوجه السابق۔	تو انھوں نے بھی تبدیل بالباقی والی شق چھوڑدی حالانکہ مذہب صحیح پر یہ جائز ہے۔اور ظہیریہ میں تو گوشت کو ماکولات جیسے غلہ اور مغزیات کے ساتھ بدلنے کی بھی اجازت دی اور جلد کو کتاب اور چمڑے کی تھیلی کے ساتھ اس کا الٹا نہیں، تو ایک یہ صورت بھی متروک ہوگئی، تو قربانی میں جن جن امور کی اجازت ہے سب کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔اور جب حصر واحاطہ نہیں تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ جب دو۲ قسمیں متحقق نہ ہوئیں تو تیسری متعین ہے۔
واقول: ثالثا ان ابتیم الاالحصر فنبئونی فلا یجوز اھداء غنی، و لیس من الثلثة، اولایجوز الاعارة من فقیر اوملی ولیس منها اولا یجوز البیع بالدراہم للتصدق ولیس البیع للتصدق عین التصدق فاذبقیت ہذہ فلیکن البیع بہا لاجل التقرب ایضا من البواقی،	اسی طرح مالدار کو ہدیہ کرنا جائز اور فقیر کو عاریۃً دینا ناجائز ہے یہ دونوں صورتیں بھی تو ان تینوں میں شامل نہیں کیا صدقہ کی نیت سے دراہم کے بدلے بیع جائز نہیں، حالانکہ بیع کرنا صدقہ کرنا نہیں ہے تو جب اس کار ثواب کے لئے بیع جائز تو دوسرے کار ثواب کے لئے کیوں جائز نہ ہوگی۔
وبالجملة فلا دلیل یظھر علی عدم جواز البیع لاجل القرب ولا علی وجوب التملیك	المختصر کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے کار ثواب کے لئے بیچنا منع ہو اور اس کا تصدق بطور تملیک

[1] ملتقی الابحر کتاب الاضحیه مؤسسة الرسالة بیروت ۲ /۲۲۴

اذا فعل ذٰلك بل الدليل ناطق بخلافه فان المانع انما هو قصد التمول وهذا بمعزله عنه، والمسوغ کما تبين بكلام التبيين قصد القربة وهذا، فلنقتصر على هذا القدر، حامدين لربنا فی الورد والصدر، ہذا ما ظهر لفهمی القاصر وفكری الفاتر ومعاذالله ان ابری نفسی من الخطأ والزلل واصر علی رائی بعد وضوح الخلل وسبحن الله اليش انا واليش رأيي و انما النقص بضاعتی والخطأصنا عتی، والجهل صفتی و العجز سمتی فان اصابت فبتوفيق ربی، وله الحمد فی كل اٰن وحين، وان اخطأت فبشوم ذنبی و اسأل التوبة ارحم الراحمين، والحمدلله العزيز الوہاب، والصلاة والسلام على النبی الاواب واله و صحبه خير آل واصحاب واذا انتهت الرسالة بحمدی ذی الجلالة وددت ان اسميها بعلم لطيف، يكون علما علی عامة التاليف، كما ہو دأبی فی جميع التصانيف وقد جاءت بحمدالله تعالٰی مختصرة ومع الاختصار مطهرة مظهرة، فناسب ان اسميها، "الصافية الموحية لحكم جلود الاضحية" وكان ذٰلك ضحوة الخميس لليلة بقيت من ذی القعدة الحرام سنة الف وثلثمائة وسبع من	ہونا ثابت ہو اور جس چیز کو ممانعت پر دلیل قائم ہے وہ بیع بقصد تمول ہے۔اور ان دونوں میں بون بعید ہے۔اور قربانی کے اجزاء سے قصد تقرب جائز ہے۔اور یہ بیع اسی لئے ہے۔ اس لئے اس کے جائز ہونے میں شبہ نہیں۔ اب ہم اس پر بس کرتے ہیں، اور ابتداء وانتہا میں اپنے رب کی حمد کرتے ہیں، میں اپنے نفس کو خطا ولغزش سے بری نہیں گردانتا اور خلل ظاہر ہونے کے بعد میں اپنی رائے پر اصرار بھی نہیں کرتا، سبحان اللہ ! میں کیا اور میری رائے کیا، نقصان ہی میری پونجی ہے اور خطا شان بندگی، لاعلمی میری صفت اور عاجزی میرا نشان اگر یہ ٹھیک ہو تو میرے رب کی توفیق سے ہے۔اور اسی کے لئے ہر دم تعریف، اور غلط ہو تو میرے گناہوں کی برائی، میں اللہ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور اس کی حمد بجالاتا ہوں، اور اس کی حمد پر یہ رسالہ ختم ہوا۔ اس کا ایک لطیف نام (جس سے میرے طریقہ کے مطابق کتاب کا بھی سن تالیف بھی ظاہر ہو) کی تلاش ہوئی تو اس کا نام "الصافية الموحية لحكم جلو دالاضحية" رکھا، اور یہ پنجشنبہ کے روز چاشت کے وقت ۲۹ ذوالحجہ ۱۳۰۷ھ میں ہوا۔ اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے

ہجرۃ المولی سید الانام افضل الصلاۃ واکمل سلام واجمل تحیۃ من الملك المنعام علیہ وعلی آلہ وصحبہ الکرام علی مر اللیالی والایام، والحمدﷲ ذی الجلال والاکرام کتبہ العبد المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	آل واصحاب پر ہزاروں سلام، جب تک رات دن گزرتے ہیں۔ والحمدﷲ رب العالمین۔

مسئلہ ۲۹۴: از ریاست رامپور مدرسہ مطلع العلوم مرسلہ محمد امام الدین صاحب ۱۵صفر ۱۳۳۶ھ

دیہات میں قبل از صلٰوۃ العید قربانی کرنا یا مرغ وغیرہ ذبح کرنا درست ہے یانہیں۔ اور جزار بغیر پوست کش کو قربانی کے چمڑے کی قیمت مل سکتی ہے یانہیں، اور میاں جی اور شاگرد جی بغیر طالب علم اس چمڑے کی قیمت کے مصرف ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس قیمت کو مدرسہ ومسجد وغیرہ کے اسباب میں صرف کرنا درست ہے یانہیں؟ اور قربانی کرنے والا اپنے ہاتھ سے مال یعنی چمڑے کی قیمت تقسیم کرسکتا ہے یانہیں؟

الجواب:

مرغ کی قربانی مکروہ وتشبہ بالمجوس ہے۔ نہ اس سے واجب اضحیہ ادا ہوسکتا ہے اور جائز قربانی شرعی وہ صبح ہی کرسکتے ہیں کہ ان پر نماز عید نہیں، اجرت جزار میں اس کی قیمت دینا جائز نہیں کہ تمول ہے اور قربانی سے تمول ناجائز، اس چمڑے کا یہی حکم ہے۔ جو اصل کا کہ ادخار وایتجار دونوں جائز ہیں خواہ اس کی مشک بنوالے یا کتابوں کی جلدیں یا اسے مسجد یا مدرسہ دینیہ اہلسنت میں دے دے، یا بہ نیت مصارف خیر بیچ کر اس کی قیمت مصرف خیر میں صرف کرے خواہ اپنے ہاتھوں سے یا اور کے ہاتھوں سے۔ ہاں اگر اپنے لئے اسی داموں سے بیچا تو وہ دام خبیث ہیں اور ان کی سبیل تصدق، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۵: از سلون ضلع رائے بریلی مرسلہ محمد طٰہ صاحب ۴ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیاارشاد ہے علمائے کرام کا اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ قربانی کی رسی وجھول صدقہ کرنا چاہئے۔ اور حسب ذیل حوالہ پیش کرتا ہے۔ **(۱)** شرح وقایہ جلد اول۔ کتاب الحج۔ باب الاحصار، بیان احکام الھدی

(۲) عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ **(۳)** درمختار جلد اول باب الھدی

(۴) ہدایہ جلد اول، کتاب الحج، باب الھدی **(۵)** قدوری، باب الھدی **(۶)** تنقیح الضروری حاشیۃ قدوری

بکر کہتا ہے کہ قربانی کی رسی وجھول صدقہ کرنے کی کتب فقہ میں کوئی دلیل نہیں، اور زید کے پیش کردہ حوالہ پر حسب ذیل اعتراض کرتا ہے:

اول: شرح وقایہ وہدایہ وغیرہ میں مسئلہ مبحوث عنہ کو باب الھدی میں بیان کیا ہے۔حالانکہ یہ مسئلہ باب الاضحیہ سے تعلق رکھتا ہے اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

دوم: علی طریق التنزیل یہ ثابت بھی ہوجائے تو لفظ خطام جس سے زید نے اپنا مدعا ثابت کیا ہے تو کیا اس کے معنی کسی لغوی نے گراؤں یعنی رسی کے بیان کئے ہیں،ابن اثیر ابو عبیدہ کسی نے تصریح کی ہے۔خطام کے معنی گراؤں کے ہیں۔

سوم: کتاب عمدۃ الرعایۃ نے خطام کے تصدق کرنے کے لئے ایک حدیث نقل کی ہے اور کہا کہ اس حدیث کی بخاری اور مسلم نے تخریج کی ہے۔تو کیا اس روایت سے خطام کے تصدق کا حکم ثابت ہوتا ہے،فقط تام ہوا کلام بکر کا،بس دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟اور بکر کے اعتراضات کے جوابات کیا ہیں؟

الجواب:

انقیاد شتر کے لئے دو طریقے معمول ہیں،ایک یہ کہ وسط بینی کے گوشت یا ایک طرف کے نتھنے میں سوراخ کرکے تانبے، چاندی،سونے کا حلقہ یا لکڑی یا بالوں کا بناہوا چھلا ڈالیں،اور مضبوط ڈور کا سرا اس میں اور دوسرے سرے میں رسی یا خود اس میں رسی باندھیں،اس حلقے کو برہ بضم موحدہ وفتح رائے مخففہ اور لکڑی کو خشاش بالکسر،اور فارسی میں مہار بالفتح،اور بالوں کے چھلے کو عربی میں میں حرامہ،اور سب کو زمام بالکسر،نیز اس ڈور کو زمام اور اس رسی کو کہ اس میں باندھی جاتی ہے مقود بالکسر،نیز اسے بھی عربی وفارسی میں زمام ومہار اور مجموع کو ہندی میں نکیل کہتے ہیں،یہ اس کے انقیاد کا اکمل طریقہ ہے اور اکثر ناقہائے سواری میں یہی مستعمل ہے۔کہ بے اس کے انقیاد تام نہیں ہوتا،گرا دینے کا احتمال رہتا ہے۔دوسرا یہ کہ رسی کا حلقہ اس کے گلے میں قریب گوش ہار کی طرح ڈال کر منہ پر ناک کے قریب اس کا پھندا دیتے ہیں،عربی میں اسے خطام بالکسر،اور ہندی میں مہیر کہتے ہیں،نیز زمام بمعنی سوم بلکہ دوم بلکہ کبھی اول کو بھی خطام بولتے ہیں،تو خطام کے چار اطلاق ہوئے،مگر وہ رسی کہ گائے بھینس بکری کے گلے میں باندھی جاتی ہے۔اسے خطام کوئی نہیں کہتا،نہ مادہ خطام اس کی مساعدت کرتا ہے کہ وہ خطم بمعنی بینی سے ماخوذ ہے۔نہایہ ابن اثیر ومجمع البحار میں ہے:

خطام البعیر ان یوخذ حبل من لیف اوشعر اوقطان فیجعل فی احدطرفیہ حلقۃ،ثم یشد فیہ الطرف الاٰخر حتی یصیر کالحلقۃ ثم یقلد البعیر ثم یثنی علی مخطمہ واما مایجعل	اونٹ کی خطام یہ ہے کہ کھجور کی چھال یا بالوں یا کائی سے رسی بناکر اس کے ایک طرف حلقہ بنایا جائے پھر اس میں دوسرا کنارہ باندھا جائے تاکہ وہ حلقہ کی مثل ہوجائے،پھر اسے اونٹ کی گلے میں ہار کی طرح ڈالا جائے پھر اس کو اونٹ کی ناک پر لپیٹ دیا جائے،اور وہ باریک رسّی جو

فی الانف دقیقافھو الزمام [1]۔	ناک میں ڈالی جاتی ہے وہ زمام ہے۔(ت)

فقہ باب ۲۳ فصل ۳۶ میں ہے:

الخطام الحبل یجعل فی طرفہ حلقۃ ویقلد البعیر ثم یثنی علی مخطمہ [2]۔	خطام وہ رسی ہے جس کے ایک طرح حلقہ بناکر اونٹ کے گلے میں ہار کی طرح ڈالا جاتا ہے۔ پھر اس کو اونٹ کی ناک پر لپیٹا جاتا ہے۔ (ت)

مصباح منیر میں ہے:

خطام البعیر معروف وسمی بذٰلك لانہ یقع علی خطمہ [3]۔	اونٹ کی مہار معروف چیز ہے اس کا خطام اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی ناک پر لگائی جاتی ہے۔(ت)

تاج العروس میں ہے:

قال ابن شمیل ھو کل حبل یعلق فی حلق البعیر ثم یعقد علی انفہ کان من جلد اوصوف اولیف اوقنب [4]۔	ابن شمیل نے کہا خطام ہر اس رسی کو کہتے ہیں جسے اونٹ کے گلے میں لٹکایا جاتا ہے پھر اس کی ناک پر گرہ لگادی جاتی ہے چاہے وہ رسی چمڑے کی ہو یا اون کی ہو یا کھجور کی چھال کی ہو یا سن کی ہو۔(ت)

جامع الرموز میں ہے:

(خطام)ھو حبل یجعل فی عنق البعیر ویثنی علی اُنفہ [5]۔	(اس کی خطام) وہ رسی ہے جس کو اونٹ کی گردن میں ڈال کر اس کی ناک پر لپیٹ دیا جاتا ہے۔(ت)

قاموس میں ہے:

الخطم من الدابۃ مقدم اُنفھا وفمھا۔	چار پائے کا خطم اس کی ناک اور منہ کے اگلے حصے کو

---

[1] مجمع بحار الانوار باب الخاء مع الطاء تحت لفظ خطم مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۲/ ۷۱، النھایۃ لابن اثیر باب الخاء تحت لفظ خطم المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبھا ریاض ۲/ ۵۰

[2]

[3] المصباح المنیر الخاء مع الطاء تحت لفظ خطم مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۸۷

[4] تاج العروس فصل الخاء من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۸۲

[5] جامع الرموز کتاب الحج فصل الاحصار مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۴۳۸

والخطام کل ماوضع فی انف البعیر لیقاد بہ [1]۔	کہتے ہیں، اور خطام اس شے کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے اونٹ کو کھینچا جاسکے۔ (ت)

تاج میں ہے: کذا فی المحکم [2] (محکم میں یوں ہی ہے۔ت) بحرالرائق میں ہے:

الخطام ھو الزمام وہو مایجعل فی انف البعیر [3]۔	خطام زمام ہی ہے اور یہ اسی شیئ کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔ (ت)

در ثمین میں ہے:

الخطام الحبل الذی یقاد بہ البعیر [4]۔	خطام وہ رسی ہے جس کے ذریعے سے اونٹ کو چلایا جاتا ہے۔ (ت)

مجمع البحار میں کرمانی سے ہے:

بخطام عـــہ اوبزمامہ وھما بمعنی والشك فی تعیینہ وھو بکسر خاء خیط یشد فیہ الحلقۃ المسماۃ	(حدیث میں وارد ہونے والے الفاظ) اس کی خطام یا اس کی زمام دونوں ہم معنی ہیں، شک اس کی تعیین میں ہے۔ اور خطام خاء کے کسرہ کے

عـــہ: ای فی حدیث البخاری فی کتاب العلم عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ذکر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قعد علی بعیرہ وامسك انسان بخطامہ اوبزمامہ [5]۔ الحدیث ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز

یعنی امام بخاری نے کتاب العلم میں ابوبکرہ سے حدیث بیان کی ہے انھوں نے ذکر فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے اونٹ پر بیٹھے اور ایک آدمی نے اونٹ کی نکیل کو تھام رکھا تھا، الحدیث ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

---

[1] القاموس المحیط فصل الخاء من باب الجیم مصطفی البابی مصر ۴ /۱۰۹

[2] تاج العروس فصل الخاء من باب الجیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۸ /۲۸۲

[3] بحرالرائق کتاب الحج باب الھدی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳ /۶۷

[4] الدرالثمین

[5] صحیح البخاری کتاب العلم باب من قعد حیث ینتھی بہ المجلس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

بالبرۃ، ویشد فی طرفہ المقود [1]۔	ساتھ اس دھاگے کو کہتے ہیں جس میں برہ نامی حلقے کو باندھا جاتا ہے اور اس کے کنارے میں رسی باندھی جاتی ہے۔(ت)

نہایہ نیز مجمع میں ہے:

البرۃ حلقۃ تجعل فی لحم الانف، وربما کانت من شعر [2]۔	برہ وہ حلقہ ہے جو ناک کے گوشت میں ڈالا جاتا ہے اور بسا اوقات وہ بالوں کا ہوتا ہے۔(ت)

اس میں شرح جامع الاصول لمصنفہ سے ہے:

حلقۃ یشد بہا الزمام [3]۔	وہ ایک حلقہ ہے جس کے ساتھ زمام کو باندھا جاتا ہے۔(ت)

نیز امام نوری سے ہے:

الزمام مایجعل فی البعیر دقیقا وقیل مایشد بہ رؤسہا من حبل وسیر [4]۔	زمام اس باریک رسی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ ایک ایسی رسی یا تسمہ ہے جس کے ساتھ اونٹوں کے سروں کو باندھا جاتا ہے۔(ت)

مصباح منیر میں ہے:

قال بعضہم الزمام فی الاصل الخیط الذی یشد فی البرۃ اوفی الخشاش ثم یشد الیہ المقود ثم سمی بہ المقود نفسہ [5]۔	ان میں سے بعض نے کہا زمام اصل میں اس ڈوری کو کہتے ہیں جسے برہ (حلقہ) یا لکڑی میں باندھا جاتا ہے پھر اس میں مقود (رسی) کو باندھا جاتا ہے پھر خود اس زمام کا نام مقود رکھا جاتا ہے۔(ت)

تاج العروس میں ہے:

الزمام ھو الحبل الذی یجعل فی البرۃ والخشبۃ قال الجوھری اوفی الخشاش	زمام اس رسی کو کہتے ہیں جس کو حلقہ یا لکڑی میں ڈالا جاتا ہے۔ جوہری نے کہا یا اس کو خشاش (لکڑی)

[1] مجمع البحار باب الخاء مع الطاء مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۲ /۷۲

[2] مجمع البحار الانوار باب الباء مع الراء مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۱۸۷

[3] مجمع البحار باب الباء مع الراء مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۱۸۷

[4] مجمع البحار باب الزاء مع المیم مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۲/ ۴۴۰

[5] المصباح المنیر الزاء مع المیم تحت الزمام مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۴

ثم یشد فی طرفه المقود وقد یسمی المقود زماما[1]۔	میں ڈالا جاتا ہے پھر اس کے کنارے میں رسی باندھی جاتی ہے اور کبھی اس رسی کا نام زمام رکھا جاتا ہے۔(ت)

صراح میں ہے:

خشاش بالکسر چوب کہ دربینی شتر کنند وہرچہ از مس باشد آں رابرہ گویند، وآنچہ از موئے آں راخزامہ[2]۔	خشاش خاء کے کسرے کے ساتھ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے پیتل کی جو شے اونٹ کی ناک میں ڈالتے ہیں اس کو برہ کہتے ہیں اگر وہ بالوں کی ہو تو اسے خزامہ کہتے ہیں۔(ت)

اسی میں ہے: خطام بالکسر مہار[3] (خطام کسرہ کے ساتھ مہار۔ت) اسی میں ہے:

زمام بالکسر مہار درشتہ کہ در چوب بینی شتر بندند وبروئے مہار بندند[4]۔	زمام کسرہ کے ساتھ مہار اور وہ دھاگہ جو اونٹ کی ناک میں ڈالی ہوئی لکڑی کے ساتھ باندھتے ہیں اور اس پر مہار باندھتے ہیں۔(ت)

برہان میں ہے:

مہار بالفتح چوبیکہ دربینی شتر کنند وریسما براں بندند[5]۔	مہار فتحہ کے ساتھ اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کو اونٹ کی ناک میں ڈال کر اس پر ڈوری باندھتے ہیں۔(ت)

قاموس میں ہے: الخزامة ککتابة البرة[6] (خزامہ بروزن کتابہ حلقہ کو کہتے ہیں۔ت) تاج میں ہے:

وھی حلقة من شعر تجعل فی وترة انفه یشد بھا الزمام کمافی	اور وہ (خزامہ) بالوں کے اس حلقہ کو کہتے ہیں جس کو اونٹ کی ناک کے بانسہ میں ڈال کر اس کے ساتھ

---

[1] تاج العروس فصل الزاء من باب المیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۸ /۳۲۸

[2] الصراح من الصحاح باب الشین فصل الخاء مطبع مجیدی کانپور ص ۲۵۷

[3] الصراح من الصحاح باب المیم فصل الزاء مطبع مجیدی کانپور ص ۴۶۸

[4] الصراح من الصحاح باب المیم فصل الزاء مطبع مجیدی کانپور ۴۷۵

[5] برہان

[6] القاموس المحیط باب المیم فصل الخاء مصطفی البابی مصر ۴ /۱۰۶

الصحاح، وقال اللیث ان کانت من صفر فھی برۃ وان کانت من شعر فھی خزامۃ [1]۔	رسی باندھی جاتی ہے جیسا کہ صحاح میں ہے۔ لیث نے کہا اگر وہ حلقہ پیتل کا ہو تو اس کو برہ اور اگر وہ بالوں کا ہے تو اس کو خزامہ کہا جاتا ہے۔ (ت)

سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھدی عام الحدیبیہ فی ھدایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جملا کان لابی جھل فی راسا، برۃ من فضۃ۔ وفی روایۃ من ذہب یغیظ بذٰلك المشرکین [2]۔	بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیبیہ والے سال قربانی کے لئے جو اونٹ روانہ فرمائے ان میں ایک اونٹ ابوجہل کا تھا جس کے سر (ناک) میں چاندی کا ایک چھلا تھا، ایک روایت ہے کہ سونے کا چھلا تھا، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے مشرکوں کو جلانے کے لے ایسا کیا تھا۔ (ت)

مرقاۃ میں ہے:

(فی راسہ) ای انفہ فان البرۃ حلقۃ من صفر ونحوہ تجعل فی لحم انف البعیر وقال الاصمعی فی احد جانبی المنخرین لکن لما کان الانف من الراس قال فی راسہ علی الاتساع [3]۔	(اس کے سر میں) یعنی اس کی ناک میں کیونکہ برہ پیتل یا اس جیسی کسی شے کے ایسے حلقہ کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک کے گوشت میں ڈالا جاتا ہے اور اصمعی نے کہا کہ وہ اونٹ کے نتھنوں کے ایک طرف ڈالا جاتا ہے لیکن ناک چونکہ سر ہی کا حصہ ہے اس لئے راوی حدیث نے بطور مجاز کہا کہ اس کے سر میں حلقہ تھا۔ (ت)

مجمع البحار میں طیّبی سے ہے: جعلہ فی الرأس اتساعا [4] (اس حلقہ کو سر میں قرار دینا بطور مجاز ہے۔ ت) سلمہ بن سحیم کی حدیث میں ہے:

---

[1] تاج العروس فصل الخاء من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۷۴۔۲۷۳

[2] سنن ابی داؤد کتاب المناسك باب فی الھدی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۴۴

[3] مرقاۃ المفاتیح کتاب المناسك الفصل الثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۵/ ۵۲۸

[4] مجمع البحار الانوار باب الباء مع الرائ مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۱۷۸

ان صاحبا لنارکب ناقۃ لیست بمبراۃ فسقط فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غرر بنفسہ[1]۔	ہمارا ایک ساتھی بغیر نکیل کے اونٹنی پر سوار ہوا اور گرگیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے خود کو ہلاکت میں ڈالا۔(ت)

نہایہ میں ہے:

لیست بمبراۃ ای لیس فی انفھا برۃ یقال ابریت الناقۃ فھی مبراۃ[2]۔	"وہ اونٹنی مبراۃ نہیں تھی" کا معنی یہ ہے کہ اس کی ناک میں برہ(حلقہ) نہیں تھا کہا جاتا ہے کہ میں نے اونٹنی کو حلقہ ڈالا تو وہ مبراۃ(حلقہ والی) ہوگئی(ت)

عمدۃ الرعایۃ میں ہے کہ خطام کی تفسیر زمام گردن بعیر کی اگرچہ کلمات اہل فن سے جدا ہے۔مگر معنی سوم زمام پر بجا ہے۔اور اس سے ہر رسن گردن سمجھنا خطا ہے۔اس میں زمام گردن نہیں بلکہ رسن اور زمام بے تعلق بنی صادق نہیں، حدیث کہ اس میں صحیح بخاری ومسلم کی طرف نسبت کی۔جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا:

تصدق بجلالھا وبخطمھا، ولا تعطی اجرۃ الجزار منھا[3]۔	قربانی کے جانور کی جھلوں اور باگوں کو صدقہ کردیا جائے اور اس میں سے کچھ بھی قصاب کو بطور اجرت نہ دیا جائے۔(ت)

غلط صریح ہے۔نہ صحیح بخاری میں اس کا کہیں نشان نہ صحیح مسلم میں، نہ بحیثیت الفاظ نہ بحیثیت مضمون، صحیح بخاری میں بدنہ بدی کی جھول تصدق کرنے کی حدیث پانچ جگہ روایت کی۔۱باب الجلال للبدن۔۲باب التصدق بجلود البدن، ۳باب بتصدق بجلال البدن، ۴باب الوکالۃ۔۵باب الایوتی الجزار من الھدی شیئا اور صحیح مسلم میں ایک ہی جگہ پانچ سندوں سے ذکر کی، دسویں جگہ نہ ان الفاظ کا پتہ ہے۔نہ اس پورے مضمون کا، موضع اول وخامس میں بخاری کے لفظ امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہیں:

امرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اتصدق بجلال البدن	رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے قربانی کے ان جانوروں کی جھلوں اور چمڑوں کو

[1] النہایۃ لابن اثیر باب الباء مع الراء المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا ریاض ۱/ ۱۲۲

[2] النہایۃ لابن اثیر باب الباء مع الراء المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا ریاض ۱/ ۱۲۲

[3] عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح الوقایۃ کتاب الحج باب الھدی المکتبہ الرشیدیہ دہلی ۱/ ۳۶۴

التی نحرت وبجلودھا[1]۔	صدقہ کرنے کاحکم دیا جن کو ذبح کیا گیا تھا۔(ت)

دوم میں:

امرنی فقسمت لحومھا ثم امرنی فقسمت جلالھا و جلودھا[2]۔	رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تو میں نے قربانی کے جانوروں کا گوشت تقسیم کردیا پھر آپ نے مجھے حکم دیا تو میں ان کے جھلوں کو تقسیم کردیا۔(ت)

سوم میں:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امرہ ان یقوم علی بدنہ وان یقسم بدنہ کلھا لحومھا وجلودھا وجلالھا[3]۔	بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ وہ قربانی کے جانوروں کے پاس کھڑے ہوجائیں اور ان کا گوشت جھل اور چمڑے سب تقسیم کردیں۔(ت)

چہارم میں:

اہدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مائۃ بدنۃ فامرنی بلحومھا فقسمتھا ثم امرنی بجلالھا فقسمتھا، ثم بجلودہا فقسمتھا۔[4]	نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قربانی کے لئے سو اونٹ بھیجے اور مجھے حکم دیا کہ میں ان کا گوشت تقسیم کروں تو میں نے کردیا، پھر مجھے ان کی جھلوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تو میں نے کردیا، پھر مجھے ان کے چمڑوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تو میں نے کردیا۔(ت)

صحیح مسلم میں تین سندوں سے:

امرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اقوم علی بدنہ وان اتصدق لحمھا وجلودھا واجلتھا[5]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں قربانی کے پاس کھڑا ہوجاؤں اور ان کے گوشت، چمڑوں اور جھلوں کو تقسیم کردوں(ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناسك باب الجلال للبدن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۰

[2] صحیح البخاری باب لایعطی الجزار من الھدی شیئا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[3] صحیح البخاری باب التصدق بجلود الھدی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[4] صحیح البخاری یتصدق بجلال البدن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[5] صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقۃ بلحوم الھدایا وجلودہا وجلالھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۳

اور دو سندوں سے مثل لفظ سوم بخاری وزادفی المساکین [1] (یہ لفظ زیادہ کئے کہ مسکینوں میں تقسیم کرو۔ت) ان میں کہیں ذکر خطام نہیں، یہ مضمون صحیحین پر بیشی ہے۔اور نسبت الفاظ میں غلطی یہ کہ صیغہ امر جس طرح عمدۃ الرعایۃ میں مذکور صحیحین بلکہ متداولہ حدیث میں کہیں نہیں، جیسا کہ لامع ارشاد الساری وشرح مؤطا سے ظاہر، علامہ قسطلانی نے فرمایا:

قال صاحب الکواکب وفیہ انہ لایجوز بیع الجلال و لاجلود الھدایا والضحایا کما ھو ظاھر الحدیث اذ الامر حقیقۃ فی الوجوب اھ،وتعقبہ فی اللامع فقال فیہ نظر فذٰلك صیغۃ افعل لالفظ امر [2]۔	صاحب کواکب نے کہا اس میں یہ ہے کہ قربانی کے جانوروں کی جھلوں اور کھالوں کی بیع جائز نہیں جیسا کہ حدیث کا ظاہر ہے کیونکہ امر حقیقتًا وجوب کے لئے ہے۔اھ اور لامع میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں نظر ہے اس لیے کہ جو امر وجوب میں حقیقت ہے وہ صیغہ اِفعل ہے نہ کہ لفظ امر۔(ت)

شرح علامہ زرقانی میں ہے:

فیہ استحباب التجلیل والتصدق بذٰلك الجل ولفظ امر لایقتضی الوجوب لان ذلك فی صیغۃ افعل لالفظ امر [3] اھ و رأیتنی کتبت علی ہامش الارشاد مانصہ **اقول**:لیس قول امر الاحکایۃ امرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا ان یقال یمکن ان یکون حکایۃ من مثل علیك التصدق۔	اس میں قربانی کے جانوروں پر جھل ڈالنے اور اس جھل کو صدقہ کرنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔اور لفظ امر وجوب کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ وجوب کا متقاضی تو صیغہ افعل ہے نہ کہ لفظ امر اھ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ارشاد کے حاشیہ پر لکھا جس کی عبارت یہ ہے **اقول**:(میں کہتاہوں) اس کا امر کہنا محض حکایت ہے امر رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی، مگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے یہ حکایت ہو علیك بالتصدق (تجھ پر لازم ہے۔ت) جیسے الفاظ سے۔(ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقۃ بلحوم الھدایۃ وجلودھا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۴

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب الجلال للبدن دارالکتب العربی بیروت ۳/ ۲۲۲

[3] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك کتاب الحج المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی القاہرہ ۲/ ۳۲۷

ذکر خطام کے لئے فقیر نے جتنی کتب حدیث اپنے پاس ہیں سب کی مراجعت چاہی، بارہ کتابیں دیکھی تھیں، پھر خیال آیا کہ درایہ امام حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی دیکھی جائے، اس میں ضرور اس سے تعرض فرمایا ہوگا اسے دیکھا تو انھوں نے صاف فرمایا:

لم ار فی شیئ من طرقہ ذکر الخطام [1]۔	میں نے اس حدیث کے کسی طریق میں ذکر خطام نہ دیکھا۔

بالجملہ صحیحین کی طرف سے اس کی نسبت لفظاً و معنیً ہر طرح غلط ہے۔ہاں ہدایہ باب الھدی میں حدیث انھیں الفاظ سے مذکور اور کتاب الاضحیہ میں بلفظ:

تصدق بجلالھا وخطامھا ولا تعط اجر الجزار منھا شیئا [2]۔	قربانی کے جانوروں کی جھلوں اور باگوں کو صدقہ کر اور اس میں سے کچھ بھی قصاب کو بطور اجرت مت دے۔(ت)

اسی طرح کافی امام نسفی باب الھدی میں یہی لفظ دوم ہیں: الالفظۃ الاجر [3] (سوائے لفظ "اجر" کے۔ت) نیز بدائع امام ملک العلماء کتاب الاضحیہ میں۔الا لفظۃ شیئا [4] (سوائے لفظ "شیئا" کے۔ت)

اقول: تو حدیث ضرور کہیں مروی ہوئی، اور حافظ (ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ) کا اسے نہ دیکھنا نہ ہونے پر دلیل نہیں، امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں دو حدیثیں مذکور مشاع ذکر کرکے فرمایا:

قصور نظرنا اخفاھما عنا [5]۔	ہماری نظر کے قاصر ہونے نے ان دونوں کو ہم سے مخفی رکھا۔(ت)

یونہی حافظ الشان نے باوصف اس وسعت اطلاع کے نفی نہ فرمائی، یہ ائمہ کے ساتھ علماء کرام کا ادب ہے بخلاف جہال زمانہ یعنی غیر مقلدین کہ کرمک سنگ سے بڑھ کر وقوف نہیں، اور ائمہ پر سلب مطلق کے دعوے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

---

[1] الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ کتاب الحج باب الھدی المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل ۲/ ۵۴

[2] الھدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[3] کافی شرح الوافی

[4] بدائع الصنائع کتاب التضحیۃ فصل واما بیان مایستحب الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۸۱

[5] فتح القدیر

توحدیث مذکور میں صدقہ خطام کا عنداللہ حکم ہے مگر وہ حدیثاً وفقہاً صرف جلال وخطام شتران ہدی کے بارے میں ہے۔قربانی کی گائے بکریوں کی جھولوں اور ان کے گلے کی رسیوں کا ذکر درکنار، جہاں تک نظر کی جاتی ہے شتران اضحیہ کے جلال وخطام کا بھی کہیں ذکر نہیں،اب رہا قیاس،وہ مجتہد سے خاص،اس کا کسے اختیار،اور دلالۃ النص **اقول:** اس کی بھی گنجائش نہیں نہ اضحیہ من کل الوجوہ معنی ہدی میں ہے۔نہ یہ جھولیں ان جلال سے نہ گلے کی رسیاں اس خطام کے مثل۔

اول: توظاہر کہ ہدی کے لئے محل خاص ہے یعنی حرم محترم اس کے غیر میں ہدی کو ذبح و نحر نہیں کرسکتے۔

قال اللہ تعالٰی "ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ۠(۳۳)" [1] **وقال تعالٰی "هَدْیًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ"** [2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا پھر ان(ہدی کے جانوروں)کا پہنچنا ہے اس آزاد گھر تک۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ہدی ہو کعبہ تک پہنچی۔(ت)

اور قربانی ہر جگہ ہوسکتی ہے۔توہدی میں بہ نسبت اضحیہ خصوصیت خاصہ ہے اگرچہ اصل مقصود یعنی تقرب باراقۃ دم میں مساوی ہیں، لہٰذا کیا مستبعد کہ اصل اجزائے متقرب بہ یعنی لحم وجلد میں حکم یکساں ہو اور زوائد ومضافات کی طرف جو سرایت صاحب خصوص میں ہوئی،اضاحی میں نہ ہو،ولہٰذا بدائع وہدایہ وکافی وغیرہا میں حدیث ہدی سے دربارہ لحم وجلد اضحیہ استناد کیا اور جلال وخطام اضحیہ کا کسی نے ذکر نہ کیا،حالانکہ حدیث ہدی میں چاروں حکم موجود تھے،اضحیہ میں ان پر دو اقتصار اور ان دو کا ترک اور اس ترک واقتصار پر اتفاق کتب آخر کس لئے۔

دوم: یہ کہ وہ جھولیں معمولی سردی وغیرہ کی جھولیں نہ تھیں جو اپنے موسم پر ہر پالے ہوئے جانور کے لئے بنائی جاتی ہے اگرچہ وہ گاڑی میں جوتنے کے بیل ہوں وہ [1] خاص شتران ہدی کے لئے بنتیں اور [2] روانگی حرم کے وقت ان پر ڈالی جاتی ہیں،اور [3] ان کے لئے ان کا بنانا سنت ہے۔ [4] تقلید واشعار کی طرح شعائر اللہ ہدی کی علامت ہوتی ہے۔ہدنہ ہدی کے گلے میں نعلین وغیرہ یا بٹے ہوئے قلادے ڈالتے اور بالتخصیص اونٹوں پر قلادے کے ساتھ جھولیں بھی ڈالتے۔اور ان کے کوہان میں خفیف نیزہ مار کر خون نکالتے یہ ان کے ہدی ہونے کی علامتیں تھیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۳

[2] القرآن الکریم ۵/ ۹۵

۵علمائے کرام نے فرمایا: ان جھولوں کا اپنی حیثیت تمول کے مناسب ہونا مستحب ہے۔ ہدی بھیجنے والا جیسی استطاعت رکھتا ہو ویسی ہی بیش قیمت جھولیں بنائے کہ مساکین کا زیادہ نفع اور شعائر کی زیادہ تعظیم ہو سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما ان پر بیش بہا کپڑوں کی جھولیں ڈالتے اور ۶مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر اتار کر تہہ کرکے رکھ چھوڑتے، ۷عرفہ کے دن پھر پہناتے اور بعد نحر انھیں کعبہ معظّمہ کا غلاف کرتے جب سے بیت مکرم کا غلاف مستقل تیار ہونے لگا انھیں مساکین پر تصدق کرتے۔

۸علماء فرماتے ہیں کہ راتوں کو یہ جھولیں اتار کر رکھ لی جائیں کہ کانٹوں سے ان میں کھونتا نہ لگے ان میں سے کون ساحرف قربانی کی معمولی جھولوں پر صادق ہے کہ یہ ان کے معنی میں ہوں۔

امام اجل ابو زکریا نووی قدس سرہ شرح صحیح مسلم میں زیر حدیث مذکور فرماتے ہیں:

فی ہذا الحدیث فوائد کثیرۃ منہا استحباب سوق الھدی وانہ یتصدق بلحومہا وجلودہا وجلالہا و انہا تجلل واستحبوا ان یکون جلا حسنا،قال القاضی التجلیل سنۃ وھو عند العلماء مختص بالابل وھو مما اشتہر من عمل السلف قالوا ان یکون بعد الاشعار لئلا یتلطخ بالدم قالوا و یستحب ان تکون قیمتہا نفاستہا بحسب حال المھدی، وکان بعض السلف یجلل بالوشی وبعضہم بالحبرۃ وبعضہم بالقباطی والملاحف والازر،قال مالك اما الجلل فتنزع فی اللیل لئلا یخرقہا الشوك قال واستحب ان	اس حدیث میں بہت سے فائدے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں قربانی کے جانوروں کے گوشت، چمڑوں اور جھلوں کو صدقہ کیا جائے، اور یہ کہ ان جانوروں کو جھل پہنائی جائے، اور مشائخ نے اس بات کو مستحب قرار دیا کہ وہ جھل عمدہ ہو۔ قاضی نے کہا کہ جھل پہنانا سنت ہے۔ اور علماء کے نزدیک وہ اونٹوں کے ساتھ مختص ہے اور یہ اسلاف کا مشہور عمل ہے۔ مشائخ نے کہا کہ اشعار یعنی کوہان میں نیزہ مار کر خون نکالنے کے بعد جھل پہنائی جائے تاکہ وہ خون میں لتھڑ نہ جائے، نیز انھوں نے کہا کہ جھل کا قیمت وعمدگی میں قربانی روانہ کرنے والے کی حیثیت کے مطابق ہونا مستحب ہے۔ بعض اسلاف منقش کپڑوں بعض یمنی چادروں، بعض مصر کے بنے ہوئے قیمتی کپڑوں۔ لحافوں اور عمدہ چادروں کی جھلیں پہنایا کرتے تھے، امام مالک نے فرمایا۔ جھلوں کو رات

کانت الجلال مرتفعة ان لایجللها حتی یغدوالی عرفات ان کانت بثمن یسیر فمن حین یحرم یجلل (ملخصاً)[1]	کے وقت اتار لیا جائے تاکہ کانٹے انھیں پھاڑ نہ دیں، اور فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ اگر جھلیں گراں قیمت ہوں تو عرفہ کے دن عرفات کی طرف روانگی سے قبل نہ پہنائے اور اگر وہ کم قیمت والی ہو تو احرام باندھتے وقت ہی پہنادے (ملخصا) (ت)

امام علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں:

الجلال جمع جل وھو الذی یطرح علی ظھر الحیوان من الابل والفرس والحمار والبغل وہذا من حیث العرف، و لکن العلماء قالوا ان التجلیل مختص بالابل من کساء ونحوھا قال ابن بطال کان مالك و ابو حنیفة والشامی یرون تجلیل البُدن[2]۔	جلال جل کی جمع ہے۔ اور وہ اس شیئ کو کہتے ہیں جو اونٹ، گھوڑے، گدھے اور خچر وغیرہ جانوروں کی پشت پر ڈالی جاتی ہے۔ یہ عرف کے اعتبار سے ہے۔ لیکن علماء نے فرمایا کہ کپڑے وغیرہ جھل پہنانا صرف اونٹ کے ساتھ مختص ہے۔ ابن بطال نے کہا کہ امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالٰی ہدی کے جانوروں پر جھل ڈالنے کو جائز سمجھتے تھے۔ (ت)

امام جلیل ابوالبرکات نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

فان کانت بدنة قلدہا بمزادة اونعل والتقلید احب من التجلیل لان التقلید ذکر فی القراٰن قال اللہ تعالٰی ولا القلائد ولا ذکر للتجلیل فیه، وان کان کلاھما ثابتا بالسنة لان ھدایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کانت مقلدة مجللة ولانه قد تجلل البدنة لاعلی وجه التقرب بخلاف التقلید[3]۔	اگر ہدی کا جانور (اونٹ یا گائے) ہو تو اس کو چمڑے یا نعل کا ہار پہنادے اور ہار پہنانا جھل پہنانے سے زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ ہار پہنانے کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے ولا القلائد (اور نہ وہ جنھیں ہار ڈالے گئے) اور جھل پہنانے کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے اگرچہ دونوں سنت رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہدی کے جانوروں کو ہار اور جھل پہنائے گئے تھے اور اس لئے بھی کہ جھل کبھی بلانیت تقرب

[1] شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقة بلحوم الھدایا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۴۔۴۲۳

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناسك باب الجلال للبدن ادارۃ الطباعة المنیریة بیروت ۱۰/ ۴۴۔۴۵

[3] الکافی شرح الوافی

	پہنائے جاتے ہیں بخلاف ہار پہنانے کے (کہ یہ بنیت تقرب ہی ہوتا ہے)۔(ت)

مؤطا شریف میں ہے:

مالك عن نافع ان عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما کان یجلل بدنة القباطی و الانماط والجلل، ثم یبعث بها الی الکعبة فیکسوها ایاها، مالك انه سأل عبدالله بن دینار ماکان عبدالله بن عمر یصنع بجلال بدنه حین کسیت الکعبة عن الکسوة۔ قال کان یتصدق بها[1]۔	حضرت امام مالک نے حضرت نافع سے روایت کیا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما ہدی کے جانور کو مصری چادروں، اونی کپڑوں اور حلوں کی جھلیں پہناتے پھر ان جھلوں کو کعبہ شریف بھیج کر غلاف کعبہ بناتے، امام مالک سے مروی ہے حضرت عبداللہ بن دینار سے پوچھا گیا کہ جب کعبہ شریف کو مستقل کپڑے کا غلاف پہنایا جانے لگا تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اپنے قربانی کے جانوروں کی جھلوں کو کیا کرتے تھے توانھوں نے کہا وہ ان کو صدقہ کردیتے تھے۔(ت)

ابن المنذر نے بطریق اسامہ بن زید نافع سے روایت کی:

ان ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما کان یجلل بدنه الانماط والبرود والحبر حتی یخرج من المدینة ینزعها فیطویها، حتی یکون یوم عرفة فیلبسها ایاها حتی ینحرها ثم یتصدق بها، قال نافع وربما دفعها الی بنی شیبة[2]۔	بیشک حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اپنے ہدی کے جانوروں کو اونی کپڑوں، دھاری دار اور منقش یمنی چادروں کی جھلیں پہناتے تھے یہاں تک کہ وہ جانور جب مدینہ منورہ سے نکلے تو آپ ان جھلوں کو اتار لیتے اور لپیٹ کر رکھ دیتے، جب عرفہ کا دن آتا پھر وہ جھلیں جانوروں کو پہنادیتے، جب انھیں ذبح فرماتے پھر جھلیں اتار لیتے بعد ازاں ان کو صدقہ کردیتے، حضرت نافع نے کہا کہ بعض اوقات بنی شیبہ کی طرف بھیج دیتے۔(ت)

اقول: اور اس پر ایک دلیل واضح یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حجۃ الوداع شریف

[1] مؤطا الامام مالك کتاب الحج باب العمل فی الهدی حین یساق میر محمد کارخانہ کراچی ص ۴۰۰

[2] شرح الزرقانی علی المؤطا بحواله ابن منذر کتاب الحج دار المعرفة بیروت ۲/ ۳۲۷، فتح الباری بحواله ابن المنذر کتاب المناسك باب الجلال للبدن دار المعرفة بیروت ۳/ ۴۳۹

میں سو ۱۰۰ اونٹ ہدی بھیجے، ان پر جھولیں تھیں کہ بحکم اقدس بعد نحر تصدق کی گئیں کماتقدم عن صحیح البخاری (جیسا کہ صحیح بخاری سے گزرا___ت) حجۃ الوداع شریف کھلی بہار کے موسم میں تھا، فقیر نے حساب کیا ۹ / ذی الحجہ ۱۰ھ ہجریہ روز جمعہ کو چھٹی مارچ عـــہ ۶۳۲ء تھی۔ والہذا علماء اسے ماہ تحویل حمل میں بتاتے ہیں، صحیح بخاری میں خطبہ حجۃ الوداع ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دہم ذی الحجہ کو ارشاد فرمایا:

الزمان قد استدار کھیئتہ، یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض، وفیہ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای شھر ھذا قلنا اللہ ورسول اعلم۔ قال الیس ذوالحجۃ، قال فای یوم ھذا قلنا اللہ ورسول اعلم، قال الیس یوم النحر[1]۔	زمانہ اس دن کی ہیئت پر گردش کررہا ہے جس دن اللہ تعالٰی نے زمین وآسمان پیدا فرمایا تھا۔ اسی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہی ہے کہ یہ کون سا مہینہ ہے۔ ہم (صحابہ) نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ کون سا دن ہے، ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر نہیں ہے۔ (ت)

امام ابن حجر نے فتح الباری کتاب بدء الخلق میں۔ پھر امام قسطلانی نے ارشاد الساری میں نقل کیا کہ یہ ارشاد اقدس تحویل حمل کے مہینے میں تھا:

حیث قال زعم یوسف بن عبدالملك فی کتابہ تفضیل الازمنۃ ان ہذہ المقالۃ صدرت من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی شھر مارس، وھو ادار	جہاں فرمایا کہ یوسف بن عبدالملک نے اپنی کتاب تفصیل الازمنہ میں کہا ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ گفتگو مارچ کے مہینے میں صادر ہوئی جس کا نام رومی میں اُدار اور

عـــہ: یعنی اس وقت کی تعبیر میں ورنہ آغاز سن عیسوی کے حساب سے دسویں مارچ تھی، جیسا کہ ہم نے اپنے ایک رسالہ متعلقہ "تحقیق سال عیسوی" میں ثابت کیا ۱۲ منہ قدس سرہ۔

[1] صحیح البخاری کتاب المغازی باب حجۃ الوداع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۳۲

بالرومیة وہو برمہات بالقبطیة وفیہ یستوی اللیل والنہار عند حلول الشمس برج الحمل [1]۔	قطبی برمہارت ہے۔اور اس مہینہ میں سورج کے برج حمل میں حلول کرنے کے وقت رات اور دن برابر ہوتے ہیں۔ (ت)

اقول: مرادیہ ہے کہ اس مہینے میں تحویل حمل ہوتی ہے نہ یہ کہ اس دن تحویل حمل تھی، ہم نے زیج عـــہ الغ بیگی سلطان اور زیج عـــہ۱ احد بہادر خانی اور دو زیجوں سے نصف النہار حقیقی مکہ معظّمہ دہم ذی الحجہ ۱۰ ہجریہ مطابق یازدہم عـــہ۲ ذی الحجہ وسطیہ روز شنبہ کی تقویم شمس نکالی دونوں سے حوت کے اکیسویں درجے میں آئی اول سے حوت کے بیس درجے سینتیس دقیقے انتالیس ثانیے، دوم سے بیس درجے چھتیس دقیقے پچاس ثانیے بلاشبہہ اس تقویم کا موسم ان ملکوں خصوصا مکہ معظّمہ اور اس کے قریب العرض شہروں میں نہایت معتدل موسم ہوتا ہے۔نہ رات کو برف نہ دن کو لو،نہ برسات کی مکھیاں، تو جن حاجات کے لئے جھولیں ڈالتے ہیں،

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی سبع ارضین دارالمعرفۃ بیروت ۶/ ۲۱۱،ارشاد الساری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی سبع ارضین دارالکتاب العربی بیروت ۵/ ۲۵۵

عــہ مطلوب ۱۲۵۱ھ کی تقویم ہے، لہذا جدول سالہائے مبسوطہ ناقصہ سے دو سال تلاش کیا کہ ۱۰ الم کرکے ۳۰ پر صحیح منقسم ہو وہ ۱۲۸۵ھ تھا، طول سمرقند مط کو طول حرم محترم عرحہ سے مابین طولین الحـ او حاصل تفریق ۰۸۰۳

	ج مرکز	ج اوج
۰ بازاء	ا ط مط لح مو	ا ح مط لح ـــ
۶۰۰	ی ح نہ مح ل	ح لط مح مر
۲۲۰	ا مح مہ ب لو	ا ا لط ا ح مط
بازاء ۵۸۰ھ بتفریق آں ازیں	ط ا لـ د ط	ح ا لبر لہ ح
بہرغرہ ۱۲۰۰ھ	ط لر مر ح مخ ی لک لط ک	ب ع ع لہ لط مہ ع
+۱۰ ذی الحجہ ۱۱ یوم ناقص مابین طولین	ط نا کا نت لـ ح مر مط	ب ع لط مط نت
+ تعدیل الایام	ح ع ا مہ و نہ نہ	
+ تعدیل المرکز	ح مح ب ک ا ح لہ نح سط	
+ اوج	ط ا لح مح حز ب ک لـ مح لـ	
تقویم	یا ک لہ ع مہ ع	

عـــہ ۱۲۵۱ــــ۱۰ = ۱۲۴۱ فاضل بر تصانیف سی ۱۱ وتضایف ۱۲۳۰+۳۰ = ۱۲۶۰

	ج وسط	ج اوج
۰ بازائے ۱۲۰۰	۷ و م لو لط	یا لط مہ ی ط
۶۰	ب لو حز یا مط	نط ۰ مہ ل
بازاء ۱۱ سال متصاعداً	ہ لح ل سر ح	یا ک لخ نت لط
بتفریق آں ازیں بہرغرہ ۱۲۰۰ھ	و ما نت لح سـ	۷ ی مد ح لح ۰
	یا لح لـد کا الـ	ب لط ـہ نہ مط
+ ذی الحجہ	ی ک د ر لح	ند مو
+ ۱۱ یوم ناقص	ط نا لح لح	ا یا
بازاء سمرقند منہ		

مابین الطولین سمرقند

بازاء ایں وتعدیل ایام دقیقہ مح ر	د نۃ مد ب لح د ی	ل لط ما ـــ مر
حصہ اش از وسط لو نہ لح		ث ما لح ما سر لد
+حصہ تعدیل ایام زائد	ا لح ما ا ا سو لح	ح الح حز ہ سر
تعدیل المرکز	ا مح ما سر لد	لہ لح مت مرکز
× وسط	ح نہ لب	لو مط لد
	ا ع ما سر لد	
تقویم	ا ک لو مط لد	مط ح نہ

فرق بین ۱۲ منہ قدس سرہ

عـــہ۲ خیال ایسا ہی تھا کہ اس مہینہ میں تاریخ وسطی، ہلال سے ایک مقدم ہے استخراج تقویمات کے بعد دیکھا تو نہ مہینہ مطابقت پر آیا، تو یہ تقویم ۱۱ ہی ذی الحجہ کی ہوئی، بہرحال مطلوب حاصل ہے کہ ۱۰ کی تقویم ایک درجہ کم حوت کے بیسویں ہی درجہ میں رہی۔ منہ قدس سرہ

ان کا اصلا نام ونشان نہ تھا، لاجرم یہ جھولیں وہ نہ تھیں بلکہ خاص تعظیم شعائر اللہ کے لئے تھیں، تو معمولی جھولیں کسی طرح ان کے معنی میں نہیں۔

سوم: یوں کہ خطام ہدی وہ شیئ ہے کہ اسے سبیل اللہ میں لے جاتی اور حرم محترم میں پہنچاتی ہے۔ تو قربانی کی رسیاں اس کے برابر نہیں ہو سکتیں، اور گائے بھینس کی جھولوں رسیوں میں اور بھی فرق ہے۔ شتر نحر کیا جاتا ہے اس کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں سے کھڑا رکھ کر سینہ پر نیزہ مارتے ہیں جل وخطام دونوں وقت نحر اس سے جدا کرنے کی حاجت نہیں، گائے بھینس لٹا کر ذبح کی جاتی ہے۔ اس وقت ان کی رسی کھول لیتے ہیں، اور اگر جھول تھی، وہ بھی اتار لیتے ہیں، تو وقت تقرب الی اللہ رسی اور جھول ان کے بدن سے جدا ہوتی ہے۔ اور شتر کے بدن سے متصل تو یہ زیر تقرب آتی ہے، اور وہ نہیں گر باوصف انفصال بھی حکم تصدق سرایت کرے تو اس کھونٹے کے بھی تصدق کا حکم ہو جس سے وہ جانور بندھا تھا، اور اس ناند اور طشت کا بھی جس میں اسے کھانا پانی دیا گیا تھا، بلکہ اس مکان کا بھی جس میں وہ بندھا تھا، اور اس کا کوئی قائل نہیں، عمدۃ القاری وفتح الباری شروح صحیح بخاری وغیرہما میں تصدق جلال ہدی کی یہ وجہ نقل کی فرمائی کہ اس پر اہلال لوجہ اللہ واقع ہوا۔

حیث قالوا قال المهلب لیس التصدق بجلال البُدن فرضا وانما صنع ذلك ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما لانه اراد ان لایرجع فی شیئ اهل به للہ ولا فی شیئ اضیف الیه[1]۔	جہاں انھوں نے فرمایا مہلب نے کہا ہے کہ قربانی کے جانوروں کی جھلوں کو صدقہ کرنا فرض نہیں، سیدنا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے تو محض اس لئے ایسا کہا کہ آپ اللہ تعالٰی کے لئے ذبح کئے ہوئے اور اس کی طرف منسوب کئے ہوئے جانوروں کی کسی شیئ کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہتے تھے (ت)

اس اہلال سے اگر تلبیہ مراد ہو جب تو ظاہر ہے کہ قربانی پر لبیک کہاں اور اگر تکبیر وقت نحر مراد ہو یہ بھی ان اشیاء کو شامل نہ ہوگا جو وقت نحر وذبح اس کے بدن پر نہ تھیں۔

اقول: اور اول اولٰی ہے کہ حکم جل وخطام کی نسبت آیا، قماط جس سے اونٹ کا ایک پاؤں باندھتے ہیں اور حجۃ الوداع شریف میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سو کے سو اونٹ یوں ہی نحر فرمائے، ۶۳ بدست انور، ۳۷ بدست امیر المومنین حیدر، ان رسیوں کے تصدق کا حکم کہیں نہ آیا،

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناسك باب الجلال للبدن ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۰/ ۴۵، فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب المناسك دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۳۹

حالانکہ ضرور وقت نحر بدنوں کے بدن پر تھیں، بلکہ وہی طریقہ مسنونہ نحر کی ضامن ہوئیں، میں زیاد بن جبیر سے ہے:

رأیت ان عمر اتی علی رجل قد اناخ بدنته ینحر قال ابعثها قیاما مقیدۃ سنة محمد صلی الله تعالٰی علیه و سلم [1]۔	میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو دیکھا آپ ایک ایسے مرد کے پاس آئے جو اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا، انھوں نے فرمایا اس کو کھڑا کرکے باندھو یہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت ہے۔(ت)

عمدۃ القاری میں ہے:

مقیدۃ معناہ معقولة برجل وھی قائمة علی الثلاث [2]۔	مقیدہ کا معنی ہے کہ رسی سے اس کا ایک پاؤں باندھا ہوا ہو اور وہ تین پاؤں پر کھڑا ہو۔(ت)

بالجملہ اگر کوئی اپنا گھر تصدق کردے اور اس پر قادر ہو، ممانعت نہیں، کلام اس میں ہے کہ قربانی کی جھولیں، رسیاں تصدق کرنے کا حکم ہے۔ اس کا کہیں ثبوت نہیں، نہ حدیث میں نہ فقہ میں، **ومن ادعی فعلیه البیان** (جو دعوٰی کرے دلیل بیان کرنا اس پر لازم ہے۔ت) ولہٰذا آج تک مسلمانوں میں کہیں اس کا رواج مسموع نہیں، البتہ اگر کوئی شخص تعظیم ضحایا کے لئے ان پر جھولیں ڈالے اور انھیں حسب حثیت مزین و بیش بہا کرے۔ اور اس سے شعائر اسلام کی زینت اور فقرائے مسلمین کی منفعت چاہے تو ضرور اسے ان جھولوں کے تصدق کا حکم دیا جائے گا۔ اور اس سے باز رہنا اسے شنیع ہوگا کہ اللہ عزوجل سے وعدہ کرکے رجوع نہ ہو، **کما بیّنا فی فتاوٰنا وباللہ التوفیق** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا اور توفیق اللہ تعالٰی کے ساتھ۔(ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناسك باب نحر الابل المقیدۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۱، صحیح مسلم کتاب الحج باب استحباب نحر الابل قیاما معقولا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۴

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الحج باب نحر الابل المقیدۃ ادارۃ الطباعة المنیریة بیروت ۱۰/ ۵۰

باب العقیقه

(عقیقہ کا بیان)

مسئلہ ۲۹۶: از بریلی مسئولہ نواب سلطان احمد خاں صاحب ۲/ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

اگر شخصے عقیقہ دو یا زیادہ طفلان خود ادا کند پس بوقت ذبح شاۃ نیت ہر ہمہ کافی بود یا برائے ہر ایک جانور علیحدہ باید۔	اگر کوئی شخص دو یا اس سے زائد بچوں کا عقیقہ کرے تو کیا ایک بکری ذبح کرتے وقت تمام کی طرف سے نیت کرلینا کافی ہے یا ہر ایک کی طرف سے علیحدہ جانور ہونا چاہئے۔ (ت)

الجواب:

گاؤ و شتر از ہفت بچہ بسندہ کند و بز گوسفند جز یک را کفایت نیست، کما فی الاضحیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	گائے اور اونٹ سات بچوں کی طرف سے کافی ہے۔ جبکہ بھیڑ اور بکری ایک سے زیادہ بچوں کے لئے کفایت نہیں کرتیں، جیسا کہ اضحیہ میں ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۹۷: از چتوڑ گڑھ اودے پور میواڑ مرسلہ نور محمد ولد عبدالحکیم چھینہ ۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے عقیقہ کیا اور اس کے چمڑے کی قیمت کرکے قبل وصول قیمت کے اتنے ہی روپے کا اپنے پاس سے سامان منگوا کر کھانا پکوا کر کچھ کھانا اباحۃً

اپنے مکان پر فقراء اور مساکین پر اور کچھ تملیکاً ان پر صرف کردیا، نیز قیمت چمڑہ کے علاوہ اس گوشت میں زائد سامان شامل کرکے گھر والوں نے بھی کھایا، اور بلا امتیاز غنی وفقیر اپنے خویش واقارب کو بھی کھلایا، حالانکہ عقیقہ کے چمڑے کے داموں کا فروخت کرنا، یا اشیائے مستہلکہ کے ساتھ مبادلہ کرنا، اپنے تصرف میں لانے کے لئے ناجائز ہے تو اس شخص نے قیمت کی اشیائے مستہلکہ خریدیں، وہ مساکین پر تصدق کیں، اس کے بعد جب اس نے چمڑے کا دام لے کر اس کا تصرف کرنا ناجائز سنا تو ابھی تک کہ چمڑہ کے دام نہیں لئے تھے اسی روز بیع چمڑہ فسخ کرکے قیمت سے انکار اور اس کے مبادلہ میں اشیائے غیر مستہلکہ از قسم پارچہ یا ظروف لینا مقرر کیا،

اندریں صورت اس شخص کا چمڑا کی قیمت کرکے بلااخذ ثمن اپنے داموں سے منگوا کر پکوا کر مساکین پر تصدق کرنا اور اس میں زائد سامان پکوا کر خویش واقارب کا کھلانا، اور اس کے بعد اس کے ناجائز ہونے کے خیال سے بیع فسخ کرکے اب اس کا مبادلہ کرنا جائز ہوا کہ نہیں؟ **بینوا بسند الکتاب توجروا عند اللہ یوم الحساب۔**

الجواب:

چرم قربانی سے تمول ممنوع ہے فقراء پر صرف ممنوع نہیں۔

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلوا وادخروا وائتجروا[1]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔(ت)

تبیین الحقائق میں ہے: **لانہ قربۃ کالتصدق**[2] (کیونکہ یہ صدقہ کرنے کی مثل قربت ہے۔ت)

وہ اگر فقراء کے لئے بیچتا اور اسی قیمت میں اور دام ڈال کر کھانا فقراء اور گھر والوں کے لئے پکاتا تو برا کرتا کہ تصدق وتمول کا خلط بلاتمیز تھا، لیکن وہ قیمت ہنوز نہ لی تھی، اپنے ذہن سے اس کے بدلے اور روپیہ لے کر اس کا معاوضہ سمجھا، یہ اس کی جہالت تھی لیکن اس سے اس کھانے میں کوئی خبث نہ آیا اور نہ گھر والوں کے کھانے میں کچھ حرج ہوا، وہ دونوں اس کے خاص اپنے مال تھے، اسے اختیار تھا کہ جہاں چاہے صرف کرے، مگر وہ نیت کہ قیمت چرم قربانی میں فقراء کے لئے یہ کھانا اس کا عوض نہیں ہوسکتا اگر روپے کے عوض بیچتا وہ روپے امور تقرب میں ہی صرف کرنے ہوتے، اب کہ وہ بیع فسخ کردی، اور اشیائے باقیہ سے

[1] سنن ابو داؤد کتاب الضحایا باب حبس الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[2] تبیین الحقائق کتاب الاضحیہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۹

بدلا اس تبدیل سے ثیاب وظروف جو حاصل کئے، مباح الاستعمال ہیں، مگر تصدق کی نیت سے عدول ہوا، اور یہ مکروہ ہے۔ لہذا مناسب یہ ہے کہ اسے قربات وفقراء ہی پر صرف کردے۔
غایۃ البیان علامہ اتقانی شرح ہدایہ میں شرح مختصر الکرخی للامام القدوری رحمہم اللہ تعالٰی سے ہے۔

جواز الاشراك بعد الشراء للاضحية محمول علی ان ملكه لا يزول بالشراء الا انه يكره لانه قد وعد وعدا فلا ينبغی ان يرجع فيه [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قربانی کے لئے جانور خریدنے کے بعد اس میں دوسرے کو شریک کرنے کا جائز ہونا اس بات پر محمول ہے کہ خریداری کے سبب سے اس کی ملکیت زائل نہیں ہوئی، مگر ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس نے ایک وعدہ کیا ہے جس سے رجوع کرنا مناسب نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۹۸ و ۲۹۹: ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:
(۱) زید نے عقیقے کے لئے دو راسیں خریدیں، بائع کہتا ہے میرے قیاس میں یہ راس ساڑھے دس مہینے کی ہے دوسری میں شبہہ ہے، بظاہر فربہ ہیں، ان کی قربانی درست ہے یا نہیں؟
(۲) قصاب سے عقیقے کے لئے ایک بکری خریدی، وہ کہتا ہے سال بھر کی ہے۔ مگر دیکھنے سے اس کی حالت اس قابل نہیں، سال بھر کا بچہ جو دانت توڑتا ہے وہ اس نے ابھی نہ توڑے، تو اس صورت میں اس کا عقیقہ کیا جائے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) سال بھر سے کم کی بکری عقیقے یا قربانی میں نہیں ہو سکتی، اگر مشکوک حالت ہے تو وہ بھی ایسی ہی ہے۔ کہ سال بھر کی نہ ہونا معلوم ہو لان عدم العلم بتحقق الشرط کعلم العدم (کیونکہ شرط کے متحقق ہونے کا عدم علم اس کے عدم تحقق کے علم کی طرح ہے۔ ت) خصوصا بائع کا بیان کہ وہ اس سے زیادہ آگاہ ہے۔ اور سال بھر سے کم کی ظاہر کرنے میں اس کا کوئی نفع نہیں بلکہ اس کا عکس متوقع ہے کہ جب مشتری اپنے مطلب کی نہ جانے گا نہ لے گا۔ واللہ

[1] غایۃ البیان

تعالٰی اعلم۔

(۲) جبکہ سال بھر کامل ہونے میں شک ہے تو اس کا عقیقہ نہ کریں، اور قصاب کا قول یہاں کافی نہیں کہ بکنے میں اس کا نفع ہے۔ اور حالت ظاہر اس کی بات کو دفع کررہی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۰ تا ۳۱۰: کیا حکم ہے شرع مطہرہ کا دربارہ عقیقہ کے:

(۱) جانور ذبح کئے جائیں ان کی عمر کیا ہونا چاہئے، اور اگر کسی عضو میں نقصان رکھتے ہوں وہ کام میں آسکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) گوشت کی تقسیم کس طرح کی جائے، آیا کھانا پکا کر کھلوانا افضل ہے یا گوشت کا تقسیم کردینا؟

(۳) گوشت میں کوئی حصہ والدین کا بھی ہے یا نہیں؟

(۴) دایہ کسی عضو کی مستحق ہے اور حجام وسقّہ وخاکروب دھوبی وغیرہ؟

(۵) پوست کے دام قیمت جانور میں مجرا کرنا اور خانگی خرچ میں ملانا جائز ہے یا نہیں کیا طریقہ افضل ہے؟

(۶) اور جانور ذبح کس کو کرنا چاہئے؟ اور دعائے عقیقہ کس طرح اور کس کو پڑھنا چاہئے؟

(۷) ہڈیاں توڑنا چاہئے یا نہیں، اور دفن کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۸) مدت اور روز عقیقہ کیا ہونا چاہئے؟

(۹) لڑکے اور لڑکی کے عقیقے میں تعداد جانوروں کی دو دو ایک ہونی چاہئے یا ایک ایک؟

(۱۰) اجرت قصاب کی داموں میں مجرا ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۱۱) اگر دو جانور ہوں تو ان کی سری وپائے ایک حجام کو، ایک سقّہ کو دی جاسکتی ہے یا دونوں حجام کو؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) ان امور میں احکام عقیقہ مثل قربانی ہیں، اعضا سلامت ہوں، بکرا بکری ایک سال سے کم کی جائز نہیں، بھیڑ، مینڈھا چھ مہینہ کا بھی ہوسکتا ہے جبکہ اتنا تازہ وفربہ ہو کہ سال بھر والوں میں ملادیں تو دور سے متمیز نہ ہو۔

(۲) گوشت بھی مثل قربانی تین حصے کرنا مستحب ہے۔ ایک اپنا، ایک اقارب، ایک مساکین کا، اور چاہے تو سب کھالے خواہ سب بانٹ دے، جیسے قربانی، اور پکا کر کھلانا کچا تقسیم کرنے سے افضل ہے۔

(۳) حصہ ضروری کسی کا بھی نہیں، استحبابی حصہ میں تہائی اپنار کھا گیا ہے۔والدین کھا سکتے ہیں، اس کی ممانعت جو مشہور ہے صحیح نہیں۔

(۴) دائی یعنی جنائی کو ایک ران دی جائے جبکہ وہ مسلمان ہو جاہلوں میں جو ہندو جنائیاں یا مس ڈاکٹریں بلائی جاتی ہیں یہ حرام ہے۔ حجام، سقا، خاکروب، دھوبی کا کوئی خاص حق نہیں۔

(۵) پوست داموں کو بیچ کر اپنے صرف میں لانا منع ہے۔اور قیمت میں مجرا کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جانور پہلے خرید کر ذبح کرلیا اب پوست قصاب نے مول لے لیا، اس کے آتے ہوئے داموں میں یہ دام وضع کرلئے، یوں اپنے صرف کے لئے بیچنا گناہ ہوا مگر جانور کی خریداری میں خلل نہ آیا دوسرے یہ کہ خریدتے وقت شرط کرلی کہ کھال اتنے کو تجھے لینی ہوگی، یہ سرے سے جانور کی خریداری ہی کو حرام وفاسد کردے گا ان پر فرض ہوگا کہ اس عقد کو فسخ کردیں، پھر از سر نو عقد صحیح سے اسے خرید کر عقیقہ میں ذبح کرے، ہاں بعینہٖ پوست کی جلد یا ڈول یا جانماز وغیرہ بنا کر اپنے صرف میں لاسکتا ہے۔یوں ہی برتن کپڑے وغیرہ اشیاء کے عوض بیچ سکتا ہے۔جو قائم رکھ کر استعمال میں آتی ہیں، نہ دام یا اناج وغیرہ جن کا استعمال ان کو فنا کرنے سے ہوتا ہے۔اور کار خیر میں دے دینا اپنے صرف میں لانے سے افضل ہے۔

(۶) باپ اگر حاضر اور ذبح پر قادر ہو تو اسی کا ذبح کرنا بہتر ہے کہ یہ شکر نعمت ہے۔جس پر نعمت ہوئی وہی اپنے ہاتھ سے شکر ادا کرے وہ نہ ہو یا ذبح نہ کرسکے تو دوسرے کو قائم کرے یا کیا جائے، اور جو ذبح کرے وہی دعا پڑھے عقیقہ پسر میں کہ باپ ذبح کرے دعا یوں پڑھے:

اَللّٰھُمَّ ہٰذِہٖ عَقِیْقَۃُ ابْنِیْ فُلَانٍ دَمُھَا بِدَمِہٖ وَلَحْمُھَا بِلَحْمِہٖ وَعِظْمُھَا بِعَظْمِہٖ وَجِلْدُھَا بِجَلدِہٖ وَشَعْرُھَا بِشَعْرِہٖ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا فِدَاءً لِابْنِیْ مِنَ النَّارِ ط بِسْمِ اللہِ اَللہُ اَکْبَرْ۔	اے اللہ ! یہ میرے فلاں بیٹے کا عقیقہ ہے اس کا خون اس کے خون، اس کا گوشت اس کے گوشت اس کی ہڈی اس کی ہڈی، اس کا چمڑہ اس کے چمڑے اور اس کے بال اس کے بال کے بدلے میں ہیں، اے اللہ ! اس کو میرے بیٹے کے لئے جہنم کی آگ سے فدیہ بنادے۔اللہ تعالٰی کے نام سے، اللہ بہت بڑا ہے۔ (ت)

فلاں کی جگہ پسر کا جو نام رکھتا ہو لے دختر ہو تو دونوں جگہ اِبْنِیْ کی جگہ بِنْتِی، اور پانچوں جگہ "ہ" کی جگہ "ھا" کہے اور دوسرا شخص ذبح کرے تو دونوں جگہ ابنی فلاں یا بنتی فلاں کی جگہ

فُلَان اِبْنِ فُلَاں یافُلَانَہ بَنْتِ فُلَانَہ کہے۔ بچے کو اس کے باپ کی طرف نسبت کرے۔

(۷) ہڈیاں توڑنے میں حرج نہیں، اور نہ توڑنا بہتر ہے، اور دفن کرنا افضل ہے۔

(۸) عقیقہ ساتویں دن افضل ہے۔ نہ ہوسکے تو چودھویں، ورنہ اکیسویں، ورنہ زندگی بھر میں جب کبھی ہو، وقت دن کا ہو۔ رات کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔

(۹) کم سے کم ایک تو ہے ہی، اور پسر کے لئے دو افضل ہیں، استطاعت نہ ہو تو ایک بھی کافی ہے۔

(۱۰) گوشت بنانے کی اُجرت داموں میں مجرا کرسکتا ہے۔

(۱۱) سرے پائے خود کھائے خواہ اقرباء مساکین جسے چاہے۔ خواہ سب حجام یاسب سقا کو دے دے شرع مطہر نے ان کا کوئی خاص حق اس میں مقرر نہ فرمایا۔ فقط۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۳۱۱ تا ۳۱۴: از پچرو کھی ضلع گیا ڈاکخانہ اکبرپور مسئولہ سید محمد ولی عالم

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) چلہ کے اندر عقیقہ کرنا جائز ہے یا تاخیر؟

(۲) ایک خصی سے عقیقہ ہوگا یانہیں؟

(۳) گوشت عقیقہ کا آباؤاجداد کو کھانا چاہئے یانہیں؟

(۴) ہڈی مذبوح کی توڑنا جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) عقیقہ ولادت کے ساتویں روز سنت ہے۔ اور یہی افضل ہے۔ ورنہ چودھویں دن، ورنہ اکیسویں دن۔

(۲) خصی عقیقہ اور قربانی میں افضل ہے۔

(۳) عقیقہ کا گوشت آباء واجداد بھی کھاسکتے ہیں مثل قربانی اس میں بھی تین حصے کرنا مستحب ہے۔

(۴) اس کی ہڈی توڑنے کی ممانعت میں علماء تفاولانہ توڑنا بہتر جانتے ہیں، پسر کے عقیقہ میں دو جانور افضل ہیں اور ایک بھی کافی ہے اگرچہ خصی نہ ہو، عقود الدریہ میں ہے:

قال فی السراج الوہاج اذا اراد ان یعق عن الولد یذبح عن الغلام شاتین وعن الجاریۃ شاۃ ولو ذبح عن الغلام شاۃ جاز لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عق عن الحسن	السراج الوہاج میں فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنی اولاد کا عقیقہ کرنا چاہے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے، اگر لڑکے کی طرف سے ایک بکری ذبح کی تب بھی جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت امام حسن

والحسین رضی اللہ تعالٰی عنہما کبشا کبشا، ولو قدم الذبح قبل یوم السابع او اخرعنه جاز الا ان یوم السابع افضل والمستحب ان یفصل لحمھا ولا یکسر عظمھا تفاؤلا بسلامۃ اعضاء الولد، ویاکل و یطعم ویتصدق[1]۔	اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھے کا عقیقہ کیا، اگر عقیقہ ساتویں دن سے پہلے کرے یا ساتویں دن کے بعد کرے تب بھی جائز ہے مگر ساتویں دن کرنا افضل ہے بچے کے اعضاء کی سلامتی کے لئے نیک فالی کے طور پر مستحب یہ ہے کہ گوشت ہڈیوں سے الگ کرلیا جائے اور ہڈیوں کو توڑا نہ جائے، خود کھائے، دوسروں کو کھلائے اور صدقہ کرے۔(ت)

اسی میں ہے: وحکمھا کاحکام الاضحیہ[2] (عقیقہ کا حکم قربانی کے احکام کی طرح ہے) ردالمحتار میں ہے:

فی البدائع افضل الشاء ان یکون کبشا املح اقرن موجوء[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بدائع میں ہے افضل قربانی یہ ہے کہ مینڈھا چتکبرا، سینگوں والا اور خصی ہو، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱۵: مرسلہ احمد شاہ خاں از موضع نگر یاسادات، ضلع بریلی

عید الاضحٰی کے روز عقیقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۶: از مرسنیا تھانہ جہاں آباد ضلع پیلی بھیت مرسلہ شیخ مختار حسین صاحب ۶/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید نے اپنے لڑکے کا عقیقہ کیا، سر کے بال منڈوا کر چاندی وزن کرکے حجام کو دے دی، مسکین کو دینی چاہئے تھی، اور بکری کا سر حجام کو، اور ایک ران بھنگن کو، کہ وہی دائی تھی، اس طرح عقیقہ ہوا یا نہیں؟ جوانی یا بڑھاپے میں عقیقہ کرسکتا ہے یا

[1] العقود الدریۃ کتاب الذبائح ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۳۲ و ۲۳۳

[2] العقود الدریۃ کتاب الذبائح ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۳۳

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۱

نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

بھنگن یا کسی کافرہ کو جنائی بنانا سخت حرام ہے۔ نہ کافرہ کو ران دی جائے، اور بالوں کی چاندی مسکین کا حق ہے۔ نائی مسکین ہو تو مضائقہ نہیں، اصل حکم یہ ہے پھر جس نے اس کے خلاف کیا، بھنگن کو ران، غنی نائی کو چاندی دی تو برا کیا، مگر عقیقہ ہوگیا، سری کے بارے میں کوئی خاص حکم نہیں ہے جسے چاہے دے، جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو وہ جوانی بڑھاپے میں بھی اپنا عقیقہ کر سکتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۷تا۳۱۹: از موضع خود مئوڈاک خانہ بدو سرائے ضلع بارہ بنکی مرسلہ صفدر علی صاحب ۶/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) حکم ہے کہ عقیقہ میں سر نائی کو اور ران دائی جنائی کو دی جائے، فی زمانا جنائی اکثر چمارن یا ڈومن ہوتی ہے۔ اور ان کا مذہب ظاہر ہے تو کیا ان مذکور بموجب حکم جنائی کو جو چمارن ہے یا ڈومن ہے دی جائے۔

(۲) گوشت عقیقہ کا صاحب عقیقہ یا اس کے والد کے کھانے کی نسبت اکثر بزرگ تحریر فرماتے ہیں کہ درست ہے، اور بعض بزرگ تجویز فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے۔ اور نہ کھانا انسب ہے۔ تو اب قطعی حکم معلوم ہونا چاہئے، کیا کیا جائے، جو طریقہ وسنت نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خلاف نہ ہو،

(۳) اکثر دیکھا گیا کہ لوگ بکرا منگا کر اور اس کو لڑکے یا لڑکی کے نام ذبح کرکے کچھ گوشت چیل، کوا کو کھلاتے ہیں، اور کچھ فقراء کو تقسیم کرتے ہیں، یہ فعل کس حد تک صحیح ہے؟

الجواب:

(۱) سر نائی کو دینے کا نہ کہیں حکم نہ ممانعت، ایک رواجی بات ہے۔ جنائی کو ران دینے کا حکم، البتہ حدیث ہے، مگر کافرہ سے یہ کام لینا حرام ہے۔ کافرہ سے مسلمان عورت کو ایسے پردے کا حکم ہے جیسے مرد سے کہ سوا منہ کی ٹکلی اور ہتھیلیوں اور تلووں کے کچھ نہ دکھائے، نہ کہ خاص جنائی کا کام۔ مجتبٰی شرح قدوری وتنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

الذمیۃ کالرجل الاجنبی فی الاصح فلا تنظر الی بدن المسلمۃ[1]۔	اصح قول کے مطابق ذمیہ عورت اجنبی مرد کی طرح ہے لہٰذا وہ مسلمان عورت کے بدن کو نہ دیکھے۔ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار بحوالہ مجتبٰی کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۲

غایۃالبیان میں ہے:

لیس للمؤمنۃ ان تتجرد بین یدی مشرکۃ اوکتابیۃ [1]۔	مومنہ عورت کو مشرکہ یا کتابیہ عورت کے سامنے ننگا ہونا جائز نہیں۔(ت)

سراج الوہاج، نصاب الاحتساب وشرح الدر للعلامۃ اسمٰعیل وشرح ہدیہ ابن العماد للعارف عبدالغنی وردالمحتار میں ہے:

لایحل للمسلمۃ ان تنکشف بین یدی یھودیۃ او نصرانیۃاومشرکۃالا ان تکون امۃ لھا [2]۔	مسلمان عورت کو یہودی، نصرانی یامشرک عورت کے سامنے ننگا ہونا حلال نہیں سوائے اس کے کہ وہ اس کی لونڈی ہو۔(ت)

پھر اگر کسی نے اپنی حماقت سے اس گناہ کاارتکاب کیا،اوکان صحیح الاضطرار الیہ(یااس کی طرف شدید مجبوری ہو۔(ت) تواس کو ران وغیرہ کچھ نہ دیں کہ کافروں کا صدقات وغیرہ میں کچھ حق نہیں، نہ اس کو دینے کی اجازت، غایہ سروجی وبحر الرائق ودرمختار وغیرہامیں ہے:

اما الحربی ولومستأمنا فجمیع الصدقات لایجوز لہ اتفاقا [3]۔	لیکن کافر حربی اگرچہ مستامن ہو اس کو تمام صدقات دینا بالاتفاق ناجائز ہے۔(ت)

درایہ میں ہے:

صلتہ لاتکون برا شرعا۔ولذا لم یجز التطوع الیہ [4]۔	اس کے ساتھ صلہ رحمی شرعی طور پر نیکی نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس پر احسان کرنا جائز نہیں۔(ت)

(۲) عقود الدریہ وغیرہا کتب میں تصریح ہے کہ **احکامھا احکام الاضحیہ** [5] (عقیقے کے احکام وہی ہیں جو قربانی کے۔وہی تین حصے اس میں مستحب ہیں۔ایک اپنا،ایک عزیزوں دوستوں کا،ایک مسکینوں کا،خود بھی کھائے،ماں باپ بھی کھائیں،ممانعت بے اصل ہے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۸

[3] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱

[4] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایۃ کتاب الزکوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸

[5] العقود الدریۃ کتاب الذبائح ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۳۳

(۳) مساکین کو دیں، چیل، کوؤں کو کھلانا کوئی معنٰی نہیں رکھتا، یہ فاسق ہیں، اور کوؤں کی دعوت رسم ہنود۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۰: ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ عقیقے کے جانور کی استخوان توڑنا اور گوشت کے ساتھ پکانے کو عدم جواز کہتے ہیں، اور جواز کی دلیل چاہتے ہیں، اور استخوان اور پوست زمین میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہڈیاں توڑنے میں کوئی حرج نہیں، ناجائز کہنے والا دلیل بیان کرے، کہاں سے ناجائز کہتا ہے۔ یہ شافعیہ کے یہاں ہے۔ وہ بھی مستحب طور پر نہ کہ واجب کہ توڑنا ناجائز ہو، خود بلادلیل ناجائز کہہ دینا اور جواز پر الٹے دلیل مانگنا حماقت ہے۔ اور استخوان خالی دفن کریں، پوست دفن کرنا گناہ ہے۔ کہ مال کو ضائع کرنا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۱: از شہر پونا جامع مسجد مسئولہ محمد ابراہیم صاحب بروز شنبہ ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع مبین کہ بچے کا عقیقہ کیا جائے لڑکے کے ماں باپ نانا، نانی، دادا، ماموں وغیرہ گوشت عقیقہ کا کھائیں یا نہیں؟

الجواب:

سب کھاسکتے ہیں، یہ مسئلہ لوگوں میں غلط مشہور ہے **کلوا وتصدقوا وائتجروا**[1] (کھاؤ، صدقہ کرو اور اجر کماؤ۔ عقود الدریہ میں ہے: **احکامھا احکام الاضحیہ**[2] (عقیقہ کے احکام وہی ہیں جو قربانی کے احکام ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۲۲: از کیمپ میرٹھ لال کرتی بازار بنگلہ سول سارجن مرسلہ شیخ احمد بخش ملازم کرنل ۲۸ ذی القعدہ ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ میں جانور کی ہڈی توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب بیان ماکان من النھی عن لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۸، سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[2] العقود الدریۃ کتاب الذبائح ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۲۳۳

الجواب:

توڑنے میں حرج نہیں، اور نہ توڑنا بہتر ہے۔

قال الشیخ المحقق فی شرح المشکوٰۃ انه مذهب الامام مالک، والکسر مذهب الامام شافعی، قلت و قد صرح علمائنا ان مذهب عالم المدینة رضی الله تعالٰی عنه اقرب الی مذهبنا ویصار الیه حیث لانص من اصحابنا کما فی ردالمحتار وغمزالعیون، قلت لاسیما فی مثل مانحن فیه، فان الکسر لاینبغی عند مالک، ولو لم یکسر لم یعاقبه الشافعی رضی الله تعالٰی عن الائمة اجمعین۔ والله تعالٰی اعلم۔	شیخ محقق علیہ الرحمۃ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ (ہڈی کا) نہ توڑنا امام مالک کا مذہب ہے۔ اور توڑنا امام شافعی کا مذہب ہے۔ میں کہتا ہوں ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ عالم مدینہ کا مذہب ہمارے مذہب کے زیادہ قریب ہے۔ جہاں ہمارے اصحاب سے کوئی نص موجود نہ ہو وہاں انہی کے مذہب کی طرف رجوع کیا جائے، جیسا کہ ردالمحتار اور غمز العیون میں ہے۔ میں کہتا ہوں خاص طور پر زیر بحث مسئلہ جیسے مسائل میں کیونکہ امام مالک کے نزدیک توڑنا مناسب نہیں، اور اگر نہ توڑے تو امام شافعی اس پر عتاب نہیں فرماتے۔ اللہ تعالٰی ہمارے تمام اماموں پر راضی ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ کا گوشت والدین کو کھانا حرام ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے اگر سب آپ ہی کھالیں جب بھی حرج نہیں **لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کلوا وادخروا**[1] (نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ کھاؤ اور ذخیرہ کرو۔ت) ہاں بہتر یہ ہے کہ "**لا اقل بقدر ثلث**" (کم از کم تہائی کو۔ت) خیرات کردے، اور ایک ران دائی کا حق ہے۔ ایک ثلث عزیزوں قریبوں میں تقسیم کریں، ایک ثلث اپنے کھانے کے لئے،

بذٰلك ورد الحدیث واما جواز الاکل فان النسك انما یقوم باراقة الدم	اس پر حدیث وارد ہے۔ لیکن کھانے کا جواز تو اس لئے ہے کہ عقیقہ تو جانور کا خون بہانے

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

والتصدق باللحم خارج عنه کالا ضحیة والدم دم شکر لاجبر، وقد صرح العلماء کالشیخ فی اللمعات وغیرہ فی غیرہا ان العقیقة کالاضحیة فی جمیع الشرائط والاحکام، ومعلوم ان الاضاحی تقسم لحومها اثلاثا ثلث طعمه و ثلث ہدیة وثلث صدقة و ھذا ایضا علی وجه الاستحباب دون الوجوب حتی لو اکل الکل جاز فکذا العقیقة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کے ساتھ ادا ہو جاتا ہے۔ اور گوشت کو صدقہ کرنا اس سے خارج ہے جیسا کہ قربانی میں ہوتا ہے۔ اور عقیقہ کے لئے جانور ذبح کرنا بطور شکر ہے اس پر جبر نہیں علماء کرام نے صراحت فرمائی جیسا کہ شیخ محقق نے لمعات میں اور دیگر ائمہ نے دیگر کتب میں فرمایا کہ بیشک عقیقہ تمام شرائط واحکام میں قربانی کی مثل ہے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ایک حصہ خود کھانے کے لئے دوسرا حصہ ہدیہ و تحفہ کے لئے اور تیسرا حصہ صدقہ کے لئے، اور ایسا کرنا بھی مستحب ہے نہ کہ واجب یہاں تک کہ اگر تمام گوشت خود کھالے تب بھی جائز ہے۔ لہٰذا ایسا ہی معاملہ عقیقہ میں ہوگا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۴ و ۳۲۵: شیخ احمد حسین صاحب از مقام سید پور ڈاکخانہ وزیر گنج ضلع بدایوں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) مردہ کے نام پر عقیقہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور بعض عالم یہ کہتے ہیں کہ مردہ کے نام پر قربانی کرنا درست ہے لہٰذا عقیقہ بھی درست ہے۔ اگر بچہ ہو کہ سات دن سے پہلے مرے تو کیا حکم ہے؟

(۲) ایک گائے سے تین یا چار یا سات لڑکی کا عقیقہ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) مردہ کی طرف سے قربانی بلا شبہ جائز ہے اور عقیقہ شکر نعمت ہے بعد زوال نعمت اس کا محل نہیں، ولہٰذا اموات بلکہ ان کی طرف سے جواب تک پیدا نہ ہوئے قربانی ثابت ہے۔ اور عقیقہ بعد موت کہیں ثابت نہیں، جو بچہ سات دن سے پہلے مر گیا عقیقہ نہ کرنے سے جو الزام آتا کہ وہ شفیع ہوگا، یہاں نہ ہوگا کہ شرع نے جو اس کا وقت مقرر فرمایا اس سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا، اور سات دن بعد مرا اور استطاعت تھی تو اس کی شفاعت کا استحقاق نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) دے سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۶: از شہر بریلی مدرسہ اہلسنت مسئولہ مولوی اسیر الدین بنگالی یکے از طلباء مدرسہ مذکورہ ۲۴ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

بچہ نابالغ اگر قبل عقیقہ کے مر جائے تو بعد مرنے کے اگر عقیقہ کیا جائے تو ثواب عقیقہ کا ملے گا یا

نہیں؟اور یہ عقیقہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

بچہ کی موت کے بعد عقیقہ نہیں ہو سکتا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۷: مسئولہ محمد یعقوب علی خاں از مقام کٹھری ضلع گوڑگاؤں ڈاکخانہ ڈھینہ اسٹیشن جاٹون بتاریخ ۱۴ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ

جو بچہ پیدا ہوا اور کسی سبب سے اس کی زندگی میں عقیقہ نہ ہوا تو بعد مرنے بچہ کے اس کے نام سے عقیقہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

عقیقہ بعد موت پسر نہیں کہ وہ شکر ولادت ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۸و۳۲۹: از بریلی محلّہ سوداگران مسئولہ سردار احمد صاحب ۱۵ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) مُردے کے نام سے عقیقہ دے سکتا ہے یا نہیں؟اور بعض عالم کہتے ہیں کہ مردے کے نام پر قربانی کرنا درست ہے لہٰذا عقیقہ بھی درست ہے اگر بچہ پیدا ہو کے سات دن پہلے مرے تو کیا حکم ہے اور سات دن کے بعد مرے تو کیا حکم ہے۔اور نر یعنی بکرا لڑکے کے لئے خاص ہے یا نہیں؟

(۲) ایک گائے سے تین یا چار سات لڑکے کا عقیقہ دے سکتا ہے یا نہیں؟اور ایک گائے کے گوشت سے دو حصہ لے کر ایک لڑکے کا عقیقہ دیا جائے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) مُردے کا عقیقہ نہیں کہ وہ شکر ولادت ہے بخلاف قربانی کہ ایصال ثواب ہے۔سات دن سے پہلے مر گیا تو ابھی عقیقہ کا وقت ہی نہ آیا تھا اور بعد کو مرا تو عقیقہ کیا،اس بچے کی شفاعت کا مستحق نہ ہوگا،اگر بلاوجہ باوصف استطاعت نہ کیا،افضل یہ ہے کہ پسر کے لئے دو نر ہوں اور دختر کے لئے ایک مادہ کہ اس میں مقابلہ اعضا اکمل ہے۔اور اگر نر و مادہ میں عکس ہو جب بھی کوئی حرج نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) ایک گائے میں ایک سے سات کا عقیقہ ہو سکتا ہے۔اگر عقیقہ کے سوا دوسرا حصہ ایک یا دو یا کتنا ہی خفیف غیر قربت مثلا اپنے کھانے کی نیت کو رکھا تو عقیقہ ادا نہ ہوگا،ہاں اگر وہ حصے

بھی قربت کے ہوں، مثلاایک حصہ عقیقہ،ایک حصہ قربانی عیدالاضحیٰ تو جائز ہے۔**واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۳۳۰: ہادی حسین صاحب از شہر بریلی محلّہ ذخیرہ ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ

علمائے کرام اس مسئلہ میں کیافرماتے ہیں کہ زید وہندہ کے آپس میں ناجائز تعلق تھا، ہندہ کو اس ناجائز تعلق کی وجہ سے حمل رہا،افشائے راز کے باعث زید وہندہ کا باہم نکاح کردیا،اب ہندہ نے وضع حمل کیا،زید اس کا عقیقہ کرنا چاہتاہے۔آیا یہ عقیقہ درست ہوگااور گوشت یاطعام عزیز واقرباء کو کھانا مباح ہوگایانہیں اور نکاح زید صورت مسطورہ میں صحیح ہے یانہیں؟علاوہ ازیں زید کوئی کام بھی آئندہ اس مولود کامثل ختنہ ومکتب وغیرہ کے کرے،اس میں شرکت دینااور شرینی اور طعام دعوت ان امور کی لینااور کھانااعزا کو جائز ہے یانہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

سائل کے بیان سے معلوم ہواکہ عورت کنواری تھی اور بچہ نکاح کے کوئی دو مہینے بعد پیدا ہوا،ایسی صورت میں زید اگر جانتا ہے کہ واقع میں یہ حمل نکاح سے پہلے کا ہے تو اسے اس کا عقیقہ کرنے کے کوئی معنی نہیں کہ عقیقہ شکر نعمت ولادت ہے اور بچہ کی ولادت زانی کے لئے نہیں ہوتی صرف ماں کے لئے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للعاھر الحجر[1]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا زانی کے لئے پتھر ہے۔(ت)

اس کا عقیقہ اگر کرے تو اس کی ماں کرے،اس میں شرکت میں حرج نہ ہوگا،اور ختنہ اور شادی اگر زید بھی کرے تو حرج نہیں اور شرکت بھی جائز ہوئی جبکہ کوئی محذور شرعی نہ ہو،**واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۳۳۱تا۳۳۳: مسئولہ مولوی رحیم بخش صاحب حنفی قادری رضوی از آرہ شاہ آباد مدرس فیض الغرباء،بروز پنجشنبہ بتاریخ ۷/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

(۱) قیاس عقیقہ قربانی پر صحیح ہے یانہیں؟اگر صحیح ہے تو ان دونوں کا جامع علت مشترکہ کیا ہے؟

(۲) قربانی کی طرح عقیقہ میں شرکت جائز ہے یانہیں؟

(۳) سات لڑکیوں یا تین لڑکے اور ایک لڑکی کے نام سے ایک گائے عقیقہ کرسکتے ہیں یانہیں؟

---

[1] صحیح البخاری کتاب المحاربین باب للعاھر الحجر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۰۷،صحیح البخاری کتاب الاحکام باب من قضی لہ بحق اخیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۶۵،صحیح مسلم کتاب الرضاع باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۰ و ۴۷۱

الجواب:

عقیقہ میں بھی شرکت اسی طرح جائز ہے جیسے قربانی میں جبکہ سب کی نیت خالص لوجہ اللہ ہو۔اگر ایک کی نیت بھی قربت کی نہ ہوگی اور باقی سب تقرب چاہیں گے کسی کی قربت ادانہ ہوگی کہ وہ سب گوشت ہوگیا۔

لان اللہ تعالٰی لا یقبل الشرکۃ واغنی الاغنیاء عن الشرکۃ لہ ولغیرہ فکلہ لغیرہ۔	اس لئے کہ اللہ تعالٰی شرکت کو قبول نہیں فرماتا اور وہ تمام اغنیاء شرکت سے بڑا غنی ہے اور جو اس کے لئے اور اس کے غیر کے لئے (مشترک) ہو تو وہ سب اس کے غیر کے لئے ہے۔(ت)

عقیقہ اور قربانی دونوں اراقت دم لوجہ اللہ ہیں اور اسی کلیہ میں داخل کہ:

ماکان لہ ولغیرہ فھو لغیرہ وماکان خالصاً لہ فھولہ۔ وان تعددت الوجوہ ولذا جاز التصدق علی فقیرین بالاشتراك ولامشاع،ان المقصود وجہ اللہ تعالٰی وھو واحد بخلاف الھبۃ۔	جو کچھ اس کے لئے اور اس کے غیر کے لئے (مشترک) ہے تو وہ اس کے غیر کے لئے ہے اور جو خالص اس کی رضا کے لئے ہے تو وہ اس کے لئے ہے۔اگرچہ وجوہ تقرب متعدد ہوں،اسی واسطے دو فقیروں پر بلا تقسیم مشترکہ طور پر صدقہ کرنا جائز ہے کیونکہ مقصود اللہ تعالٰی کی خوشنودی ہے اور وہ ایک ہی ہے بخلاف ہبہ کے (ت)

لہذا حاجت قیاس نہیں فان المندرج تحت العمومات غیر مسکوت عنہ لیقاس (کیونکہ جو شے عمومات کے تحت درج ہو وہ مسکوت عنہ نہیں ہوتی تاکہ قیاس کیا جائے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳۴: از قصبہ امریا ڈاک خانہ امریا پاس محمد اکبر یار خاں بروز چہار شنبہ بتاریخ ۱۳/ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم،نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو بچہ لڑکا یا لڑکی پیدا ہو کر ہفتہ سے کم یا ہفتہ بھر کی عمر یا ہفتہ سے زائد میں انتقال ہوا اب ان کے والدین کو ان مردہ بچوں کا عقیقہ چاہئے یا نہیں؟ اور ہفتہ سے کم عمر میں مرے ان کا عقیقہ کیا جائے یا نہیں؟ اور قربانی بھی ان بچوں کی جانب سے ہوتی یا نہیں؟ اور والدین جو انتقال کرچکے ہوں ان کی جانب سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کی بابت جو جوابات ہوں واضح طور پر تحریر فرمائے جائیں سخت ضرورت ہے۔جواب جہاں تک ممکن ہو بہت جلد اور ہفتہ کی عمر سے زائد جہاں تک حد ہو اپنی صغر سنی میں،اس کے واسطے کیا حکم ہے۔اور وہ بچے جن کے ذکر ہوا عقیقہ نہ کرنے میں مواخذہ

کریں گے یا نہیں؟ اگر عقیقہ کردیا جائے تو شفاعت بروز حشر کرادیں گے یا نہیں؟ فقط

الجواب:

جو مرجائے کسی عمر کا ہو اس کا عقیقہ نہیں ہوسکتا، بچہ اگر ساتویں دن سے پہلے ہی مرگیا تو اس کے عقیقہ نہ کرنے سے کوئی اثر اس کی شفاعت وغیرہ پر نہیں کہ وہ وقت عقیقہ آنے سے پہلے ہی گزر گیا عقیقہ کا وقت شریعت میں ساتواں دن ہے سات دن سے پہلے مرجانا درکنار، حدیث میں ہے کہ کچا حمل جو گر جاتا ہے وہ روز قیامت اپنا نال کھینچتا ہوا آئے گا اور اپنے ماں باپ کے لئے (جبکہ وہ دنیا سے ایمان کے ساتھ گئے ہوں) مولٰی عزوجل سے ایسا جھگڑا کرے گا جیسے قرضخواہ اپنے قرضدار سے، یہاں تک کہ حکم ہوگا کہ او کچے بچے، اپنے رب سے جھگڑنے والے! اپنے ماں باپ کا ہاتھ پکڑلے اور جنت میں لے جا[1]۔ ہاں جس بچے نے عقیقہ کا وقت پایا یعنی سات دن کا ہوگیا اور بلاعذر باوصف استطاعت اس کا عقیقہ نہ کیا اس کے لئے یہ آیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی شفاعت نہ کرنے پائے گا۔ حدیث میں ہے: الغلام مرتھن بعقیقتہ[2] لڑکا اپنے عقیقہ میں گروی ہے۔ تیسیر میں ہے:

یعنی اذالم یعق عنه فمات طفلا لایشفع فی ابویه[3]۔	یعنی اگر بچے کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو اور وہ بچپن میں مرگیا تو وہ اپنے والدین کی شفاعت نہیں کرے گا۔ (ت)

اشعۃ اللمعات میں ہے:

امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مے گوید معنی آنست کہ فرزند محبوس وممنوع ست از شفاعت، در حق والدین تا عقیقہ او را نہ ہند، واعتماد بر قول آں امام اجل ست وظاہر آن ست کہ وی شنیدہ است از سلف کہ معنی ایں ست[4]۔	امام احمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ بچے کا جب تک عقیقہ نہ کیا جائے اس کو والدین کے حق میں شفاعت کرنے سے روک دیا جاتا ہے اور اعتماد اس عظیم الشان امام کے قول پر ہے اور ظاہر یہ ہے کہ امام موصوف نے اسلاف سے سنا ہوگا کہ اس کا معنی یہ ہے۔ (ت)

جو بچہ قبل بلوغ مرگیا اور اس کا عقیقہ کردیا تھا، یا عقیقہ کی استطاعت نہ تھی یا ساتویں دن سے پہلے مرگیا ان

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۶

[2] الجامع الصغیر حدیث ۵۸۱۹ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۳۵۹

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث مذکور کے تحت مکتبہ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۱۶۵

[4] اشعۃ اللمعات کتاب الصید باب العقیقہ الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۴۸۲

سب صورتوں میں وہ ماں باپ کی شفاعت کرے گا جبکہ یہ دنیا سے باایمان گئے ہوں اس بارے میں متواتر حدیثیں ہیں، قربانی جو اپنے نابالغ بچہ کی طرف سے بعض کے نزدیک واجب ہے وہ اس کی زندگی ہی میں ہے بعد مرگ کسی کے نزدیک لازم نہیں، ہاں ان کی طرف سے کرے تو ان کو ثواب پہنچے گا، یونہی ماں باپ کی طرف سے بعد موت قربانی کرنا اجر عظیم ہے اس کے لئے بھی اور اس کے والدین کے لئے بھی۔ **وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

نوٹ

بیسویں جلد **باب العقیقہ** پر ختم ہوئی

اکیسویں جلد کا آغاز **کتاب الحظر والاباحۃ** سے ہوگا۔

مآخذ ومراجع

سن وفات ہجری	مصنف	نام کتاب	
		ا	
۴۱۶	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	الاجزاء فی الحدیث	۱۔
۴۴۶	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	الاجناس فی الفروع	۲۔
۶۸۳	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	الاختیار شرح المختار	۳۔
۲۵۶	محمد بن اسمٰعیل البخاری	الادب المفرد للبخاری	۴۔
۹۲۳	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	ارشاد الساری شرح البخاری	۵۔
۹۵۱	ابوسعود محمد بن محمد العمادی	ارشاد العقل السلیم	۶۔
۱۲۲۵	مولانا عبدالعلی بحرالعلوم	الارکان الاربع	۷۔
۹۷۰	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	الاشباہ والنظائر	۸۔
۱۰۵۲	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ	۹۔
۴۸۲	علی بن محمد البزدوی	اصول البزدوی	۱۰۔
۹۴۰	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	الاصلاح والایضاح للوقایۃ فی الفروع	۱۱۔
۷۶۹	قاضی بدرالدین محمد بن عبداللہ الشبلی	آکام المرجان فی احکام الجان	۱۲۔
۷۵۸	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	انفع الوسائل الی تحریر المسائل	۱۳۔
۱۰۶۹	حسن بن عمار الشرنبلالی	امداد الفتاح شرح نورالایضاح	۱۴۔
۷۹۹	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	الانوار لعمل الابرار	۱۵۔

۱۶۔	امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن محمد بشران	۴۳۲
۱۷۔	الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف با بن السنی	۳۶۴
۱۸۔	القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷
۱۹۔	الاصل (مبسوط)	ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۲۰۔	اخبار مدینہ	محمد بن حسن المدنی ابن زبالہ	۲۰۰
۲۱	اَلام	محمد بن ادریس الشافعی	۲۰۴
۲۲۔	اخبارِ مدینہ	زبیر ابن بکار الزبیری	۲۵۶
۲۳۔	امثال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی	۳۶۰
۲۴۔	اربعین للحاکم	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری	۴۰۵
۲۵۔	احیاء العلوم	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶۔	اربعین نووی	محی الدین یحیٰی بن شرف النووی الشافعی	۶۷۶
۲۷۔	الاذکار المنتخبہ من کلام	سیّد الابرار ابوزکریا یحیٰی شرف النووی	۶۷۶
۲۸۔	اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ	علی بن محمد ابن اثیر الشیبانی	۶۳۰
۲۹۔	الفیۃ العراقی فی اصول الحدیث	امام زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی	۸۰۶
۳۰۔	الاصابۃ فی تمییز الصحابہ	شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲
۳۱۔	انموذج العلوم	علامہ جلال الدین محمد بن اسعد الدوانی	۹۰۳
۳۲۔	الاتقان جلال الدین	عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۳۳۔	اعلام بقواطع الاسلام	احمد بن حجر الھیتمی المکی	۹۷۴
۳۴۔	الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری (ملا علی القاری)	۱۰۱۴
۳۵۔	الانتباہ فی سلاسل اولیاء	شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم	۱۱۷۶
۳۶۔	اتحاف السادۃ المتقین	سید محمد بن محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۳۷۔	انجاح الحاجۃ حاشیۃ سنن ابن ماجہ	عبدالغنی الدہلوی المدنی	۱۲۷۳
۳۸۔	اعانۃ الطالبین سید محمد شطا الدمیاطی		
۳۹۔	الاشارات ابن سینا	ابوعلی حسن بن عبداللہ الشہیر بابن سینا	۴۲۸

ب

۴۰۔	بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۴۱۔	البدایۃ (بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۲۔	البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۴۳۔	البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسی الطرابلسی	۹۲۲
۴۴۔	بستان العارفین	فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۲
۴۵۔	البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۴۶۔	البنایۃ شرح الہدایۃ	امام بدر الدین ابو محمد العینی	۸۵۵
۴۷۔	بہجۃ الاسرار	یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی	۷۱۳
۴۸۔	بلوغ المرام	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	۸۵۲
۴۹۔	بستان المحدثین	شاہ عبد العزیز بن شاہ ولی اللہ	۱۲۳۹
۵۰۔	براہین قاطعہ	رشید احمد گنگوہی	۱۹۰۵ء

ت

۵۱۔	تاج العروس	سید محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۵۲۔	تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	۵۷۱
۵۳۔	تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۴۔	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۵۵۔	تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن الہمام	۸۶۱
۵۶۔	تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۵۷۔	تحقیق الحسامی	عبد العزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۵۸۔	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۵۹۔	التعریفات لسیّد شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۶۰۔	التمہید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید	یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر الاندلسی	۴۶۳

۶۱۔	تنبیہ الانام فی آداب الصیام		
۶۲۔	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۸۶۴۔۹۱۱
۶۳۔	تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۶۴۔	تنزیہ الشرعیۃ المرفوعہ عن اخبار الشنیعۃ الموضوعۃ	ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی	۹۲۳
۶۵۔	تفسیر ابن ابی حاتم	عبدالرحمٰن بن محمد الرازی (حافظ)	۳۲۷
۶۶۔	تہذیب الآثار	ابو جعفر محمد بن محمد بن جریر	۱۳۱۰
۶۷۔	تقریب القریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۹۱۱
۶۸۔	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۶۹۔	التیسیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۷۰۔	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۷۱۔	تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۷۲۔	تنویر المقیاس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۷۳۔	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۷۴۔	تعظیم الصّلٰوۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۷۵۔	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۷۶۔	التوشیح فی شرح الھدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳
۷۷۔	تاریخ الطبری	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۷۸۔	تنبیہ الغافلین	نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی	۳۷۳
۷۹۔	تاریخ ابن نجار	محمد بن محمود بن حسن بغدادی ابن نجار	۶۴۳
۸۰۔	الترغیب والترہیب	زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۸۱۔	التوضیح شرح التنقیح فی اصول الفقہ	عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ	۷۴۷
۸۲۔	تذکرۃ الحفاظ	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۳۔	تذہیب تہذیب الکمال	شمس الدین محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۴۔	التلویح شرح توضیح	سعد الدین مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی	۷۹۲
۸۵۔	تدریب الراوی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

ث

ج

۱۰۷۔	جامع الفصولین	شیخ بدر الدین محمود بن اسرائیل با بن قاضی	۸۲۳
۱۰۸۔	الجامع الکبیر فی فروع الحنفیۃ	ابی الحسن عبیداللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۱۰۹۔	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۱۱۰۔	الجواہر الزکیۃ	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۱۱۱۔	جواہر الفتاوٰی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۱۱۲۔	الجوہرۃ النیّرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدّاد الیمنی	۸۰۰
۱۱۳۔	الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیٰی بن معین البغدادی	۲۳۳
۱۱۴۔	الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۵۔	جامع البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر طبری) محمد بن جریر الطبری		۳۱۰
۱۱۶۔	جزء حدیثی حسن بن عرفہ	ابو علی حسن بن عرفہ بعداز	۲۵۶
۱۱۷۔	الجامع لاخلاق الراوی والسامع	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۱۱۸۔	جامع احکام الصغار فی الفروع	محمد بن محمود الاستروشنی	۶۳۶
۱۱۹۔	جامع الادویہ والاغذیہ	ضیاء الدین عبداللہ بن احمد المالقی	۶۴۶
۱۲۰۔	جواہر العقدین فی فضل الشرفین	نور الدین علی بن احمد السمہودی والمصری	۹۱۱
۱۲۱۔	جواہر خمسہ	محمد غوث بن عبداللہ گوالیاری	۹۷۰
۱۲۲۔	جمع الجوامع فی الحدیث	ابوبکر جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین سیوطی	۹۱۱
۱۲۳۔	جوہر منظم فی زیارت قبر النبی المکرم صلی اللہ علیہ وسلم	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۲۴۔	جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب	عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲
۱۲۵۔	الجامع الکبیر فی الفتاوٰی	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۵۵۶

ح

۱۲۶۔	حاشیۃ علی الدرر	محمد بن مصطفٰی ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۱۲۷۔	حاشیۃ ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۱۲۸۔	حاشیۃ علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۱۲۹۔	حاشیۃ علی الدرر لملا خسرو	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵

۱۳۰۔	حاشیة علی المقدمة العشماویة	علّامہ سفطی	
۱۳۱۔	الحاشیة لسعدی آفندی علی العنایة	سعداللہ بن عیسی الآفندی	۹۴۵
۱۳۲۔	الحدیقة الندیة شرح طریقہ محمدیة	عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳
۱۳۳۔	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۱۳۴۔	حصر المسائل فی الفروع	امام ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۱۳۵۔	حلیة الاولیاء فی الحدیث	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۱۳۶۔	حلیة المحلّی شرح منیة المصلی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹
۱۳۷۔	حرز الامانی ووجہ التھانی	ابو محمد قاسم بن فیّرہ الشاطبیّ المالکی	۵۹۰
۱۳۸۔	حیٰوة الحیوان الکبریٰ للدمیری	زکریا بن محمد بن محمود الفروینی	۶۸۲
۱۳۹۔	الحصن الحصین من کلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۴۰۔	حاشیة التلویح ملاخسرو	محمد بن فراموز ملاخسرو	۸۸۵
۱۴۱۔	حاشیة التلویح حسین چلپی	حسن بن محمد شاہ الفناری چلپی	۸۶۶
۱۴۲۔	حرز ثمین شرح حصن حصین	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۴۳۔	حجة اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۴۔	حاشیة مکتوبات شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۵۔	حصر الشارد فی اسانید الشیخ	محمد عابد السندی	۱۲۵۷
۱۴۶۔	حاشیة الکمثری علی الانوار		
۱۴۷۔	حاشیة کفایة الطالب الربانی		
۱۴۸۔	حاشیة الحفنی علی الجامع الصغیر علامہ الحفنی		
۱۴۹۔	الحاوی للفتاویٰ	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۰۔	حسن المقصد فی عمل المولد	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱

خ

۱۵۱۔	خزانة الروایات قاضی جکن الحنفی		
۱۵۲۔	خزانة الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲

۱۵۳۔	خزانۃ المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۱۵۴۔	خلاصۃ الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۱۵۵۔	خلاصۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبد الرشید البخاری	۵۴۲
۱۵۶۔	خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۵۷۔	الخصائص الکبرٰی	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۸۔	خلاصۃ الوفا	علی بن احمد السمہودی	۹۱۱
۱۵۹۔	خزائن الاسرار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین محمد بن علی الحصکفی	۱۰۸۸
د			
۱۶۰۔	الدرایۃ شرح الہدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۶۱۔	الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۱۶۲۔	الدر المختار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۶۳۔	الدر النثیر علامہ	جلال الدین عبد الرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۶۴۔	الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور	علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن السیوطی	۹۱۱
ذ			
۱۶۵۔	ذخیرۃ العقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۱۶۶۔	ذخیرۃ الفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۱۶۷۔	ذم الغیبۃ	عبد اللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
ر			
۱۶۸۔	الرحمانیۃ		
۱۶۹۔	رد المحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۰۔	رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۱۷۱۔	رغائب القرآن ابو مروان	عبد الملک بن حبیب السلمی (القرطبّی)	۲۳۹

۱۷۲۔	رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۱۷۳۔	رد علی الجهمیة	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰
۱۷۴۔	رساله نذور	مولوی اسمٰعیل دہلوی	۱۸۳۱ء ۱۲۴۶
۱۷۵۔	رساله قشیریه	عبدالکریم بن ہوازن القشیری	۴۶۵
۱۷۶۔	رمز الحقائق شرح کنز الدقائق	بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۷۷۔	رفع الاشتباہ عن سبل المیاہ	قاسم بن قطلوبغا المصری	۸۷۹
۱۷۸۔	رساله طلوع ثریا	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۷۹۔	رساله اتحاف الغرفه	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۸۰۔	رسائل ابن نجیم	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰
۱۸۱۔	رساله اہتداء	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۸۲۔	رساله القول البلیغ فی حکم التبلیغ	احمد بن سید محمد مکی الحموی	۱۰۹۸
۱۸۳۔	رساله انصاف	شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۱۷۹
۱۸۴۔	رسائل ابن عابدین	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۱۸۵۔	رساله میلاد مبارک (الکوکب الانوار علی عقد الجوہر)	جعفر اسمٰعیل البرزنجی	۱۳۱۷
۱۸۶۔	الریاض النضرہ فی فضائل العشرہ	ابو جعفر احمد بن احمد الشہیر بالمحب الطبری المکی	۶۹۴
۱۸۷۔	رساله بدعت	میاں اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی الدہلوی ۱۸۳۱ء	۱۲۴۶
۱۸۸۔	رساله دعائیه	مولوی خرم علی	
۱۸۹۔	رساله غایة المقال	ابوالحسنات محمد عبدالحہ	۱۳۴۳

ز

۱۹۰۔	زاد الفقهاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی المتوفی اواخر القرن السادس	
۱۹۱۔	زاد الفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	۸۶۱
۱۹۲۔	زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی تقریباً	۱۰۱۶
۱۹۳۔	زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۴۔	زہر النسرین فی حدیث المعمرین	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰

۱۹۵۔	زہر الربٰی علی المجتبی	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۹۶۔	زہر الروض فی مسئلۃ الحوض	محمد بن عبداللہ ابن شحنہ	۹۲۱
۱۹۷۔	الزواجر عن الکبائر	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۹۸۔	زبدۃ الآثار فی اخبار قطب الاخبار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲
۱۹۹۔	زبدۃ الاسرار فی مناقب غوث الابرار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲

س

۲۰۰۔	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۲۰۱۔	السنن لابن ماجۃ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۲۰۲۔	السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۲۰۳۔	السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۲۰۴۔	السنن للنسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۲۰۵۔	السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۰۶۔	السنن للدارقطنی	علی عمر الدارقطنی	۳۸۵
۲۰۷۔	السنن للدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵
۲۰۸۔	سیرت ابن ہشام	ابومحمد عبدالملک بن ہشام	۲۱۳
۲۰۹۔	سیرت عیون الاثر	محمد بن عبداللہ ابن سید الناس	۷۳۴
۲۱۰۔	سراجی فی المیراث	سراج الدین سجاوندی ساتویں صدی ہجری	
۲۱۱۔	سیر اعلام النبلاء	شمس الدین محمد احمد الذہبی	۷۳۸
۲۱۲۔	السعایہ فی کشف مافی شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحہ لکھنوی	۱۳۰۴
۲۱۳۔	سیرت عمر بن محمد ملا	عمر بن محمد ملا	
۲۱۴۔	سیرت ابن اسحاق	محمد بن اسحاق بن یسار	۱۵۱
۲۱۵۔	سراج القاری		
۲۱۶۔	السعدیہ		
۲۱۷۔	السعی المشکور فی رد المذہب الماثور	محمد بن عبدالحہ لکھنوی ہندی	۱۳۰۴

ش

۲۴۰۔ شرح الھدایۃ	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنۃ	۸۹۰
۲۴۱۔ شرعۃ الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۲۴۲۔ شعب الایمان	ابو بکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۴۳۔ شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۴۴۔ شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبد العزیز الحنفی	۵۳۶
۲۴۵۔ الشفاء فی تعریف حقوق المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم	ابو الفضل عیاض بن موسی قاضی	۵۴۴
۲۴۶۔ شرح شافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاسترا باذی	۶۸۶
۲۴۷۔ شرح کافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاسترا باذی	۶۸۶
۲۴۸۔ شرح طوالع الانوار	محمود بن عبد الرحمان الاصفہانی	۷۳۹
۲۴۹۔ شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	تقی الدین علی بن عبد الکافی السبکی	۷۵۶
۲۵۰۔ شرح عقائد النسفی	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۱۔ شرح المقاصد سعد الدین	مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۲۔ شرح المواقف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۳۔ شرح السراجی	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۴۔ شرح چغمینی	موسٰی پاشا بن محمد الرومی	۸۴۱
۲۵۵۔ شرح حاشیۃ الکنز ملا مسکین	معین الدین الہروی ملا مسکین	۹۵۴
۲۵۶۔ شرح فقہ اکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۷۔ شرح عین العلم	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۸۔ شرح قصیدہ اطیب النغم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۵۹۔ شرح قصیدہ ہمزیہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۰۔ شرح رباعیات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۱۔ شرح فواتح الرحموت	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۲۔ شفاء العلیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۳۔ شرح النقایہ لابی المکارم	ابو المکارم بن عبد اللہ بن محمد بعداز	۹۰۷
۲۶۴۔ شرف المصطفٰی	حافظ عبد الملک بن محمد نیشاپوری	۴۰۶
۲۶۵۔ شرح مقدمہ عشماویہ	احمد بن ترکی المالکی	

غ

ف

۳۰۶۔	فتاوٰی حجّہ		
۳۰۷۔	فتاوٰی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۳۰۸۔	فتاوٰی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۳۰۹۔	فتاوٰی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۳۱۰۔	فتاوٰی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۳۱۱۔	فتاوٰی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۳۱۲۔	فتاوٰی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۳۱۳۔	فتاوٰی ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۳۱۴۔	فتاوٰی ولوالجیۃ	عبدالرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۳۱۵۔	فتاوٰی الکبری	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز	۵۳۶
۳۱۶۔	فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۳۱۷۔	فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	
۳۱۸۔	فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۳۱۹۔	الفتوحات المکّیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۳۲۰۔	فواتح الرحموت	عبدالعلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۳۲۱۔	الفوائد	تمام بن محمد بن عبداللہ البجلی	۴۱۴
۳۲۲۔	فوائد المخصِّصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۳۲۳۔	فیض القدیر	شرح الجامع الصغیر عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۳۲۴۔	فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبداللہ الملقّب بسمویۃ	۲۶۷
۳۲۵۔	فضائل القرآن لابن ضریس	ابوعبداللہ محمد بن ایوب ابن ضریس البجلی	۲۹۴
۳۲۶۔	فوائد الخلعی	ابوالحسن علی بن الحسین الموصلی	۴۹۲
۳۲۷۔	فصول العمادی	محمد بن محمود استروشنی	۶۳۶
۳۲۸۔	فتاوٰی تاتارخانیہ	عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی	۷۸۶
۳۲۹۔	فتح المغیث	امام محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی	۹۰۳
۳۳۰۔	فتاوٰی زینیہ	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰

۳۳۱۔	فتح المعین شرح اربعین	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۲۔	فتح الالہ شرح المشکاۃ	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۳۔	فتاوی الفقھیہ ابن حجر مکی	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۴۔	فتاوٰی انقرویہ	محمد بن حسین الانقروی	۱۰۹۸
۳۳۵۔	فتاوٰی اسعدیہ	سید اسعد ابن ابی بکر المدنی الحسینی	۱۱۱۶
۳۳۶۔	فوائد مجموعہ	شوکانی محمد بن علی بن محمود الشوکانی	۱۲۵۰
۳۳۷۔	فتاوٰی جمال بن عمر المکی	جمال بن عمر المکی	۱۲۸۴
۳۳۸۔	فضل لباس العمائم	ابوعبداللہ محمد بن وضاح	
۳۳۹۔	فتاوٰی قاعدیہ	ابوعبداللہ محمد بن علی القاعدی	
۳۴۰۔	فتاوی غزی	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۳۴۱۔	فتاوی شمس الدین الرملی		
۳۴۲۔	فتح الملک المجید		
۳۴۳۔	فتح العزیز (تفسیر عزیزی)	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۹

<u>ق</u>

۳۴۴۔	القاموس المحیط	محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۳۴۵۔	قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۳۴۶۔	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۳۴۷۔	القرآن الکریم		
۳۴۸۔	قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب	ابوطالب محمد بن علی المکی	۳۸۶
۳۴۹۔	القول المسدد	شہاب الدین احمد بن علی القسطلانی	۸۵۲
۳۵۰۔	قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۳۵۱۔	القول الجمیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۳۵۲۔	قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار	محمد بن عبدالحہ لکھنوی انصاری	۱۳۰۴
۳۵۳۔	القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب	ابراہیم بن عبداللہ الیمنی	۱۳۰۴

ک

۳۵۴۔	الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۳۵۵۔	الکامل لابن عدی	ابو احمد عبداللہ بن عدی	۳۶۵
۳۵۶۔	الکبریت الاحمر	سید عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۳۵۷۔	کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۵۸۔	کتاب الآثار	امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۳۵۹۔	کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابوالمحاسن محمد بن علی	
۳۶۰۔	کتاب السواك	ابو نعیم احمد بن عبداللہ	۴۳۰
۳۶۱۔	کتاب الهدیة لابن عماد	عبدالرحمٰن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	۱۰۵۰
۳۶۲۔	کتاب الطهور لابی عبید		
۳۶۳۔	کتاب العلل علی ابواب الفقه	ابو محمد عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۳۶۴۔	کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۶۵۔	کتاب الوسوسة	ابو بکر بن ابی داؤد	
۳۶۶۔	کشف الاسرار	علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۶۷۔	کشف الرمز علامة المقدسی		
۳۶۸۔	کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبدالوہاب بن وہبان الدمشقی	۷۶۸
۳۶۹۔	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵
۳۷۰۔	الکفایة	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی	تقریباً ۸۰۰
۳۷۱۔	کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکّی	۹۷۳
۳۷۲۔	کنز الدقائق	عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
۳۷۳۔	الکنی للحاکم	ابو عبداللہ الحاکم	۴۰۵
۳۷۴۔	الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی	۷۸۶
۳۷۵۔	کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴
۳۷۶۔	کتاب المغازی	یحیٰی بن سعید القطان	۱۹۸

ل

۳۹۹۔	لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المصری	۷۱۱
۴۰۰۔	الآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ	ابوبکر عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۰۱۔	لواقح الانوار القدسیہ سید المنتخب من الفتوحات المکیہ	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳

م

۴۰۲۔	مبارق الازہار	الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن الملک	۸۰۱
۴۰۳۔	مبسوط خواہرزادہ	بکر خواہر زادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۴۰۴۔	مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۴۰۵۔	مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نورالدین علی الباقانی	۹۹۵
۴۰۶۔	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی	۹۸۱
۴۰۷۔	مجموع النوازل	احمد بن موسٰی بن عیسٰی	۵۵۰
۴۰۸۔	مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر	عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی شیخی زادہ	۱۰۷۸
۴۰۹۔	المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۴۱۰۔	المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۴۱۱۔	مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۱۲۔	مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبدالقادر الرازی	۶۶۰
۴۱۳۔	المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	۶۴۳
۴۱۴۔	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۵۔	مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبداللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۴۱۶۔	مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۴۱۷۔	مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان ملّا علی قاری	۱۰۱۴
۴۱۸۔	مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۹۔	مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۴۲۰۔	المستدرک للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۴۲۱۔	المستصفی شرح الفقہ النافع	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰

۴۴۷۔	الملتقط (فی فتاوٰی ناصری)	ناصرالدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶
۴۴۸۔	مجمع الزوائد	نورالدین علی بن ابی بکر الہیتمی	۸۰۷
۴۴۹۔	مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۴۵۰۔	المنتقٰی(فی الحدیث)	عبداللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۴۵۱۔	المنتقٰی فی فروع الحنیفہ	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۴۵۲۔	منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۴۵۳۔	منح الغفار	محمد بن عبداللہ التمر تاشی	۱۰۰۴
۴۵۴۔	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۴۵۵۔	منہاج النووی (شرح صحیح مسلم)	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۴۵۶۔	مجمع البحرین	مظفرالدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۴۵۷۔	المبتغیٰ	شیخ عیسٰی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۴۵۸۔	المبسوط	عبدالعزیز بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۴۵۹۔	مسند فی الحدیث	الحافظ ابوالفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰
۴۶۰۔	المسند الکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۴۶۱۔	منیۃ المصلی	سدیدالدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۴۶۲۔	موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۴۶۳۔	موارد الظمآن	نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۴۶۴۔	مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۴۶۵۔	مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۴۶۶۔	میزان الشریعۃ الکبرٰی	عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۴۶۷۔	میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۴۶۸۔	المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسیٰ ابن مردویۃ	۴۱۰
۴۶۹۔	مکارم اخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷
۴۷۰۔	مسند الامام اعظم	ابوحنیفہ نعمان بن ثابت	۱۵۰
۴۷۱۔	مؤطا الامام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی	۱۸۹

۴۷۲ـ	المسند فی الحدیث	حسن بن سفیان النسوی	۳۰۳
۴۷۳ـ	معالم السنن لابی سلیمان الخطابی	احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی	۳۸۸
۴۷۴ـ	مقامات حریری	قاسم ابن علی الحریری	۵۱۶
۴۷۵ـ	معالم التنزیل تفسیر البغوی	ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶
۴۷۶ـ	الملل والنحل	ابو الفتح محمد بن عبدالکریم الشہرستانی	۵۴۸
۴۷۷ـ	موضوعات ابن جوزی	ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی	۵۹۷
۴۷۸ـ	مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث	ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمٰن ابن الصلاح	۶۴۲
۴۷۹ـ	مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری	عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۴۸۰ـ	مدارک التنزیل تفسیر النسفی	ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۸۱ـ	المواقف السلطانیہ فی علم الکلام	عضدالدین عبدالرحمٰن بن رکن الدین احمد	۷۵۶
۴۸۲ـ	مقدمہ جزریہ	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۴۸۳ـ	مقاصد حسنہ	شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی	۹۰۲
۴۸۴ـ	المواہب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۴۸۵ـ	المنح الفکریہ شرح مقدمہ جزریہ	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۶ـ	المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۷ـ	ماثبت بالسنۃ	شیخ عبدالحق بن سیف الدین الدہلوی	۱۰۵۲
۴۸۸ـ	المیبذی	قاضی میر حسین بن معین الدین	۱۰۹۶
۴۸۹ـ	مسوی مصفی شرح موطا امام مالک	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۰ـ	مکتوبات شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۱ـ	مکتوبات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۲ـ	ملفوظات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۳ـ	معمولات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۴ـ	مخزن ادویہ فی الطب	محمد حسین بن محمد الہادی بہادر خاں	
۴۹۵ـ	مجموعہ فتاویٰ	ابوالحسنات محمد عبدالحی	۱۲۴۳
۴۹۶ـ	معیار الحق	سید نذیر حسین الدہلوی	۱۲۴۳

ضمیمہ
مآخذومراجع

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	انوار التنزیل فی اسرار التاویل	ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۸۵/۶۹۲/۶۹۱
	(تفسیر البیضاوی)	ھدیۃ العارفین	۱/۴۶۳
۲۔	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	ابو عمر یوسف بن عبداللہ النمری القرطبی	۴۶۲
۳۔	اوضح رمز علی شرح نظم الکنز	علی بن محمد ابن غانم المقدسی	۱۰۰۴
۴۔	الاستذکار	یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر الاندلسی	۴۶۳
۵۔	الافراد	علی بن عمر الدارقطنی	۳۸۵
۶۔	الایضاح فی شرح التجرید	امام ابوالفضل عبدالرحمٰن بن احمد الکرمانی	۵۴۳
۷۔	اسباب النزول	ابوالحسن علی بن احمد الواحدی	۴۶۸
۸۔	ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶
۹۔	انفاس العارفین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۰۔	انسان العین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۱۔	انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون	علی بن برہان الدین حلبی	۱۰۴۴
۱۲۔	ارشاد الطالبین	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۳۔	الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام	قطب الدین محمد بن احمد الحنفی	۹۸۹

۱۴۔	ارشادالساری الیٰ مناسک الملاعلی القاری	حسین بن محمد سعید عبدالغنی المکی الحنفی	
۱۵۔	الآداب الحمیدہ والاخلاق	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۶۔	الاربعین طائیہ	ابوالفتح محمد بن محمد الطائی الھمدانی	۵۵۵
۱۷۔	انیس الغریب	جلال الدین عبداللہ بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۸۔	الارشاد فی الکلام	امام ابوالمعالی عبدالملک ابن عبداللہ الجوینی الشہیر بامام الحرمین	۴۷۸
۱۹۔	افضل القراء بقراء ام القراء	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۲۰۔	الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الاخبار	محمد بن موسٰی الحازمی الشافعی	۵۸۴
ت			
۲۱۔	تلخیص الجامع الکبیر	کمال الدین محمد بن عباد الحنفی	۶۵۲
۲۲۔	تحفۃ الحریص فی شرح التلخیص	علی بن بلبان الفارسی المصری الحنفی	۷۳۹
۲۳۔	تقویۃ الایمان	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶
۲۴۔	تعلیم المتعلم	امام برہان الدین الزرنوجی	
۲۵۔	الترغیب والترھیب	ابوالقاسم اسمٰعیل بن محمد الاصبہانی	۵۳۵
۲۶۔	تذکرۃ الموتٰی والقبور	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۲۷۔	التثبیت عند التبییت	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۸۔	تلخیص الادلہ لقواعد التوحید	ابواسحٰق ابراہیم بن اسمٰعیل الصفار البخاری	۵۳۴
۲۹۔	تفہیم المسائل		
۳۰۔	تنبیہ الغافل والاسنان	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
ث			
۳۱۔	ثقفیات	ابوعبداللہ قاسم بن الفضل الثقفی الاصفہانی	۴۸۹
۳۲۔	ثواب الاعمال لابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴
ج			
۳۳۔	الجامع لاحکام القرآن (تفسیر طبّی)	ابوعبداللہ محمد ابن احمد القرطبّی	۶۷۱

ک

۸۳۔	کشف الغطاء مالزم لموتیٰ علی الاحیاء	محمد شیخ الاسلام بن محمد فخر الدین	
۸۴۔	کتاب اتباع الاموات	ابراہیم بن اسحاق الحربی	۲۸۵
۸۵۔	کتاب الدعوات	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۸۶۔	کتاب الثواب فی الحدیث	ابوالشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر	۳۹۹
۸۷۔	کشف النور عن اصحاب القبور	عبدالغنی نابلسی	۱۱۴۳
۸۸۔	کتاب الزہد	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۸۹۔	کتاب القبور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۹۰۔	کتاب الروضہ	ابوالحسن بن براء	
۹۱۔	کتاب الزہد	حافظ ہناد بن السریٰ التمیمی الدارمی	۲۴۳
۹۲۔	کتاب ذکر الموت		
۹۳۔	کتاب ادعیۃ الحج والعمرہ	قطب الدین الدہلوی	۱۲۸۹
۹۴۔	کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق	عبدالرؤف بن تاج الدین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۹۵۔	کتاب الخروج	قاضی امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی	۱۸۲
۹۶۔	کف الرعاع عن المحرمات اللہو والسماع	ابوالعباس احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴

ل

۹۷۔	لباب المناسک	شیخ رحمۃ اللہ بن قاضی عبداللہ السندی	۹۷۸

م

۹۸۔	منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
	مجموعہ خانی (فارسی)		
۹۹۔	مقامات مظہر وضمیمہ مقامات مظہر	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۱۰۰۔	مشارق الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۴

۹۹۔	مقامات مظہر وضمیمہ مقامات مظہر	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۱۰۱۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبید بن حمید الکشی	۲۴۹
۱۰۲۔	المنتقٰی فی احادیث الاحکام عن خیر الانام	احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ	۷۲۸
۱۰۳۔	منظومۃ النسفی فی الخلاف	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷
۱۰۴۔	معراج الدرایۃ فی شرح ہدایۃ	امام قوام الدین بن محمد الکاکی	۷۳۹
۱۰۵۔	المسند الصحیح فی الحدیث	ابو عوانہ یعقوب بن اسحٰق الاسفرائنی	۳۱۶
۱۰۶۔	مسند الشامیین		
۱۰۷۔	مدارج النبوۃ	شیخ عبد الحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۸۔	مجمع البرکات	شیخ عبد الحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۹۔	مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء	جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۰۔	مختصر تاریخ ابن عساکر	امام محمد بن مکرم المعروف بابن منظور	۷۱۱
۱۱۱۔	مائۃ مسائل	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۲۔	مسائل اربعین	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۳۔	مالابد منہ	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۱۴۔	مشکوٰۃ المصابیح	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب	۷۴۰
۱۱۵۔	متشق یادر منتقی فی شرح الملتقی	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۱۶۔	موضح القرآن ترجمۃ القرآن	شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۰
۱۱۷۔	مثنوی شریف فارسی منظوم	ملا جلال الدین محمد بن محمد بن محمد الرومی البلخی القونوی	۷۲۲
۱۱۸۔	مصطلحات الحدیث	علی بن السید محمد بن علی الجرجانی سید شریف	۸۱۶
۱۱۹۔	المقاصد فی علم الکلام	علامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی	۷۹۱
۱۲۰۔	مغنی المستفتی عن سوال المفتی	علامہ حامد آفندی	
۱۲۱۔	مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح	قطب الدین دہلوی	۱۲۸۹
۱۲۲۔	منۃ الجلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲
۱۲۳۔	مفتاح الغیب فی شرح فتوح الغیب	عبد الحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲

ن

۱۲۴۔	نافع فی الفروع	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۴۰۲

۱۲۵۔	نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰
۱۲۶۔	نصیحۃ المسلمین	خرم علی بلہوری	۱۲۷۱
۱۲۷۔	نفحات الانس من حضرات القدس	عبدالرحمٰن بن احمد الجامی	۸۹۸
۱۲۸۔	نسیم الریاض فی شرح شفاء قاضی عیاض	قاضی عیاض احمد بن محمد الخفاجی	۱۰۶۹
۱۲۹۔	النشر فی قراۃ العشر	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۳۰۔	نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر	احمد بن علی حجر القسطلانی	۸۵۲
۱۳۱۔	نفع المفتی والمسائل	مولوی عبدالعلی مدراسی	۱۳۰۶
۱۳۲۔	نوادر الاصول	ابوعبداللہ محمد بن علی حکیم الترمذی	۲۵۵
۱۳۳۔	نصاب الاحتساب فی الفتاوٰی	عمر بن محمد بن عوف الشامی	
۱۳۴۔	نور الشمعہ فی ظفر الجمعہ	علی بن غانم المقدسی	
۱۳۵۔	نظم الفرائد وجمع الفوائد فی الاصول	عبدالرحیم بن علی الرومی المعروف شیخ زادہ	۹۴۴
۱۳۶۔	نافع شرح قدوری		
۱۳۷۔	نامِ حق	شرف الدین بخاری	
۱۳۸۔	نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار	شمس الدین احمد بن قورد المعروف بقاضی زادہ	۹۸۸
و			
۱۳۹۔	وفیات الاعیان	شمس الدین احمد بن محمد ابن خلکان	۶۸۱
۱۴۰۔	واقعات المفتیین		۳۲۵
۱۴۱۔	وفاء الوفا	نور الدین علی بن احمد السمہودی	۹۱۱
ھ			
۱۴۲۔	ہوامع	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۳۔	ہمعات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹